از کتاب الاکراہ تا کتاب التوحید

آخری جلد

الفیض الجاری فی دروس البخاری

افادات درس صحیح بخاری

محدث عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات





الفیض الجاری

فی

دروس البخاری

آخری جلد

از کتاب الاکراہ تا کتاب التوحید

افادات درسِ صحیح بخاری

محدث عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ضبط و ترتیب

مولانا محمد ایوب سورتی
خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37355743



بسم الله الرحمٰن الرحیم



مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

الفیض الجاری فی دروس البخاری

آخری جلد

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور



اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

عرض مرتب

بسم اللہ العلیم الفتاح، و أصلی علی نبیہ محمد الذی ہو نور الھدایۃ و المصباح

امابعد! بغیر کسی تمہیدی طویل گفتگو کے عرض ہے کہ اللہ تعالی کا بے حد شکر اور کرم ہے کہ اس نے اس عاجز فقیر کو جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کی چہار دیواریوں میں طلب علم کے لئے بھیجا اور وہاں کی مقتدر علمی شخصیات سے استفادہ کو آسان کر دیا، بالخصوص دورۂ حدیث شریف کے میرے تمام ہی محبوب و عظیم اساتذۂ کرام میں جو انتہائی محنت اور جد وجہد اور کامل یکسوئی کے ساتھ پڑھاتے تھے، بہت ہی قابل قدر اور معظم شخصیت جنکے درس نے احقر کو غیر معمولی فائدہ پہونچایا اور جنکے انفاس قدسیہ کے فیض سے مجھے حدیث شریف سے شغف اور تعلق بڑھ گیا وہ استاذ گرامی محدث عصر محقق زمانہ فنافی حدیث رسول اللہ حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تھے، احقر کو دوران تعلیم انکے درس کے ضبط کی سعادت ملی پھر یہی ضبط ان سے ربط اور تعلق میں اضافہ کا ذریعہ بن گیا کہ فراغت علمیہ سے لیکر وفات تک ان سے راہ ورسم اور عقیدت و محبت قائم رہی۔

انہی استاذ مخدوم محدث عصر کے درس بخاری شریف کو ضبط تحریر میں لاکر اسے قابل افادہ و اشاعت بنانا میرے پینتیس سالہ خواب کی تعبیر ہے، احقر اس وقت سے جب کہ جسمانی قوتیں اپنے شباب پر تھیں، دل و دماغ حاضر تھا اس کو تیار کرنے پر منتیں کرتا رہا، مگر حضرۃ الاستاذ رحمہ اللہ کا ایک ہی جواب ہوتا کہ یہ تو میں نے اپنے فائدہ کے لئے لکھوائی ہیں اسے چھاپ کر کیا کروگے، جس زمانہ قدیم میں فلاح دارین میں مدرس تھا اس وقت بھی خطوط کے ذریعہ اور زبانی درخواست کرتا رہا مگر حضرت کا انکار ہی رہا، پھر اصرار سے مغلوب ہو کر آج سے چونتیس سال قبل شوال ۱۴۰۴ھ میں حضرت نے وہ خط لکھا جو احقر نے الفیض الجاری جلد اول کی طباعت میں شائع کر دیا، آخر الامر ٦ شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱ جولائی ۲۰۱۷ء بروز منگل اس دنیا سے ہی عزم سفر کر لیا، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

مگر اتنی بات ہمت بڑھانے کے لئے کافی تھی کہ حضرت کی حیات میں احقر نے جب کتاب التوحید کو شائع کر دیا اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ اس حقیر نے اپنی مدت تدریس حدیث شریف اور بالخصوص بخاری شریف کی تدریس کے دوران انکے درس میں ضبط کردہ ارشادات و افادات قیمہ سے بہت فائدہ اٹھایا، اور ابھی

دو سال قبل جب احقر کو دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات میں بخاری شریف کے آخری دس پارے پڑھانے کے لئے دیئے گئے تو گو اس سے پہلے متعدد بار بخاری شریف پڑھا چکا تھا مگر کتاب کا آخری حصہ کتاب التوحید اور اس سے پہلے کتاب الاکراہ و کتاب الحیل کو حل کرنے میں بہت سی شروح دیکھنے کے بعد بھی بخاری شریف کی بعض عبارات کے عمدہ حل اور بعض تراجم و ابواب کی صحیح غرض کو سمجھنے میں کچھ تشنگی محسوس کر رہا تھا جس پر احقر نے حضرۃ الاستاذ کے ایک سال کے درس کو (جس کا ٹیپ ریکارڈ مجھے مل گیا تھا) سننا شروع کیا، بس جیسے ہی سنتا گیا پوری کتاب حل ہوتی گئی اور تراجم بخاری کے اغراض اور روایات کی ترجمۃ الباب سے مناسبت پر شرح صدر ہوتا گیا، اور پھر احقر نے دل کے تقاضے سے مجبور ہو کر اسے ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیا، الحمد للہ باوجود دیگر مشاغل کے چند ماہ کی محنت میں اسے بعینہ نقل کر لیا گیا اور پھر کتابت کروا کر اسکی تصحیح کر لی۔

اگر چہ یہ کام میں نے اپنے ذاتی استفادہ کیلئے کیا تھا مگر میرے قلب نے مجھے مجبور کر دیا کہ اپنے محبوب استاذ کے اس تراث علمی سے اوروں کو بھی نفع پہونچاؤں، کتنے حدیث کے اساتذہ اور بالخصوص جوان العمر فضلاء ایسے ہونگے جو ان گتھیوں کو حل کرنے میں پریشان ہونگے اور یہ افاضات انکی علمی سیرابی کا باعث بن جائینگے۔

گو طبیعت میں سخت پریشانی یہ بھی رہی کہ حضرۃ الاستاذ اسکو شائع کرنے کی اجازت نہ دیں اور سخت ناراض ہونگے لیکن مضمون کی افادیت اور بعض محقق اہل علم کا اصرار اسکی طباعت اور اشاعت پر مجبور کر رہا تھا اور یہ بھی توقع تھی کہ حضرت کی موجودگی میں اسکی اشاعت سے ہونے والی غلطیوں کی اصلاح ہو جائیگی اور مفید مشورے مل جائیں گے۔

چنانچہ اللہ کا نام لے کر اسے شائع کر دیا اور حضرت کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا تو اولاً استنکار و استعجاب رہا مگر جب کتاب کھلوا کر مضامین سنے اور اپنی زبان سے بیان کردہ بہت سی مفید علمی بحث اپنے ہی کانوں سے خود سن لی تو اچانک انشراح اور بشاشت پیدا ہو گئی، خوشی اور مسرت کے آثار چہرے پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ یہ سب باتیں تو میں جوانی میں بیان کرتا تھا اور جب اس کے کافی نسخے حضرت کو پہونچائے گئے تو آپ نے اپنے خصوصی تلامذہ اور مستفیدین کو خود عطاء فرمائے۔

اس کے بعد احقر نے کتاب الاکراہ اور کتاب الحیل کا درس (جو صحیح بخاری کے مشکل ترین مقامات میں ہے اور جس میں قال بعض الناس کا کثرت سے استعمال ہوا اور اس کا حل کرنا شراح و محققین کے نزدیک بڑے

دل گردہ کا کام رہا) کیسیٹوں سے کاغذ پر منتقل کیا اور اس کی کتابت کرا کر بعض خواص اہل علم کو جو بخاری شریف پڑھا رہے تھے پیش کیا تو انہوں نے اس کی بیحد قدردانی کی اور مفید جانا جس پر اس کی طباعت کا خیال ہوا، اسی کے ساتھ آخر کے چند ابواب کتاب الاحکام وغیرہ بھی نہایت مہتم بالشان اور قابل حل مضامین تھے ان کو بھی اسی میں شامل کرنے کا خیال ہوا، اس طرح کتاب الاکراہ سے آخر تک بشمول کتاب التوحید ایک مکمل جلد میں بخاری شریف کے ۱۰۰ سے زیادہ صفحات کی بہترین شرح ہو گئی، اور سردست الفیض الجاری کی جلد اول کی طباعت کے فوراً بعد اس کی سب سے آخری جلد کی طباعت کا ارادہ کر لیا جو آپ کے سامنے پیش ہے، اس لئے کہ آخری حصہ میں عموماً شروح کتب میں اختصار ہو جاتا ہے اور طلبہ کے لئے فہم مراد مشکل ہوتی ہے۔

آئندہ درمیان کی جلدیں جیسے جیسے تیار ہوتی جائیں گی بتوفیق اللہ تعالی طباعت ہوتی رہے گی، اللہ تعالی احقر کی مدد فرمائے اور کام کو آسان فرمائے۔

ناظرین و مستفیدین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مفید مشوروں سے اور کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جائے۔

چند ملاحظات،

۱) یہ درس بخاری ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء کا ہے جس کو ایک افریقی طالب عالم مولوی عبدالعزیز دوکراٹ مرحوم (جو کئی برس پہلے وہاں شہید کر دئے گئے) نے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کیا تھا، آج سے پندرہ سولہ برس پہلے احقر نے ساوتھ افریقہ کے سفر میں عزیز گرامی مولانا حسن دوکراٹ کے واسطے سے مرحوم کی اہلیہ سے حاصل کیا اور مولانا داؤد واوڑا کے تعاون سے اسے نقل کیا گیا، اللہ تعالی اس کو مرحوم کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے اور ان معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کے بعد مختلف سالوں میں طلبہ نے اپنے اپنے طور پر درس کو ضبط کیا ہے مگر یہ درس بہت صاف تھا اور اسے نقل کرنا آسان تھا اس لئے اسے منتخب کیا گیا، اس درس کی بعض کیسیٹیں مرور زمانہ سے کچھ ناقابل فہم ہو گئیں اور بعض غائب بھی ہوئیں تو اس کی تلافی دوسرے سالوں کی کیسیٹ سے کی جارہی ہے، اس نقل کرنے کے لئے عزیزی مولوی سلمان احمد آبادی فلاحی کی خدمات حاصل کی گئی اور وہ ماشاءاللہ یکسوئی اور مستعدی سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

۲) کتاب میں ہر باب پر ہندوستانی مطبوعہ بخاری شریف کے صفحات نمبر لکھ دیے گئے ہیں، اور رقم الحدیث اور بخاری کی عبارت بیروت کے طبع شدہ نسخوں سے نقل کی گئی ہے۔

۳) یہ درس بخاری شریف کے آخری حصے کا ہے اس کی اکثر روایات مع اس کی شرح کے ماقبل میں گذر چکی ہیں اس لئے یہاں لفظ لفظ کی شرح اور ترجمہ کا اہتمام نہیں کیا گیا، بلکہ مقصود باب کی غرض وغایت اور روایت سے اسکا طریقہ استنباط پیش کرنا ہے، سال کے آخری حصہ میں زیادہ تر اسی کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور یہی ہمارے پیش نظر ہے۔

۴) تفصیلی مضامین کی فہرست صرف کتاب التوحید کی پہلے سے تیار تھی اسے شامل کیا گیا بقیہ ابواب کی فہرست تیار کرنے کا موقع نہیں ملا، اللہ نے چاہا تو دوسری طباعت کے موقع پر۔

۵) یہ درس جیسا کہ عرض کیا ۱۴۰۲ ہجری مطابق ۱۹۸۲ کا ہے، اس وقت حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے اس لئے ان کا نام لیتے وقت دامت برکاتہم کہا گیا ہے، اس کو اسی طرح باقی رکھا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرۃ الاستاذ کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات قرب میں اضافہ فرمائے اور حضرت کے تراث علمی کو عام اور تام اور قبول فرمائے اور اس مجموعہ کو بھی قبول فرمائے، آمین۔

والسلام

محمد ایوب سورتی

خادم حدیث نبوی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات انڈیا

وخادم مجلس دعوۃ الحق لیسٹر یوکے، و مجلس دعوۃ الحق سورت،

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۲۰۱۷ء

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے باوقار اساتذہ اور مباحث شرعیہ کے مستند باحثین میں شامل ہیں، حضرۃ الاستاذ مولانا محمد یونس صاحب کو ان پر بڑا اعتماد حاصل تھا، حضرت کی حیات میں ہی کتاب التوحید پر ان کے تاثرات قلبیہ کو شامل کیا گیا، اب جب درس بخاری شریف کی آخری جلد بنام الفیض الجاری فی دروس البخاری (جس میں کتاب التوحید بھی شامل ہے) شائع کی جارہی ہے تو ان سے مزید کچھ لکھنے کی درخواست کی گئی جس پر مولانا کی باصرہ نواز تحریر موصول ہوئی لہذا تاثرات قلبیہ کے بعد اسے بھی بطور تعارف شامل کیا جارہا ہے، از مرتب۔

تاثرات قلبیہ

صاحب علم و قلم حضرت مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين محمد بن عبد الله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين

اما بعد، اسلام کی تاریخ میں علوم وفنون کی جامع شخصیات کی طویل فہرست ہے، ہر دور میں کچھ نہ کچھ جامع العلوم والفنون قد آور شخصیات ہوا کرتی تھیں، تذکرہ وتراجم اور رجال کی کتابیں ایسی شخصیات کے تذکروں سے مالا مال ہیں، اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ہندوستان میں بھی تقریباً ہر دور میں ایسی جامع العلوم والفنون شخصیات ظاہر ہوتی رہیں۔ علوم وفنون کی جامعیت اور گہرائی اللہ جل شانہ کا خصوصی عطیہ ہے جس سے اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو سرفراز کرتا ہے۔

دور اخیر میں برصغیر ہندوپاک میں اس کی ایک نمایاں مثال حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اللہ تعالی نے انھیں خارق عادت قوت حافظہ، فہم و فراست اور علم میں فنائیت سے نوازا تھا، ان کی پوری زندگی تدریس حدیث میں گذری، تصنیف و تالیف کی طرف حضرت کی خاص توجہ نہیں تھی، چند مختصر رسائل بعض خاص محرکات کی بنا پر شاگردوں کے اصرار پر تصنیف فرمائے، اگر فیض الباری اور العرف الشذی کی صورت میں ان کے درسی افادات شاگردوں نے ترتیب کرکے شائع نہ کر دئے ہوتے تو علامہ انور شاہ کشمیری کے علوم سے دنیا محروم ہو جاتی۔

ہمارے دینی مدارس میں ماہر فن اساتذہ نادر ہوتے جارہے ہیں، اساتذہ کی معراج فی الحال یہی ہے کہ درسی کتابوں کو حل کرلیں اور طلبہ کو اچھی طرح سمجھا کر پڑھادیں، فن پڑھانے والے اور فن پر عبور رکھنے والے اساتذہ خال خال ہی کہیں نظر آتے ہیں، جامع فنون اساتذہ تو کبریت احمر سے بھی زیادہ نایاب ہیں۔

میری نظر میں اس دور اخیر میں ایک جامع العلوم والفنون شخصیت حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور دامت برکاتہم کی ہے، ان کا علمی فیضان ان کے حلقۂ درس تک محدود تھا، ان کے شاگرد ان کی جامعیت اور

علمی فنائیت کے بارے میں رطب اللسان تھے لیکن باہر کی علمی دنیا ان کے فیض علمی سے محروم تھی، ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب زید مجدھم نے حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم کے تحریری افادات الیواقیت الغالیہ فی الاحادیث العالیہ کے نام سے چار جلدوں میں شائع کر کے شیخ کے علوم کی عطر بیز خوشبو دور دور تک پہنچادی اور استفادہ آسان کر دیا، اللہ تعالی انھیں اجر عظیم عطا فرمائے اور حضرت شیخ کے گراں قدر علوم کو مزید شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم کی زندگی کا بڑا حصہ بخاری شریف کی تدریس اور خدمت میں گذرا ہے، ان کے باتوفیق شاگردوں نے ان کے درسی افادات حرف بہ حرف قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے اور خود حضرت شیخ نے صحیح بخاری کے مختلف مقامات کو حل کرنے کے لئے اپنے نسخۂ بخاری پر بے شمار فوائد و نوٹس تحریر فرمائے ہیں، یہ سب چیزیں جب مرتب ہو کر علمی دنیا کے سامنے آئیں گی تو انشاء اللہ تعالی علوم اسلامیہ خصوصاحدیث و علوم حدیث کا نیا گلستاں اپنی خوشبو بکھیرے گا اور بے شمار علمی گتھیاں حل ہوں گی۔

سر دست میرے پیش نظر حضرت شیخ دامت برکاتہم کے درس بخاری کا آخری حصہ ہے جو کتاب التوحید و الرد علی الجہمیہ و غیرہم کے بارے میں ہے، یہاں پہنچ کر عموما اساتذہ حد درجہ اختصار سے کام لیتے ہیں اور منزل کو پالینے کی بے صبری انھیں تیز گامی پر مجبور کرتی ہے لیکن حضرت شیخ دامت برکاتہم کے درس کے اس حصہ نے میری آنکھیں کھول دیں اور میں حیرت زدہ رہ گیا، علم کلام کے الجھے ہوئے مباحث کو جس طرح انھوں نے سلجھایا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے، صفات باری کے موضوع کو منقح کر کے رکھدیا ہے، توحید اور صفات باری میں اشاعرہ، ماتریدیہ، سلف امت، معتزلہ، خوارج، روافض، مجسمہ، معطلہ وغیرہ کے مواقف اور دلائل کو بڑے آسان انداز میں پیش فرما کر صراط مستقیم کی نشاندہی فرمائی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ درس بخاری کا یہ مختصر سا حصہ علم کلام کے ہزاروں صفحات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، اس مختصر حصہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر حضرت شیخ دامت برکاتہم کا مکمل درس بخاری شریف شائع ہو جائے تو علوم اسلامیہ کے میدان میں گراں قدر اضافہ ہوگا، خصوصاحدیث، علوم حدیث اور رجال حدیث کے میدان میں بڑی وقیع اور قابل رشک خدمت علمی دنیا کے سامنے آئے گی، اللہ تعالی حضرت شیخ دامت برکاتہم کو صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور ان کے شاگردوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ حضرت کے علوم و افادات کو تیزی کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے لائیں۔

محتاج دعا عتیق احمد بستوی

وارد حال جامعۃ العلم والہدی بلیک برن برطانیہ

۲۸/۵/۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افسوس! دور حاضر کے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرما گئے اور اپنے لاکھوں عقیدت مندوں اور شاگردوں کو گریاں و بریاں چھوڑ گئے، اہل علم و فضل اور اہل معرفت و احسان کی محفلیں سونی اور اداس ہیں، علوم اسلامیہ کے اس کوہ کن کے بعد اس کا کوئی ہم پایہ نظر نہیں آتا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد سب سے اہم اور فوری کام یہ ہے کہ ان کے علوم وافکار، دروس و افادات، مضامین و تحقیقات کو مرتب اور محفوظ کر دیا جائے اور انہیں اعلیٰ معیار پر زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے، یہ کام بنیادی طور پر حضرت شیخ کے ممتاز ترین تلامذہ ہی کر سکتے ہیں، الحمد للہ اُن کے تلامذہ کی صف میں ایسے متعدد اہل فضل و کمال ہیں جو اس عظیم کام کو انجام دے سکتے ہیں اور جن پر حضرت شیخ کو بھرپور اعتماد و اطمینان تھا۔

ان میں سر فہرست حضرت مولانا محمد ایوب سورتی دامت برکاتہ ناظم مجلس دعوۃ الحق لیسٹر (برطانیہ) ہیں جنھوں نے حضرت شیخ کی حیات مبارکہ میں الیواقیت الغالیۃ کی چار ضخیم جلدیں مرتب اور شائع کر کے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و تحقیقات کو وقف عام کر دیا اور علوم اسلامیہ کا گراں بہا خزینہ اہل علم کی دسترس میں دے دیا اور حضرت شیخ کی دعاؤں سے نہال ہوئے۔

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب نے سنہ ۱۹۷۲ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی اور بڑے اہتمام کے ساتھ پورے سال اپنے استاذ کا درس حرف بہ حرف قلمبند کیا، اس وقت حضرت شیخ جوان تھے، بڑی تفصیل اور تحقیق کے ساتھ درس دیا کرتے تھے، شاگرد رشید نے استاذ گرامی کی ہر بات دوران درس قلمبند کی اور گیارہ ضخیم کاپیوں میں ان دروس کو محفوظ کر لیا، حضرت شیخ نے ان کاپیوں کو ملاحظہ فرما کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ ان کاپیوں کی نقل انہیں فراہم کر دی جائے۔

حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل میں شاگرد نے چند کاپیوں کی نقل حاضر خدمت کی، یہ کاپیاں کافی عرصہ حضرت شیخ کے پاس رہیں، شیخ نے انہیں بار بار ملاحظہ فرما کر اس میں حذف و اضافے کئے، الفاظ و تعبیرات کی تبدیلیاں کیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاحظہ فرمودہ یہ کاپیاں جناب مولانا محمد ایوب صاحب زید مجدہم کے پاس موجود ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس بخاری کا معتبر ترین نسخہ جناب مولانا محمد ایوب سورتی زید مجدہم کے پاس محفوظ ہے۔

میری تمنا اور دعا ہے کہ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سورتی مدظلہ العالی کا قلمبند اور مرتب کیا ہوا درس بخاری جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ ہو جائے تاکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نادر تحقیقات سے استفادہ آسان ہو۔

اسی طرح درس بخاری کا بالکل آخری حصہ جو کتاب التوحید والرد علی الجهمية وغيرهم سے متعلق ہے، حضرت مولانا محمد ایوب زید مجدہم نے سنہ ۲۰۱۶ء میں شائع کیا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ سے گزرا تو حضرت شیخ نے پسند فرمایا اور اپنے شاگرد رشید کو بھرپور دعائیں دیں۔

الحمد للہ درس بخاری کا یہ آخری حصہ چند مزید کتابوں (کتاب الاکراہ، کتاب الحیل، کتاب الأحکام وغیرہ) کے اضافے کے ساتھ دوبارہ شائع ہونے جارہا ہے، یہ مباحث فقہ واصول فقہ سے زیادہ متعلق ہیں، درس کے اس حصہ کا مطالعہ کرکے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ واصول فقہ میں بھی انکی نظر بڑی وسیع ودقیق ہے، صرف فقہ حنفی کے اصول و فروع پر عبور نہیں ہے بلکہ پورے فقہ اسلامی (خصوصا ائمہ اربعہ کی فقہ واصول فقہ) کا عظیم ذخیرہ ان کے پیش نظر ہے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے پوری فنی مہارت کے ساتھ متعلقہ فقہی واصولی مباحث کا خلاصہ وتجزیہ دوران درس طلبہ کے سامنے پیش فرمادیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی ذوق ومزاج ان کتب میں زیادہ واضح ہوکر سامنے آیا ہے اور ان پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات ونکتہ آفرینیوں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے، زیر نظر مجوعہ کی اشاعت سے علم حدیث، علم کلام اور علم فقہ واصول فقہ میں گراں قدر اضافہ ہوگا اور ان علوم میں حضرت شیخ کی مہارت وامامت کا اندازہ لگایا جاسکے گا۔

محتاج دعا عتیق احمد قاسمی بستوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو
وارد حال مجلس دعوۃ الحق لیسٹر برطانیہ
۶/۱۲/۲۰۱۷ء

فہرست ابواب

کتاب التوحید والرد علی الجھمیۃ وغیرھم

تفصیلی فہرست عنوانات ومضامین کتاب التوحید


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الإکراہ (ص ۱۰۲۶)

اکراہ باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں لغت میں کسی کو اس کی ناپسند شئ پر مجبور کرنا حمل الغیر علی شئ یکرھہ اور اصطلاح میں ایک فعل ہے جو مکرِہ کی طرف سے پایا جاتا ہے اور مکرَہ کے اندر ایک ایسے معنی پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اکراہ کے تحقق کے واسطے علماء نے کچھ شرائط بیان کئے ہیں۔

(۱) مکرِہ قادر ہو اور مکرَہ عاجز ہو حتی کہ بھاگ بھی نہیں سکتا ہو۔

(۲) جس چیز کی دھمکی دی جاری ہے اس کے تحقق کا ظن غالب ہو یعنی جس چیز سے مکرِہ ڈرا رہا ہے وہ اس کو کر گذرے گا یوں ہی لفظی جمع خرچ نہیں کر رہا ہے۔

(۳) فوری ہو یعنی وہ یہ کہے کہ ابھی تو یہ کر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا یا تیرا ہاتھ کاٹ دوں گا، یا اچھی طرح تیری پٹائی کروں گا، اور اگر یہ کہتا ہے کہ تو یہ کام ابھی کر ورنہ دو دن کے بعد یا ایک ماہ بعد تجھے قتل کر دوں گا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اِکراہ اس صورت میں متحقق نہیں ہوگا اس لئے کہ اسے بھاگ جانے کا موقع ہے۔

(۴) مکرَہ پہلے سے اس سے ممتنع ہو۔

(۵) مکرَہ اپنی طرف سے کوئی رضا ظاہر نہ کرے، مثلاً اگر مکرِہ نے کسی کو زنا پر مجبور کیا اور اس نے زنا شروع کر دیا۔ ایلاج کے بعد مکرَہ کے پاس سے مکرِہ چلا گیا تو فوراً وطی سے علیحدہ ہو جانا چاہئے، اور اگر یہ بعد میں بھی مشغول رہا تو اس صورت میں اکراہ کا تحقق نہیں ہوا بلکہ اس نے شہوت پوری کرنے کے لئے اپنی رضا سے کیا ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اکراہ کے تحقق کے لئے صرف وعید کافی ہے یا بالفعل مکرَہ کو سزا دینا ضروری ہے، امام احمد کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں:

(۱) یہ کہ وہ فعل جس کی دھمکی دی جاری رہی ہے اس کا ایقاع ضروری ہے تب اکراہ کا تحقق ہوگا، چنانچہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو کفار نے پانی میں ڈبویا تھا اور ان کا گلا دبادیا تھا اور یہ کہا تھا کہ تم کفر کرو ورنہ یہ کریں گے وہ کریں گے اس پر انہوں نے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے اور سارا واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا: إن عادوا فعد، اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی کلمۂ کفر زبان سے کہہ دینا کوئی حرج کی بات نہیں، دل مطمئن ہونا چاہئے۔

(۲) لیکن اسحاق بن منصور نے امام احمد سے یہ نقل کیا ہے کہ محض وعید کافی ہے یہی امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء کا مسلک ہے، اور یہ کھلی ہوئی بات ہے اس لئے کہ جو عذاب ہو چکا وہ تو ہو چکا اب اس سے بچنے کی کیا صورت ہے، مکرَہ کو تو وہ فعل کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جس پر مکرِہ مجبور کرتا ہے اور وہ اپنی جان بچانا چاہتا ہے تاکہ اس کو قتل نہ کیا جائے مار پیٹ نہ کیا جائے۔

اس کے بعد یہ سنو! ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ اکراہ کا تحقق اس وقت ہوگا جب اس کو اپنی جان کے بارے میں دھمکی دی جائے اور اگر غیر کی جان کے بارے میں دھمکی دی جائے تو اکراہ کا تحقق نہیں ہوگا حتی کہ ماں باپ کے مسئلہ میں جمہور احناف کی رائے یہ ہے کہ اکراہ کا تحقق نہیں ہوگا مگر محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ تحقق ہو جائے گا، مثلاً ایک آدمی کسی سے یہ کہے کہ تو یہ کام کر ورنہ تیرے باپ کو قتل کر دیں گے یا تیرے بیٹے کو قتل کر دیں گے یا ان کی سخت پٹائی کریں گے تو اس صورت میں محقق ابن ہمام کے یہاں اکراہ محقق ہو جائے گا، اس واسطے کہ بعض مرتبہ انسان کو اپنے ماں باپ یا اپنی اولاد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں، امام احمد کے یہاں بھی اکراہ فی حق الولد کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اگر بیٹے کے بارے میں دھمکی دی تو اکراہ کا تحقق نہیں ہوگا، دوسری یہ کہ تحقق ہو جائے گا، علامہ موفق ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ یہی روایت راجح ہے۔

پھر اکراہ کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب قتل کی یا قطع عضو کی دھمکی دی جائے یا ضرب شدید یا حبس طویل کی دھمکی دی جائے۔

آیا ضرب و حبس یسیر کی دھمکی دی جائے مثلاً دو کوڑے ماروں گا یا ایک دن جیل میں رکھوں گا، تو اس صورت میں اکراہ کا تحقق ہوگا یا نہیں؟ شافعیہ کے اس میں دونوں قول ہیں، بقولے تحقق ہو جائے گا اور بقولے تحقق نہیں ہوگا؛ حنفیہ اور حنابلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شریف شخص کے بارے میں دھمکی دی جائے تب تو اکراہ کا تحقق ہو جائے گا، اس واسطے کہ صاحب منصب کے لئے ایک دن کی قید اور ایک کوڑا مار دینا بھی بہت بڑی رسوائی اور ذلت کا سبب بنتا ہے، بر خلاف اراذل کے کہ ان کو دو چار دس کوڑے لگا دینے اثر انداز نہیں ہوتے، اگر مال یسیر لینے کی دھمکی دی گئی ہو تو موفق فرماتے ہیں کہ اس سے اکراہ کا تحقق نہیں ہوگا۔

سبّ و شتم کی صورت میں اکراہ کا تحقق ہوگا یا نہیں؟ یعنی یہ کر ورنہ ابھی تجھے اِدھر اُدھر کی سناؤں گا علامہ موفق فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اکراہ کا تحقق نہیں ہوگا، وھی روایة واحدة عن أحمد یعنی اس میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے، اراذل کے بارے میں تحقق نہیں ہوگا مگر اشراف کے حق میں تحقق ہو جائے گا، اس لئے کہ انہیں تو اس سے بھی شدید غم ہوتا ہے۔

سنا ہے کہ کسی زمانہ میں لکھنؤ کے کسی نواب کو موت کی سزا دینی تھی لیکن وہ سزا کس طرح دی جائے فتنہ کا بھی اندیشہ تھا تو کسی شخص نے یہ مشورہ دیا کہ ان کو کرسی پر بٹھا دیا جائے اور سامنے سے بھنگن کو کہہ دیا جائے کہ وہ غلاظت کا ٹوکرا لیکر گذر جائے چنانچہ یہی کیا گیا بھنگن سامنے سے گذری اور ان کے دماغ کی رگ پھٹی اور اسی وقت مر گیا، تو اشراف تو ایسے ہوتے ہیں کہ بھنگن کا سامنے سے گذرنا بھی جان لیوا ہوتا ہے تو گالی دے دینا اور بُرا بھلا کہہ دینا کیوں نہ ان کے لئے موجبِ اکراہ ہوگا۔

پھر فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ اکراہ کی دو قسمیں ہیں، اکراہِ تام جسے اکراہِ ملجی کہا جاتا ہے اور اکراہِ قاصر جسے اکراہِ ناقص اور اکراہِ غیر ملجی کہا جاتا ہے، اکراہِ تام کا تحقق تو تب ہوگا جب قتل یا قطع عضو یا ضربِ مبرح کی دھمکی دی جائے جس کی وجہ سے آدمی کا اختیار فاسد ہو جاتا ہے اور رضا فوت ہو جاتی ہے، اور اکراہِ غیر ملجی کا تحقق ضرب اور قید اور حبس طویل سے ہوتا ہے، البتہ اشراف کے حق میں ضربِ یسیر اور حبس قصیر سے بھی تحقق ہو جائے گا اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ رضا فوت ہو جاتی ہے اختیار فاسد نہیں ہوتا۔

اکراہِ ملجی اور غیر ملجی کا اثر ان افعال میں ظاہر ہوگا جس پر مکرَہ کو مجبور کیا جا رہا ہے، بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ حالتِ اختیار میں ان کی اجازت نہیں اور حالتِ اضطرار میں ان کی اجازت ہوتی ہے مثلاً کلمۂ کفر

کہنا حالتِ اختیار میں ناجائز ہے، اور با اختیار اگرچہ دل کے ارادہ سے نہ کہے، اگر بر سبیل حکایت وضرورت نہیں ہے تو وہ آدمی کافر ہو جائیگا اور اضطرار و مجبوری کی حالت میں کہتا ہے حکایت و نقل کے طور پر تو اس صورت میں کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے اکل میتہ اور شربِ خمر اختیار کی حالت میں جائز نہیں اضطرار کی حالت میں جائز اور مباح ہے، تو جہاں اکراہ ملجی کا تحقق ہوگا وہاں ان اشیاء کے اختیار کرنے کی اجازت دی جائیگی اگرچہ افضل یہ ہے کہ آدمی زبان سے کلمۂ کفر نہ کہے چاہے جان چلی جائے، اور شربِ خمر و اکل میتہ کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ آدمی جان بچانے کی صورت میں ان کا تناول کرلے اور اگر تناول نہیں کرے گا تو حنفیہ اور مالکیہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی کہ یہ شخص گنہگار ہوگا.

اور اکراہِ غیر ملجی کا اثر ان تصرفات میں پڑتا ہے جن کا دارومدار رضا پر ہے جیسے بیع وشراء کہ ان کی تکمیل رضاءِ جانبین سے ہوتی ہے، اب اگر کسی آدمی کو مجبور کیا گیا کہ تم اپنا مال فروخت کردیا فلاں چیز خریدو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ کریں گے وہ کریں گے تو اس صورت میں اس کے لئے خریدنے اور بیچنے کا جواز نکل آئے گا اور عقد منعقد ہو جائے گا کیوں کہ عقد پایا گیا ایسے شخص سے جس کے اندر اہلیتِ عقد ہے اور ایسی جگہ میں جس کے اندر محلیتِ عقد کی صلاحیت ہے البتہ رضا کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ عقد تام نہیں ہوگا بایں معنی کہ لازم نہیں ہوگا، اکراہ کے زوال کے بعد مکرَہ کو اختیار ہوگا چاہے تو اس معاملہ کو باقی رکھے یا فسخ کردے۔

مثلاً زید نے عمرو کو مجبور کیا کہ تو اپنی گھڑی فروخت کرورنہ ہم تیرا ہاتھ کاٹ دیں گے تو اس صورت میں وہ اپنی گھڑی فروخت کرسکتا ہے اور فروخت کردیا تو بیع محقق ہوگئی البتہ یہ بیع لازم نہیں ہوگی زوالِ اکراہ کے بعد عمرو کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ بیع کو فسخ کردے اور کہہ دے کہ میں بیع پر راضی نہیں ہوں۔

ہمارے فقہاء ارشاد فرماتے ہیں کہ اکراہ اپنی ساری انواع کے اعتبار سے منافیٔ اہلیت نہیں ہے، انسان کی اہلیت بہرحال باقی رہتی ہے لہٰذا وہ جو تصرفات کرے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا بس فرق اتنا ہوگا کہ اگر اکراہِ تام ملجی پایا جائے گا تو نسبت تبدیل ہو جائے گی، مثلاً ایک آدمی کسی کو قتل کی دھمکی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تو زبان سے کلمۂ کفر نہیں کہے گا تو میں تجھ کو قتل کردوں گا تو اس صورت میں اسکو زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ دل مطمئن بالایمان ہو، اور یہ کلمۂ کفر کہنا گو مکرَہ کی زبان سے متحقق ہورہا ہے لیکن اس کی نسبت

تبدیل ہو جائے گی، اور مکرِہ کی طرف منسوب ہو گا، گویا یہ کہا جائے گا کہ مکرَہ نے کلمۂ کفر کہا ہی نہیں بلکہ مکرِہ نے کہا، اور اگر اکراہ تام نہیں ہے تو اس صورت میں صرف رضا پر اثر پڑے گا کہ اس کی وجہ سے رضافوت ہو گی لیکن تصرف بہر حال محقق ہو گا، زوال اکراہ کے بعد اس شخص کو اختیار ہو گا چاہے اپنے تصرف کو باقی رکھے یا ختم کر دے۔

جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ اکراہ باطل جہاں پایا جائے گا وہاں اس کا کوئی حکم اور اثر مرتب نہیں ہو گا لہٰذا مکرَہ مکرِہ کی جبری طاقت کی وجہ سے جو کچھ کرے گا وہ عدم کا درجہ رکھے گا اس کا کوئی اعتبار نہیں، حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اکراہ میں ابتلا ہوتا ہے اور ابتلا خود دلیل عقلیت واختیار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکرَہ کی اہلیت فوت نہیں ہوتی، اور نہ خطاب شرع ساقط ہوتا ہے۔ یہ اس باب میں خلاصۂ مقال ہے۔

اب یہ سمجھو کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں بہت تشدد آمیز کلام کیا ہے اور احناف کی خوب تردید کی ہے، ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری نے احناف کے فقہ واصول کو نظر غائر سے نہیں دیکھا ورنہ اس قدر تشدد کا برتاو نہ کرتے، بہر حال اب آگے مسائل شروع ہوتے ہیں۔

(ص ۱۰۲۶) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

سب سے پہلے امام بخاری نے اکراہ فی الایمان کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، یہی بنیاد ہے اور قرآن پاک میں اس کا صراحۃً ذکر وارد ہوا ہے، اگر کسی شخص کو کلمۂ کفر کے کہنے پر مجبور کیا جائے تو اگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور وہ مجبوری کی وجہ سے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دے تو اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہو گا، اور یہ کہنے والا بہر حال عند اللہ وعند الناس مسلمان ہی رہے گا، اور اس کا کوئی شرعی اثر مرتب نہیں ہو گا، اس کی وجہ سے اس کی بیوی مطلقہ اور بائنہ نہیں ہو گی، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے، لیکن علامہ موفق ابن قدامہ حنبلی اور بعض شراح ابن منذر اور ابن بطال وغیرہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ اگر زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی اگر چہ وہ اپنے باطن کے اعتبار سے مسلمان ہی کیوں نہ ہو، حافظ ابن حجر وغیرہ اس قول

کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قول کی حکایت کرنا ہی اس قول کی تردید کے لئے کافی ہے، بھلا بتلاؤ اگر کوئی آدمی مجبوری کی وجہ سے زبان سے کلمہ کفر کہتا ہے اور دل مطمئن بالایمان ہے تو وہ کافر ہوا ہی نہیں پھر اس کی بیوی اس سے بائنہ کیسے ہو جائے گی۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ جن حضرات نے امام محمد کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے انہوں نے غور اور تأمل سے کام نہیں لیا، ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ردت پر مجبور کیا گیا تو اس کی عورت اس سے بائنہ نہیں ہوگی اس لئے کہ ردت کا تعلق اعتقاد سے ہے اور اس کا قلب مطمئن بالایمان ہے، صاحب ہدایہ نے صاف لکھا ہے إذا أكره على الردة لم تبن امرأته منه لأن الردة تتعلق بالاعتقاد، ألا ترى أنه لو كان قلبه مطمئنا بالإيمان لا يكفر في اعتقاده، پھر آگے فرماتے ہیں: فلا يثبت البينونة، البتہ امام محمد نے ایک اور مسئلہ ذکر کیا ہے اس کو ان لوگوں نے نہایت مختصر پیش کر کے دنیا کو دھوکہ میں ڈال دیا اور ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے خود عجلت میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی وجہ سے دھوکہ لگ گیا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کلمہ کفر پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے کلمہ کفر کہہ دیا اور بعد میں مکرہ یہ کہتا ہے کہ میں نے تو ایک امر ماضی کے متعلق خبر دی تھی اور ماضی میں میں نے کفر نہیں کیا تھا تو اس صورت میں امام محمد فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اپنی رضا و اختیار سے کلمہ کفر کہا ہے کہ ماضی میں کفر نہیں کیا تھا اور آج کے لئے غلط خبر دے رہا ہے لہٰذا اس صورت میں امام محمد فرماتے ہیں کہ اس کی عورت حکماً بائن ہو جائے گی دیانۃً بائن نہیں ہوگی، بہر حال یہ مسئلہ ہے کہ جس کی وجہ سے امام محمد پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن امام محمد نے جو بات فرمائی ہے وہ ایسی ہی بے معنی نہیں ہے ان کا یہ کہنا ہے کہ جب تم اپنے اختیار سے کلمہ کفر کہہ رہے ہو تو اس صورت میں تمہاری عورت بائن ہو جائے گی، واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ احکم۔

وَقَالَ ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ وَهِيَ تَقِيَّةٌ وَقَالَ ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَفُوًّا غَفُورًا﴾ وَقَالَ ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ فَعَذَرَ اللهُ الْمُسْتَضْعَفِينَ الَّذِينَ لَا يَمْتَنِعُونَ مِنْ تَرْكِ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ وَالْمُكْرَهُ لَا يَكُونُ إِلَّا مُسْتَضْعَفًا غَيْرَ مُمْتَنِعٍ مِنْ فِعْلِ مَا أُمِرَ بِهِ، وَقَالَ الْحَسَنُ التَّقِيَّةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيمَنْ يُكْرِهُهُ اللُّصُوصُ فَيُطَلِّقُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ

الزُّبَيْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَسَنُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ

وقال: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾: اگر اس سے بچو تو اس کی گنجائش ہے۔

وهي التقية: یعنی تقاۃ تقیہ کے معنی میں ہے۔

وقال: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ الآية: معلوم ہوا کہ جو لوگ ہجرت کر سکتے ہیں ان کو ارضِ کفر میں رہنا اور کافروں کی مجبوری کو تسلیم کرنا اور یہ کہنا کہ وہ ہمیں مجبور کرتے تھے شریعت کی نگاہ میں معتبر نہیں، البتہ واقعۃً اگر کوئی ضعیف ہو اور سفر نہیں کر سکتا بھاگ نہیں سکتا عورتیں ہوں بچے ہوں اور کسی کو کافروں نے باندھ رکھا ہو تو یہ امر آخر ہے، آگے اسی کا بیان ہے۔

قال أبو عبدالله: فعذر الله المستضعفين: یعنی مستضعفین کو اللہ نے مجبور و معذور قرار دیا۔

امام بخاری نے اس آیتِ شریفہ سے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ مکرَہ سے جس فعل کا تحقق ہوتا ہے وہ اس فعل کے اندر معذور قرار دیا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے مستضعفین کو معذور قرار دیا تھا، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے جن باتوں کا (یعنی ہجرت کا) حکم دیا تھا وہ بیچارے ان کو کرنے کے بجائے ترک کرتے تھے اور (ہجرت نہیں کی) اس لئے کہ وہ مکرِہین کی طرف سے ترک پر مجبور کئے جاتے تھے، تو جیسے یہ لوگ مامر اللہ یعنی ہجرت کرنے کو مکرِہین کے اکراہ کی وجہ سے ترک کرتے تھے اور اس میں معذور سمجھے گئے، اسی طرح مکرَہ بھی مستضعف ہوتا ہے جس چیز کے کرنے پر اس کو مجبور کیا جاتا ہے وہ اس کے کرنے سے باز نہیں آسکتا اور امتناع پر قادر نہیں ہوتا ہے، تو جیسے مستضعفین معذور ہیں ایسے ہی مکرَہ بھی مستضعف ہونے کی وجہ سے معذور ہوگا۔

وقال الحسن: التقية إلى يوم القيامة: حسن بصری فرماتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک کے لئے ثابت ہے، یعنی قیامت تک اس بات کی گنجائش ہے کہ آدمی اپنی جان بچانے کے لئے مجبوری کے درجہ میں وہ فعل کر گذرے اور وہ بات کہہ دے جس پر مکرِہ اس کو مجبور کر رہا ہے۔

وقال ابن عباس فيمن يكرهه اللصوص فيطلّق: ليس بشيئ: ابن عباسؓ اس شخص کے بارے میں جسکو لصوص مجبور کریں اور وہ طلاق دیدے فرماتے ہیں کہ اس طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

یہاں پر دو مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ لصوص کی طرف سے اکراہ کا تحقق ہوتا ہے یا نہیں؟ امام

ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اکراہ کا تعلق سلطان سے ہوتا ہے لصوص سے نہیں ہوتا، لیکن صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اکراہ کا تعلق ہر قادر سے ہوتا ہے چاہے سلطان ہو یا لص ہو، فتوی ہمارے یہاں صاحبین کے قول پر ہے، اور بعض ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف حجت و برہان کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ یہ اختلاف اختلافِ عصر وزمان کے قبیل سے ہے، امام اعظم کے زمانہ میں لصوص کو اتنی طاقت نہیں تھی جو بعد میں طاقت ہو گئی، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ لصوص کے اکراہ کا اعتبار کرتے ہیں اور وہ امام اعظم سے بہت پہلے ہیں غالباً امام بخاری نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اگر اکراہِ لصوص کا اعتبار کیا ہے تو ضروری نہیں کہ امام اعظم بھی اعتبار کریں، ان کی نظر میں اکراہِ لصوص متحقق ہی نہیں ہوتا اس لئے وہ اعتبار نہیں کرتے تھے۔

تم ہی اگر تیس سال پہلے کے حالات معلوم کرو تو اس وقت کے چوروں میں اور اس وقت کے چوروں میں کھلا ہوا فرق ملے گا، اس وقت چور گھر والوں کے جاگنے سے بھاگ جاتے تھے اور آج کل چور گھر والوں کے جاگنے پر بھاگنے کے بجائے مقابلہ کرتے ہیں، اپنے ساتھ پستول اور بندوق لے کر چلتے ہیں تو بتلاؤ اس زمانہ میں بھی چور تھے اور اس زمانہ میں بھی چور ہیں لیکن چوروں میں فرق تھا، یہی حال امام ابو حنیفہ کے زمانے میں ہوا ہو گا اور حضرت ابن عباسؓ طائف میں رہتے تھے ممکن ہے وہاں لصوص کی کثرت ہو اور واقعۃً اس قدر بڑھے ہوئے ہوں کہ مجبور کرسکتے ہوں اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے فتوی دیا کہ ہاں ان کے اکراہ کا اعتبار کیا جائیگا اور مکرَہ کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ طلاقِ مکرہ واقع ہو گی یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ واقع نہیں ہو گی، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ طلاقِ مکرہ واقع ہو جائے گی یہی قول ابن شہاب زہری، قتادہ سے منقول ہے بلکہ صحابہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے بھی نقل کیا گیا ہے، اور اس اختلاف کی بنیاد وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے کہ اکراہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اہلیت فوت نہیں ہوتی اور نہ خطابِ شرع فوت ہوتا ہے، صرف نسبت تبدیل ہو جاتی ہے یا رضا فوت ہو جاتی ہے، فوتِ رضا کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناراضگی میں جو کام کیا اس کا شریعت کی نظر میں کوئی اعتبار نہ کیا جائے، طلاق ان امور میں ہے جن میں جدّ وہزل کو برابر سمجھا گیا ہے لہٰذا احنفیہ کے نزدیک طلاق مکرَہ واقع ہو جائے گی۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الأعمال بالنیة: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ چونکہ طلاق ان امور ثلاثہ میں سے ہے جن میں جدّ وہزل کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، جیسے طلاقِ جادّ واقع ہوتی ہے طلاقِ ہازل بھی واقع ہوتی ہے اسی وجہ سے حنفیہ فرماتے ہیں کہ وہاں نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ ہازل کی نیت طلاق کی تھوڑی ہوتی ہے وہ تو یوں ہی مذاق میں أنت طالق کہتا ہے لیکن جب بلانیت کے ہزل کی صورت میں تحقق طلاق ہو جائے گا تو ایسے ہی اکراہ کی صورت میں اگر چہ مطلّق کی نیت نہ ہو طلاق محقق ہو جائے گا، والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالی۔

(٦٩٤٠) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَالْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ

(ص ١٠٢٦) بَابُ مَنِ اخْتَارَ الضَّرْبَ وَالْقَتْلَ وَالْهَوَانَ عَلَى الْكُفْرِ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ قتل اور ذلت اور مار پٹائی سب کو برداشت کرے، جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو مکرَہ زبان سے کلمۂ کفر کہہ سکتا ہے، جائز ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ جان چلی جائے مگر زبان سے کلمۂ کفر نہ کہے، زبان سے کلمۂ کفر کہنا صرف رخصت کا درجہ رکھتا ہے اور باقی تناول محرمات کے مسئلہ کو میں بیان کر چکا ہوں کہ حنفیہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اکراہ کی صورت میں تناول واجب ہے، اور اگر تناول نہیں کرے گا اور قتل کر دیا گیا تو یہ شخص آثم اور گنہگار ہوگا۔

(٦٩٤١) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ الطَّائِفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ

(٦٩٤٢) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ سَمِعْتُ قَيْسًا سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ يَقُولُ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنَّ عُمَرَ مُوثِقِي عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَوِ انْقَضَّ أُحُدٌ مِمَّا فَعَلْتُمْ بِعُثْمَانَ كَانَ مَحْقُوقًا أَنْ يَنْقَضَّ

یعنی حضرت عمرؓ باوجود شدتِ کفر کے مجھے زیادہ سے زیادہ باندھ دیتے تھے، اور تم نے حضرت عثمانؓ کو مسلمان ہونے کے باوجود قتل کر ڈالا، اگر تمہارے اس فعل پر کوہِ احد چور چور ہو جائے تو یہ لائق اور مناسب ہے، معلوم ہوا کہ حضرت سعید بن زیدؓ نے یہ تو پسند کیا کہ ان کو قید کیا جائے لیکن زبان سے کلمۂ کفر کہنے کو پسند نہیں کیا، ہوان اور ذلت کو کفر پر ترجیح دی۔

(٦٩٤٣) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْنَا أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو لَنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ (بِالْمِيشَارِ) فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ فَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللهِ لَيَتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرُ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ وَالذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ

(ص ١٠٢٧) بَابٌ فِي بَيْعِ الْمُكْرَهِ وَنَحْوِهِ فِي الْحَقِّ وَغَيْرِهِ

بیع مکرہ آیا معتبر ہے یا نہیں؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر مکرَہ کو بیع کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کا یہ تصرف منعقد نہیں ہوگا، حنفیہ فرماتے ہیں کہ تصرف تو منعقد ہو جائے گا لصدورہ من الأهل فی المحل البتہ اکراہ کی وجہ سے رضا فوت ہو گئی ہے، لہٰذا زوالِ اکراہ کے بعد اسے اختیار ہوگا چاہے امضاءِ بیع کرے یا فسخ بیع کرے۔

ونحوہ: اس کا عطف بیع پر ہے یعنی مکرہ کی بیع ہو یا مکرہ کا شراء ہو سب کا حکم ایک ہے۔

فی الحق وغیرہ: اس کی شرح میں بڑا اختلاف ہے، پہلے میں علامہ ابن منیر کی رائے نقل کروں گا اور اس کے بعد ابن حجر کی اور پھر اپنی بات بیان کروں گا۔

علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حق بول کر دین مراد لیا ہے، اور غیر حق بول کر وہ امور مراد لئے ہیں جس کے اندر بیع لازم ہوتی ہے، جیسے مغصوب کے ضمان کو ادا کرنا، مطلب یہ ہے کہ مکرَہ مال فروخت کرے چاہے دین کی ادائیگی میں اور چاہے دیگر حقوق کی ادائیگی کے لئے فروخت کرے، اس مکرَہ کی بیع کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وغیرہ سے مراد دَین ہو اور یہ من قبیل عطف الخاص بعد العام ہو، مطلب یہ ہے کہ دَین تو خاص چیز ہے اور حق عام چیز ہے وہ دَین بھی ہو سکتا ہے اور غیر دَین بھی ہو سکتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے حق سے مراد ان حقوق کو لیا ہے جو انسان کے ذمہ واجب ہوتے ہیں جیسے دَین وغیرہ، اور وغیرہ سے مراد وہ امور لئے ہیں جو انسان کے ذمہ واجب نہیں ہوتے لیکن مجبوری کی وجہ سے انسان بیع کرتا ہے، جیسے یہودیوں کو یہ کہہ دیا تھا کہ تم لوگ شہر بدر ہو جاؤ اور اپنے سامانوں کو جی چاہے تو فروخت کر کے لے جاؤ، اب ظاہر بات ہے کہ وہ لوگ کسی حق واجب کی وجہ سے اپنا سامان فروخت نہیں کر رہے تھے لیکن مجبور تھے، شہر بدر ہونا تھا، ان کا اپنا مال تھا، وہ یہ چاہتے تھے کہ اس مال کو یا اس کی قیمت کو اپنے ساتھ لے جائیں اس لئے انہیں بیچنا تھا، اور شارع نے انہیں اس کی اجازت دے دی تھی، تو جب مکرَہ کو یہ گنجائش ہے کہ وہ اپنا مال فروخت کر دے اکراہ کی وجہ سے تو محض مکرِہ کی زبردستی کی وجہ سے حق کے اندر بھی بیچنے کی گنجائش ہوگی، واللہ سبحانہ وتعالی أعلم وعلمه أحکم۔

(٦٩٤٤) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ خَرَجَ عَلَيْنَا (إِلَيْنَا) رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُمْ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ ذَلِكَ أُرِيدُ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ (أَنَّمَا الْأَرْضُ) لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ

عن أبی هريرة قال: بينما نحن فی المسجد إذ خرج إلينا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس پر اشکال یہ ہے کہ اخراج یہود تو حضرت ابو ہریرہؓ کی آمد سے پہلے ہوا جیسا کہ میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں پھر بینما کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بینما نحن أی المسلمون، اور ہو سکتا ہے کہ یہ قبائل جو نکالے گئے ہوں ان کے کچھ بقیہ افراد اجازت لے کر رہ گئے ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس وقت تک بمصلحت روک رکھا ہو، اور پھر بعد میں مصلحت یہ سامنے آئی کہ ان کو نکال دینا ہی بہتر ہے تو پھر نکالا ہو، اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ موجود تھے۔

(ص ۱۰۲۷) بَابُ لَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْمُكْرَهِ

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

اگر کسی آدمی کو نکاح پر مجبور کیا گیا اور اس نے نکاح کرلیا تو اس صورت میں اس کا نکاح ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور علماء تو فرماتے ہیں کہ نکاحِ مکرَہ باطل ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح مکرَہ صحیح ہے، لہٰذا اگر کسی آدمی کو مجبور کیا گیا کہ تو فلاں عورت سے دس ہزار درہم مہر کے بدلہ میں نکاح کرلے حالانکہ اس کا مہر مثل ایک ہزار ہے، اس صورت میں اگر اس نے نکاح کرلیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا، البتہ اس کے ذمہ دس ہزار مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ ایک ہزار مہر مثل واجب ہوگا، زائد باطل ہو جائے گا۔

جمہور کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ جیسے آپ زائد کو باطل قرار دیتے ہو ایسے ہی نکاح کو ہی باطل کیوں نہیں قرار دیتے؟ اس کا جواب ہماری طرف سے وہی ہے جو ہم ابتداء کتاب میں دے چکے ہیں کہ اکراہ کی وجہ سے اہلیت فوت نہیں ہوتی ہے، اور خطابِ شارع ساقط نہیں ہوتا ہے صرف نسبت تبدیل ہو جاتی ہے یا رضا فوت ہو جاتی ہے۔

ویسے ہمارے یہاں اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ مہر کی زیادتی باطل ہوگی یا نہیں؟ اکثر حضرات تو یہی کہتے ہیں کہ زیادتی باطل ہوگی، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ زیادتی باطل نہیں ہوگی البتہ مکرَہ اکراہ کے زوال کے بعد مکرِہ پر رجوع کرے گا کہ جنابِ من آپ نے اس وقت اپنی طاقت اور زور کے زعم میں مجھ سے دس ہزار پر نکاح کروادیا، اب نو ہزار کا تاوان آپ کو بھگتنا پڑے گا۔

امام بخاری جمہور کے موافق ہیں اور یوں فرماتے ہے کہ نکاح مکرَہ جائز نہیں ہے، اور دلیل میں پیش کرتے ہیں قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾، جب بھلا باندیوں کو جو مملوک ہوتی ہیں بغاء پر اکراہ کی اجازت نہیں ہے تو حرائر کا زبردستی نکاح کرا کر کیسے بغاء کرائے اجاسکتا ہے، گویا بخاری یوں فرماتے ہیں کہ جب نکاحِ مکرَہ جائز نہیں تو اس صورت میں وطی بغاء ہوگی، اور بغاء ناجائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾۔

(٦٩٤٥) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ يَزِيدَ ابن جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا

فردّ نكاحها: اس سے بخاری نے یہ ثابت کیا ہے کہ نکاحِ مکرہ جائز نہیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہاں تو اس لئے ردّ نکاح ہوا کہ وہ بالغہ تھیں اور بالغہ پر باپ کو حق اکراہ حاصل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا ان کی رضا فوت ہونے پر مقدمہ دائر کیا، حضور ﷺ نے ان کی شنوائی کرلی اور نکاح کو رد کردیا۔

(٦٩٤٦) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابن جُرَيْجٍ عَنِ ابن أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو وَهُوَ ذَكْوَانُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ يُسْتَأْمَرُ النِّسَاءُ فِي أَبْضَاعِهِنَّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَإِنَّ الْبِكْرَ تُسْتَأْمَرُ فَتَسْتَحِي (فَتَسْتَحْيِي) فَتَسْكُتُ قَالَ سُكَاتُهَا إِذْنُهَا

يُسْتَأْمَرُ النِّسَاءُ فِي أَبْضَاعِهِنَّ: عورتوں سے ان کے ابضاع کے بارے میں مشورہ لیا جائے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! زبردستی ان کا نکاح نہیں کیا جائے گا، معلوم ہوا کہ عورتوں پر بلوغ کے بعد باپ کو حق اجبار نہیں ہے، یہی احناف فرماتے ہیں۔

(ص ۱۰۲۷) بَابُ إِذَا أُكْرِهَ حَتَّى وَهَبَ عَبْدًا أَوْ بَاعَهُ لَمْ يَجُزْ

وَبِهِ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ فَإِنْ نَذَرَ الْمُشْتَرِي فِيهِ نَذْرًا فَهُوَ جَائِزٌ بِزَعْمِهِ وَكَذَلِكَ إِنْ دَبَّرَهُ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ اپنا غلام ہبہ کردے یا فروخت کردے اور اس نے ہبہ کردیا یا فروخت کردیا تو یہ جائز نہیں ہے، جمہور تو یہی فرماتے ہیں، امام بخاری حضرات حنفیہ کے کلام میں تناقض ثابت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ بعض الناس یوں کہتے ہیں کہ اگر مکرَہ نے اکراہ کی وجہ سے غلام کو ہبہ کردیا یا فروخت کردیا تو یہ ہبہ اور بیع معتبر نہیں اور جائز نہیں، لیکن اگر مشتری نے اس کے اندر نذر مان لی تو جائز ہے، مدبر بنالیا تو جائز ہے، امام بخاری یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اولاً تو آپ کہتے ہیں کہ یہ تصرف معتبر ہی نہیں، ثانیاً آپ نے مشتری کے تصرف کو کیسے معتبر مان لیا؟ یہ بتایئے کہ یہ معاملہ ناقلِ ملک الی المشتری ہے یا نہیں؟ اگر ناقل الملک الی المشتری ہے تو آپ تصرف کو ناجائز کیسے کہتے ہیں اور اگر ناقل الملک الی المشتری نہیں ہے تو آپ نے مشتری کے تصرف کو معتبر کیسے مانا؟

حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لم یجز کا مطلب اگر بخاری نے یہ لیا ہے کہ تصرف بالکلیہ جائز ہی نہیں تو یہ حضرات احناف کے مسلک سے ناواقفیت ہے، اور اگر لم یجز سے مراد یہ لیا ہے کہ یہ تصرف لازم نہیں ہوگا تو بات صحیح ہے، اکراہ کے اندر چونکہ رضا فوت ہوتی ہے اس لئے تصرف لازم نہیں ہوگا۔

اب اگر مشتری نے اس میں کوئی تصرف کر دیا ہے تو مشتری کے تصرف کا اعتبار کیا جائے گا، یہ بیع تام ہے ناقل ملک ہے لیکن رضا نہ ہونے کی وجہ سے مالک کو یہ اختیار ہے کہ اس بیع کو فسخ کر دے۔

پھر اگر مشتری نے اس میں کوئی ایسا تصرف کیا جو تصرفات لازمہ کے قبیل سے ہے تو اس میں دو حق متعارض جمع ہوگئے، ایک حق بائع، دوسرا حق مشتری، حق بائع کا تدارک ممکن ہے قیمت کی ادائیگی کے ساتھ، لیکن حق مشتری کا تدارک ناممکن ہے اس لئے کہ نذر اور تدبیر امور لازمہ میں سے ہے، لہٰذا مشتری کے تصرف کو معتبر مان کر بائع کو صرف قیمت پر راضی کر لیا جائے گا، گویا احناف نے دونوں کے حقوق کی رعایت کی ہے۔

امام بخاری نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ صاحب! دیکھئے حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر بنادیا اور اس کے پاس اس کے علاوہ مال نہیں تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر کو فروخت کر دیا، آپ کہتے ہیں کہ تدبیر امور لازمہ میں سے ہے، اگر تدبیر امور لازمہ میں سے ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبد مدبر کو کیوں فروخت فرماتے؟ اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ وہ تدبیر موقت تھی، مؤبد تھی ہی نہیں، مدبر مطلق تھا ہی نہیں، مدبر مقید تھا، اور مدبر مقید کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

(٦٩٤٧) حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوكًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ قَالَ فَسَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ

أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ: یہ رجل من الأنصار جنہوں نے مدبر بنایا تھا انہیں ابو مذکور کہا جاتا تھا اور غلام کا نام یعقوب قبطی تھا جیسا کہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے، یہ حدیث اسی سند سے ابواب النذور میں گذر چکی ہے۔

من يشتريه مني: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون خریدے گا اس غلام کو؟ امام بخاری فرماتے ہیں جب مالک کے تصرف کو توڑ دیا گیا تو مشتری تو مالک ہوا ہی نہیں، لہٰذا مشتری کے تصرف کو کیوں نہیں توڑا جائے گا؟

حنفیہ کہتے ہیں کہ مشتری مالک ہو چکا ہے لیکن چونکہ بائع کی رضا یہاں فوت ہو رہی ہے لہٰذا اگر بائع چاہے تو اس عقد کو فسخ کر سکتا ہے البتہ اگر مشتری نے کوئی تصرف لازم کر دیا تو اس صورت میں اب دو تصرف سامنے آ گئے، لازم، غیر لازم، لہٰذا لازم کی رعایت کی جائے گی، اور غیر لازم کا تدارک قیمت سے کیا جائے گا۔

(ص ۱۰۲۷) بَابٌ مِنَ الْإِكْرَاهِ كَرْهًا وَكُرْهًا وَاحِدٌ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اکراہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگوں کا دستور یہ تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس کے اولیاء جو چاہتے عورت کے ساتھ کرتے، چاہے تو وہ نکاح خود کر لیں اور چاہے تو کسی سے نکاح کر دیتے تھے، اور چاہتے تو کسی سے بھی نکاح نہ کراتے، یہ بھی اکراہ کی ایک صورت ہے جس سے قرآن نے منع کیا ہے ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا﴾۔

(٦٩٤٨) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ فَيْرُوزٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ وَحَدَّثَنِي عَطَاءٌ أَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ وَلَا أَظُنُّهُ إِلَّا ذَكَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا﴾ الْآيَةَ قَالَ كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا وَإِنْ شَاءُوا زَوَّجَهَا [زَوَّجُوهَا] وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجْهَا [ى زَوَّجُوهَا] فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي ذَلِكَ۔

(ص ۱۰۲۷) بَابٌ إِذَا اسْتُكْرِهَتِ الْمَرْأَةُ عَلَى الزِّنَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

اگر عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی، یہ بالاجماع ہے، لیکن اگر مرد کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر حد واجب ہوگی یا نہیں؟ امام شافعی اور صاحبین کہتے ہیں اس پر حد واجب نہیں ہوگی، امام مالک، امام احمد فرماتے ہیں کہ حد واجب ہوگی، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر مکرہ سلطان ہے تو حد واجب نہیں ہوگی اور اگر غیر سلطان ہے تو حد واجب ہوگی۔

اصل میں منشاءِ اختلاف یہ ہے کہ جب مرد مجبور کیا جائے گا تو جب تک اس کی دلی خواہش نہیں ہوگی

اس وقت تک شہوت پیدا ہی نہیں ہو گی، لہٰذا اگر زنا کا تحقق ہوا ہے تو یقیناً اندر سے اس کی خواہش کا جذبہ اٹھا ہے جب ہی تو انتشار ہوا اور اس نے وطی کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ چیز اس سے بالکل الگ ہے، بات یہ ہے کہ بعض وقت انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے زنا نہیں کرنا چاہتا ہے، لیکن جب محل پر پہونچتا ہے تو اس میں انتشار ایسے ہی ہو جاتا ہے جیسے آدمی چاہتا ہے کہ اس کا گھی نہ پگھلے، مگر کسی شخص نے اٹھا کر وہ گھی آگ کے پاس رکھ دیا تو یقیناً ہزار نہ چاہنے کے باوجود پگھل جائے گا۔

اور اس سے آسان مثال میں یہ دیتا ہوں کہ گرمی کا زمانہ چل رہا ہے اور آدمی یہ چاہتا ہے کہ گھی نہ پگھلے اور آسانی کے ساتھ سہارنپور سے دہلی پہونچ جائے، لیکن گرمی شدید ہے اور لُو چل رہی ہے ریل میں بیٹھے ہیں، گرمی کی وجہ سے وہ خود بخود پگھلے گا چاہے آپ ہزار نہ چاہیں، یہی حال یہاں پر بھی ہے، اب جن لوگوں نے اوّل امر پر نظر کی کہ انسان میں جب تک دلی خواہش نہ ہو تو انتشار نہ ہو گا وہ کہتے ہیں حد واجب ہے، اور جو کہتے ہیں کہ یہ چیز غیر اختیاری طور پر بھی صادق آسکتی ہے وہ کہتے ہیں حد واجب نہیں ہو گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(٦٩٤٩) وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيقِ الْإِمَارَةِ وَقَعَ عَلَى وَلِيدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتَّى اقْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ وَنَفَاهُ وَلَمْ يَجْلِدِ الْوَلِيدَةَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا * وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْأَمَةِ الْبِكْرِ يَفْتَرِعُهَا الْحُرُّ يُقِيمُ ذَلِكَ الْحَكَمُ مِنَ الْأَمَةِ الْعَذْرَاءِ بِقَدْرِ قِيمَتِهَا (ثَمَنِهَا) وَيُجْلَدُ وَلَيْسَ فِي الْأَمَةِ الثَّيِّبِ فِي قَضَاءِ الْأَئِمَّةِ غُرْمٌ وَلَكِنْ عَلَيْهِ الْحَدُّ

وقال الليث: حتى اقتضها: غلام نے ولیدۂ خمس کے ساتھ زبردستی کی اور اس کے پردۂ بکارت کو زائل کر دیا، اقتضها أی أزال قِضتها، قِضّة کہتے ہیں عذرة الجارية کو، حضرت عمرؓ نے غلام کو کوڑے لگائے اور شہر بدر کر دیا، لیکن باندی کو نہیں لگائے من أجل أنه استكرهها، اس وجہ سے کہ اس نے اسے مجبور کیا تھا۔

وقال ابن شهاب الزهري: ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگر باندی بکر ہو اور حر اس کی بکارت زائل کر دے، يفترعها أي يقتضها ويزيل بكارتها، تو قیمت قائم کرے گا اس کی حاکم کنواری باندی سے بقدر اس کے ثمن کے، مطلب یہ کہ یہ دیکھا جائے گا کہ اگر باندی کنواری ہوتی تو اس کی قیمت کتنی ہوتی اور ثیب ہو جانے کے بعد کتنی کمی آگئی، جتنی کمی آگئی ہے حر سے اس کی قیمت وصول کی جائے گی، مثلاً اگر باندی کے بکر ہونے کی صورت میں قیمت دس ہزار تھی، اور ثیبہ ہونے کی صورت میں آٹھ ہزار ہو گئی، تو اس صورت میں دو ہزار اس سے وصول کئے جائیں گے۔

ویُجلَّد: اور کوڑے بھی لگائے جائیں گے، یہ اس لئے تصریح کردی کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ بس بکارت زائل کرنے کی قیمت لے لینا کافی ہو جائے گا، نہیں بلکہ زنا کی سزا الگ لگے گی۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں: صرح بالجلد للإشارة إلى أن العقل لا یمنع العقر علامہ کو اس کلام میں وہم ہو گیا ہے، یوں کہنا چاہئے کہ إن العقر لا یمنع الجلد عقر وصول کر لینا جلد سے مانع نہیں ہے۔

ولیس فی الثیب: اور اگر کسی نے ثیب سے زنا کر لیا تو اس صورت میں کچھ تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ ثیب اس صورت میں بہر حال ثیب ہی رہے گی، ہاں البتہ زنا کی حد جاری کی جائے گی۔

(٦٩٥٠) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ دَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ أَرْسِلْ إِلَيَّ بِهَا فَأَرْسَلَ بِهَا فَقَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي فَقَالَتِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ

علامہ ابن منیر کہتے ہیں اس روایت کو ترجمہ سے کوئی مناسبت ہے ہی نہیں، صرف اتنی بات میں مناسبت ہے کہ حضرت سارہ سے ملامت ساقط ہو گئی کہ وہ خلوت میں جبار کے پاس تھیں، اس لئے کہ وہ مستکرہہ تھیں، لیکن یوں کہا جا سکتا ہے کہ جبار کا ان کی طرف قیام بنیۃ الزنا تھا، لہٰذا وہ مستکرہہ تھیں، اس کے باوجود حضرت ابراہیمؑ نے ان کو کوئی بات نہیں فرمائی، معلوم ہوا کہ مکرہ علی الزنا مجبور ہے اور عورت اگر زنا پر مجبور کی جائے تو شریعت میں اس پر کوئی ملامت نہیں۔

(ص ١٠٢٨) بَابُ يَمِينِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ أَنَّهُ أَخُوهُ إِذَا خَافَ عَلَيْهِ الْقَتْلَ أَوْ نَحْوَهُ

اگر کسی آدمی کے بارے میں یہ خوف ہو کہ فلاں شخص کو فلاں آدمی قتل کر دے گا، الّایہ کہ میں یہ اقرار کر لوں کہ یہ میرا بھائی ہے یا میرا باپ ہے تو اس صورت میں اس کو قسم کھا لینا چاہئے، اور وہ اس قسم میں حانث نہیں ہوگا، جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں، لیکن حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ توریہ کر سکتا ہے، لہٰذا اگر توریہ سے کام نہیں لیا تو اس صورت میں حانث ہو جائے گا، توریہ کی شکل یہ ہے کہ مثلاً آدمی یوں کہہ دے إنه

أخي أی فی الدین اور إنه أبی أی مثل أبی میرے باپ کے مثل ہے شکل وصورت میں یا اخلاق وعادات میں یا احسان میں۔

وَكَذٰلِكَ كُلُّ مُكْرَهٍ يَخَافُ فَإِنَّهُ يَذُبُّ عَنْهُ الْمَظَالِمَ (الظَّالِمَ) وَيُقَاتِلُ دُونَهُ وَلَا يَخْذُلُهُ فَإِنْ قَاتَلَ دُونَ الْمَظْلُومِ فَلَا قَوَدَ عَلَيْهِ وَلَا قِصَاصَ وَإِنْ قِيلَ لَهُ لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ أَوْ لَتَبِيعَنَّ عَبْدَكَ أَوْ تُقِرُّ بِدَيْنٍ أَوْ تَهَبُ هِبَةً وَتَحُلُّ عُقْدَةً أَوْ لَنَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوْ أَخَاكَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ وَسِعَهُ ذٰلِكَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ * وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَوْ قِيلَ لَهُ لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ أَوْ لَنَقْتُلَنَّ ابْنَكَ أَوْ أَبَاكَ أَوْ ذَا رَحِمٍ مُحَرَّمٍ (مَحْرَمٍ) لَمْ يَسَعْهُ لِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِمُضْطَرٍّ ثُمَّ نَاقَضَ فَقَالَ إِنْ قِيلَ لَهُ لَنَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوِ ابْنَكَ أَوْ لَتَبِيعَنَّ هٰذَا الْعَبْدَ أَوْ تُقِرُّ (لَتُقِرَّنَّ) بِدَيْنٍ أَوْ تَهَبُ يَلْزَمُهُ فِي الْقِيَاسِ وَلٰكِنَّا نَسْتَحْسِنُ وَنَقُولُ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ وَكُلُّ عُقْدَةٍ فِي ذٰلِكَ بَاطِلٌ فَرَّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ (مَحْرَمٍ) وَغَيْرِهِ بِغَيْرِ كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِامْرَأَتِهِ هٰذِهِ أُخْتِي وَذٰلِكَ فِي اللهِ وَقَالَ النَّخَعِيُّ إِذَا كَانَ الْمُسْتَحْلِفُ ظَالِمًا فَنِيَّةُ الْحَالِفِ وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَنِيَّةُ الْمُسْتَحْلِفِ

وكذالک كل مكره يخاف فإنه يذب عنه المظالم ويقاتل دونه ولا يخذله: اور اسی طرح ہر مکرہ جس کے متعلق خوف ہو مسلمان کو یہ چاہئے کہ مظالم کو دفع کرے اور اس کی جان بچانے کے لئے قتال کرے اور اس کی نصرت کو نہ چھوڑے۔

فإن قاتل دون المظلوم فلاقود عليه ولا قصاص: اگر مظلوم کی حمایت میں قتال کیا ہے تو اس صورت اگر کسی کو قتل کر دیا تو قاتل پر قصاص واجب نہیں ہوگا، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ایک جماعت تو اسی بات کی قائل ہے جن میں حضرت عمرؓ اور بعض مالکیہ ابن بطال وغیرہ بھی ہیں، لیکن کوفیین یہ کہتے ہیں کہ اس پر قصاص آئے گا یہی بعض دیگر مالکیہ کا قول ہے۔

وَإِنْ قِيلَ لَهُ لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ أَوْ لَتَبِيعَنَّ عَبْدَكَ أَوْ تُقِرُّ بِدَيْنٍ أَوْ تَهَبُ هِبَةً وَكُلُّ عُقْدَةٍ أَوْ لَنَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوْ أَخَاكَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ وَسِعَهُ ذٰلِكَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: اگر کسی آدمی سے یوں کہا جائے کہ یا تو تم شراب پیو یا میتہ کھاؤ یا اپنا فلاں غلام فروخت کرو، یا دین کا اقرار کرو یا ہبہ کرو یا کسی بھی قسم کے کوئی معاملہ کا مطالبہ کیا جائے، ورنہ ہم تیرے باپ کو قتل کر دیں گے یا تیرے اسلامی بھائی کو قتل کر دیں گے، تو اس صورت میں اس کو شرب خمر اور اکل میتہ یا بیع عبد یا اقرار دین و ہبہ سب کی گنجائش ہو جائے گی، چونکہ حضور اکرم ﷺ فرماتے

ہیں المسلم أخو المسلم، مگر امام بخاری کے اس کلی فیصلہ میں حنفیہ مخالفت کرتے ہیں، اس لئے اب امام بخاری احناف پر اعتراض کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

وقال بعض الناس: لو قيل: لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ أَوْ لَنَقْتُلَنَّ ابنک أو أباک أو ذا رحم محرم لم يسعه، لأن هذا ليس بمضطر، ثم ناقض فقال: إن قيل له لنقتلنّ أباک أو ابنک أو لتبيعنّ هذا العبد أو تقرّ بدين أو بهبة يلزمه في القياس: بعض الناس یوں کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو مجبور کیا جائے کہ تم شراب پئو میتہ کھاؤ، ورنہ ہم تمہارے باپ یا بھائی کو قتل کردیں گے یا کسی ذی رحم محرم کو، تو احناف کہتے ہیں کہ اس کو گنجائش نہیں ہے نہ شراب پینے کی نہ میتہ کھانے کی، پھر اس کے خلاف احناف نے یہ کہہ دیا کہ اگر یوں کہا جائے کہ دیکھ یا تو تو اپنا یہ غلام فروخت کردے یا دین کا اقرار کردے یا ہبہ کردے، ورنہ ہم تیرے باپ کو قتل کردیں گے یا بھائی کو، تو اس صورت میں اس کے لئے قیاس میں لازم ہے یعنی اسے یہ چاہئے کہ اپنا غلام فروخت کردے، دین کا اقرار کرلے، ہبہ کردے۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ جناب! آپ نے غور نہیں فرمایا، شرب خمر اور اکل میتہ کی اجازت اضطرار کے وقت ہوتی ہے، اور اضطرار اس وقت متحقق ہوتا ہے جب آدمی کی ذات سے اکراہ کا تعلق ہو، اور یہاں آدمی کی ذات سے اکراہ کا تعلق نہیں، بلکہ باپ اور بیٹے سے اکراہ کا تعلق ہو رہا ہے ذی رحم محرم سے اکراہ کا تعلق ہو رہا ہے، اس واسطے یہاں بیع شرب خمر اور بیع اکل میتہ پایا ہی نہیں گیا، بخلاف بیع وغیرہ مسائل کے، وہاں باپ اور بھائی کو بچانے کے واسطے مال کو صرف کیا ہی جائے گا فإن الاموال وقاية الأنفس، اموال اسی لئے ہیں کہ ان سے جان بچائی جائے، جان کی حفاظت کی جائے، لہٰذا دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا صحیح نہیں ہے۔

یہ تقریر ہم نے مشہور مسلک حنفی پر کی ہے، ویسے علامہ ابن ہمام کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا جائے کہ شراب پئو، میتہ کھاؤ، ورنہ تمہارے باپ، بھائی یا ذی رحم محرم کو قتل کردیں گے تو اس صورت میں یہ شخص مکرَہ ہے اور اکراہ کا تحقق ہو گیا، آدمی کو اپنے باپ بھائی اور بعض ذی رحم محرم سے اپنی جان سے زیادہ تعلق ہوتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس کو تناول میتہ اور شرب خمر کی اجازت ہو جائے گی، اس صورت میں کوئی جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں احناف اجازت کے قائل ہیں، عدم اجازت

کے قائل نہیں، آگے امام بخاری فرماتے ہیں:

ولكنا نستحسن ونقول البيع والهبة وكل عقدة فى ذلك باطل: یہ آگے اور تناقض دکھارہے ہیں اور ترقی کرکے کہہ رہے ہیں کہ یہ تو آپ نے کہا ہے کہ قیاس میں عقود لازم ہیں، لیکن دلیل استحسانی کے تحت بیع وہبہ اور سارے عقود سب باطل ہو جائیں گے، اگر کوئی آدمی کسی سے کہتا ہے کہ دیکھ تو بیع کر یا ہبہ کر یا دین کا اقرار کر، ورنہ ہم تیرے ماں باپ کو قتل کر دیں گے تو دلیل استحسانی کے اندر اس بیع وہبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ جنابِ من! دلیل استحسانی مستقل دلیل ہے جس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، یہاں قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ الأموال وقاية الأنفس، لہٰذا یہ عقود لازم ہو جانے چاہئیں مگر چونکہ عقود موقوف ہوتے ہیں رضا پر، اور رضا مکرَہ کے اندر پائی نہیں جاتی اس واسطے استحسان کے اندر یہ عقود لازم نہیں ہوں گے، باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ عقود لازم نہیں ہوں گے وہ چاہے تو فسخ کر سکتا ہے۔

فرّقوا بين كل ذى محرم وغيره بغير كتاب وسنة: امام بخاری آگے ترقی کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اکراہ کا تحقق ہر صورت میں ہو سکتا ہے، چاہے شرعی بھائی ہو یا دینی بھائی، شرعی باپ ہو یا دینی باپ، حنفیہ فرماتے ہیں کہ ذی رحم محرم اور غیر ذی رحم محرم میں ہم کتاب وسنت کے بغیر فرق نہیں کرتے، بلکہ کتاب وسنت سے فرق کرتے ہیں، آپ بتائیے! میراث کس کو ملتی ہے؟ اپنے عزیز وقریب کو ملتی ہے یا دینی بھائی کو بھی مل جاتی ہے، شریعت نے فرق کیا ہے تو اگر یہاں ہم فرق کرتے ہیں تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔

وقال النبى ﷺ: قال إبراهيم لامرأته: هذه أختى، وذلك فى الله: ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اپنی بیوی کے بارے میں کہ یہ میری بہن ہیں، ٹھیک ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ اپنی جان بچانے کے لئے ایسا کہا جا سکتا ہے، اس میں کیا مضائقہ ہے، وذلک فی اللہ اور یہ اللہ کے واسطے تھا۔

وقال النخعى: إذا كان المستحلف ظالما فنية الحالف، وإن كان مظلوما فنية المستحلف:

اس اثر کو امام محمد نے کتاب الآثار میں اور ابن ابی شیبہ نے المصنف میں موصولاً روایت کیا ہے، ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اگر مستحلف ظالم ہو تو حالف کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر مظلوم ہو تو مستحلف کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، امام بخاری اس اثر کو ذکر کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اصل تو نیت کا اعتبار ہے، اگر آدمی مظلوم

ہے تو اس صورت میں مظلوم کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، حنفیہ کہتے ہیں یہ صحیح ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ اگر حلف کے معاملہ میں یہ حکم ہو تو ہر جگہ ایک ہی حکم نافذ کیا جائے، اکراہ ایک مستقل مسئلہ ہے جیسا کہ ہم ابتداء میں بیان کر چکے ہیں۔

خلاصۂ بحث:

اب میں خلاصہ کے طور پر بات کہتا ہوں کہ بظاہر امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ برادرانِ دینی کی جان بچانے کے لئے اگر یہ کہنا کافی ہو کہ یہ میرا بھائی ہے تو قسم کھانا جائز ہے، اور اس میں حانث نہیں ہو گا، یہی جمہور کا مسلک ہے، حنفیہ کے نزدیک حانث ہو جائے گا، اس لئے کہ توریہ کر سکتا ہے پھر صریح قسم کیوں کھائی؟ اور اس مسئلہ کو اکراہ سے مناسبت یہ ہے کہ یہ شخص برادر مسلم کی جان بچانے کے لئے قسم کھانے پر مجبور و مکرہ ہے۔

اور وإن قیل لتشربنّ الخمر الخ سے امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ باپ اور بھائی کو بچانے کے لئے بھی اکراہ متحقق ہو جائے گا، اور انسان کو وہ امور کرنا ضروری ہے جس پر اسے مجبور کیا جا رہا ہے جیسے شرب خمر اور اکل میتہ اور بیع مال اور ہبہ وغیرہ، اور پھر قال بعض الناس سے امام بخاری حنفیہ کے کلام میں تناقض ثابت کرتے ہیں کہ اگر مکرِہ کو کہتا ہے کہ تم شراب پئو، میتہ کھاؤ، ورنہ ہم تمہارے باپ بیٹے یا کسی بھی ذی رحم محرم کو قتل کر دیں گے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ مکرَہ نہیں ہے، اور اگر مکرِہ کو کہتا ہے کہ تم اپنا مال ہبہ کر دیا غلام بیچ دو ورنہ ہم تمہارے باپ بیٹے یا کسی بھی ذی رحم محرم کو قتل کر دیں گے، حنفیہ اس صورت میں از روئے قیاس مکرَہ مانتے ہے اور کہتے ہیں کہ لازم ہے اور از روئے استحسان باطل کہتے ہیں۔

یہاں احناف پر تین نقض وارد کیا ہے، اوّل تو اس طرح کہ اکراہ علی شرب الخمر واکل المیتہ اور قتل اب وابن میں تو احناف اکراہ نہیں مانتے، اور اگر بیع وغیرہ پر اکراہ ہو تو قیاساً اکراہ مانتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ خمر و خنزیر کا تناول اپنی جان بچانے کے لئے تو حلال ہو سکتا ہے اور اضطرار یعنی مخمصہ کی صورت اس کی نظیر ہے اور دوسرے کے لئے گنجائش نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ آدمی کی اپنی جان اور دوسرے کی جان میں فرق ہے، اور بیع وہبہ وغیرہ امور مباحہ ہیں، لہٰذا اس صورت میں اب واخ کی تخلیص کے واسطے مال کو خرچ کیا جائے گا، اور بھائی اور باپ کی جان بچانے کو مال پر مقدم کیا جائے گا۔

دوسرا نقض اس طرح وارد کیا کہ حنفیہ نے مسئلہ بیع وہبہ وغیرہ میں قیاسا تو اکراہ کو تسلیم کیا، اور بیع کا حکم دیا اور استحسانا باطل قرار دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ استحسان مستقل دلیل ہے قیاس کے معارض، اس سے کوئی حکم ثابت ہوتا ہے تو احناف دلیل استحسانی کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

تیسرا نقض امام بخاری نے یوں وارد کیا کہ حنفیہ کے نزدیک کوئی کسی سے یہ کہے کہ تم اپنا مال فروخت کر دو، یا ہبہ کر دو، ورنہ ہم تمہارے بھائی باپ وغیرہ کو قتل کر دیں گے تو قیاسا ضروری ہے اور اکراہ محقق ہو گیا، اور اگر یہ کہے کہ ہم تمہارے برادر دینی کو قتل کر دیں گے تو اکراہ محقق نہیں ہوا، حالانکہ وہ بھی ایک بھائی ہے المسلم أخو المسلم، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے لیکن ایک برادر نسبی ہے اور ایک برادر دینی ہے، شریعت نے دونوں میں فرق کیا ہے، برادر نسبی بعض صورتوں میں عصبہ بن کر وارث ہوتا ہے، برادر دینی کسی صورت میں بھی وارث نہیں ہوتا ہے۔

(۶۹۵۱) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ

لا يظلمه ولا يسلمه: نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو رسوا کرے۔

(۶۹۵۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ قَالَ تَحْجُزُهُ (تَحْجِزُهُ) أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ

فإن ذلک نصره: ہم کہتے ہیں ٹھیک ہے مظلوم بھائی کی مدد کرنی چاہئے مگر مدد کی کچھ حدود ہوا کرتی ہیں، یہ تھوڑے ہی ہے کہ کوئی آدمی کسی کو مجبور کرتا ہے کہ تو معصیت کر ورنہ میں معصیت کروں گا، تو اسطرح تھوڑے ہی معصیت کرنے کی اجازت ہو جائے گی؟

اس کے بعد یہ سمجھو کہ یہاں پہونچ کر امام بخاری حنفیہ سے بہت ناراض ہیں، اور واقع میں جتنے احناف آتے ہیں سب کو جواب دینے میں یہاں محنت کرنی پڑتی ہے حتی کہ ہمارے حضرت گنگوہی نے جن کا مزاج ہے مختصر بیان کرنا بخاری میں، (ترمذی میں تو بہت تفصیل کرتے ہیں) انہوں نے بھی یہاں بہت تفصیل سے

کلام کیا ہے۔

اس کے آگے کتاب الحیل آرہی ہے اس میں تو امام بخاری بہت ناراض ہیں، جگہ جگہ قال بعض الناس کہہ کر امام ابو حنیفہ پر اعتراض کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الحِیَل (ص ۱۰۲۸)

حِیَل جمع ہے حیلہ کی، حیلہ کہتے ہیں اس طریق کو جس کے ذریعہ سے کوئی مقصود بطریق خفی حاصل کیا جائے۔

حیل کی مختلف صورتیں ہیں، اگر حیلۂ مباحہ کے ذریعہ سے آدمی اثباتِ حق کرتا ہے، یا دفعِ باطل کرتا ہے تو یہ حیلہ واجب یا مستحب ہے، اور اگر حیلہ مباحہ کے ذریعہ سے احقاقِ باطل یا ابطالِ حق کرتا ہے تو یہ حرام ہے، اور اگر حیلۂ مباحہ کے ذریعہ آدمی مکروہ سے بچنا چاہتا ہے یا مندوب تک پہونچنا چاہتا ہے تو یہ حیلہ مستحب یا مباح ہوگا۔

مشہور یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی تو مطلقاً حیل کے جواز کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل مطلقاً حیل کا انکار کرتے ہیں، امام بخاری بھی اس مسلک میں دوسرے ہی مسلک کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن مشہور یہ ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ ہی حیل کی اباحت کے قائل ہیں اور اس شہرت کا سبب یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف نے کتاب الحیل تصنیف کی، اور ایک کتاب الحیل امام محمد کی طرف بھی منسوب ہے، ابو سلیمان جوزجانی اس کی نسبت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور امام محمد کی تالیف نہیں مانتے تھے لیکن ابو حفص کبیر امام محمد کی تالیف مانتے تھے، علامہ سرخسی نے ابو حفص کی رائے کو اصح اور ارجح قرار دیا ہے۔

بہر حال ہمارے فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ حیلے اگر انسان اس لئے اختیار کرتا ہے کہ حرام سے بچ جائے یا حلال تک پہونچ جائے تب تو گنجائش ہے اور اگر حیلہ اس لئے کرتا ہے کہ حق کو باطل ثابت کردے یا حق میں کوئی شبہ ڈال دے تو یہ مکروہ ہے، چنانچہ امام ابو حفص کبیر نے کتاب الحیل میں امام

محمد بن حسن سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں: قال: ما احتال به المسلم حتی یتخلّص به من الحرام أو یتوصّل به إلی الحلال فلا بأس به، وما احتال به حتی یبطل حقا أو یحق باطلا أو یدخل شبهة فی حق فهو مکروه، حنفیہ کے یہاں مکروہ کا لفظ حرام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح محیط میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ الاحتیال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فی الآثام لا بأس به بل هو مندوب إلیه، وأما الاحتیال لإبطال حق المسلم فإثم، امام نسفی کافی میں امام محمد سے نقل کرتے ہیں لیس من أخلاق المؤمنین الفرار عن أحکام الله تعالیٰ بالحیل الموصلة إلی إبطال الحق۔

ان تمام عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے حضرات نے حیلہ کو جو مباح قرار دیا ہے وہ صرف حرام سے بچنے کے لئے یا حلال تک پہونچنے کے واسطے ہے، احقاقِ باطل یا ابطالِ حق یا ایقاعِ شبہ فی الحق کے واسطے حیلہ نہیں ہے۔

اب یہ سمجھو کہ جو لوگ حیل کو مباح قرار دیتے ہیں ان کے پاس کچھ دلائل ہیں، بے دلیل حیل کو مباح قرار نہیں دیتے۔

سب سے پہلی دلیل قرآن پاک کی آیت ﴿وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث﴾ ہے۔

دوسری دلیل اسی مضمون کی وہ رِوایت ہے جو نسائی وغیرہ میں وارد ہے کہ جب ایک ضعیف شخص نے زنا کرلیا تو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: خذوا عثکالاً فیه مائة شمراخ فاضربوه بها تم کھجور کی ایک شاخ لے لو جس میں سو سینکیں ہوں اس سے مارو حد ہو جائے گی۔

اسی طرح حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا حضور نے ربا سے بچنے کی ایک صورت بتادی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف ؑ کے بارے میں فرمایا ﴿کذالك کدنا لیوسف﴾، ہم نے یوسف کے لئے تدبیر خفی اختیار کی، وہ تدبیر خفی کیا اختیار کی کہ سقایۃ الملک کو ان کے بھائی کے سامان میں ڈالدیا گیا، اور اعلان کرا دیا گیا ﴿أیتها العیر إنکم لسارقون﴾، او قافلے والو! تم لوگ تو چور معلوم ہوتے ہو وہ کہنے لگے ﴿ما کنا سارقین﴾ اس کے بعد جام تلاشی ہورہی ہے سامان تلاش کیا جارہا ہے، ﴿فاستخرجها من وعاء أخیه﴾، ان کے بھائی کے سامان میں سے نکال لیا گیا، ﴿کذلك کدنا لیوسف﴾، یہ محض اس لئے کیا گیا

تاکہ حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بنیامین کو روک لیں، اس طرح کی تدابیر اختیار کرنے کی شریعت نے گنجائش دی ہے۔

اور جو لوگ حیلوں کو حرام کہتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل ہیں، حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: لعن الله المحلّل و المحلّل له، اسی طرح یہودیوں کے بارے میں حدیث میں وارد ہے کہ شحوم کو ان پر حرام کیا گیا تھا فجملوھا و باعوھا اس کو پگھلا کر بیچ ڈالا۔

بات یہ ہے کہ حیلے نہ بالکل حلال ہیں اور نہ بالکل حرام ہیں، اگر حیلوں کو کسی ایسے امر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ جس کا استعمال کرنا شریعت میں مباح ہے جیسے ربا سے اور حرام سے بچنے کے لئے اور حلال تک پہونچنے کے لئے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر کسی کے حق کا ابطال کیا جاتا ہے یا کسی باطل چیز کو ثابت کرنا مقصود ہے تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اب جب تمہیدی طور پر اتنی بات آپ سمجھ گئے تو اب سنئے۔

(ص ۱۰۲۸) بَابٌ فِي تَرْكِ الْحِيَلِ وَأَنَّ لِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوَى فِي الْأَيْمَانِ وَغَيْرِهَا

امام بخاری نے پہلے تو کتاب الحیل منعقد کی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض حیل مشروع ہیں لہٰذا انہیں ترک نہیں کیا جائیگا، اور پھر ترجمہ منعقد کیا باب ترک الحیل، علامہ ابن منیر کہتے ہیں کہ ترجمہ میں مصنف نے ترک کا لفظ داخل کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ کہیں کوئی آدمی کتاب الحیل کے ترجمہ سے یہ نہ سمجھ جائے کہ بخاری حیل کو مباح کہتے ہیں۔

دیکھو! یہ دو باتیں ہیں، دونوں میں تعارض ہے، بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجر شافعی ہیں اور شافعیہ کے یہاں بعض حیلے مباح ہیں اور ابن منیر مالکی ہیں اور مالکیہ سارے حیل سے منع کرتے ہیں، لہٰذا ہر ایک اپنے مسلک کے اعتبار سے ترجمہ کی تقریر کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری کا رجحان ترک الحیل کی طرف ہی ہے۔

وأن لکل امرئ مانوی: ہر انسان کے لئے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے، بخاری نے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الفاظ کا عقود میں اعتبار نہیں بلکہ معانی کا اعتبار ہے۔

فی الأیمان وغیرہ: اَیمان اور غیر اَیمان میں، لہٰذا اگر کوئی آدمی ظالم ہو اور ظالمانہ طور پر وہ کسی سے قسم لے رہا ہے تو اس صورت میں حالف کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، وہ قسم کھانے میں جیسی نیت کرے گا اس نیت کو ملحوظ رکھا جائے گا اور حانث نہیں ہوگا۔

اَیمان کو شراح نے اسی طرح (ہمزہ کے فتح کے ساتھ) ضبط کیا ہے، لیکن ہمارے حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے اور یہی ہمارے حضرت شیخ (دامت برکاتہم) کی رائے ہے کہ **فی الإیمان**، (ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ) ہے اور حیلہ فی الاِیمان روایت الباب سے ظاہر ہے، اس لئے کہ مہاجر ام قیس نے ہجرت کی اور ایمان لائے نکاح کرنے کے لئے، تو گویا انہوں نے اپنے ایمان اور ہجرت کو حیلہ بنایا تھا نکاح کے لئے، لیکن بہر حال ایمان اگر حیلہ کے درجہ میں ہی ہو اگر وہ دل سے ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۶۹۵۳) حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ هَاجَرَ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ

(ص ۱۰۲۸) بَابٌ فِي الصَّلَاةِ

یعنی یہ باب حیلہ فی الصلاۃ کے بیان میں ہے، علامہ ابن بطال اور ابن منیر وغیرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے حنفیہ کی تردید کی ہے اس واسطے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے نماز پڑھی اور جلسۂ آخرہ میں حدث کر دیا تو اسکی نماز صحیح ہو گئی، امام بخاری فرماتے ہیں کہ احناف اس مسئلہ میں متحیّل ہیں، اسلئے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں **لا یقبل اللہ صلاۃ أحدکم إذا أحدث حتی یتوضأ۔**

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ **أحدث** کا مطلب یہ ہے کہ **أحدث فی وسط الصلاۃ**، اور یہاں گفتگو ہو رہی ہے فی آخر الصلاۃ کی، اور احناف نے جو یہاں حدث کو متمّم صلاۃ بتایا ہے وہ محض اپنی رائے سے نہیں بلکہ کچھ آثار ہیں جو حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ وغیرہ سے نقل کئے جاتے ہیں جیسا کہ تم طحاوی میں پڑھ چکے ہو، ابوداود، مسند احمد، صحیح ابن حبان میں وارد ہے کہ **إِذَا قُلْتَ هٰذَا أَوْ فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ**

قَضَيْتَ صَلَاتَكَ، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ۔

بعض صاحبان فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے حنفیہ پر مسئلۂ بنا میں رد کیا ہے، مسئلۂ بنا کا مطلب یہ ہے کہ احناف فرماتے ہیں کہ کسی نے نماز شروع کی اور بیچ صلاۃ میں حدث لاحق ہو گیا تو اب وہ جاکر وضو کر کے آکر جہاں سے حدث لاحق ہو وہیں سے نماز تام کر سکتا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمارہے ہیں: لایقبل اللہ صلاۃ أحدکم إذا أحدث حتی یتوضأ پھر نماز کیسے ہوگی؟ بعض احناف نے اس کا عجیب و غریب جواب دیا کہ حضور یہی تو فرماتے ہیں کہ اللہ قبول نہیں کریں گے جب حدث ہو جائے یہاں تک کہ وضو کرے، معلوم ہوا کہ وضو سے پہلے کی نماز صحیح ہے، اب جب حدث لاحق ہوا تو اب قبول نہیں ہے، لیکن اگر وضو کرے گا تو قبول ہو جائے گی لہٰذا بنا کرنے میں کیا اشکال باقی رہا۔

ہمارے حضرت گنگوہی نے یہاں پر حیلہ کی تقریر یہ فرمائی ہے کہ اگر کسی آدمی نے یہ قسم کھالی کہ أنتِ طالق إذا سلّمتُ من صلاۃ الظهر، اب اس صورت میں اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں نے ظہر پڑھ کر سلام پھیر دیا تو بیوی مطلقہ ہو جائے گی تو کیا صورت ہو بچنے کی، کسی مفتی سے پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ تم تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد بات کر لو یا حدث کر لو تمہارا فرض ادا ہو جائے گا، کیونکہ سلام رکنِ صلاۃ ہے نہیں، اور اس کے بعد تمہاری نماز واجب الاعادہ ہوگی، اور وجوب اور فرض میں فرق ہے، تم نے جو قسم کھائی تھی وہ تو فرض سے سلام پھیرنے پر تھی، فرض ادا ہو گیا اب اگر اعادہ کرو گے تو سلام پھیرو گے واجب سے نہ کہ فرض سے۔

امام بخاری ان سب صورتوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لایقبل اللہ فرمارہے ہیں، لیکن اس کا جواب میں ابھی دے چکا ہوں کہ احناف نے اس صورت میں اتمام صلاۃ کا قول حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد: إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد قضيت ما عليك أو قال فقد تمت صلاتك، إن شئت أن تقوم فقم وإن شئت أن تقعد فاقعد، رواه أحمد وأبو داود وابن حبان في صحيحه سے لیا ہے۔

(٦٩٥٤) حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ۔

(ص ١٠٢٨) بَابٌ فِي الزَّكَاةِ وَأَنْ لَا يُفَرَّقَ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَلَا يُجْمَعَ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ

(٦٩٥٥) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ

(٦٩٥٦) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَائِرَ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فَقَالَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا فَقَالَ أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ قَالَ شَهْرَ رَمَضَانَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا قَالَ أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الزَّكَاةِ قَالَ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرَائِعَ (بِشَرَائِعِ) الْإِسْلَامِ قَالَ وَالَّذِي أَكْرَمَكَ لَا أَتَطَوَّعُ شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ أَوْ دَخَلَ (أُدْخِلَ) الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ * وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ فِي عِشْرِينَ وَمِائَةِ بَعِيرٍ حِقَّتَانِ فَإِنْ أَهْلَكَهَا مُتَعَمِّدًا أَوْ وَهَبَهَا أَوِ احْتَالَ فِيهَا فِرَارًا مِنَ الزَّكَاةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ

امام بخاری اس باب سے حیلہ فی الزکاۃ کے عدم جواز کو بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے زکاۃ کی اتنی اہمیت دی ہے کہ تفریق مجتمع اور جمع متفرق سے منع فرمایا کہ کہیں صدقہ میں کمی نہ پیدا ہو جائے یا صدقہ واجب نہ ہو، اب اگر کوئی آدمی اسقاطِ زکوۃ کے لئے حیلہ کرتا ہے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔

چنانچہ بعض الناس یعنی امام ابو حنیفہ یوں فرماتے ہیں کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقّہ واجب ہیں، اور اگر کوئی آدمی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے ان اونٹوں کو عمداً ہلاک کر دے یا ہبہ کر دے یا کوئی اور حیلہ کر دے تو اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

حضرات حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حولانِ حول سے پہلے اپنے مال کو ہلاک کرتا ہے یا ہبہ کرتا ہے یا حیلہ کرتا ہے تو اس صورت میں اب تک وجوب کا تعلق ہوا ہی نہیں لہٰذا اس پر مطالبہ کہاں رہا؟ ہاں حولانِ حول کے بعد وہ ہلاک کرتا یا کوئی اور تصرف کرتا تو اس پر مطالبہ ہوتا، مال سبب الوجوب ہے لیکن وجوبِ ادا حولانِ حول کے بعد متوجہ ہوتا ہے۔

اب اگر حولانِ حول سے پہلے کسی شخص نے اس میں تصرف کر دیا تو وجوب سے پہلے تصرف کیا ہے، لہٰذا اس کا تصرف معتبر ہوگا اور اس پر کوئی ملامت متوجہ نہیں ہوگی۔

مگر یہ اور چیز ہے کہ واقعۃً اگر خبثِ نیت ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ حقِ مساکین کو ضائع کر دے تو اس

صورت میں ہر آدمی اپنی نیت کے ساتھ ماخوذ ہوگا، ﴿والله يعلم المفسد من المصلح﴾، اگر عذر یا کسی مجبوری کی وجہ سے کرتا ہے تو امر آخر ہے اور اگر نیت فاسدہ ہے تو اس نیت فاسدہ کا وہ شخص ذمہ دار ہوگا، احناف اس کی نیت فاسدہ کو منع نہیں کرتے لیکن بہر حال یہ بات ضروری ہے کہ شریعت میں اس چیز کا بھی حکم ہونا چاہئے کہ ایسا اگر کوئی کرلے تو کیا حکم ہے؟ امام ابو حنیفہ نے بیان کردیا کہ حکم یہ ہے کہ اس کے ذمہ زکوۃ نہیں ہے اس لئے کہ اب تک وجوب ادا اس پر متوجہ ہی نہیں ہوا تو زکوۃ اس پر کہاں سے واجب ہوگی۔

(۶۹۵۷) حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ فَيَطْلُبُهُ وَيَقُولُ أَنَا كَنْزُكَ قَالَ وَاللهِ لَنْ يَزَالَ (لَا يَزَالُ) يَطْلُبُهُ حَتَّى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَا فَاهُ

(۶۹۵۸) وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَا رَبُّ النَّعَمِ لَمْ يُعْطِ حَقَّهَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَخْبِطُ وَجْهَهُ بِأَخْفَافِهَا

وقال بعض الناس في رجل له إبل فخاف أن تجب عليه الصدقة فباعها بإبل مثلها أو بغنم أو ببقر أو بدراهم فرارا من الصدقة بيوم واحتيالا فلا شئ عليه، وهو يقول: إن زكى إبله قبل أن يحول الحول بيوم أو بسنة جازت عنه:

امام بخاری نے وہی اوپر والی مثال بیان کی ہے مگر صورت ذرا بدل دی ہے، پہلے مصنف نے اہلاک اور ہبہ اور احتیال کا ذکر کیا تھا یہاں بیع کی صورت ذکر فرمادی ہے، اگر کسی آدمی کے پاس اونٹ ہوں اسے خطرہ ہو کہ اس میں صدقہ واجب ہو جائے گا اب وہ انہیں بیچ دے تو اس صورت میں اس پر سے صدقہ ساقط ہو جائے گا۔

آگے امام بخاری تناقض ثابت کرتے ہیں کہ دیکھو کہ یہی لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر حولانِ حول سے پہلے کوئی زکوۃ دے دے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، پوچھنا یہ ہے کہ حولانِ حول سے پہلے زکوۃ واجب ہوتی تھی یا نہیں؟ اگر زکوۃ واجب نہیں ہوئی تو حولانِ حول سے پہلے زکوۃ ادا کیسے ہوئی؟ اور اگر زکوۃ واجب ہوگئی تھی تو وجوب کے بعد اس کو اپنے پاس سے ہٹا دینے کی وجہ سے اس کے ذمہ سے وجوب ساقط کیسے ہو گیا؟

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حولانِ حول سے پہلے زکوۃ واجب نہیں ہوئی بلکہ سبب وجوب پایا گیا اور زکوۃ واجب جب ہوگی جب حولانِ حول ہو جائے، اور حولانِ حول سے پہلے زکوۃ ادا ہونے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی آدمی قرض لیتا ہے ایک وقت مقرر کے لئے اور وہ وقت مقرر سے پہلے قرض ادا کردے، یا کسی سے کوئی سامان خریدے اور کہے کہ میں ایک مہینہ کے بعد قیمت ادا کردوں گا، لیکن پندرہ دن

پر ہی قیمت پیش کر دیتا ہے، تو جیسے یہاں اس کو پیش کرنے کا حق ہے اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا، اسی طرح سے اس صورت میں بھی اگر حولانِ حول سے پہلے سبب کے تحقق کی وجہ سے زکوۃ ادا کر دیتا ہے تو بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔

اب ایک مسئلہ سنو، یہ جو مصنف نے ذکر کیا فباعھا بإبل مثلھا أو بغیر ھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بیع جائز نہیں، مسئلہ سنئے، امام ابو حنیفہ، امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ بیع کی اگر حاجت ہے تو جائز ہے اور اگر بلا حاجت ہے تو جمہور شافعیہ فرماتے ہیں کہ مکروہ تنزیہی ہے، امام غزالی اور بعض دیگر شافعیہ نے حرام کہا ہے لیکن امام نووی نے اس کی تردید فرمائی ہے، تو بیع کے مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ شافعیہ بھی ہیں، البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں یہ صورت جائز نہیں ہے، داود ظاہری اپنی ظاہریت کے باوجود اس مسئلہ میں ابو حنیفہ اور شافعی کے ہم خیال ہیں، واللہ اعلم۔

(۶۹۵۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْضِهِ عَنْهَا

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِذَا بَلَغَتِ الْإِبِلُ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ فَإِنْ وَهَبَهَا قَبْلَ الْحَوْلِ أَوْ بَاعَهَا فِرَارًا وَاحْتِيَالًا لِإِسْقَاطِ الزَّكَاةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ إِنْ أَتْلَفَهَا فَمَاتَ فَلَا شَيْءَ فِي مَالِهِ

امام بخاری نے ابن عباسؓ کی روایت ذکر فرمائی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ دین اللہ أحق بالأداء ہے اور نذر و موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی، اسی طرح زکوۃ بھی ہلاکِ مال کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اب تک زکوۃ اس کے ذمہ دین بنی ہی نہیں تو احق بالاداء کیسے ہوتی، دین تو حولانِ حول کے بعد ہوتا ہے اور حولانِ حول نہیں ہوا تو دین بنی ہی نہیں اور جب دین بنی نہیں تو اس صورت میں اگر اس نے ہبہ کر دیا یا تبدیل کر دی تو کیا مضائقہ ہوا؟

اب غور سے سنو! امام بخاری نے اس باب میں تین دفعہ قال بعض الناس کہا ہے، میں تینوں عبارت کو پڑھ کر تینوں کا فرق بیان کروں گا۔ (چنانچہ عبارت پڑھ کر فرمایا)

امام بخاری نے ان تین عبارتوں میں تین صورتیں ذکر فرمائی ہیں مگر حقیقۃً تینوں اعتراض ایک ہیں، فرق یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے تو ایک سو بیس اونٹوں میں صورت فرض کی ہے اور اہلاک وہبہ کو؟

فرمایا ہے، اور دوسری جگہ بیع کو ذکر فرمایا ہے، اونٹوں کی کوئی مقدار ذکر نہیں فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تناقض کو بھی بیان کیا ہے، اور تیسری جگہ وہی صورت ذکر کی ہے جو پہلی مرتبہ ذکر کی ہے مگر یہاں بیس اونٹ کا ذکر فرمایا۔

ان سب کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنے والا اگر واقعی نیت فاسدہ کی وجہ سے کرتا ہے تب تو وہ اپنی نیت فاسدہ کا ذمہ دار ہے، ﴿واللہ یعلم المفسد من المصلح﴾، اور اگر نیت فاسدہ کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ عذر کی وجہ سے کرتا ہے یا کسی اور بات کی وجہ سے کرتا ہے تو یقیناً اس صورت کا کوئی نہ کوئی حکم شرعاً بیان کرنا چاہئے۔

احناف فرماتے ہیں کہ مال سبب الوجوب ہے لیکن وجوب اداحولانِ حول کے بعد متحقق ہوتا ہے، اب اگر حولانِ حول سے پہلے کسی آدمی نے اپنے مال کو اپنے پاس سے ہٹادیا، یا تبدیل کردیا، یا اور کوئی صورت کی اور اس کا سبب مجبوری ہے تو اس صورت میں وہ شخص معذور ہوگا اور اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اب تک وجوب متوجہ ہی نہیں ہوا ہے، اور تناقض کا جواب میں دے چکا ہوں کہ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی دین موجل کو قبل از وقت ادا کردے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۱۰۲۹) باب

حاشیہ کا نسخہ ہے باب الحیلة فی النکاح، مقصد مصنف کا ہے کہ آدمی اسقاطِ مہر کا حیلہ کرے، یہ باب اس کے بیان میں ہے۔

(۶۹۶۰) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ قُلْتُ لِنَافِعٍ مَا الشِّغَارُ قَالَ يَنْكِحُ ابْنَةَ الرَّجُلِ وَيُنْكِحُهُ ابْنَتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ وَيَنْكِحُ أُخْتَ الرَّجُلِ وَيُنْكِحُهُ أُخْتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ احْتَالَ حَتَّى تَزَوَّجَ عَلَى الشِّغَارِ فَهُوَ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَقَالَ فِي الْمُتْعَةِ النِّكَاحُ فَاسِدٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمُتْعَةُ وَالشِّغَارُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ

امام بخاری نے امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے اور بعض الناس یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی حیلہ کرکے بطریق شغار نکاح کردے تو نکاح صحیح ہوجائے گا اور شرط باطل ہوجائے گی۔

حضرات حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ جس شغار سے رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ شغار جاہلیت ہے کہ سانٹے کا نکاح ہوتا تھا اور یہی بدلہ عوضِ مہر بن جاتا تھا، وہاں مہر نہیں ہوتی تھی۔

شریعت اسلام میں سانٹے کا نکاح تو جائز ہے لیکن مہر واجب ہو گا، اب اگر علی التبادل نکاح ہوا یعنی ایک آدمی کہتا ہے کہ میں اپنی بیٹی کا تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دے تو اس صورت میں نکاح صحیح ہو جائے گا، اگر مہر متعین کیا گیا ہے تب تو کوئی بات نہیں اور اگر مہر متعین نہیں کیا گیا ہے تو ہر ایک کا مہر مثل واجب ہو گا۔

ہاں البتہ ایک صورت حیلہ کی بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی کسی معسر شخص کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور معسر اس کو اپنی بیٹی دینا نہیں چاہتا، اس نے تدبیر یہ کی کہ دیکھ میں تجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا تو مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے، وہ تیار ہو گیا اور نکاح ہو گیا، اب مہر مثل متوجہ ہوا تو موسر کی بیٹی کا مہر تو بہت ہو گا اس کے امثال کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا، اور معسر کی بیٹی کا مہر تھوڑا ہو گا اس کی امثال کا اعتبار ہو گا، گویا یہاں ایک حیلہ پایا گیا کہ اس شخص نے ایک خاص تدبیر کے ذریعہ سے معسر کی بیٹی مختصر سے مہر میں لے لی اور اپنی بیٹی دے دی لمبے چوڑے مہر کے بدلہ میں۔

لیکن بات یہ ہے کہ یہ حیلہ ہے ہی نہیں، حضور ﷺ نے شغار جاہلیت سے منع کیا ہے جس میں مہر ہوتا ہی نہیں اور احناف اس کے قائل نہیں، احناف کہتے ہیں کہ اس طرح کا نکاح ہوا تو مہر واجب ہو جائے گی۔

اس کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں کہ متعہ میں نکاح بھی فاسد شرط بھی باطل، امام بخاری تعارض ثابت کرنا چاہتے ہیں اور تناقض بتا رہے ہیں کہ شغار بھی ممنوع، متعہ بھی ممنوع، جب دونوں ممنوع ہیں تو یا تو دونوں باطل ہونے چاہئیں یا دونوں مباح ہونے چاہئیں؛ یہ کیا وجہ ہے کہ آپ شغار کی صورت میں تو نکاح کی اباحت کے قائل ہیں اور متعہ کی صورت میں نکاح کی حرمت کے قائل ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح تو بأصلہ مشروع ہے اس واسطے وہاں تو شرط باطل ہو جائے گی اور متعہ بأصلہ ممنوع ہے اس واسطے وہاں نکاح صحیح نہیں ہو گا۔

آگے امام بخاری فرماتے ہیں کہ تم ہی میں سے بعض کہتے ہیں: المتعة والشغار جائز والشرط باطل کہ متعہ اور شغار جائز ہے اور شرط باطل ہے، مگر امام بخاری نے یہاں تأمل نہیں فرمایا، امام زفر نے نکاح متعہ کو

جائز نہیں کہا نکاح موقت کو جائز کہا ہے، نکاح متعہ یہ ہے کہ بلفظ تمتع نکاح کیا جائے اور نکاح موقت یہ ہے کہ نکاح کرتا ہے اور ایک سال کی مثلاً قید لگاتا ہے، امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک سال کی قید باطل اور نکاح صحیح ولازم ہو جائے گا۔

(٦٩٦١) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ الْحَسَنِ وَعَبْدِ اللهِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قِيلَ لَهُ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَا يَرَى بِمُتْعَةِ النِّسَاءِ بَأْسًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ احْتَالَ حَتَّى تَمَتَّعَ فَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ وَقَالَ بَعْضُهُمُ النِّكَاحُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ

بعض الناس یہ کہتے ہیں کہ اگر احتیال کیا اور تمتع کر لیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا، اور بعض کہتے ہیں کہ نکاح جائز ہو گا اور شرط باطل ہو گی۔

بات یہ ہے کہ جب تمتع کی صورت میں نکاح فاسد ہوا تو احتیال کہاں پایا گیا، انہوں نے تو شریعت کے مطابق عمل کیا ہے اور یہ جو بعضہم کہتے ہیں کہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے یہاں آپ نے تأمل نہیں فرمایا، بعض سے مراد زفرہیں انہوں نے نکاح موقت کو جائز کہا ہے نکاح متعہ کو جائز نہیں کہا ہے، دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے۔

(ص ۱۰۳۰) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الِاحْتِيَالِ فِي الْبُيُوعِ

وَلَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَإِ

(٦٩٦٢) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَإِ

امام بخاری فرماتے ہیں بیوع میں بھی حیلہ سے احتراز کرنا چاہئے، لیکن امام بخاری نے جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں احتیال فی البیع کا کوئی ذکر نہیں اس لئے بعض فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے بیاض چھوڑی تھی کہ کوئی مناسب روایت لائیں گے مگر اتفاق نہیں ہو سکا۔

حافظ ابن حجر نے روایۃ الباب سے حیلہ فی البیع کو یوں ثابت فرمایا کہ آدمی جب فضل ماء سے منع کرے گا اور کہے گا کہ بھائی میرے پاس پانی زائد نہیں ہے تو اس صورت میں گویا وہ زائد گھاس سے بھی لوگوں کو منع

کرے گا، اب لامحالہ لوگ گھاس چرائیں گے اور چرانے کے بعد اس سے کہیں گے کہ بھائی ہمیں اپنی ضرورت کا پانی فروخت کر دیں اور اتنے ڈول پانی ہمیں دے دیں تو گویا فضل الماء سے جو اس نے روکا ہے وہ اس لئے کہ تا کہ اپنا پانی فروخت کرے اور اس کی قیمت حاصل کرے۔

(ص ١٠٣٠) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَاجُشِ

تناجش یہ ہے کہ آدمی بلا رغبت بیع کے قیمت بڑھاتا چلا جائے یہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں مشتری دھوکہ میں پڑ جاتا ہے گویا مشتری کو دھوکہ میں ڈالنے کا یہ ایک حیلہ ہے۔

(٦٩٦٣) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ النَّجْشِ

(ص ١٠٣٠) بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبُيُوعِ

وَقَالَ أَيُّوبُ يُخَادِعُونَ اللهَ كَأَنَّمَا يُخَادِعُونَ آدَمِيًّا لَوْ أَتَوُا الْأَمْرَ عِيَانًا كَانَ أَهْوَنَ عَلَيَّ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ بیع کے اندر دھوکہ دینا ممنوع ہے، مثلاً ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ سامان اتنے میں خریدا ہے (حالانکہ اس سے کم میں خریدا ہے) جھوٹ بولتا ہے، یا یہ کہ مجھے تو اتنی قیمت اس کی مل رہی تھی اور تم آئے ہو اتنی قیمت دینے، یہ جائز نہیں ہے۔

(٦٩٦٤) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ

فقل لا خلابة: آیا لا خلابة کہنے کا کوئی اثر ہو گا یا نہیں؟ اور بیع میں کوئی دھوکہ لگ جائے تو لا خلابہ کہنے سے کوئی اثر ہو گا یا نہیں ہو گا، اس کے متعلق کلام کتاب البیوع میں ہو چکا ہے۔

(ص ١٠٣٠) بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْاِحْتِيَالِ لِلْوَلِيِّ

فِي الْيَتِيمَةِ الْمَرْغُوبَةِ وَأَنْ لَا يُكَمِّلَ لَهَا صَدَاقَهَا

(٦٩٦٥) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كَانَ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ ﴿وَإِنْ

خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ قَالَتْ هِيَ الْيَتِيمَةُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا فَيُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ نِسَائِهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ ثُمَّ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

حدثنا أبو اليمان: مکمل حدیث اسی سند کے ساتھ کتاب الوصایا میں گذر چکی ہے، لوگ یتیم مرغوبہ میں حیلہ کیا کرتے تھے کہ کم مہر میں اس سے نکاح کیا کرتے اگر ذات المال والجمال ہوتی، اور اگر ذات المال والجمال نہ ہوتی تو دوسری جگہ نکاح کر دیا کرتے۔

(ص ۱۰۳۰) بَابُ إِذَا غَصَبَ جَارِيَةً فَزَعَمَ أَنَّهَا مَاتَتْ فَقُضِيَ بِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ الْمَيِّتَةِ ثُمَّ وَجَدَهَا صَاحِبُهَا فَهِيَ لَهُ وَيَرُدُّ الْقِيمَةَ وَلَا تَكُونُ الْقِيمَةُ ثَمَنًا

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ الْجَارِيَةُ لِلْغَاصِبِ لِأَخْذِهِ الْقِيمَةَ وَفِي هَذَا احْتِيَالٌ لِمَنِ اشْتَهَى جَارِيَةَ رَجُلٍ لَا يَبِيعُهَا فَغَصَبَهَا وَاعْتَلَّ بِأَنَّهَا مَاتَتْ حَتَّى يَأْخُذَ رَبُّهَا قِيمَتَهَا فَيَطِيبُ لِلْغَاصِبِ جَارِيَةُ غَيْرِهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْوَالُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ وَلِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اگر کوئی آدمی کسی کی جاریہ غصب کرلے اور اس کے بعد دعوی کردے کہ یہ تو مر گئی ہے اور حاکم قیمتِ جاریہ کا فیصلہ کردے اور بعد میں صاحبِ جاریہ کو جاریہ مل جائے تو جاریہ کا وہ مستحق ہوگا اور قیمت واپس کردے گا، قیمت ثمن نہیں بن سکتی ہے، لیکن بعض الناس یعنی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جاریہ غاصب کی ہے اس لئے کہ وہ قیمت دے چکا ہے اور مغصوب منہ قیمت لے چکا ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس فتوی میں تو عجیب وغریب حیلہ ہے اگر کسی کو کسی کی باندی پسند آجائے اور وہ بیچنا چاہتا نہیں تو غصب کرلے اور اس کے بعد کہہ دے کہ وہ تو مر گئی، مجبور ہو کر اس کا مالک قیمت لے لے گا، لہٰذا غاصب کے لئے آپ نے غیر کی جاریہ کو طیب وحلال کر دیا ہے۔

غور سے سنو! امام بخاری نے یہاں جو اعتراض فرمایا ہے وہ واقعۃً بہت بھاری اعتراض ہے لیکن اصل چیز یہ ہے کہ شریعت میں بعض چیزیں تو جائز نہیں لیکن اگر کوئی آدمی کر گذرے تو اس کے کچھ احکام ہوتے ہیں مثلاً حیض کے زمانے میں طلاق دینا جائز نہیں لیکن اگر کوئی آدمی کر گزرے تو اسکا حکم ہے، جمہور علماء طلاقِ

حیض کا اعتبار کرتے ہیں، اسی طرح کسی کی جاریہ کو غصب کر لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی آدمی نے غصب کر لیا اور دھوکہ دے دیا اور اس کے بعد قاضی نے قیمت کا فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں مغصوب منہ قیمت لینے پر راضی ہوا ہے لہٰذا غاصب کے لئے یہ جاریہ مباح ہو گئی کیونکہ جب عوض مغصوب منہ تک پہونچ گیا تو معوّض غاصب کا ہو گیا، غاصب اس میں تصرف کر سکتا ہے، گو اس کا اصل یعنی ابتدائی فعل غصب کرنا ناجائز ہو گا لیکن بعد میں رضاء جانبین کی وجہ سے اس کو اس جاریہ سے استمتاع اور انتفاع جائز ہو گا اس لئے کہ بدلہ اس کو مل گیا ہے، رہا فی نفسہ اصل فعل کی ممانعت تو احناف اس کا انکار نہیں کرتے ہیں۔

(۶۹۶۶) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ

(ص ۱۰۳۰) بَابٌ

(۶۹۶۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا (نَحْوٍ مِمَّا) أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ

حدثنا محمد بن کثیر: امام بخاری نے یہ روایت اس لئے ذکر فرمائی ہے کہ محض قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے جاریہ غاصب کے لئے مباح نہیں ہو گی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں بشر ہوں، بعض آدمی اپنے بیان اور اپنے مقصود کے اظہار میں چرب زبان ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ میں کسی چرب زبان کے بیان کو سن کر فیصلہ کر دوں تو یہ سمجھ لو کہ میرا فیصلہ تو ظاہر پر ہو گا مگر اس ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے واقع میں وہ فیصلہ مطابق واقعہ نہیں ہے اور دھوکہ دیا گیا ہے تو دوسرے شخص کو دوسرے کا مال لینا جائز نہ ہو گا۔

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق املاکِ مرسلہ سے ہے، عقود و فسوخ سے نہیں، املاکِ مرسلہ جہاں کوئی سبب نہ ہو وہاں قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نافذ نہیں ہوتی، مثلاً یہ گھڑی صالح کے ہاتھ میں ہے، اور عزیز یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ گھڑی میری ہے تو اس صورت میں اگر عزیز بینہ پیش کر دے گا تو مستحق ہو گا، اور اگر بینہ پیش نہ کر سکا اور صالح نے قسم کھالی کہ یہ گھڑی میری ہے تو اس صورت میں گھڑی

صالح کی ہوگی ظاہر حال کے اندر، باطن حال میں چونکہ گھڑی عزیز کی ہے اس لئے اس کو صالح کو رکھنا اور اس سے انتفاع جائز نہ ہوگا۔

اور دوسری چیز ہے عقود وفسوخ، عقود وفسوخ میں احناف فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی ظاہراً وباطناً نافذ ہوتی ہے اگر محل میں صلاحیت ہو اور قاضی کو شہود کا کذب معلوم نہ ہو، اب اگر کوئی آدمی کسی عورت کو قاضی کے یہاں لے جاکر دو گواہ پیش کردے کہ یہ میری بیوی ہے اور محل میں صلاحیت ہے یعنی وہ واقعۃً کسی کی منکوحہ یا معتدۃ الغیر نہیں ہے اور قاضی کو شاہدوں کا کذب معلوم نہیں ہے، اور قاضی فیصلہ کردیتا ہے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ ہی گویا نکاح کردینا بن جائے گا، اور اب اس مدعی کے لئے اس عورت سے انتفاع حاصل کرنا اور اس عورت کا تمکین دینا یعنی اپنے اوپر اس کو قادر بنانا جائز ہے، اور اگر آپ اسکو جائز نہیں کریں گے اور باطناً قضاء قاضی کو نافذ نہیں مانیں گے، تو اس صورت میں توفیر و تکثیرِ زنا لازم آئے گی، لہٰذا احناف اس صورت میں یہ فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی کو ظاہراً وباطناً نافذ ماننا پڑے گا۔

اور امام محمد نے کتاب الاصل میں اس کی ایک مثال اور دلیل پیش کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے یہاں ایک مقدمہ دائر ہوا، ایک شخص نے ایک عورت کے بارے میں مقدمہ پیش کیا، اور دو گواہ دیئے کہ یہ میری بیوی ہے، حضرت علیؓ نے فرمادیا کہ لے جا، عورت انکار کررہی ہے، آخر میں عورت نے یہ کہا کہ امیر المؤمنین! جب آپ نے فیصلہ کردیا تو میرا نکاح اس سے کردو، حضرت علیؓ نے فرمایا شاھداک زوّجاک تیرے شاہدین نے تیرا نکاح اس سے کرادیا ہے، معلوم ہوا کہ قضاء قاضی ظاہراً وباطناً نافذ ہوتی ہے۔

علامہ ابن ہمام نے اس کے لئے ایک اجماعی جزئیہ پیش کیا ہے فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر کسی آدمی نے کسی سے کوئی باندی خریدی اور اس کے بعد مشتری صاحب نے دعوی کیا کہ بیع فسخ ہوگئی ہے، جھوٹا دعوی کیا اور بینہ پیش کردیا، قاضی نے فسخ بیع کا فیصلہ کردیا، اب بائع کے لئے اس سے وطی کرنا اور اس سے خدمت لینا حلال ہے حالانکہ وہ مشتری کے دعوی کے کذب سے واقف ہے، اور وہ اس سے بیچ بھی سکتا ہے کہ اس کو آزاد کردے، تو جیسے یہاں پر قضاءِ قاضی ظاہراً وباطناً نافذ مانی جاتی ہے، ایسے ہی عقود وفسوخ میں قضاء قاضی ظاہراً وباطناً نافذ مانی جائے گی۔

اب یہیں سے غصب جاریہ کا مسئلہ لے لو، جاریہ کو کسی آدمی نے غصب کرلیا اور اس کے بعد اخفاء

کردیا، مغصوب منہ نے قاضی صاحب کے یہاں دعویٰ دائر کردیا کہ اس نے میری جاریہ لے لی، اس نے کہہ دیا کہ لے تو لی تھی مگر وہ ہلاک ہوگئی اور بینہ پیش کردیا، قاضی نے فیصلہ کردیا کہ اچھا جب ہلاک ہوگئی تو اس کی قیمت مغصوب منہ کو ادا کردو اور وہ قیمت لینے پر راضی ہوگیا، اس صورت میں قضاء قاضی جیسے ظاہراً نافذ ہوئی باطناً بھی نافذ ہوئی، اس لئے کہ یہاں عقد بن رہا ہے، عوض دیا جارہا ہے اور معوّض لیا جارہا ہے، ایسے ہی نکاح کا مسئلہ بھی ہے، واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ احکم۔

بہرحال یہ ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے کہ اسی پر اختلاف متفرع ہوتا ہے کہ قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہوتی ہے یا باطناً بھی نافذ ہوتی ہے، احناف کہتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے، املاک مرسلہ میں صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے، اور عقود وفسوخ میں اگر محل میں صلاحیت ہے اور قاضی کذب شہود سے واقف نہیں ہے تو اس صورت میں قضاء قاضی ظاہراً وباطناً نافذ ہوجائے گی تاکہ آدمی زنا سے بچے اور لوگوں میں فتنہ وفساد نہ پھیلنے پائے۔

(ص ۱۰۳۰) بَابٌ فِي النِّكَاحِ

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری شہادۃِ زور فی النکاح کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر نکاح میں جھوٹی شہادت گذر جائے اور اس کی وجہ سے قاضی نکاح کا فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ غیر معتبر ہوگا، اور اس فیصلہ کو تسلیم کرکے نکاح تسلیم کرنا ہے یہ حیلہ فی اثبات النکاح ہے، لیکن حنفیہ کا جواب تقریر بالا سے معلوم ہوچکا کہ قضاء قاضی عقود وفسوخ میں محل کی قابلیت کے بعد ظاہراً وباطناً نافذ ہوجاتی ہے۔

(۶۹۶۸) حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَلَا الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ إِذَا سَكَتَتْ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنْ (إِذَا) لَمْ تُسْتَأْذَنِ الْبِكْرُ وَلَمْ تَزَوَّجْ فَاحْتَالَ رَجُلٌ فَأَقَامَ شَاهِدَيْ زُورٍ (شَاهِدَيْنِ زُورًا) أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِرِضَاهَا فَأَثْبَتَ الْقَاضِي نِكَاحَهَا (نِكَاحَهُ) وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ أَنَّ الشَّهَادَةَ بَاطِلَةٌ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَطَأَهَا وَهُوَ تَزْوِيجٌ صَحِيحٌ

امام بخاری نے جو اعتراض کیا وہ امام ابوحنیفہ پر ہے اور واقعۃً اعتراض سخت ہے لیکن اس اعتراض کا جواب ابھی ہماری تقریر بالا سے معلوم ہوچکا ہے، اور حاصل اس کا یہ ہے کہ قضاءِ قاضی عقود وفسوخ میں ظاہراً و

باطناً نافذ ہو جایا کرتی ہے اگر محل میں قابلیت ہو اور قاضی کو شہود کے کذب کا علم نہ ہو ورنہ اگر قضاء قاضی کو ظاہر اً و باطناً نافذ نہ مانا جائے تو لا محالہ یہ مدعی شخص اس قاضی کے فیصلہ پر وطی کرے گا اور یہ وطی حرام ہو گی، زنا کی توفیر لازم آئے گی، اور احناف کے مسئلہ کو اگر مان لیا جائے تو زنا سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اور زنا سے بچنے کی صورت نکل آتی ہے، اب خود ہی غور کر لیا جائے کہ احناف کی بات ماننا زیادہ مفید ہے یا نہ ماننا زیادہ مفید ہے۔

(٦٩٦٩) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ وَلَدِ جَعْفَرٍ تَخَوَّفَتْ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَلِيُّهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَأَرْسَلَتْ إِلَى شَيْخَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعِ ابْنَيْ جَارِيَةَ قَالَا فَلَا تَخْشَيْنَ فَإِنَّ خَنْسَاءَ بِنْتَ خِذَامٍ أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ* قَالَ سُفْيَانُ وَأَمَّا عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ عَنْ أَبِيهِ إِنَّ خَنْسَاءَ

حدثنا علی بن عبد الله: خنساء بنت خذام کا قصہ یہ تھا کہ وہ بالغہ تھیں اور بالغہ پر اجبار کا حق ہوتا نہیں، باپ نے زبردستی نکاح کر دیا تھا انہوں نے مقدمہ دائر کر دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عدم رضا کی وجہ سے نکاح فسخ کر دیا۔

(٦٩٧٠) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ احْتَالَ إِنْسَانٌ بِشَاهِدَيْ زُورٍ عَلَى تَزْوِيجِ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ بِأَمْرِهَا فَأَثْبَتَ الْقَاضِي نِكَاحَهَا إِيَّاهُ وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يَتَزَوَّجْهَا قَطُّ فَإِنَّهُ يَسَعُهُ هَذَا النِّكَاحُ وَلَا بَأْسَ بِالْمُقَامِ لَهُ مَعَهَا

یہ وہی صورت ہے بس فرق اتنا ہے کہ وہاں امام بخاری نے بکر کی صورت میں مسئلہ کو فرض کیا تھا اور یہاں ایّم کی صورت میں مسئلہ فرض کر لیا ہے، والجواب الجواب۔

(٦٩٧١) حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ قُلْتُ إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحْيِي قَالَ إِذْنُهَا صُمَاتُهَا

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنْ هَوِيَ رَجُلٌ جَارِيَةً يَتِيمَةً أَوْ بِكْرًا فَأَبَتْ فَاحْتَالَ فَجَاءَ بِشَاهِدَيْ زُورٍ عَلَى أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا فَأَدْرَكَتْ فَرَضِيَتِ الْيَتِيمَةُ فَقَبِلَ الْقَاضِي شَهَادَةَ الزُّورِ وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ بِبُطْلَانِ ذَلِكَ حَلَّ لَهُ الْوَطْءُ

یہ بھی وہی صورت ہے جو بیان کی تھی فرق اتنا ہے کہ یہاں جاریہ یتیمہ کی صورت میں مسئلہ فرض کیا ہے، آگے أو بکراً اور بڑھا دیا ہے، ان تینوں جزئیات کا تعلق ایک ہی مسئلہ سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قضاء قاضی ظاہر اً و باطناً نافذ ہوتی ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ ظاہر اً نافذ ہوتی ہے

باطناً نہیں، اس لئے سب غیر معتبر صورتیں ہیں اور زنا لازم آئے گا، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ ظاہراً وباطناً دونوں طرح نافذ ہو جاتی ہیں تاکہ توفیر زنا لازم نہ آئے اگر محل میں قابلیت ہو۔

(ص ۱۰۳۱) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنِ احْتِيَالِ الْمَرْأَةِ مَعَ الزَّوْجِ وَالضَّرَائِرِ وَمَا نَزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَٰلِكَ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ عورت اپنے خاوند اور اپنی سوکنوں کو ستانے کی تدابیر کرے، یہ مکروہ ہے، حضور اکرم ﷺ پر آیت نازل ہوئی تھی ﴿لم تحرّم ماأحلّ الله لك﴾۔

(۶۹۷۲) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَيُحِبُّ الْعَسَلَ وَكَانَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ أَجَازَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْهُنَّ فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَاحْتَبَسَ عِنْدَهَا أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَٰلِكَ فَقِيلَ (فَقَالَ) لِي أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةٌ مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةَ عَسَلٍ فَسَقَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ شَرْبَةً فَقُلْتُ أَمَا وَاللهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ فَذَكَرْتُ ذَٰلِكَ لِسَوْدَةَ قُلْتُ إِذَا دَخَلَ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ سَيَدْنُو مِنْكِ فَقُولِي لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَا فَقُولِي لَهُ مَا هَٰذِهِ الرِّيحُ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ أَنْ يُوجَدَ مِنْهُ الرِّيحُ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ فَقُولِي لَهُ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ وَسَأَقُولُ ذَٰلِكِ وَقُولِيهِ أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى سَوْدَةَ قُلْتُ تَقُولُ سَوْدَةُ وَالَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ كِدْتُ أَنْ أُبَادِرَهُ (أُبَادِيَهُ) بِالَّذِي قُلْتِ لِي وَإِنَّهُ لَعَلَى الْبَابِ فَرَقًا مِنْكِ فَلَمَّا دَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ قَالَ لَا قُلْتُ فَمَا هَٰذِهِ الرِّيحُ قَالَ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ قُلْتُ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ قُلْتُ لَهُ مِثْلَ ذَٰلِكَ وَدَخَلَ عَلَى صَفِيَّةَ فَقَالَتْ لَهُ مِثْلَ ذَٰلِكَ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ قَالَتْ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا أَسْقِيكَ مِنْهُ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي بِهِ قَالَتْ تَقُولُ سَوْدَةُ سُبْحَانَ اللهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ قَالَتْ قُلْتُ لَهَا اسْكُتِي۔

أجاز علی نسائه: یعنی اپنی ازواج پر عصر کے بعد دور فرماتے تھے۔

فإنه سیقول: سقتنی حفصة: اس روایت میں یہ ہے کہ شربِ عسل کا قصہ حفصہ کے یہاں پیش آیا لیکن صفحہ ۷۲ پر گذرا کہ حضرت زینب کے یہاں پیش آیا، اور بعض روایات ابن مردویہ وغیرہ میں ہے کہ سودہ کے یہاں پیش آیا، بعض تو تعدد واقعہ کے قائل ہیں، لیکن قاضی عیاض، قرطبی، داودی، عینی، اسی طرح صاحبِ توضیح وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ زینب کا قصہ صحیح ہے اور باقی کا قصہ وہم ہے، اس لئے کہ حفصہ

اور سودہ خود حضرت عائشہ کی پارٹی کی تھیں، بھلا وہ اپنی پارٹی کے خلاف کیا سازش کرتیں۔

جرست نحلہ العرفط: شہد کی مکھی نے اس کا گوند چوس لیا ہوگا۔

(ص ۱۰۳۲) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الاِحْتِيَالِ فِي الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُونِ

فرار من الطاعون جائز نہیں ہے، آدمی فرار من الطاعون کی صورت یہ اختیار کرے کہ مجھے فلاں رشتہ دار سے ملاقات کرنے جانا ہے حالانکہ نہ ملاقات مقصود ہے نہ کچھ، صرف بھاگنے کی صورت اختیار کرنی ہے، یہ جائز نہیں ہے۔

(٦٩٧٣) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَرَجَ إِلَى الشَّأْمِ فَلَمَّا جَاءَ بِسَرْغَ (سَرْغ) بَلَغَهُ أَنَّ الْوَبَاءَ وَقَعَ بِالشَّأْمِ فَأَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ فَرَجَعَ عُمَرُ مِنْ سَرْغَ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ إِنَّمَا انْصَرَفَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

(٦٩٧٤) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ سَمِعَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ يُحَدِّثُ سَعْدًا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الْوَجَعَ فَقَالَ رِجْزٌ أَوْ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهِ بَعْضُ الْأُمَمِ ثُمَّ بَقِيَ مِنْهُ بَقِيَّةٌ فَيَذْهَبُ الْمَرَّةَ وَيَأْتِي الْأُخْرَى فَمَنْ سَمِعَ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا يَقْدَمَنَّ (يُقْدِمَنَّ) عَلَيْهِ وَمَنْ كَانَ بِأَرْضٍ وَقَعَ بِهَا فَلَا يَخْرُجْ فِرَارًا مِنْهُ

(ص ۱۰۳۲) بَابٌ فِي الْهِبَةِ وَالشُّفْعَةِ

یہ باب ہبہ اور شفعہ کے بیان میں ہے، یعنی ہبہ اور شفعہ کے حیلہ کرنے کے بیان میں ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنْ وَهَبَ هِبَةً أَلْفَ دِرْهَمٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى مَكَثَ عِنْدَهُ سِنِينَ وَاحْتَالَ فِي ذٰلِكَ ثُمَّ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِيهَا فَلَا زَكَاةَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَخَالَفَ الرَّسُولَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْهِبَةِ وَأَسْقَطَ الزَّكَاةَ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ بعض الناس یوں کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے کسی شخص کو ہزار درہم یا اس سے زائد ہبہ کر دیا، اس کے بعد وہ موہوب لہ کے پاس چند سالوں تک رہا اور پھر واہب صاحب نے رجوع کر لیا،

تو نہ واہب کے ذمہ زکوۃ ہے نہ موہوب لہ کے ذمہ زکوۃ ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس شخص نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہبہ کے اندر اور زکوۃ کو ساقط کیا، تو زکوۃ میں بھی مخالفت کی، ہبہ میں مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہبہ میں رجوع سے منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنا احناف کے یہاں جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے الواھب أحق بھبتہ مالم یثب منھا یہ روایت حاکم نے ابن عمرؓ سے نقل کی ہے، ویسے ابن ماجہ میں دوسرے صحابہ سے نقل کی گئی ہے۔

جس حدیث سے کراہت پر استدلال کیا گیا ہے احناف فرماتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر بلاوجہ رجوع فی الہبہ ہے تو یہ کراہت سے خالی نہیں لیکن حدیث مذکور فی الباب حرمتِ رجوع فی الہبہ پر دلالت نہیں کرتی ہے، اس لئے کہ کتے کا اپنی قی چاٹنا کسی کے نزدیک حرام نہیں ہے، لوگ اس کو مکروہ فعل قرار دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ رجوع فی الہبہ کرنا ایک فعل مکروہ ہے، اس کو حرام نہیں کہا جاسکتا ہے، احناف کے یہاں رجوع فی الہبہ اس وقت جائز ہے جب قضاءِ قاضی ہو یا فریقین کی تراضی سے ہو اور موانعِ رجوع موجود نہ ہوں، بہر حال احناف جو رجوع کے قائل ہیں وہ دلیل کی وجہ سے قائل ہیں بلا دلیل کے نہیں، لہٰذا ہبہ کے مسئلہ میں احناف پر جو الزام تھا مخالفۃ الرسول کا وہ تو ساقط ہو گیا۔

اور اسقاطِ زکوۃ کا جواب یہ ہے کہ جب رجوع کرنے والے نے رجوع کر لیا تو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ مال موہوب لہ کا نہیں تھا تو کاہے کو اس کی زکوۃ دے گا، اور واہب کے پاس اب تک وہ مال تھا نہیں تو ماضی کی زکوۃ اس پر کیسے واجب ہو گی؟ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر واقعۃً اس شخص کا مقصود ہی یہ ہے کہ زکوۃ واجب نہ ہو اور حق مساکین کو ساقط کرنا چاہتا ہے تو اپنے اس حیلہ کی وجہ سے وہ گنہگار ہو گا، مگر زکوۃ کا وجوب تعلق رکھتا ہے مال کے وجود سے اور مال کا وجود پایا ہی نہیں گیا تو نہ اِس پر زکوۃ واجب ہو گی، نہ اُس پر۔

(٦٩٧٥) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ

(٦٩٧٦) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ إِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ

الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ الشُّفْعَةُ لِلْجِوَارِ ثُمَّ عَمَدَ إِلَى مَا شَدَّدَهُ (سَدَّدَهُ) فَأَبْطَلَهُ وَقَالَ إِنِ اشْتَرَى دَارًا فَخَافَ أَنْ يَأْخُذَ الْجَارُ بِالشُّفْعَةِ فَاشْتَرَى سَهْمًا مِنْ مِائَةِ سَهْمٍ ثُمَّ اشْتَرَى الْبَاقِيَ وَكَانَ لِلْجَارِ الشُّفْعَةُ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ وَلَا شُفْعَةَ لَهُ فِي بَاقِي الدَّارِ وَلَهُ أَنْ يَحْتَالَ فِي ذَلِكَ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ بعض الناس کو دیکھو پہلے تو حق شفعہ للجوار کو ثابت فرمایا حالانکہ حضور ﷺ فرماتے ہیں إذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة پھر اسی کو باطل بھی کر دیا، یوں کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے کوئی مکان خریدا اور اسے خطرہ ہے کہ جار حق شفعہ دائر کر کے مکان لے لے گا، تو اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس مکان کے سو حصے میں سے ایک حصہ خرید لے، اب جب ایک حصہ خرید لے گا، تو ظاہر ہے کہ جار وہ ایک حصہ لے کر کیا کرے گا، اس لئے نہیں لے گا، لہٰذا یہ خریدنے والا شخص صاحب الدار کے مکان میں شریک ہو جائے گا، اب جب مکان میں شریک ہو گیا تو اب بقیہ حصہ خرید لے، اور بقیہ حصہ خریدنے کی صورت میں دوسرے کو حق شفعہ دائر کرنے کا حق نہیں رہے گا، اس واسطے کہ شریکِ دار خرید رہا ہے اور شریکِ دار جار پر مقدم ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ دیکھو انہوں نے کیا حیلہ کیا؟

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ جار کے لئے جو شفعہ ثابت کیا وہ حدیث نبوی الجار أحق بسقبه اور الجار أحق بشفعته اور جار الدار أحق بالدار کی وجہ سے، یہ ساری روایتیں میں ابواب الشفعہ میں بیان کر چکا ہوں، رہی یہ بات کہ جو حیلہ بعض الناس نے بیان کیا ہے اول تو یہ حیلہ قاضی ابو یوسف سے منقول ہے، امام محمد اس کو بہت زیادہ مکروہ سمجھتے تھے، لیکن اگر بالفرض ہم مان لیں کہ ہمارے سارے اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات انسان اس طرح کے حیلے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

ایک غریب آدمی ہے اس کو کہیں مکان نہیں ملتا ہے وہ مکان لینا چاہتا ہے، اب اگر وہ مکان خریدے تو دوسرا مالدار پڑوسی فوراً شفعہ دائر کر کے اس کو لے لے گا، یہ غریب کہاں جائے گا، لہٰذا امام ابو حنیفہ نے اگر یہ حیلہ بیان کیا ہے تو صرف اس واسطے بیان کیا ہے کہ ایک مباح صورت کے ذریعہ اس غریب کو ایک مباح چیز حاصل ہو جائے اور وہ مکان ہے، اور اگر واقعۃً جار کو پریشان کرنا ہے تو کل امرئ مرهون بنيته وعمله، ہر آدمی سے اسکی نیت اور عمل پر مؤاخذہ کیا جائے گا، اور بقول ﴿کل امرئ بما کسبت رهينة﴾ ہر آدمی اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

(٦٩٧٧) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الشَّرِيدِ قَالَ جَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى مَنْكِبِي فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ إِلَى سَعْدٍ فَقَالَ أَبُو رَافِعٍ لِلْمِسْوَرِ أَلَا تَأْمُرُ هَذَا أَنْ يَشْتَرِيَ مِنِّي بَيْتِي الَّذِي (بَيْتَيَّ اللَّذَيْنِ) فِي دَارِي (دَارِهِ) فَقَالَ لَا أَزِيدُهُ عَلَى أَرْبَعِمِائَةٍ إِمَّا مُقَطَّعَةٍ وَإِمَّا مُنَجَّمَةٍ قَالَ أُعْطِيتُ خَمْسَمِائَةٍ نَقْدًا فَمَنَعْتُهُ وَلَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ مَا بِعْتُكَهُ أَوْ قَالَ مَا أَعْطَيْتُكَهُ قُلْتُ لِسُفْيَانَ إِنَّ مَعْمَرًا لَمْ يَقُلْ هَكَذَا قَالَ لَكِنَّهُ قَالَ لِي هَكَذَا

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَبِيعَ (أَنْ يَقْطَعَ) الشُّفْعَةَ فَلَهُ أَنْ يَحْتَالَ حَتَّى يُبْطِلَ الشُّفْعَةَ فَيَهَبَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي الدَّارَ وَيَحُدُّهَا وَيَدْفَعُهَا إِلَيْهِ وَيُعَوِّضُهُ الْمُشْتَرِي أَلْفَ دِرْهَمٍ فَلَا يَكُونُ لِلشَّفِيعِ فِيهَا شُفْعَةٌ

الجار أحق بسقبه: جار اپنے قرب کا زیادہ حق دار ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو میں تمہیں نہ بیچتا۔

قلت لسفيان: إن معمرا لم يقل هكذا: قلتُ کے قائل علی بن مدینی ہیں، علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان سے کہا کہ آپ تو إبراهيم بن ميسرة قال سمعت عمرو بن الشريد يقول: جاء المسور کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ یہ حدیث عن عمرو بن الشرید عن ابی رافع نقل کرتے ہیں گویا ابو رافع کے مسانید میں قرار دیتے ہیں، مگر معمریوں نہیں نقل کرتے بلکہ وہ عن إبراهيم بن ميسرة عن عمرو بن الشريد عن أبيه الشريد نقل کرتے ہیں گویا وہ شرید کی مسانید میں قرار دیتے ہیں، تو سفیان بن عیینہ نے یہ جواب دیا کہ میرے استاذ ابراہیم بن میسرہ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا، اب جمع بین القولین کی صورت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ابو رافعؓ نے بھی حضور ﷺ سے سنی ہو اور حضرت شریدؓ نے بھی سنی ہو۔

وقال بعض الناس: إذا أراد أن يبيع الشفعة فله أن يحتال الخ: یوں کہتے ہیں کہ حدیث میں تو جار کے لئے شفعہ ثابت کیا گیا ہے، اور بعض الناس کہتے ہیں کہ شفعہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری کو دار ہبہ کر دے اور مشتری اس کے بدلہ میں عوض ہبہ کر دے، یہاں بیع کی صورت ہی نہیں پائی گئی بلکہ ہبہ کی شکل پائی گئی لہٰذا جار کو شفعہ کا حق دائر کرنے کا حق حاصل ہی نہیں۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر واقعۃً جار کا اضرار مقصود ہے تو اس نیتِ فاسدہ کی اسکو سزا ملے گی، اور اگر اضرار مقصود نہیں بلکہ جار کے شر سے بچنا مقصود ہے اور مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا جارہا ہے کہ مثلاً اس بیچارے غریب کو مکان نہیں مل رہا ہے تو پھر اس طرح کا حیلہ بعض صورتوں میں کیا جاتا ہے۔

(٦٩٧٨) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ سَعْدًا سَاوَمَهُ بَيْتًا بِأَرْبَعِمِائَةِ مِثْقَالٍ فَقَالَ لَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ

الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهٖ لَمَا أَعْطَيْتُكَ

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ اشْتَرَى نَصِيبَ دَارٍ فَأَرَادَ أَنْ يُبْطِلَ الشُّفْعَةَ وَهَبَ لِابْنِهِ الصَّغِيرِ وَلَا يَكُونُ عَلَيْهِ يَمِينٌ

امام بخاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو جار کے لئے حق شفعہ ثابت کیا ہے اور بعض الناس نے اس سے بچنے کے لئے حیلہ کی صورت یہ بیان کر دی کہ بعض الدار خرید کر اپنے چھوٹے بیٹے کے حوالہ کر دے، چھوٹا بیٹا موہوب لہ اور مالک بن گیا تو مقدمہ کا تعلق اس سے ہو گیا اور وہ کچہری جا نہیں سکتا اور یمین اس پر متوجہ ہو نہیں سکتی اس لئے مقدمہ خارج ہو جائے گا۔

یہاں بھی ہمارا وہی جواب ہے جو ہم پہلے دے آئے ہیں کہ اگر نیتِ ابطال ہے تو واقعی اس نیتِ سیئہ کی اس کو سزا ملے گی اور اگر نیتِ ابطال نہیں بلکہ مجبوری ہے تو الضرورات تبیح المحظورات۔

(ص ۱۰۳۲) بَابُ احْتِيَالِ الْعَامِلِ لِيُهْدَى لَهُ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ عاملِ زکوۃ و صدقات عامل بن کر جائیں، بڑے صاحب بن کر نہ جائیں کہ لوگ اسے ہدیہ دیں یہ مکروہ ہے۔

(۶۹۷۹) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ يُدْعَى ابْنَ اللُّتْبِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ قَالَ هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ثُمَّ خَطَبَنَا فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِي اللهُ فَيَأْتِي فَيَقُولُ هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ وَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَأَعْرِفَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ حَتَّى رُئِيَ (رِيءَ) بَيَاضُ إِبْطِهِ (إِبْطَيْهِ) يَقُولُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ بَصُرَ عَيْنِي وَسَمِعَ أُذُنِي

(۶۹۸۰) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ (بِسَقَبِهِ)

یہ روایت یہاں بالکل بے جوڑ آ گئی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ کسی کاتب کی غلطی ہے، اس کا تعلق اس باب سے پہلے باب سے ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ اشْتَرَى دَارًا بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَحْتَالَ حَتَّى يَشْتَرِيَ الدَّارَ بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَيَنْقُدَهُ تِسْعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَتِسْعَمِائَةِ دِرْهَمٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ وَيَنْقُدَهُ دِينَارًا بِمَا بَقِيَ مِنَ الْعِشْرِينَ الْأَلْفَ (أَلْفَ) فَإِنْ طَلَبَ الشَّفِيعُ أَخَذَهَا بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَإِلَّا فَلَا سَبِيلَ لَهُ عَلَى الدَّارِ فَإِنِ اسْتُحِقَّتِ الدَّارُ رَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ بِمَا دَفَعَ إِلَيْهِ وَهُوَ تِسْعَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ وَتِسْعُمِائَةٍ وَتِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ دِرْهَمًا وَدِينَارٌ لِأَنَّ الْبَيْعَ حِينَ اسْتُحِقَّ انْتَقَضَ الصَّرْفُ فِي الدِّينَارِ (فِي الدَّارِ) فَإِنْ وَجَدَ بِهَذِهِ الدَّارِ عَيْبًا وَلَمْ تُسْتَحَقَّ فَإِنَّهُ يَرُدُّهَا عَلَيْهِ بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ فَأَجَازَ هَذَا الْخِدَاعَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعُ الْمُسْلِمِ لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا غَائِلَةَ

امام بخاری یہاں کتاب الحیل میں چودھویں جگہ قال بعض الناس ذکر کر رہے ہیں، یوں فرمارہے ہیں کہ بعض الناس یوں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تو فرمایا الجار أحق بسقبه جار اپنے قرب کی وجہ سے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے، اور بعض الناس اس شفعہ کے اسقاط کا حیلہ کر رہے ہیں کہ ایک آدمی کو ایک مکان خریدنا ہے تو ایک مکان بیس ہزار درہم کا خرید لے اور پھر حیلہ یہ کرے کہ بیس ہزار کا خرید کر اس کو بیس ہزار کے بدلہ میں نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار دیدے، نو ہزار نو سو ننانوے درہم تو بالمقابل نو ہزار نو سو ننانوے درہم کے ہو گیا، اور ایک دینار دس ہزار اور ایک درہم کے مقابل میں ہو گیا، اب اگر شفیع حقِ شفعہ دائر کر کے لے گا تو بیس ہزار میں لے گا، اور قیمت گراں سمجھ کر لے گا نہیں۔

فإن استحقت الدار: لیکن بعد میں اگر کوئی استحقاق ثابت ہو گیا مثلاً معلوم ہوا کہ بائع کے بھائی کا وہ حصہ نہیں بلکہ کسی اور کا ہے تو اس صورت میں مشتری بائع پر رجوع کرے گا، جو دیا ہے یعنی نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار لے گا اس لئے کہ بیع کسی کے استحقاق کے بعد ٹوٹ گئی، کیونکہ بیع صرف مبنی تھی بیع دار پر، اور بیع دار استحقاق کی بناپر ٹوٹ گئی تو جو اس پر مبنی تھی یعنی بیع صرف وہ بھی ٹوٹ گئی۔

آگے فرماتے ہیں فإن وجد بهذه الدار عيبا اگر اس دار میں کوئی عیب نکل آیا اور استحقاق ثابت نہ ہوا تو اس صورت میں مشتری صاحب مکان واپس کریں گے اور بیس ہزار وصول کریں گے، امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ کیسا دھوکہ ہے؟

خلاصہ کلام: امام بخاری کا یہ ہے کہ کوئی آدمی کوئی مکان لینا چاہتا ہے اور خطرہ ہے کہ جار شفعہ دائر کر کے مکان لے لیگا تو صورت یہ کرے کہ بیس ہزار درہم کا خرید لے اور بائع سے بیع صرف کا معاملہ کر لے اور کہہ

دے کہ بیس ہزار کے بدلہ میں ہم آپ کو نقد نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار دیتے ہیں، تو گویا اس شخص نے مکان خریدا ہے دس ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار میں، اب شفیع تو لے گا نہیں اس لئے کہ اگر وہ لے گا تو بیس ہزار میں دیا جائے گا، اور اس قیمت پر وہ کیوں لے گا؟

لیکن آگے گڑبڑ یہ ہے کہ اگر استحقاق ثابت ہو جائے تو استحقاق کی صورت میں چونکہ اصل مکان کی بیع ٹوٹ گئی، اور مکان کی بیع پر بیع صَرف مبنی تھی لہٰذا وہ بھی ٹوٹ گئی، تو مشتری نے جتنا دیا تھا اتنا بائع سے وصول کرلے، اور اگر اتفاق سے مکان میں کوئی عیب نکل آیا اور وہ معیب ہو گیا تو اس صورت میں مشتری بائع سے بیس ہزار لے گا حالانکہ دیا ہے نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار، یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔

حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ تدبیر ابتداءً اس لئے کی گئی تھی کہ شفیع کے شر سے بچا جائے اور اس سے احتراز کیا جائے، لیکن اگر اتفاق سے عیب پایا گیا تو معیب کی بیع تام ہوتی ہے، لہٰذا جب بیع تام ہے، تو معاملۂ عقدِ صَرف اس پر مبنی نہیں ہوگا، اور جب عقدِ صَرف اس پر مبنی نہیں تو عقدِ صَرف ٹوٹے گی نہیں، لہٰذا اصل معاملہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

گویا یہاں دو معاملے ہو گئے ہیں، ایک معاملہ مکان کا ہے کہ بیس ہزار میں مشتری نے خریدا ہے، اور دوسرا معاملہ عقدِ صرف کا ہے کہ بائع نے بیس ہزار درہم کے بدلہ میں نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار لیا ہے، اس لئے پہلی بیع اپنی جگہ پر ختم ہو گئی ہے عیب کی وجہ سے اور دوسری بیع اس پر مبنی نہیں رہی تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔

باقی یہاں سوال یہ ہے کہ نو ہزار نو سو ننانوے کا چکر کیوں لگایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاجر لوگ اس طرح کے لمبے حساب کیا ہی کرتے ہیں تاکہ گھما پھرا کر آدمی پریشان ہو جائے اور اس کی سمجھ ہی میں نہ آئے کہ حساب کا خلاصہ کیا ہوا، ورنہ اگر سیدھے سے یہ کہہ دیتا کہ دس ہزار درہم اور ایک دینار میں تم سے معاملہ عقدِ صَرف کر رہا ہوں تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کے طور پر یہ سمجھ لو کہ پہلی صورت یعنی استحقاق کی صورت میں تو معاملۂ صَرف مبنی تھا بیع دار پر لہٰذا استحقاق کی صورت میں معاملۂ بیع ٹوٹ جائے گا، اور دوسری صورت یعنی عیب کی صورت میں بیعِ دار تام ہو چکی تھی، اور معاملۂ بیع صَرف اس پر مبنی نہیں تھا، اس لئے معاملۂ بیع صَرف عیب کی صورت میں نہیں ٹوٹے گا اور اصل

معاملہ چونکہ بیس ہزار پر ہوا تھا لہٰذا بائع کو بیس ہزار واپس کرنا پڑے گا۔

(۶۹۸۱) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ أَنَّ أَبَا رَافِعٍ سَاوَمَ سَعْدَ بْنَ مَالِكٍ بَيْتًا بِأَرْبَعِمِائَةِ مِثْقَالٍ وَقَالَ لَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ (بِسَقَبِهِ) مَا أَعْطَيْتُكَ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم وعلمہ أحکم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب التعبیر (ص ۱۰۳۲)

تعبیر، عبور سے ماخوذ ہے، عبور کے معنٰی آتے ہیں سباحت یعنی دریا میں ادھر سے ادھر گزر جانے کے، جب خواب کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسکے ظاہر سے اسکے باطن کی طرف منتقل ہو جائے اور اسکی حقیقی مراد کو معلوم کیا جائے، اسکے بعد اس میں اختلاف ہے کہ خواب کی حقیقت کیا ہے؟ تفصیل کے ساتھ بدء الوحی میں جہاں حضرت عائشہ کی حدیث جو اس باب میں سب سے پہلے آئی ہے اور گزری ہے میں کلام کر چکا ہوں۔

قاضی ابن عربی فرماتے ہیں کہ یہ ادراکات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب کے اندر فرشتہ یا شیطان کے واسطے سے بأسمائھا یعنی بحقائقھا یا بکناھا یعنی بعبارتھا القاء فرمایا کرتے ہیں، بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ بعض خواب تخلیط بھی ہوتے ہیں اور اسکی نظیر بیداری کی حالت ہے کہ جیسے اس میں بعض خیالات صحیح اور بعض یوں ہی وساوس واوہام اور اخلاط ہوا کرتے ہیں اسی طرح خواب میں ہوتا ہے۔

علامہ ابو بکر بن الطیب باقلانی فرماتے ہیں کہ خواب کی حقیقت اعتقادات ہیں جو رائی کے قلب میں واقع ہوتے ہیں ان کو ادراک نہیں کہا جاسکتا ہے اس واسطے کہ بسا اوقات آدمی اپنے آپ کو بہیمہ کی شکل میں دیکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ادراک نہیں ہے، قاضی ابن العربی نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ بہیمہ کی شکل میں دیکھنا یہ تمثیلی خواب ہوتا ہے گویا اس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر وہ وصف موجود ہے جو بہیمہ کا وصف غالب ہے۔

حافظ ابن قیم نے ایک روایت نقل فرمائی ہے الرؤیا کلام یکلّم بہ العبد ربہ فی المنام، یہ روایت

حکیم ترمذی نے نوادرالاصول میں نقل کی ہے لیکن اسکی سند واہی ہے، امام حاکم، عقیلی اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا اے ابوالحسن! کیابات ہے کہ بعض خوابات تو صحیح ہوتے ہیں اور بعض غلط ہوتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اسکی روح چلتی ہے، اگر عرش تک پہنچ جاتی ہے تو خواب صحیح ہوتا ہے اور اگر عرش تک پہنچنے سے پہلے آنکھ کھل جاتی ہے تو خواب غلط ہوتا ہے، لیکن اسکی سند بھی ضعیف ہے۔

فلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ جو کچھ اس عالم کے اندر موجود ہے عالم بالا میں اسکے نقوش موجود ہیں جب آدمی سوتا ہے تو بعض نقوش نفس ناطقہ کے محاذی ہو جاتے ہیں اسی کو آدمی خواب میں دیکھ لیتا ہے، لیکن امام مازری فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

اور اطباء کی رائے یہ ہے کہ انسان کو جو خوابات نظر آتے ہیں وہ حقیقۃً اخلاط کے تابع ہوتے ہیں، جس پر خلطِ بلغم کا غلبہ ہوتا ہے وہ دریا اور پانی وغیرہ دیکھتا ہے اور جس پر خلطِ صفراء کا غلبہ ہوتا ہے وہ آگ اور زرد چیزیں دیکھتا ہے اور جس پر خلطِ سوداء غالب ہوتی ہے وہ رات اور سیاہ اور خوفناک چیزیں دیکھتا ہے اور جس پر خلطِ دم کا غلبہ ہوتا ہے وہ گل وگلزار اور سرخ چیزیں دیکھتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ خوابات کے متعلق کوئی کلی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، اگر خواباتِ صادقہ ہیں تب تو اسکی تعریف وہی ہے جو قاضی ابن العربی یا علامہ ابو بکر باقلانی نے کی ہے، ورنہ بعض خوابات تخلیطِ شیطان ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور بعض خوابات اخلاط کے تابع ہوتے ہیں، انسان کے مزاج پر جس خلط کا غلبہ ہوتا ہے وہی چیز اسکو نظر آتی ہے، علامہ عبدالغنی نابلسی نے ایک کتاب لکھی ہے 'تعطیر الانام فی تعبیر المنام' اسکے اندر انہوں نے رؤیاء صالحہ کی پانچ قسمیں لکھی ہیں اور اضغاث واحلام کی سات قسمیں لکھی ہیں، جسکو تفصیل درکار ہو اس کتاب میں دیکھے۔

مصنف نے کتاب التعبیر مستقل اسلئے منعقد فرمائی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اور آپ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو خوابات نظر آتے تھے اور انبیاء کے خوابات وحی کی ایک نوع ہے، جیسے وحی کے ذریعہ علوم غیبیہ منکشف ہوتے ہیں ایسے ہی خوابات کے ذریعہ انبیاء پر غیب کے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، مگر انبیاء اور عام لوگوں کے خوابات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کے سارے خوابات صادق ہوتے ہیں، بعض صالح یعنی مسرت انگیز اور بعض غیر صالح ہوتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کے اندر یہ بات نہیں ہوتی ہے۔

دوسری وجہ کتاب التعبیر کے انعقاد کی یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ صبح کے وقت نماز فجر کے بعد بعض اوقات پوچھتے تھے کہ ھل رأی منکم رؤیا؟ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، اگر کوئی صحابی خواب بیان کرتا تو سرکار دوجہاں ﷺ اس کی تعبیر دیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ خواب کی شریعت کے اندر اہمیت ہے اسلئے امام بخاری نے مستقل کتاب التعبیر کا عنوان منعقد کیا ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ سے منقول ہے کہ وہ خواب کو اہمیت نہیں دیتے تھے اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرات خواب کو بے حقیقت جانتے تھے بلکہ ان حضرات کی رائے یہ تھی کہ انسان کو نرے خواب پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے، جہاں تک انسان کی قدرت اور ارادہ کا تعلق ہے وہاں اپنی اس قدرت اور ارادے کو اپنے اختیار سے استعمال کرنا چاہئے، اگر خواب میں آدمی اپنے آپ کو یہ دیکھ لے کہ وہ بڑا افاضل علامہ ہو گیا تو اس پر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جائے بلکہ کوشش کرنی چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے خوابات وحی ہوتے ہیں اور غیر انبیاء کے خوابات اگر اچھے ہیں تو مبشرات کا درجہ رکھتے ہیں اسکو وحی وغیرہ نہیں کہا جاسکتا ہے، ہاں صالحین اور اولیاء اللہ کے خوابات کو الہام کے حدود میں داخل کیا جاسکتا ہے گو الہام نہیں کہہ سکتے ہیں۔

ایک فرق یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرات انبیاء کے خوابات تو بالکل من و عن واقع ہو جاتے ہیں چاہے انہوں نے جیسا دیکھا ہے ویسا ہی واقع ہو جائے اور چاہے اسکی جو تعبیر سمجھ میں آئی ہو ویسے واقع ہو جائے، اور دوسروں کے جو خوابات ہوتے ہیں ان کا من و عن واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ خواب کے ساتھ ان کے مزاج کو بھی دخل ہو جائے، واللہ اعلم۔

یہ جو بات میں نے اخیر میں کہی ہے یہ اپنے انداز سے کہی ہے صحیح ہے یا غلط، اللہ ہی جانتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ عوام الناس کے بہت سے خوابات اخلاط کے تابع اور خیالات پر متفرع ہوتے ہیں اسی قسم کے خوابات کو ان حضرات نے غیر اہم قرار دیا ہے اور لکھ دیتے ہیں کہ ہمیں تو بیداری کی باتوں سے بحث ہے اور رات کی باتوں سے ہمیں کوئی بحث نہیں ہے

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   کہ غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یہ میں نے اسلئے بیان کر دیا تا کہ کوئی آدمی بزرگوں پر اعتراض نہ کرے اور بد فہمی اور کم علمی کی وجہ

سے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ جس چیز کو شارع نے اہمیت دی ان کو ان مشائخ نے غیر اہم کیوں قرار دیا؟ چنانچہ حضرت اقدس تھانوی کے کلام میں بہت جگہ یہ شعر ملتا ہے اور حضرت فرماتے ہیں کہ اسکی طرف التفات مت کرو، اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت خوابات کو اہمیت نہیں دیتے تھے اگر یہی بات ہوتی تو حضرت خواب کی تعبیر کیوں دیتے؟ اور تربیۃ السالک میں تعبیر کے عنوان کا مستقل باب کیوں ہوتا؟

(ص ۱۰۳۳) بَاب أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ

رؤیاء صالحہ جو مسرت انگیز ہو اور رؤیاء صادقہ جو مطابق واقعہ ہو اور ان دونوں کا فرق ابھی بیان کر چکا۔

(۶۹۸۲) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ (جَاءَتْهُ) مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ فَكَانَ يَأْتِي حِرَاءً فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَتُزَوِّدُهُ لِمِثْلِهَا حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فِيهِ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ (الْجُهْدَ) ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ (الْجُهْدَ) ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ (الْجُهْدَ) ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ حَتَّى بَلَغَ ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ فَرَجَعَ بِهَا تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ يَا خَدِيجَةُ مَا لِي وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ وَقَالَ قَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ لَهُ كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ (لَا يُحْزِنُكَ) اللهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قُصَيٍّ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخُو (أَخِي) أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ فَيَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ مِنَ الْإِنْجِيلِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ أَيِ ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ وَرَقَةُ ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَى فَقَالَ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا أَكُونُ حَيًّا حِينَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ فَقَالَ وَرَقَةُ

نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَا (بِمِثْلِ مَا) جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُءُوسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكُلَّمَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لِذَلِكَ جَأْشُهُ وَتَقِرُّ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الْوَحْيِ غَدَا لِمِثْلِ ذَلِكَ فَإِذَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ ضَوْءُ الشَّمْسِ بِالنَّهَارِ وَضَوْءُ الْقَمَرِ بِاللَّيْلِ

یہ حدیث مصنف نے سند ثانی سے ذکر فرمائی ہے یعنی متن سند ثانی کا ذکر کیا ہے اور سند اول کے الفاظ بدء الوحی صفحہ ۲ پر گزر چکے ہیں، اور روایت پر تفصیل سے کلام ہو چکا ہے۔

فیما بلغنا: یہ بلاغات زہری میں سے ہے، موصول نہیں ہے۔

فکلما أوفی بذروة جبل لکی یلقی نفسه: حضور ﷺ فترۃ وحی کے زمانے میں بار بار پہاڑ کی چوٹیوں پر جاتے تھے تا کہ جان دے دیں لیکن جوں ہی پہاڑ پر چڑھتے حضرت جبرئیل ظاہر ہوتے اور کہتے یامحمد! إنک رسول الله حقا، اس سے حضور ﷺ کے جوش میں سکون پیدا ہو جاتا اور دل کو قرار آجاتا۔

(ص ۱۰۳۴) بَابُ رُؤْيَا الصَّالِحِينَ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى لَقَدْ صَدَقَ اللهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ — إلی قوله — فَتْحًا قَرِيبًا

حضرت امام بخاری نے پہلے حضور اکرم ﷺ کے خواب کو ذکر فرمایا کیونکہ اصل شریعت آپ ہی سے چلی ہے پھر اسکے بعد رؤیاء صالحین کو ذکر فرمایا اسلئے کہ اس امت کے صالحین احق بالتقدیم ہیں، اور مصنف نے صالحین جمع کا صیغہ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الرجل الصالح میں الف ولام جنس کا ہے اور حاشیہ پر لکھا ہے باب رؤیا الصالحة، اس صورت میں من قبیل اضافة الموصوف الی الصفة ہو گا۔

(۶۹۸۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ: رؤیاء حسنہ یعنی وہ خواب جو دیکھنے میں بھلا معلوم ہو یا تاویل کے اعتبار سے بھلا ہو۔

مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ: رجل کا کوئی مفہوم نہیں ہے، جیسے رجل صالح کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے ایسے ہی مرأۃ صالحہ کا خواب بھی ہے، مہلب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صالحین کے اکثر رؤیا کو بیان کرنا ہے ورنہ بسا اوقات بعض صالحین بعض اوقات اضغاث واحلام بھی دیکھ لیتے ہیں۔

(ص ۱۰۳۴) بَابُ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ

مطلب یہ ہے کہ جو خوابات انسان کو نظر آتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں، اللہ ہی ان کے پیدا کرنے والے ہیں، لیکن رؤیاء صالحہ کی اضافت اللہ کی طرف کی گئی ہے تشریف و تکریم کی وجہ سے، اور حُلم یعنی اضغاث واحلام کی اضافت شیطان کی طرف کی گئی ہے اسلئے کہ شیطان ہی پریشان خوابات کا سبب بنا کرتا ہے۔

(٦٩٨٤) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرُّؤْيَا (الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ) مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ

وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ: حُلُم بضم الحاء واللام و الحُلْم بضم الحاء وسكون اللام ناپسند خواب جو پریشان کن ہو، یہ جو فرمایا کہ حلم شیطان کی طرف سے ہوتا ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بعض اوقات پریشان کن خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور تعبیر رکھتا ہے، یہاں پریشان کن خواب سے مراد وہ خواب ہے جو اضغاث واحلام کے قبیل سے ہو، شیطان انسان کو پریشان کرنے کے واسطے اس طرح کے خوابات دکھلا دیا کرتا ہے، جیسے ایک صحابی نے خواب دیکھا کہ ان کا سر کٹ گیا اور وہ اسکا اتباع کر رہے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس طرح کے فضول خواب دیکھو تو بیان مت کرو۔

(٦٩٨٥) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللهِ فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ (وَلْيَتَحَدَّثْ) بِهَا وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ

(ص ۱۰۳۴) بَابُ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

یہ باب فی الباب کے قبیل سے ہے، رؤیاء صالحہ کا چونکہ بیان چل رہا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ رؤیاء صالحہ اللہ کی طرف سے ہے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ رؤیاء صالحہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

یہاں روایات میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے رؤیاء صالحہ کو نبوت کا کونسا جزء قرار دیا ہے؟ اس سلسلہ میں سب سے مشہور روایت یہی ہے جو مصنف نے ترجمہ میں ذکر کی ہے یعنی الرؤیا الصالحة جزء من ستة و أربعين جزءً من النبوة یہ متفق علیہ ہے، مسلم شریف میں سبعین کا لفظ وارد ہوا ہے اور مسلم کی ایک روایت میں خمسة و أربعين کا لفظ وارد ہوا ہے، ترمذی شریف میں أربعين کا لفظ وارد ہوا ہے، طبری کی ایک روایت میں أربعة و أربعين کا لفظ وارد ہوا ہے، مسند احمد و ابویعلیٰ میں خمسين کا لفظ وارد ہوا ہے، اسی طرح مسند احمد کی ایک روایت میں تسعة و أربعين کا لفظ وارد ہوا ہے، حافظ ابن عبد البر نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ستة و عشرون کا لفظ وارد ہوا ہے اور بعض الفاظ میں ستة و سبعين کا لفظ وارد ہوا ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سے الفاظ نقل کئے گئے ہیں لیکن روایۃً پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتے ہیں، روایات میں سب سے زیادہ اصح چھیالیس والی روایت ہے اور اسکے بعد ستر والی اور پھر پینتالیس والی روایت ہے۔

ان روایات میں جو اختلاف ہے ان اختلافات کا منشاء ابن جریر طبری کی رائے پر تو یہ ہے کہ رائی کے اختلاف پر مبنی ہے، آدمی جیسا صلاح اور فسق کے اعتبار سے ہوتا ہے ویسے ہی اسکا خواب بھی ہوا کرتا ہے، علامہ ابن بطال نے بطریق احتمال یہ ذکر فرمایا ہے کہ بعض خواب جلی ہوتے ہیں اور بعض خفی ہوتے ہیں، جلی اور خفی ہونے کے اعتبار سے ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اور بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اصل میں مدت نبوت کل تیئیس سال تھی جن میں چھ ماہ حضور پاک ﷺ کو خوابات نظر آئے اور چھ ماہ، تیئیس سال کا چھیالیسواں بنتا ہے اسلئے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں جزء بتایا گیا ہے، یہ توجیہ اگرچہ بہت زیادہ مشہور ہے مگر صحیح نہیں ہے، امام خطابی اور ابن بطال وغیرہ نے اسکی تغلیط کی ہے، اول تو اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کو جو چھ ماہ خوابات نظر آئے تھے وہ نبوت ملنے سے پہلے کے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بیچ کے اندر بھی بہت سے خوابات دیکھے ہیں، اگر ان کا مجموعہ ملایا جائے تو شاید وہ مدت بھی چھ ماہ تک پہنچ سکتی ہے، اگرچہ اسکا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد کے جو خوابات ہیں وہ نبوت کے اندر مندرج ہیں اسلئے ان کو مستقل

شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ روایت کے اندر صرف چھیالیس ہی کے عدد کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سے اعداد ہیں جیسا کہ ابھی اسکی طرف اشارہ کیا جاچکا۔

اسکے بعد یہ سوال ہوتا ہے کہ خوابات کو نبوت کا جو جزء بتلایا گیا ہے اسکا کیا مطلب ہے؟ (۱) زجاج اور مازری کی رائے ہے کہ اسکو نبوت کا جزء بایں معنیٰ بتلایا گیا ہے کہ جیسے انبیاء کو غیب کی خبریں معلوم ہوتی ہیں ایسے ہی خواب کے ذریعہ غیب کی باتیں اور کل کو ہونے والی بات معلوم ہو جاتی ہے (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ اصل میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کو نبوت ہی خواب کے راستہ سے ملی تھی (۳) بعض کہتے ہیں کہ اسلئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ابتداءً رویاء صالحہ نظر آتے ہیں اس واسطے اس کو نبوت کا جزء بتلایا گیا (۴) اور بعضے حضرات یہ کہتے ہیں کہ جزء نبوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خصال نبوت میں سے ہے قالہ القرطبی (۵) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جزء نبوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے علوم میں سے ایک علم ہے اسلئے کہ علوم نبوت کی بہت سی انواع ہیں جسکے اندر تکلیم اللہ، الہام، وحی، فراست اور القاء فی الروع ہے ذکرہ ابو عبد اللہ الحلیمی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسکے بعد یہ سمجھ لو کہ بقاءِ جزءِ نبوت سے نفسِ نبوت کا بقاء لازم نہیں آتا ہے لہٰذا خوابات صالحہ کے ذریعہ کسی کو نبوت حاصل نہیں ہو جاتی ہے جیسے ایک اینٹ کے موجود ہونے سے پوری عمارت موجود نہیں ہوتی ہے ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لو۔

(٦٩٨٦) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْرًا لَقِيتُهُ بِالْيَمَامَةِ عَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ فَلْيَتَعَوَّذْ مِنْهُ وَلْيَبْصُقْ عَنْ شِمَالِهِ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ* وَعَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

(٦٩٨٧) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

(٦٩٨٨) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ* وَرَوَاهُ ثَابِتٌ وَحُمَيْدٌ وَإِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَشُعَيْبٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(٦٩٨٩) حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ

خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

(ص ۱۰۳۵) بَابُ مُبَشِّرَاتِ

یہاں دو نسخے ہیں باب مبشرات تنکیر کے ساتھ اور دوسرا باب المبشرات، مبشرات وہ خوابات کہلاتے ہیں جنکے اندر خوش کن منظر نظر آتا ہے ایک حدیث پاک میں وارد ہوا ہے جو بخاری میں نقل کی گئی ہے لم یبق من النبوۃ إلا المبشرات، قالوا یا رسول اللہ! ما المبشرات؟ قال: الرؤیا الصالحة، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے ابن عباس سے نقل کیا ہے قال النبی ﷺ: لم یبق من مبشرات النبوۃ إلا الرؤیا الصالحة یراھا المسلم أو تری له، مسلمان خود دیکھے یا اسکے لئے اسکا کوئی بھائی دیکھے، اور ام کرد کعبیہ کی روایت میں وارد ہوا ہے سمعت النبی ﷺ یقول: ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات، أخرجه أحمد وابن ماجه وصححه ابن خزیمة وابن حبان وغیرھم، اس حدیث پاک نے بالکل بات ہی صاف کردی کہ نبوت تو ختم ہو چکی ہاں نبوت کے مبشرات میں سے خواب باقی رہ گیا ہے لہذا خواب کے بقاء سے نبوت کے بقاء پر استدلال نہیں ہو سکتا ہے۔

(۶۹۹۰) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ

(ص ۱۰۳۵) بَابُ رُؤْيَا يُوسُفَ

وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ

الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾

حضرت امام بخاری نے بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے خوابات کو ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ رؤیاء صالحہ نبیٔ پاک ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دیگر انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی صالح رؤیا نظر آتے تھے، امام بخاری نے رؤیا یوسف اور رؤیا ابراہیم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے لیکن اسکے تحت صرف آیات قرآنیہ ذکر فرمائی ہیں کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی، ولعل ذالک لأنہ لم یثبت لہ حدیث علی شرطہ فی رؤیاھما، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۱۰۳۵) بَابُ رُؤْيَا إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَام

وَقَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ قَالَ مُجَاهِدٌ ﴿أَسْلَمَا﴾ سَلَّمَا مَا أُمِرَا بِهِ ﴿وَتَلَّهُ﴾ وَضَعَ وَجْهَهُ بِالْأَرْضِ

قَالَ يَا بُنَيَّ: یہ خطاب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہے، یہی قولِ صحیح ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اہل کتاب نے تورات کے اندر تغییر کی اور اسماعیل کی جگہ اسحاق لکھ دیا لیکن یہ قول غلط ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ حافظ ابن قیم اور حافظ ابن کثیر علیہم الرحمہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی امام احمد سے کتاب الزہد میں نقل کیا گیا ہے، امام ابن تیمیہ نے خود تورات کی نص سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ تورات میں مذکور ہے إذبح وحیدک إذبح بکرک، اپنے تنہا اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو اپنے پیلوٹھے بیٹے کو ذبح کرو، اور اکلوتا اور پیلوٹھا لڑکا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام اکلوتے بیٹے تھے ہی نہیں، مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے یہ ہے کہ دو قبلے ہیں ایک قبلہ مکہ اور دوسرا قبلہ شام یعنی بیت المقدس، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں پر چڑھاوا چڑھایا گیا تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو وہاں پر، یہ حضرت شاہ صاحب کی اپنی رائے ہے ولیس لکل أحد أن یرجع إلی قول کل عالم، واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

(ص ۱۰۳۵) بَابُ التَّوَاطُؤِ عَلَى الرُّؤْيَا

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی نوع کے لوگ خواب دیکھیں تو یہ سمجھو کہ یہ خواب صحیح ہے اور اسکے پردے میں کوئی حقیقت ہے۔

(۶۹۹۱) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ أُنَاسًا أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّ أُنَاسًا أُرُوا أَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ

امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ امام بخاری کو اس ترجمہ میں دوسری حدیث ذکر کرنی چاہئے تھی جسکے الفاظ ہیں أری رؤیا کم قد تواطئت علی العشر الأواخر۔

(ص ۱۰۳۵) بَابُ رُؤْيَا أَهْلِ السُّجُونِ وَالْفَسَادِ وَالشِّرْكِ

لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ﴾ إلي قوله ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ﴾، ﴿وَادَّكَرَ﴾ افْتَعَلَ مِنْ ذَكَرَ ﴿أُمَّةٍ﴾ قَرْنٍ وَتُقْرَأُ أَمَهٍ نِسْيَانٍ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿يَعْصِرُونَ﴾ الْأَعْنَابَ وَالدُّهْنَ ﴿تُحْصِنُونَ﴾ تَحْرُسُونَ

حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ صالحین کا خواب عام طور سے صواب ہوتا ہے لیکن جیسے بعض وقت صالحین کو اضغاث واحلام نظر آتے ہیں، ایسے ہی بعض وقت اہل سجون اور اہل فساد وشرک کو صحیح خواب نظر آجایا کرتا ہے جیسے ان دونوں قیدیوں کو خواب نظر آیا تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ سجن میں مسجون تھے۔

﴿وَادَّكَرَ﴾ افْتَعَلَ مِنْ ذَكَرَ: یاد آیا۔

﴿أُمَّةٍ﴾ قَرْنٍ: ایک مدت کے بعد (سات سال)۔

وَتُقْرَأُ أَمَهٍ نِسْيَانٍ: امہ کے معنٰی نسیان ہیں۔

﴿تُحْصِنُونَ﴾ تَحْرُسُونَ: تم اسکی حفاظت کروگے۔

(٦٩٩٢) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا عُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ ثُمَّ أَتَانِي الدَّاعِي لَأَجَبْتُهُ

لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ: حضور اکرم ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و صواب کی تعریف فرمائی ہے، یہی امام نووی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ کی رائے ہے، لیکن یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا: لو کنت لأجبته فی أول ما دعیت لم أؤخره، بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ نے اپنے افضل ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا، اور بعض کہتے ہیں کہ بر سبیل تواضع ارشاد فرمایا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ نبی کے ذمہ تبلیغ احکام ہے لہذا اسکو چاہئے کہ جیسے ہی موقع ملے اس فریضہ کو انجام دینے میں مشغول ہو جائے لہذا اگر میں ہوتا تو فوراً ہی نکل پڑتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۱۰۳۵) بَابُ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ

اگر کسی نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اسکا کیا حکم ہے؟ حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ جس نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا اس نے آپ ہی کو دیکھا، امام بخاری نے اس باب کے ذیل میں دو طرح کی روایتیں ذکر فرمائی ہیں اسلئے روایتوں کے ذیل میں ہم کلام کریں گے۔

(٦٩٩٣) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي * قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ إِذَا رَآهُ فِي صُورَتِهِ

من رأنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة ولا یتمثل الشیطان بی: جس آدمی نے مجھ کو خواب کے اندر دیکھا وہ مجھ کو بیداری میں دیکھے گا، اس حدیث کے مطلب میں اختلاف ہے۔

بعض علماء تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث آپ ﷺ کے عصر مبارک کے ساتھ خاص ہے یعنی اگر کسی شخص نے آپ کی زندگی میں آپ کو نہ دیکھا ہو اور خواب میں دیکھ لیا تو بیداری میں آنحضور ﷺ کی زیارت کرے گا، اللہ تعالیٰ شانہ اسکو ہجرت کی توفیق دیں گے اور وہ حضور ﷺ سے ملاقات کرے گا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مطلب یہ کہ وہ اپنے خواب کی تصدیق دار آخرت میں دیکھے گا، یا مطلب یہ

ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو خاص قرب کے ساتھ دیکھے گا کہ آں حضور ﷺ کے وہ قریب ہے اور آپ اس پر خاص عنایت فرمارہے ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب اسکا یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور وہ صالحین اور قلوب صافیہ والوں میں سے ہے تو وہ بیداری میں بھی اپنی ان آنکھوں سے حضور ﷺ کا مشاہدہ کرے گا، بیداری میں حضور ﷺ کا مشاہدہ بہت سے اولیاء کرام سے منقول ہے اور حضرت امام غزالی اور علامہ سیوطی وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، امام ابوالقاسم ابن مندہ اصبہانی بھی اسی بات کے قائل ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک شخص کے سوال پر لکھا تھا میں بہتر (۷۲) سے زیادہ مرتبہ حضور ﷺ کو بیداری میں دیکھ چکا ہوں اور علامہ سیوطی کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے اس سلسلہ میں۔

مگر علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خواب کے اندر تو یہ ضمانت لی ہے کہ شیطان آپ کی شکل میں متمثل نہیں ہوتا ہے لیکن بیداری میں ضمانت نہیں لی ہے اس واسطے بیداری میں جو حضور ﷺ کی زیارت کرتا ہے اسکے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہی کو دیکھا ہے، ظاہر یہ ہے کہ کوئی جنات متمثل ہوکر آگیا اور دھوکہ میں ڈال دیا، اگر اس طرح کا تمثل بیداری میں جائز اور مباح قرار دیا جائے تو شیطان نہ معلوم کتنے لوگوں کو گمراہ کرکے رکھ دے گا، مگر علامہ ابن تیمیہ نے یہاں ظاہریت کے اندر بہت زیادہ غلو سے کام لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت، بیداری میں حضور کی زیارت سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے اور لا یتمثل کا لفظ اگرچہ ماسبق کے اعتبار سے خواب سے مربوط ہے لیکن اپنے استقلالِ معنیٰ کے لحاظ سے وہ ایک مستقل جملہ ہے، شیطان آپ کی شکل بنا ہی نہیں سکتا نہ خواب میں اور نہ بیداری میں کیوں کہ حضور اکرم ﷺ ہدایت محض ہیں اور شیطان ضلالت محض ہے اور ضلالت محض کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ ہدایت محض کی شکل میں رونما ہو جائے اور متمثل ہو جائے، اور اس پر مزید گفتگو ذرا آگے کروں گا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ فسیرانی فی الیقظة کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی صورت میرے اندر دیکھے گا حضور ﷺ سراپا دین ہیں حضور کو دیکھنا کنایہ ہے اس بات سے کہ آدمی نے اپنا دین دیکھا ہے، لہذا اگر کسی نے حضور ﷺ کو اپنی شکل میں دیکھا تو اسکے دین کے اچھائی کی طرف اشارہ ہے، اور اگر کسی نامناسب شکل میں

دیکھا تو اسکے دینی کمی کی طرف اشارہ ہے۔

یا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حضور اکرم ﷺ کی زیارت کا مشتاق ہو اور وہ خواب میں آپ کی زیارت کرلے تو بیداری میں آپ کو دیکھے گا یعنی اسکو ایسی تسلی ہو جائے گی گویا سرکار کو بیداری ہی میں دیکھ لیا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ یہ بیان فرمایا کہ ممکن ہے کہ اسکا مطلب یہ ہو کہ جس نے حضور کی خواب میں زیارت کی اسکو روضۂ پاک کی زیارت نصیب ہو گی۔

یہیں ایک صاحب تھے محلہ کے، ان پڑھ تھے اذان دیتے تھے مجھ سے محبت کرتے تھے، کہنے لگے میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا حضور ﷺ کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے جاکر پاؤں پکڑ لیا اور رونا شروع کر دیا حضور نے فرمایا کیا بات ہے میں نے کہا کہ آپ میری شفاعت فرمائیں، فرمایا ضرور! اور پھر انتقال ہوا بہت ہی اچھی ان کی موت ہوئی۔

ویسے بیداری میں زیارت کرنے کی گفتگو میں نے بیچ ہی میں چھوڑ دی حدیث کا مطلب بیان کرنے کے لئے، بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت ممکن ہے، کوئی مانع نہیں ہے، اور علماء صالحین سے اس طرح کے واقعات منقول ہیں۔

امام عارف ابن ابی جمرہ بھی انہیں لوگوں میں ہیں جو بیداری میں زیارت کے قائل ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی کے متعلق تو تمہیں معلوم ہو چکا اور حضرت شیخ دامت برکاتہم کے متعلق تو مجھے خود معلوم ہے کہ حضرت نے رمضان شریف میں بہت مدت ہوئی ایک مرتبہ بیداری میں زیارت کی، میرے ایک دوست ہیں جو زیادہ پڑھے لکھے تو نہیں ہیں لیکن بڑے عارف ہیں ان کو اکثر بیداری میں زیارت ہوتی ہے مگر میں چونکہ مولوی اور عالم آدمی ہوں اسلئے میں ان سے صاف صاف کہہ دیتا تھا میاں صاحب! یہ رؤیت عین نہیں ہے بلکہ ایک تجلی ہوتی ہے پہلے تو وہ مانتے نہیں تھے لیکن جب میں نے اپنے علم کا ان پر زور دکھایا تو وہ مرعوب ہو گئے اور پھر ماننے لگے کہ یہ صحیح ہے، میں نے یہی کہا تھا کہ اصل میں حضور ﷺ کی روحانیت بڑی طاقتور ہے اسلئے اسکی تجلی ہوا کرتی ہے اور وہ تجلی ہر آدمی اپنی استعداد کے اعتبار سے دیکھ لیتا ہے، آپ کی استعداد بہت زیادہ اور قوی ہے اسلئے آپ بیداری میں بھی مشاہدہ کر لیا کرتے ہیں، بہر حال! ہے یہ بڑی سعادت کہ حضور ﷺ کی زیارت

ہو جائے۔

ولا یتمثل الشیطان بی: شیطان میرے ساتھ متمثل نہیں ہو سکتا ہے، اس کی حکمت میں ابھی بیان کر چکا ہوں، بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ شیطان آ کر یہ کہہ دے کہ میں خدا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ ہادی بھی ہے اور مضل بھی ہے، ﴿یھدی من یشاء و یضل من یشاء﴾، اور شیطان مظہر ضلالت ہے اسلئے آ کر وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں اور دھوکہ دے سکتا ہے لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(٦٩٩٤) حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِي وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

من رآنی فی المنام فقد رآنی: جس آدمی نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو خواب میں دیکھا۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی جس حالت میں بھی زیارت کی جائے آپ ہی کی زیارت ہوئی ہے یا کسی خاص وصف کے ساتھ دیکھا جائے تب تو آپ کی زیارت ہوئی ورنہ آپ کی زیارت نہیں ہوئی؟

حضرت امام بخاری نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے جیسا کہ حاشیہ کے نسخہ میں ہے إذا راٰہ علی صورتہ یعنی حضور ﷺ کو آپ کی اصل شکل میں دیکھا ہے تب تو آپ کی زیارت ہوئی، یہی حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول کی رائے ہے، شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور دلیل میں وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ جب صحابہ کے زمانے میں کوئی خواب دیکھتا تو صحابہ اس سے حضور ﷺ کا حلیہ معلوم کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ سرور عالم، فخر دو عالم ﷺ کو اصلی شکل میں دیکھنا تو آپ کو دیکھنا ہے اور اگر اصلی شکل میں نہیں دیکھا تو آپ کو نہیں دیکھا۔

مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جس شکل میں بھی دیکھنے والے نے دیکھا ہے حضور پاک علیہ الصلاۃ و السلام ہی کو دیکھا ہے یہی امام مازری، امام نووی، عارف ابن ابی جمرہ، وغیرہ حضرات کی رائے ہے اور یہی شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی نے اختیار کیا ہے، ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کو اگر آپ کی اپنی اصل شکل میں دیکھا تب تو آپ کی ذات کو دیکھا اور اگر آپ کو اصلی شکل میں نہیں دیکھا بلکہ اس شکل سے ہٹا ہوا دیکھا ہے تو اس صورت کے اندر رائی کو اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تیرے اندر یہ کمی ہے یا یہ زیادتی ہے یا تجھے حال پیش آنے والا ہے، اگر حضور ﷺ کو خدانخواستہ کوئی آدمی ڈاڑھی منڈا ہوا دیکھتا ہے تو رائی کے دین کی کمی ہے، کوئی خوبصورت شکل میں دیکھتا ہے تو رائی کے دین کی اچھائی ہے۔

جس زمانے میں نس بندی کا قصہ چل رہا تھا میں نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ سیاہ فام ڈاڑھی منڈے ہیں اور نس بندی کی ترغیب دے رہے ہیں، میں نے اپنے ایک دوست سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی عالم ہے جو اسکے اندر پیش پیش ہے یا کوئی سید ہے جو اس مسئلہ میں موافقت کر رہے ہیں، اسکے بعد تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ بات سچی ہے، خواب کا مطلب یہ ہے کہ نس بندی انگریزوں کی چلائی ہوئی ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ختم ہو جائیں اور حضور ترغیب دے رہے ہیں یعنی حضور کے طرز پر ہونے والا ایک شخص عالم یا آپ کے نسب سے تعلق رکھنے والا ایک شخص اسکے اندر شریک ہے یہ ہے اس خواب کا مطلب۔

اگر کسی شخص نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ کسی بات کا حکم کر رہے ہیں تو آیا اس بات پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ ابو اسحاق اسفرائینی فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا رائی کے حق میں واجب ہے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، نہ اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنا غلط ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ کو دیکھنے والا تو صحیح دیکھ رہا ہے مگر دیکھنے والے کے ہوش وحواس خواب کے عالم میں ایسے نہیں ہوتے ہیں کہ وہ بات پوری طرح سے محفوظ رکھ سکے، ہو سکتا ہے کہ ارشاد کچھ ہوا ہو اور سننے والے نے کچھ سنا ہو یا ارشاد کچھ فرمایا گیا ہو اور سمجھنے والے نے کچھ سمجھ لیا ہو، اسلئے حضرات جمہور فرماتے ہیں کہ اگر خواب میں حضور ﷺ کسی بات کا امر فرمائیں تو وہ واجب العمل نہیں ہے، علامہ ابن بدران نے یہ قول جمہور علماء کی طرف منسوب کیا۔

امام نووی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر خوابات میں ایسی بات نظر آئے جو شریعت کے مطابق ہے تب تو اس پر عمل کیا جائے گا، ابن بدران کہتے ہیں کہ یہ قول اور عدم دونوں برابر ہیں اسلئے کہ اصل اعتبار تو شریعت کا ہوا نہ کہ خواب کا، مگر اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خواب کی وجہ سے اس مسئلہ میں تاکد پیدا ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ عزالدین بن عبد السلام کے زمانے میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام فرمارہے ہیں کہ فلاں جگہ خزانہ ہے جاکر کھودلو اور اس میں خمس نہیں ہے، اس نے علماء زمانہ سے اس مسئلہ میں استفسار کیا تو سب نے فتویٰ دے دیا کہ تو قانون خمس سے مستثنیٰ ہے جبکہ عزالدین بن عبد السلام کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو ارشاد فرمایا کہ تیرے خواب کی حقیقت زیادہ سے زیادہ ایک حدیث صحیح کی حیثیت ہوسکتی ہے لیکن جناب رسول اکرم ﷺ کی بیداری کی حدیث جو صحیحین میں وارد ہوئی ہے وفی الرکاز الخمس، تیرے اس خواب پر جو صحیح حدیث کا درجہ رکھتا ہے مقدم ہوگی اور اس میں خمس دینا ہوگا، یہ ہے سلطان العلماء کے علم کی بات، جب یہ شام سے حماۃ تشریف لائے تو سلطان حماۃ نے کہا کہ میرے یہاں قیام کیجئے! فرمایا کہ تیرا شہر میرے علم سے چھوٹا ہے، یہ ان ہی کو کہنے کا حق تھا۔

سلطان العلماء ایک مرتبہ سوئے ہوئے تھے سردی کا زمانہ تھا، احتلام ہوگیا اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے غسل کیا پھر سوئے پھر احتلام ہوا اور ٹھنڈے پانی سے غسل کیا، پھر اسکے بعد سہ بارہ احتلام ہوگیا پھر اٹھ کر غسل کیا اور شام کی سردی الامان والحفیظ! برف باری ہوتی ہے تو طبیعت میں کچھ ملال سا ہوا کچھ تاثر ہوا، کسی بزرگ کو دیکھا یا خواب نظر آیا یا الہام ہوا واللہ اعلم یہ فرمایا گیا کہ کیا چاہتے ہو علم چاہتے ہو یا عزت؟ فرمایا علم چاہتا ہوں اسکے ذریعہ معرفت بھی حاصل ہوگی۔

اسکے بعد سلطان العلماء علم دین کی طرف متوجہ ہوئے، ابو اسحاق شیرازی کی کتاب التنبیہ یاد کی اور پھر اسکے بعد جو چلے ہیں تو اتنے تیز چلے ہیں جیسے راکٹ چلتا ہے کہ تھوڑی سی مدت میں تمام علوم پر عبور حاصل کرلیا کہ علماء زمانہ نے ان کا اعتراف کیا، جب سلطان العلماء مصر تشریف لائے تو حافظ ذکی الدین منذری جو دارالحدیث کاملیہ کے محدث اور اپنے زمانے کے مشہور حافظ حدیث تھے انہوں نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا کہ جس شہر میں سلطان العلماء موجود ہو وہاں ذکی الدین منذری کے لئے فتوی دینا مناسب نہیں ہے، لیکن سلطان العلماء نے بھی حافظ ذکی الدین منذری کا یہ ادب فرمایا کہ جب حدیث کے باب میں کوئی استفسار کیا جاتا تو فرمادیتے کہ جہاں ذکی الدین منذری ہو وہاں حدیث مجھ سے نہ پوچھی جائے بلکہ امام ذکی الدین منذری سے پوچھی جائے اور واقعہ یہ ہے کہ منذری فن حدیث میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔

اسی طرح کوئی آدمی خواب میں یہ دیکھے کہ حضور ﷺ کسی ناجائز بات کا امر کر رہے ہیں تو اسکا کرنا

جائز نہیں ہے، مظاہر حق میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ فقراءِ مغرب میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں إشرب الخمر، اس نے علماء زمانہ سے استصواب کیا تو کوئی کچھ کہتا، کوئی کچھ کہتا، بعضوں نے کہا کہ لاتشرب الخمر کہا ہوگا اور تم نے إشرب الخمر سمجھ لیا، علامہ انور شاہ کشمیری اور ہمارے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ حضور نے اشرب الخمر ہی کہا ہوگا مگر امر ہمیشہ طلب مامور بہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ تہدید کے لئے بھی ہوتا ہے اور وہ انداز خطاب سے سمجھ میں آتا ہے پی اور پی، کیا اسکا مطلب یہی ہے کہ شراب پیو، ہر گز نہیں، یہ تو دھمکی ہے، من شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر کیا تخییر بین الایمان والکفر دی گئی ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ یہ دھمکی ہے اللہ پاک کی طرف سے، ایسا ہی یہاں پر ہے۔

سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین اولیاء اور قاضی ضیاء الدین سنامی کا واقعہ مشہور ہے، حضرت سلطان جی سماع کرتے تھے، قاضی ضیاء الدین سنامی اس وقت محتسب تھے وہ احتساب کرتے تھے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو سلطان جی سماع میں مصروف تھے خیمہ کے اندر تشریف فرما تھے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ خیمہ کی طنابیں کاٹ دی جائیں، طنابیں کاٹ دی گئیں لیکن خیمہ معلق رہا، فرمایا کہ بدعتی ہے اس طرح کی چیزوں سے لوگ دھوکہ میں نہ آجائیں، یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

ایک مرتبہ قاضی صاحب تشریف لائے تو حضرت مجلس سماع میں مصروف تھے، قاضی صاحب نے حضرت پر نکیر فرمائی، حضرت نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا، حضرت پر ایک جوش آیا اور کھڑے ہوگئے، قاضی صاحب نے پکڑ کر بٹھا دیا چھ مرتبہ یہی حالت پیش آئی ساتویں مرتبہ جب اٹھے تو قاضی صاحب بھی اٹھ کے اٹھے رہ گئے، بعد میں کسی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ چھ مرتبہ جب یہ اٹھے تو چھٹے آسمان تک میری وہاں رسائی تھی کھینچ لایا، لیکن ساتویں مرتبہ یہ ساتویں آسمان پر تھے میں وہاں سے ان کو نہیں لاسکا، یہ حکایت اسی طرح بعض ملفوظات و مواعظ کے اندر نقل کی گئی ہے، لیکن مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ واقعہ حضرت سلطان جی اور ایک بزرگ حضرت شاہ رکن الدین کے ساتھ پیش آیا ہے، حضرت شاہ رکن الدین اسکے قائل نہیں تھے اس واسطے انہوں نے نکیر کی تھی اور ساتویں مرتبہ وہ بھی کھڑے رہ گئے۔

قاضی ضیاء الدین سنامی ایک مرتبہ تشریف لائے سماع ہو رہا تھا نکیر کی، سلطان جی نے فرمایا کہ اگر کہو تو میں حضور اکرم ﷺ سے اپنی معذوری کہلوادوں؟ حضرت قاضی ضیاء الدین زیارت کے مشتاق تھے ہی، کہنے

لگے کہ ہاں! کہلوا دیجئے حضرت نے توجہ دی تو ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی، دیکھا کہ سرور عالم ﷺ تشریف فرما ہیں ارشاد فرمارہے ہیں کہ فقیر آدمی کو کیوں تنگ کرتے ہو جانے دو، حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ! جناب والا کا ارشاد مبارک سر آنکھوں پر لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں اس وقت کس حالت میں ہوں میرے حواس بھی بجا ہیں یا نہیں؟ ہمارے لئے تو جناب والا کی بیداری کی شریعت واجب العمل ہے اس پر حضور اکرم ﷺ خاموش رہے، اسکے بعد جب یہ کیفیت دور ہوئی تو حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھو میں نے کہلوا دیا کہ نہیں؟ تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ ہم نے بھی جواب دے دیا ہے، اس پر سلطان جی نے سکوت کیا۔

جب قاضی ضیاء الدین کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت سلطان جی ان کی عیادت کے لئے گئے جب اجازت چاہی گئی تو قاضی صاحب نے کہلوا دیا کہ جاؤ کہہ دو کہ مرتے وقت بدعتی کا چہرہ دیکھ کر اس دنیا سے نہیں جانا چاہتا ہوں، حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ میں توبہ کرکے آیا ہوں، حضرت قاضی صاحب نے اپنا عمامہ بھیجا اور فرمایا کہ چوکھٹ سے لیکر میری چارپائی تک اسے بچھا دیا جائے حضرت اس پر تشریف لے آئیں، حضرت نے عمامہ کو اپنے سر پر رکھ لیا اور تشریف لائے، قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضرت! میرے حسن خاتمہ کی دعا کریں، دعا کی اور باہر آئے اور ان کی وفات ہوگئی، بہر حال ہر ایک اپنی جگہ حق پر تھے، قاضی صاحب ظاہر شریعت کی پابندی کرانا چاہتے تھے لیکن حضرت سلطان جی جو سماع کرتے تھے قانون شریعت کے تحت بطور مداوات کرتے تھے۔

مسئلہ سماع صوفیاء کے اندر ایک مختلف فیہ مسئلہ بنا ہوا ہے، عامہ صوفیاء اور تمام طرق، چاہے وہ چشتیہ ہوں یا قادریہ، سہروردیہ ہوں یا شاذلیہ سب سماع کے قائل ہیں حتی کہ سلطان العلماء شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی سماع کرتے تھے اور بعض وقت رقص کرنے لگتے تھے، لیکن سلسلہ نقشبندیہ کے لوگ اس پر نکیر کرتے ہیں، سماع بذات خود کوئی عبادت نہیں ہے، حضرات سلف سے جو سماع نقل کیا گیا ہے بطور علاج اور دوا کے نقل کیا گیا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ جب عشق کی گرمی انسان کے اندر جوش مارتی ہے تو اسکو ضرورت پیش آتی ہے کہ آنسوؤں کی چھینٹوں سے اسکو کچھ ٹھنڈا کرے، ایسے وقت میں کچھ ایسے اشعار پڑھتے ہیں جس میں اللہ کی حمد،

کی تعریف، رسول پاک ﷺ کی تعریف ہوتی ہے جس سے ہانڈی کو ابال آتا ہے اور ذرا کچھ کمی پیدا ہو جاتی ہے دل کو سکون اور چین مل جاتا ہے، لیکن بعد کے خواہ مخواہ کے صوفیوں نے اسکو مستقل شریعت اور اپنا مشغلہ بنا لیا۔

اسی لئے ہمارے سلسلہ امدادیہ کے مشائخ نے مطلقاً سماع کی بندش کا فیصلہ کر دیا ہے، ویسے کبھی کوئی آدمی تنہائی میں شعر پڑھ لے سن لے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اشعار تو حضور ﷺ نے بھی پڑھے اور سنے ہیں۔

سماع کے سلسلہ میں بہت سے قصے یاد آنے لگے لیکن وقت نہیں ہے ورنہ میں تمہیں بہت سے قصے سنا ڈالتا، ابے لونڈو! تم نے اسے قصے ہی سمجھ کر سن لیا ہو گا، حضرت استاذ مولانا الامیر نے اس میں سے دو قصے سنائے تھے ہم نے تو اسے علم سمجھ کر سنائے ہیں اور رات کو جب ہم نے مطالعہ دیکھنا شروع کیا تو حضرت کی تقریر ہی کھول کر دیکھی کیونکہ اسکے حاشیہ پر ہمارے حوالے درج ہیں اور اصل حوالہ ہماری اس کتاب میں تو تھا ہی نہیں وہیں سے نقل کیا۔

فإن الشيطان لا يتخيل بى: شیطان میری شکل نہیں بنا سکتا ہے۔

(٦٩٩٥) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفِثْ عَنْ شِمَالِهِ ثَلَاثًا وَلْيَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَزَايَا (لَا يَتَرَاءَى) بِي

(٦٩٩٦) حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ * تَابَعَهُ يُونُسُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ

(٦٩٩٧) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَكَوَّنُنِي

فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ: یعنی اضغاث و احلام نہیں دیکھا۔

لَا يَتَكَوَّنُنِي: أى لا يتمثل بى، لا يصير كائنا فى مثل صورتى۔

(ص ۱۰۳۶) بَابُ رُؤْيَا اللَّيْلِ، رَوَاهُ سَمُرَةُ

حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ آیا رؤیائے لیل، رؤیائے نہار کے مساوی ہے یا نہیں؟ اور ممکن ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت أصدق الرؤیا بالأسحار، رواہ أحمد کی طرف اشارہ کیا ہو، چونکہ سحر کے وقت انسان کو راحت پہنچ جاتی ہے اسکے دل و دماغ پوری طرح سے سکون پا جاتے ہیں تو ایسے وقت میں جو خواب نظر آتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے اس میں اضغاث و احلام کی آمیزش نہیں ہوتی ہے۔

(٦٩٩٨) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الطُّفَاوِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ الْبَارِحَةَ إِذْ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ حَتَّى وُضِعَتْ فِي يَدِي قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمْ تَنْتَقِلُونَهَا (تَنْتَثِلُونَهَا)

(٦٩٩٩) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ أَوْ عَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا فَقِيلَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا فَقِيلَ الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ

خواب میں مسیح ابن مریم کے طواف کا ذکر ہے، مسیح دجال کے طواف کا ذکر نہیں ہے، یہ امام مالک کے طریق سے مروی ہے، ویسے بطریق زہری عن سالم عن ابن عمر بھی اسی طرح سے آرہا ہے، قاضی عیاض کی بھی یہی رائے ہے کہ جس طریق میں طواف مسیح دجال کا ذکر نہیں ہے وہی راجح ہے، ویسے اسکے متعلق میں ما قبل میں کلام کر چکا ہوں۔

(٧٠٠٠) حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أُرِيتُ (رَأَيْتُ) اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ * وَتَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَسُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ * وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَوْ (وَ) أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ شُعَيْبٌ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَعْمَرٌ لَا يُسْنِدُهُ حَتَّى كَانَ بَعْدُ

(ص ۱۰۳۶) بَابُ الرُّؤْيَا بِالنَّهَارِ

وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ رُؤْيَا النَّهَارِ مِثْلُ رُؤْيَا اللَّيْلِ

جیسے رات کا خواب تعبیر کا محتاج ہوتا ہے ایسے ہی دن کا خواب بھی تعبیر کا محتاج ہوتا ہے، ابوالحسن علی بن ابی طالب قیروانی معبر فرماتے ہیں کہ رؤیا اللیل اور رؤیا النہار میں تعبیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۷۰۰۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ

(۷۰۰۲) قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ شَكَّ إِسْحَاقُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ (أُنَاسٌ) مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ

(ص ۱۰۳۷) بَابُ رُؤْيَا النِّسَاءِ

مطلب یہ ہے کہ جیسے مردوں کا خواب صحیح اور معتبر ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے ایسے ہی عورتوں کا خواب بھی ہے، میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ رؤیائے رجل صالح اور رؤیائے امرأۃ صالحہ کا ایک ہی حکم ہے، ابوالحسن علی بن ابی طالب قیروانی کتاب التعبیر میں فرماتے ہیں کہ تعبیر کے مسئلہ میں مرد اور عورت کے خواب میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر عورت کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسکے مناسب نہیں ہے مردوں کے مناسب ہے تو یہ خواب اسکے خاوند سے متعلق ہے اگر خاوند والی ہے۔

(۷۰۰۳) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُمُ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِينَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ وَأَنْزَلْنَاهُ فِي أَبْيَاتِنَا فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَلَمَّا

تُوُفِّيَ غُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ فَقُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هُوَ فَوَاللهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ وَاللهِ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ وَاللهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِي فَقَالَتْ وَاللهِ لَا أُزَكِّي بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا

(۷۰۴) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا وَقَالَ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِهِ قَالَتْ وَأَحْزَنَنِي فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ لِعُثْمَانَ عَيْنًا تَجْرِي فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ عَمَلُهُ

وَقَالَ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِهِ: چونکہ ماذا یفعل بی مصنف کے نزدیک وہم ہے اسلئے دوسری روایت مایفعل به نقل کرکے اس بات پر تنبیہ کردی کہ یہی صواب ہے اور یہ مصنف کی عادات مطردہ میں سے ہے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے تنبیہ کی ہے کہ روایت میں اگر کوئی لفظ وہم واقع ہوتا ہے تو امام دوسری روایت سے صواب پر تنبیہ کرتے ہیں۔

فَقَالَ ذٰلِكَ عَمَلُهُ: یہ اسکا عمل ہے جو تم کو نظر آیا ہے، معلوم ہوا کہ عمل کی مثال چشمہ جاریہ کی ہے۔

(ص۱۰۳۷) بَابُ الْحُلْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ

فَإِذَا حَلَمَ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ

پریشان خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، فإذا حلم فليبصق عن يساره وليستعذ بالله جب آدمی پریشان خواب دیکھے تو بائیں طرف تھتکاردے اور اللہ کی پناہ چاہے، پریشان خواب کے بہت سے آداب روایات میں ذکر کئے گئے ہیں دو ان میں سے مصنف نے ذکر فرمائے ہیں ایک تو بائیں طرف تھتکارنا اور دوسرے استعاذہ، تیسرے کروٹ بدل لینا، چوتھے وضو کرنا، نماز پڑھنا، چھٹے اسکے شر سے پناہ چاہنا، ساتویں کسی سے اسکا تذکرہ نہ کرنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷۰۵) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفُرْسَانِهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمُ الْحُلْمَ يَكْرَهُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْهُ فَلَنْ يَضُرَّهُ

(ص۱۰۳۷) بَابُ اللَّبَنِ

اگر کوئی آدمی خواب میں دودھ کو دیکھتا ہے تو اسکی تعبیر حدیث پاک میں علم سے دی گئی ہے ویسے یہ طالب علم کے واسطے ہے، اگر عارف جو معرفت میں مشغول ہے وہ دیکھے تو اسکے لئے علم لدنی کی بشارت ہے یا معرفت میں ترقی کی بشارت ہے، تاجر اگر دیکھے تو اسکے دین کے واسطے سے رزق حلال ملنے کی بشارت ہو سکتی ہے، غرض کہ تعبیر رائی کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔

(۷۰۰۶) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ مِنْ أَظْفَارِي (فِي أَظَافِيرِي) ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي يَعْنِي عُمَرَ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ

فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ: حضور نے فرمایا کہ علم، میں نے جو یہ کہا کہ دودھ کی تعبیر بدلتی رہتی ہے اسکی ایک دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سیرت ابن ہشام میں نقل کیا ہے کہ جب آپ نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے خواب دیکھا کہ آپ کے دست شریف میں ایک دودھ کا پیالہ آیا اور ایک مرغا آیا اسنے پنجہ مارا جس سے وہ پیالہ ہاتھ سے گر گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تعبیر یہ دی کہ اس وقت یہ قلعہ فتح نہیں ہوگا، چنانچہ آپ کی رائے یہی ہوئی کہ چل دیا جائے مگر صحابہ کہنے لگے کہ بغیر فتح کئے ہوئے کیسے چل پڑیں؟ حضور نے فرمایا کہ بہت اچھا، اگلے دن جب جنگ کے لئے گئے تو بہت سارے زخمی ہو گئے تو حضور نے اعلان فرمایا کہ چلو! سارے کہنے لگے کہ بہت اچھا! حضور ہنس پڑے اور روانہ ہو گئے۔

(ص۱۰۳۷) بَابُ إِذَا جَرَى اللَّبَنُ فِي أَطْرَافِهِ أَوْ أَظَافِيرِهِ

اس ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے خواب میں دیکھا کہ اسکے اطراف سے دودھ جاری ہے تو یہ تعبیر ہے اس بات کی کہ اسکا فیض دوسروں تک پہنچے گا۔

(۷۰۰۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ (يَجْرِي) مِنْ (فِي)

أَطْرَافِي فَأَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ مَنْ حَوْلَهُ فَمَا أَوَّلْتَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ

(ص ١٠٣٧) بَابُ الْقَمِيصِ (الْقُمُصِ) فِي الْمَنَامِ

خواب کے اندر قمیص دیکھنا

قمیص کی تعبیر دین ہے، اگر آدمی دیکھے کہ قمیص پہنے ہوئے ہے تو جیسی قمیص ہوگی ویسا ہی دین ہوگا، اگر اجلی اور صاف ستھری ہے تو انسان کا دین صاف ستھرا ہے اور اگر میلی کچیلی ہے تو دین کے اندر کمی ہے، چھوٹی ہے تو دین کے نقص کی طرف اشارہ ہے۔

(٧٠٠٨) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ (الثَّدْيَ) وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذَلِكَ وَمَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ قَالُوا مَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الدِّينَ

(ص ١٠٣٧) بَابُ جَرِّ الْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب کے اندر دیکھے کہ لمبی چوڑی قمیص پہنے ہوئے زمین پر گھسٹ رہا ہے تو یہ اسکے دین کے وسعت کی علامت ہے کہ بڑا دیندار ہے، بر خلاف بیداری کے کہ بیداری میں جرِّ قمیص جائز نہیں ہے۔

(٧٠٠٩) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ عُرِضُوا عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ (الثَّدْيَ) وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذَلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجْتَرُّهُ (يَجُرُّهُ) قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الدِّينَ

(ص ١٠٣٨) بَابُ الْخُضَرِ (الْخُضْرِ) فِي الْمَنَامِ وَالرَّوْضَةِ الْخَضْرَاءِ

اگر آدمی خواب کے اندر سبزہ زار، باغات وغیرہ دیکھتا ہے تو علماء نے اسکی تعبیر اسلام سے دی ہے، اسی طرح سے کتابیں، علم، اور علماء سے ملاقات، یہ اسکی تعبیریں ہیں اور اگر تاجر دیکھتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اسکی

تجارت میں خوب نفع ہوگا۔

(۷۰۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ قَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ كُنْتُ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَابْنُ عُمَرَ فَمَرَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالُوا هَذَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّهُمْ قَالُوا كَذَا وَكَذَا قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَقُولُوا مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ إِنَّمَا رَأَيْتُ كَأَنَّمَا عَمُودٌ وُضِعَ فِي رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فَنُصِبَ فِيهَا وَفِي رَأْسِهَا عُرْوَةٌ وَفِي أَسْفَلِهَا مِنْصَفٌ وَالْمِنْصَفُ الْوَصِيفُ فَقِيلَ ارْقَهْ فَرَقِيتُهُ حَتَّى أَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقَصَصْتُهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُوتُ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى

(ص ۱۰۳۸) بَابُ كَشْفِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَنَامِ

اگر کسی آدمی نے خواب میں دیکھا کہ کسی عورت کا چہرہ کھولا ہے تو اسکی تعبیر مختلف ہے، کبھی تو یہ کنایہ ہوتا ہے شادی سے اور کبھی کنایہ ہوتا ہے مال اور دولت سے اور کبھی اسکی اور تعبیر ہوتی ہے، جیسا رائی ہو، معبّر حالِ رائی کو دیکھ کر تعبیر دیا کرتا ہے، عورت کے خواب کی ایک تعبیر دنیا سے بھی دی گئی ہے، آدمی اگر عورت کو دیکھے کہ اسے عورت ملی ہے تو اسے دنیا ملے گی اسلئے کہ عورت کی مثال ہی دنیا کی سی ہے۔

(۷۰۱۱) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ إِذَا رَجُلٌ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَيَقُولُ هَذِهِ امْرَأَتُكَ فَأَكْشِفُهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَأَقُولُ إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ

إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ: یہ من باب مزج الشک بالیقین ہے، یا مطلب یہ ہے کہ یہ خواب اگر اپنے ظاہر پر ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو جاری فرمادیں گے، یا مطلب یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے دنیا میں مقدر فرمایا ہے تو اللہ دنیا میں تنفیذ کردیں گے ورنہ آخرت میں ہوگا۔

(ص ۱۰۳۸) بَابُ (ثِيَابِ) الْحَرِيرِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ اسکے ہاتھ میں ریشم ہے تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ اسکا نکاح ہوگا یا اسکو غنیٰ حاصل ہوگا یا اسکے بدن میں صحت ہوگی۔

(۷۰۱۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ

عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُكِ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ مَرَّتَيْنِ رَأَيْتُ الْمَلَكَ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَقُلْتُ لَهُ اكْشِفْ فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَقُلْتُ إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ ثُمَّ أُرِيتُكِ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَقُلْتُ اكْشِفْ فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَقُلْتُ إِنْ يَكُ (يَكُنْ) هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ

(ص ۱۰۳۸) بَابُ الْمَفَاتِيحِ فِي الْيَدِ

اگر کوئی آدمی یہ دیکھے کہ اُسکے ہاتھ میں کنجیاں رکھی ہوئی ہیں تو علماء نے اسکی بہت سی تعبیریں دی ہیں، اگر طالب علم دیکھے تو اسکے لئے یہ تعبیر ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ علم میں فتح باب عطا فرمائیں گے، اور اگر کوئی ذاکر دیکھے تو ذکر میں فتح باب کی طرف اشارہ ہے، اور اگر تاجر دیکھے تو تجارت کے اندر کامیابی کی طرف اشارہ ہے، اور اگر کوئی سلطنت کا طالب دیکھتا ہے تو اسکو سلطنت کے اندر کامیابی کی طرف اشارہ ہے، اسی طرح صلاح و تقویٰ، علم و تقدس وغیرہ اسکی تعبیریں ہیں۔

(۷۰۱۳) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي قَالَ مُحَمَّدٌ (أَبُو عَبْدِ اللهِ) وَبَلَغَنِي أَنَّ جَوَامِعَ الْكَلِمِ أَنَّ اللهَ يَجْمَعُ الْأُمُورَ الْكَثِيرَةَ الَّتِي كَانَتْ تُكْتَبُ فِي الْكُتُبِ قَبْلَهُ فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ وَالْأَمْرَيْنِ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ

قَالَ مُحَمَّدٌ (أَبُو عَبْدِ اللهِ): وَبَلَغَنِي أَنَّ جَوَامِعَ الْكَلِمِ: محمد سے مراد محمد ابن شہاب زہری ہیں، یوں فرماتے ہیں کہ جوامع الکلم کا مطلب یہ ہے کہ کتب سابقہ میں جو چیزیں لمبی لمبی عبارتوں میں لکھی جاتی تھیں حضور ﷺ کو مختصر سے الفاظ میں ان سارے طویل معانی کو ادا کرنے کی قوت عطا کر دی گئی۔

علماء نے بہت سی ایسی حدیثیں شمار کی ہیں جو جوامع الکلم کہلاتی ہیں جیسے (۱) ولکل امرئ ما نوی (۲) الحلال بیّن و الحرام بیّن (۳) کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (۴) المجالس بالأمانۃ (۵) الحقوا الفرائض بأھلھا فما ترکت فھو لأولی رجل ذکر (۶) ما أمرتکم فأتمروہ و ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ (۷) کل بدعۃ ضلالۃ (۸) کل مسکر خمر و کل خمر حرام، و غیر ذلک، حافظ ابن صلاح نے جوامع الکلم کو شمار کیا تھا، امام نووی نے اس پر اضافہ کر کے ایک اربعین لکھی اور اسکے بعد حافظ ابن رجب نے اس پر

مزید دس حدیثوں کا اضافہ کیا اور ان پچاس حدیثوں کی شرح فرمائی جو شرح ابن رجب کے نام سے مشہور ہے، اسکا نام جامع العلوم والحکم ہے۔

(ص ۱۰۳۸) بَابُ التَّعْلِيقِ بِالْعُرْوَةِ وَالْحَلْقَةِ

اگر کوئی آدمی یہ خواب دیکھے کہ وہ کسی کڑے کو پکڑے ہوئے ہے اگر حلقہ مجہولہ ہے تو یہ اس شخص کے حق میں بشارت ہے اس بات کی کہ دین کے اندر اسکو ترقی حاصل ہوگی۔

(۷۰۱٤) حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ عَنِ ابنِ عَوْنٍ ح وَحَدَّثَنِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَأَيْتُ كَأَنِّي فِي رَوْضَةٍ وَوَسَطَ الرَّوْضَةِ عَمُودٌ فِي أَعْلَى الْعَمُودِ عُرْوَةٌ فَقِيلَ لِي ارْقَهْ قُلْتُ لَا أَسْتَطِيعُ فَأَتَانِي وَصِيفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِي فَرَقِيتُ فَاسْتَمْسَكْتُ بِالْعُرْوَةِ فَانْتَبَهْتُ وَأَنَا مُسْتَمْسِكٌ بِهَا فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ رَوْضَةُ الْإِسْلَامِ وَذَلِكَ الْعَمُودُ عَمُودُ الْإِسْلَامِ وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ عُرْوَةُ الْوُثْقَى لَا تَزَالُ مُسْتَمْسِكًا بِالْإِسْلَامِ (مُسْتَمْسِكًا بِهَا) حَتَّى تَمُوتَ

(ص ۱۰۳۸) بَابُ عَمُودِ الْفُسْطَاطِ تَحْتَ وِسَادَتِهِ

یہ باب خیمہ کے ستون کے اپنے تکیہ کے نیچے دیکھنے کے بیان میں ہے۔

امام بخاری نے باب تو ذکر فرمایا لیکن اسکے لئے کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے غالبًا اس سے اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے نقل کی ہے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: بينا أنا نائم رأيت عمود الكتاب احتمل من تحت راسي فاتبعته بصري فإذا هو قد عمد به إلى الشام ألا وإن الإيمان حين يقع الفتن بالشام، حافظ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بظاہر بیاض چھوڑی تھی تاکہ یہ حدیث نقل کریں لیکن موقع نہیں مل سکا، بہرحال اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ درختِ پنبہ کا ایک ستون حضور کے تکیہ کے نیچے ہے وہ اٹھا کر لے جایا جارہا ہے، دیکھا تو شام لے جاکر نصب کر دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس زمانے میں فتنہ واقع ہوگا اس وقت ایمان شام کے اندر رہو گا۔

(ص ۱۰۳۸) بَابُ الْإِسْتَبْرَقِ وَدُخُولِ الْجَنَّةِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں استبرق دیکھتا ہے، استبرق کہتے ہیں موٹے قسم کے ریشم کو اور جنت میں داخلے کو دیکھتا ہے تو یہ بشارت ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۷۰۱۵) حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدِي سَرَقَةً مِنْ حَرِيرٍ لَا أَهْوِي (أُهْوِي) بِهَا إِلَى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ

(۷۰۱۶) فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ أَوْ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ

(ص ۱۰۳۹) بَابُ الْقَيْدِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی یہ دیکھے کہ اسکے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں تو اسکے ثبات فی الدین کی علامت ہے۔

(۷۰۱۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ عَوْفًا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ تَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ (لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ) وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَكْذِبُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَقُولُ هَذِهِ قَالَ وَكَانَ يُقَالُ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ حَدِيثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيفُ الشَّيْطَانِ وَبُشْرَى مِنَ اللهِ فَمَنْ رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصَّهُ عَلَى أَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَكَانَ يُكْرَهُ الْغُلُّ فِي النَّوْمِ وَكَانَ يُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ* وَرَوَى قَتَادَةُ وَيُونُسُ وَهِشَامٌ وَأَبُو هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَدْرَجَهُ بَعْضُهُمْ كُلَّهُ فِي الْحَدِيثِ وَحَدِيثُ عَوْفٍ أَبْيَنُ وَقَالَ يُونُسُ لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَيْدِ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ لَا تَكُونُ الْأَغْلَالُ إِلَّا فِي الْأَعْنَاقِ

إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ تَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ: جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو مومن کا خواب غلط نہ ہوگا، اقتراب زمان کی بعض لوگوں نے تفسیر یہ کی ہے کہ جب لیل ونہار میں مساوات ہو اعتدال کا زمانہ ہو، لیکن یہ مطلب ضعیف ہے، اسلئے کہ اس میں مومن کے خواب ہی کی کیا تخصیص ہے، اس زمانے جو بھی کوئی خواب دیکھتا ہے وہ عام طور سے صحیح ہوتا ہے، بلکہ اقتراب زمان سے مراد زمانۂ ساعت ہے یعنی جب قیامت قریب ہوگی اس وقت مومن چونکہ غریب الدیار ہوگا پریشان ہوگا لہذا اسکو خوابات صالحہ کے ذریعہ تسلی دی جائے گی اور جو خواب میں دیکھے گا بہت کم غلط واقع ہوگا، صحیح ہی واقع ہوگا۔

وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَكْذِبُ: حافظ عبد الحق اشبیلی نے اس پر تنبیہ نہیں کی کہ یہ مدرج بالخبر ہے، علامہ ابن المواق نے بغیۃ النقاد میں اس پر اعتراض کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ بیشک بلاشبہ یہ مدرج بالخبر ہے، یہ محمد ابن سیرین کا مقولہ ہے، فرماتے ہیں: قال محمد وأنا أقول هذه میں یہ جملہ کہہ رہا ہوں یعنی یہ آخری جملہ میرا ہے، قال و کان یقال میں قال کی ضمیر ابن سیرین کی طرف عائد ہے۔

و کان يقال: الرؤيا ثلاث الخ: یہ قول ابو ہریرہؓ کا ہے، کہا جاتا تھا کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں، (۱) خیالات جو آدمی کو آتے رہتے ہیں وہی خواب میں دیکھ لیتا ہے، (۲) شیطان کا ڈرانا، (۳) اور اللہ کی طرف سے بشارت، جو کوئی ناپسند چیز دیکھے کسی سے بیان نہ کرے، کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔

و كان يكره الغلّ فى النوم: غل کہتے ہیں طوق کو جو گلے میں ہوتا ہے۔

وأدرجه بعضهم كله في الحديث: سارا جملہ حدیث کے اندر مدرج کر دیا یعنی الرؤیا ثلاث الخ۔

وحديث عوف أبين: عوف اعرابی نے جو روایت نقل فرمائی ہے وہ ابین ہے کہ انہوں نے جزء من ستة وأربعين جزءً من النبوة تک کو مرفوع نقل کیا ہے اور آگے جملہ محمد ابن سیرین کا نقل فرمایا، واللہ اعلم۔

(ص ۱۰۳۹) بَابُ الْعَيْنِ الْجَارِيَةِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب کے اندر جاری چشمہ دیکھتا ہے تو یہ بشارت ہے نعمت کی اور برکت کی، طالب علم اگر دیکھے تو علم میں فراوانی کی دلیل ہے۔

(۷۰۱۸) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أُمِّ الْعَلَاءِ وَهِيَ امْرَأَةٌ مِنْ نِسَائِهِمْ بَايَعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ طَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ فِي السُّكْنَى حِينَ اقْتَرَعَتِ (أَقْرَعَتِ) الْأَنْصَارُ عَلَى سُكْنَى الْمُهَاجِرِينَ فَاشْتَكَى فَمَرَّضْنَاهُ حَتَّى تُوُفِّيَ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ فِي أَثْوَابِهِ فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ قَالَ وَمَا يُدْرِيكِ قُلْتُ لَا أَدْرِي وَاللهِ قَالَ أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ مِنَ اللهِ وَاللهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِي (بِهِ) وَلَا بِكُمْ قَالَتْ أُمُّ الْعَلَاءِ فَوَاللهِ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ قَالَتْ وَرَأَيْتُ (وَأُرِيتُ) لِعُثْمَانَ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِي فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ ذَاكِ عَمَلُهُ يَجْرِي لَهُ

طار لنا: یعنی عثمان بن مظعونؓ ہمارے حصہ میں پڑے۔

(ص ۱۰۳۹) بَابُ نَزْعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِئْرِ حَتّٰى يَرْوِي النَّاسُ

رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اگر کوئی آدمی خواب میں یہ دیکھے کہ وہ کنویں سے پانی نکال رہا ہے حتی کہ لوگ سیراب ہوگئے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکو کوئی بہت بڑی ولایت حاصل ہونے والی ہے کہ لوگ اس سے منتفع ہوں گے اور اسکی مدت ان ڈولوں کے اعتبار سے ہوگی، جیسے صدیق اکبرؓ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ڈول نکالنے کا خواب دیکھا تو دو سال خلیفہ رہے اور حضرت عمرؓ دمادم بڑے بڑے ڈول نکالتے رہے تو ان کے زمانے میں سلطنت اسلام میں وسعت ہوئی اور ان کا زمانہ خلافت بھی وسیع ہوا، اگر طالب علم دیکھے کہ میں دمادم ڈول نکال رہا ہوں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکے علم میں برکت ہوگی اور اسکا علم بڑھے گا۔

(۷۰۱۹) حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا عَلَى بِئْرٍ أَنْزِعُ مِنْهَا إِذْ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ الدَّلْوَ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ فَغَفَرَ اللهُ لَهُ ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ (فَرْيَهُ) حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ

(ص ۱۰۳۹) بَابُ نَزْعِ الذَّنُوبِ وَالذَّنُوبَيْنِ مِنَ الْبِئْرِ بِضَعْفٍ

اگر کوئی آدمی یہ دیکھے کہ کنویں سے ایک دو مشک نکال رہا ہے کمزوری کے ساتھ تو یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اسکے زمانہ سلطنت میں فتنہ وفساد ہوگا جیسا کہ ابو بکرؓ کے زمانے میں ارتداد ہوا تھا۔

(۷۰۲۰) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوا فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ قَامَ ابْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَمَا رَأَيْتُ مِنَ (فِي) النَّاسِ مَنْ يَفْرِي فَرِيَّهُ (فَرْيَهُ) حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ

(۷۰۲۱) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ وَعَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ

(ص ۱۰۴۰) بَابُ الْاسْتِرَاحَةِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں یہ دیکھے کہ وہ آرام کر رہا ہے تو اسکو راحت نصیب ہو گی، علماء نے لکھا ہے کہ اگر چت پڑا ہوا دیکھے تو یہ بشارت ہے اس بات کی کہ اسکی ماتحتی میں لوگ رہیں گے کیونکہ زمین سب سے اقوی چیز ہے جسکی طرف آدمی استناد کرتا ہے، اور اگر دیکھے کہ کروٹ لیٹا ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اسکو پیچھے کی کچھ خبر نہیں ہے غافل ہے۔

(۷۰۲۲) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ أَنِّي عَلَى حَوْضٍ (حَوْضِي) أَسْقِي النَّاسَ فَأَتَانِي أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ الدَّلْوَ مِنْ يَدِي لِيُرِيحَنِي فَنَزَعَ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ فَأَتَى ابْنُ الْخَطَّابِ فَأَخَذَ مِنْهُ فَلَمْ يَزَلْ يَنْزِعُ حَتَّى تَوَلَّى النَّاسُ وَالْحَوْضُ يَتَفَجَّرُ

(ص ۱۰۴۰) بَابُ الْقَصْرِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں یہ دیکھے کہ وہ کسی محل میں ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ اسکو کوئی عمل صالح حاصل ہو گا، مگر یہ خواب اہل دین کے لئے ہے، دنیادار دیکھے تو کوئی دنیوی ترقی ہو گی۔

(۷۰۲۳) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ قُلْتُ لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ قَالُوا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ (فَوَلَّيْتُ مِنْهَا) مُدْبِرًا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَبَكَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ قَالَ أَعَلَيْكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ أَغَارُ

(۷۰۲۴) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِقَصْرٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا فَقَالُوا لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَمَا مَنَعَنِي أَنْ أَدْخُلَهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِلَّا مَا أَعْلَمُ مِنْ غَيْرَتِكَ قَالَ وَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ اللهِ

(ص ۱۰۴۰) بَابُ الْوُضُوءِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں وضوء کرتے ہوئے دیکھے تو اگر اس نے وضوء کی تکمیل کرلی ہے اور پاک پانی سے وضوء کیا ہے تو اسکے مقصد میں کامیابی ہوگی، اور اگر تکمیل نہیں ہوئی یا پاک پانی سے نہیں کیا ہے تو ناکامی کی طرف اشارہ ہے۔

(۷۰۲۵) حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ فَقَالُوا لِعُمَرَ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا فَبَكَى عُمَرُ وَقَالَ عَلَيْكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ أَغَارُ

(ص ۱۰۴۰) بَابُ الطَّوَافِ بِالْكَعْبَةِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں طواف کرتے ہوئے دیکھے تو یہ حج کی بشارت ہے اور بعض وقت کسی بڑے مقصد عظیم میں کامیابی کی بشارت ہے اور کبھی کسی امیر سے ملاقات اور اس سے نفع اندوز ہونے کی بشارت ہے، اسلئے کہ کعبہ مرجع العالم ہے اور امیر مرجع الخلائق ہوتا ہے، لوگ اس سے اپنی حاجتیں پوری کرتے اور اپنی ضرورتیں کہا کرتے ہیں، اسی طرح کسی بڑے عالم یا کسی بزرگ سے ملاقات کرنے کی بھی یہ علامت ہے۔

(۷۰۲۶) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبِطُ (سَبِطُ) الشَّعَرِ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطُفُ (يَنْطِفُ) رَأْسُهُ مَاءً فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ، فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ وَابْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ مِنْ خُزَاعَةَ

یہ آگئی زہری کی روایت جو وہ سالم سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی طواف دجال کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(ص ۱۰۴۰) بَابُ إِذَا أَعْطَى فَضْلَهُ غَيْرَهُ فِي النَّوْمِ

اگر آدمی نے اپنا بچا ہوا دوسرے کو دے دیا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کو اس سے نفع پہنچے گا، میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں امام شافعی کے مزار پر حاضر ہوا اور خوشبو آرہی ہے اسکی تعبیر اس وقت تو سمجھ میں آئی نہیں، بعد میں سمجھ میں آئی اسکے بعد امام شافعی کی بہت سی کتابیں مجھے ملیں، کتاب الام، کتاب اختلاف الاحادیث، کتاب اختلاف علی و عبد اللہ بن مسعود، کتاب الرد علی محمد بن الحسن اور کتاب المسند، ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا، یہی ہے خوشبو آنے کا مطلب کہ ان سے نفع حاصل ہوگا۔

جس زمانے میں مصر کی جنگ ہو رہی تھی اسرائیل کے ساتھ، اس وقت میں نے خواب دیکھا کہ روسیوں نے امام شافعی کو شہید کر دیا میں نے تو فوراً تعبیر دے دی تھی اسکی کہ روس دھوکہ کر رہا ہے اور مصر کے ساتھ غداری کر رہا ہے لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آئی، بعد میں لوگوں کو تحقیق ہوئی کہ واقعی روس نے غداری کی۔

(۷۰۲۷) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلَهُ عُمَرَ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمُ

(ص ۱۰۴۰) بَابُ الْأَمْنِ وَذَهَابِ الرَّوْعِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ سکون و اطمئنان حاصل ہو گیا اور خوف جاتا رہا تو یہ بشارت ہے اسکے لئے بیداری میں امن و اطمئنان حاصل ہونے کی۔

(۷۰۲۸) حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ إِنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَرَوْنَ الرُّؤْيَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُصُّونَهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللهُ وَأَنَا غُلَامٌ حَدِيثُ (حَدَثُ) السِّنِّ وَبَيْتِي الْمَسْجِدُ قَبْلَ أَنْ أَنْكِحَ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي لَوْ كَانَ فِيكَ خَيْرٌ لَرَأَيْتَ مِثْلَ مَا يَرَى هَؤُلَاءِ فَلَمَّا اضْطَجَعْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ فِيَّ خَيْرًا فَأَرِنِي رُؤْيَا فَبَيْنَمَا أَنَا كَذَلِكَ إِذْ جَاءَنِي مَلَكَانِ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِقْمَعَةٌ (مَقْمَعَةٌ) مِنْ حَدِيدٍ يُقْبِلَانِ بِي إِلَى جَهَنَّمَ وَأَنَا بَيْنَهُمَا أَدْعُو اللهَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهَنَّمَ ثُمَّ أُرَانِي لَقِيَنِي مَلَكٌ فِي يَدِهِ مِقْمَعَةٌ مِنْ حَدِيدٍ

فَقَالَ لَنْ تُرَاعَ (لَمْ تُرَعْ) نِعْمَ الرَّجُلُ أَنْتَ لَوْ كُنْتَ تُكْثِرُ الصَّلَاةَ فَانْطَلَقُوا بِي حَتَّى وَقَفُوا بِي عَلَى شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ لَهُ (لَهَا) قُرُونٌ كَقَرْنِ الْبِئْرِ بَيْنَ كُلِّ قَرْنَيْنِ مَلَكٌ بِيَدِهِ مِقْمَعَةٌ مِنْ حَدِيدٍ وَأَرَى فِيهَا رِجَالًا مُعَلَّقِينَ بِالسَّلَاسِلِ رُءُوسُهُمْ أَسْفَلَهُمْ عَرَفْتُ فِيهَا رِجَالًا مِنْ قُرَيْشٍ فَانْصَرَفُوا بِي عَنْ ذَاتِ الْيَمِينِ

(۷۰۲۹) فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ نَافِعٌ فَلَمْ يَزَلْ بَعْدَ ذَلِكَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ

مقمعة من حديد: لوہے کی گرز۔

قرون: وہ ستون جو کنویں کے اوپر ہوتے ہیں۔

(ص ۱۰۴۱) بَابُ الْأَخْذِ عَلَى الْيَمِينِ فِي النَّوْمِ

اگر کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ وہ دائیں راستہ پر چل رہا ہے تو یہ بشارت ہے اسکے اصحاب یمین میں سے ہونے کی۔

(۷۰۳۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا شَابًّا عَزَبًا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْتُ أَبِيتُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ مَنْ رَأَى مَنَامًا قَصَّهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ لِي عِنْدَكَ خَيْرٌ فَأَرِنِي مَنَامًا يُعَبِّرُهُ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ مَلَكَيْنِ أَتَيَانِي فَانْطَلَقَا بِي فَلَقِيَهُمَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي لَنْ تُرَاعَ (لَمْ تُرَعْ) إِنَّكَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَانْطَلَقَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَإِذَا فِيهَا نَاسٌ قَدْ عَرَفْتُ بَعْضَهُمْ فَأَخَذَا بِي ذَاتَ الْيَمِينِ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِحَفْصَةَ

(۷۰۳۱) فَزَعَمَتْ حَفْصَةُ أَنَّهَا قَصَّتْهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ * قَالَ الزُّهْرِيُّ فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بَعْدَ ذَلِكَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ

(ص ۱۰۴۱) بَابُ الْقَدَحِ فِي النَّوْمِ

اگر کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ اسکے ہاتھ میں پیالہ ہے تو کسی عورت سے شادی ہو گی یا کسی عورت کی طرف سے مال ملے گا۔

(۷۰۳۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ

(۱۰۴۱) بَابٌ إِذَا طَارَ الشَّيْءُ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی ایسی چیز جس کی شان اڑنا نہیں ہے خواب کے اندر اڑ جائے تو یہ اشارہ ہے اسکے عدم مکث کی طرف، ٹھہرے گی نہیں، بقاء اسکو نہیں ہو گا۔

(۷۰۳۳) حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْجَرْمِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عُبَيْدَةَ بْنِ نَشِيطٍ قَالَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رُؤْيَا رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي ذَكَرَ

عن ابن عبيدة بن نشيط: ان کا نام عبد اللہ ہے اور بخاری شریف میں ان کی صرف یہی ایک روایت ہے۔

(۷۰۳۴) فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ذُكِرَ لِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ (أُرِيتُ) أَنَّهُ وُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ (إِسْوَارَانِ) مِنْ ذَهَبٍ فَقَطَعْتُهُمَا (فَفَظِعْتُهُمَا) وَكَرِهْتُهُمَا فَأُذِنَ لِي فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ الَّذِي قَتَلَهُ فَيْرُوزُ بِالْيَمَنِ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةُ

فقطعتهما: یہ غلط ہے، صواب حاشیہ کا نسخہ ہے ففظعتهما أى فظعت منهما گھبرا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا کنگن دیکھا، کنگن تھوڑے اڑا کرتا ہے لیکن آپ نے پھونک مارا تو اڑ گیا، مطلب یہ ہے کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے مگر ان کو استقرار نہیں ہو گا، کذّاب اسلئے کہ سونے سے تمویہ کی جاتی ہے اور کذاب بھی اپنے باطل کی تمویہ کرتا ہے (تمویہ خراب چیز پر سونے کا پانی چڑھانا)۔

(ص ۱۰۴۱) بَابٌ إِذَا رَأَى بَقَرًا تُنْحَرُ

اگر کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ گائے ذبح کی جارہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے خواب کی تعبیر یہ دی تھی کہ آپ کے صحابہ کرام شہید کئے جائیں گے، لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے اسی لئے امام بخاری نے إذا

رأى بقروا کا جملہ ابہام واجمال کے درجہ میں ذکر فرمایا ہے، شرط تو ذکر کر دی مگر جواب کو ذکر نہیں کیا ہے، اگر مجاہدین دیکھیں تو وہی تعبیر ہے جو حدیث میں ہے، اور اگر دعوت کھانے کے لئے لوگ جارہے ہیں اور گائے ذبح ہورہی ہے تو مطلب یہ ہے کہ ٹھاٹھ باٹھ کی دعوت ہوگی۔

وهلی: وهل بمعنی وہم، خیال۔

(۷۰۳۵) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ (أَوِ الْهَجَرُ) فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ وَرَأَيْتُ فِيهَا بَقَرًا وَاللهِ خَيْرٌ فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ أُحُدٍ وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللهُ مِنَ الْخَيْرِ وَثَوَابِ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللهُ بِهِ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ

(ص ۱۰۴۲) بَابُ النَّفْخِ فِي الْمَنَامِ

اگر کوئی آدمی خواب میں دیکھے کہ پھونک ماررہا ہے تو اسکی تعبیر کیا ہے؟ اسکی تعبیر کلام سے دی جاتی ہے، نفخ کی تعبیر کلام ہے، اگر نافخ صالح ہے تو اس سے کوئی اچھا کلام ظاہر ہوگا، اسکے کلام سے کوئی اچھا فائدہ ہوگا، اور اگر نافخ اچھا نہیں ہے برا ہے تو اس سے کوئی بری بات ظاہر ہوگی۔

میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں بہت بیمار تھا اور حضور اکرم ﷺ میری جگہ بیٹھے ہیں جہاں میں بیٹھتا ہوں اور ایک ہندوراجا حضور پر حملہ آور ہورہا ہے تیر چلارہا ہے، حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بچاؤ تو کوئی چیز میرے پاس تھی نہیں، جس لوٹے میں میں تھوکتا ہوں اسی کو اٹھا کر میں نے اسکو مارا، وہ غائب ہوگیا، یہ خواب دس سال پہلے میں نے دیکھا تھا، مولوی اطہر سے میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تھوک اور نفخ کلام ہے اور تم یہ حدیث پڑھاتے ہو اس سے دین کی اور حضور ﷺ کی اعانت ہورہی ہے اور دین کی طرف سے مدافعت ہورہی ہے، یہی ہے اسکی تعبیر، مولوی اطہر کو تعبیر میں بہت عبور حاصل ہے مگر جبکہ وہ ذرا اترے ہوئے ہوں اور اگر چڑھی ہوئی ہو اور ٹیڑھے ہورہے ہوں اور گردن یوں ہورہی ہو تب نہیں بھائی، بیکار ہے پھر تو ان سے بات کرنا، ان سے اور دیوار سے بات کرنا برابر ہے۔

(۷۰۳۶) حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ

(۷۰۳۷) وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أُوتِيتُ خَزَائِنَ الْأَرْضِ فَوُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ وَأَهَمَّانِي فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ

(ص ۱۰۴۲) بَابُ إِذَا رَأَى أَنَّهُ أَخْرَجَ الشَّيْءَ مِنْ كُورَةٍ فَأَسْكَنَهُ مَوْضِعًا آخَرَ

اگر کسی نے خواب دیکھا کہ اس نے کسی چیز کو کسی بستی سے نکال کر دوسری جگہ پہونچا دیا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہاں سے کوئی چیز اسکے ذریعہ سے نکل کر دوسری جگہ پہونچ جائے گی، جیسے حضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک عورت سیاہ فام بکھرے بال والی مدینہ سے نکل کر مہیعہ جا کھڑی ہوئی آپ نے تعبیر دی کہ وبا یہاں سے چلی گئی۔

اخراج کسی روایت میں مصرح تو نہیں ہے مگر حضور ﷺ کی دعاء ہی سے یہ ہوا تھا اسلئے اس اخراج کی نسبت آنحضور ﷺ کی طرف کر دی گئی اس لئے امام بخاری نے اخراج ذکر کیا۔

(۷۰۳۸) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ كَأَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَيْهَا

(ص ۱۰۴۲) بَابُ الْمَرْأَةِ السَّوْدَاءِ

اگر کسی نے سیاہ عورت کو خواب میں دیکھا تو خواب اچھا نہیں ہے، کبھی کسی بد عملی کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا کسی فتنہ یا کسی تکلیف کی طرف اشارہ ہوتا ہے، ابو الحسن علی بن ابی طالب قیروانی معبر نے کتاب التعبیر میں لکھا ہے کہ جس چیز پر اکثر وجوہ میں سواد کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ مکروہ چیز کی طرف اشارہ ہے لیکن کعبۃ اللہ اور حجر اسود داخل نہیں، غلاف کعبہ کو کوئی اسود دیکھے تو وہ تو ہے ہی اصلی۔

(۷۰۳۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَدِينَةِ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى نَزَلَتْ بِمَهْيَعَةَ فَأَوَّلْتُهَا أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ

(ص ۱۰۴۲) بَابُ الْمَرْأَةِ الثَّائِرَةِ الرَّأْسِ

اگر کسی آدمی نے کوئی عورت دیکھی کہ سر کے بال پراگندہ ہیں تو یہ کسی تکلیف کی طرف اشارہ ہے، علماء نے لکھا ہے کہ ثوران راس کی تعبیر بخار ہے، سخت بخار میں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، بعض وقت توحش کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

خواب کی تعبیر میں کوئی ضابطہ مسلسلہ نہیں ہے بلکہ معبر کی فراست اور سمجھ اور خواب والے کے حال سے واقفیت پر خواب کی تعبیر ہوتی ہے، معبر خواب دیکھنے والے کے احوال و کوائف سے واقف ہو خود بھی سمجھدار ہو تو وہ تعبیر دیتا ہے اور صحیح ہوتی ہے، اور جن کو اللہ نے سچی نظر عطا فرمائی ان کی تعبیر بالکل صحیح ہوتی ہے جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا قاسم نانوتوی۔

(۷۰۴۰) حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ

(ص ۱۰۴۲) بَابُ إِذَا رَأَى أَنَّهُ هَزَّ سَيْفًا فِي الْمَنَامِ

اگر کسی آدمی نے خواب دیکھا کہ اس نے تلوار کو حرکت دی تو یہ بھی تعبیر رکھتا ہے، اگر تلوار کو حرکت دی اور وہ اپنے حال پر ہے اور چمک رہی ہے تو یہ کامیابی کی طرف اشارہ ہے، اور اگر اس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تو کسی نقصان کی طرف اشارہ ہے۔

(۷۰۴۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ

(ص ۱۰۴۲) بَابُ مَنْ كَذَبَ فِي حُلُمِهِ

اگر کوئی آدمی جھوٹا خواب بیان کرے تو اس پر وعید وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خوابات اللہ

کی طرف سے ہوتے ہیں تو گویا یہ شخص اللہ کی طرف غلط بات منسوب کر رہا ہے اسلئے اسکے متعلق بڑی شدید وعید وارد ہوئی ہے۔

(۷۰۴۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ (بِحُلْمٍ) لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ (أُذُنَيْهِ) الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُورَةً عُذِّبَ وَ كُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ * قَالَ سُفْيَانُ وَصَلَهُ لَنَا أَيُّوبُ * وَقَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ مَنْ كَذَبَ فِي رُؤْيَاهُ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ الرُّمَّانِيِّ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً وَمَنْ تَحَلَّمَ وَمَنِ اسْتَمَعَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنِ اسْتَمَعَ وَمَنْ تَحَلَّمَ وَمَنْ صَوَّرَ نَحْوَهُ * تَابَعَهُ هِشَامٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ

من تحلّم: جس نے بتکلف خواب دیکھا، یعنی خواب دیکھا نہیں اور خواہ مخواہ اپنی طرف سے بیان کر رہا ہے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔

بین شعیرتین: دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف کیا جائے گا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ خواب کا تعلق شعور سے ہے لہذا جب اس نے خواب کے سلسلہ میں غلط بیانی کی ہے تو شعیرہ میں جس کا مادہ بھی شعور سے ہے گرہ لگانے کی تکلیف دی جائے گی۔

(۷۰۴۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرَى أَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا

إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرَى أَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا: بدترین جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھ کو وہ خواب دکھائے جو اس نے دیکھا نہیں، یعنی خواب تو دیکھا نہیں اور آدمی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے۔

(ص ۱۰۴۳) بَابُ إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلَا يُخْبِرْ بِهَا وَلَا يَذْكُرْهَا

اگر کسی آدمی نے ایسا خواب دیکھا جو ناپسندیدہ ہے تو کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے نہ خبر دے۔

نبی اکرم ﷺ نے ناپسندیدہ خوابات کے متعلق مختلف آداب اور مختلف احکام بیان فرمائے، ایک

ادب یہ ہے کہ جب بیدار ہو تو فوراً استعاذہ پڑھے شیطان کے شر سے اور خواب کے شر سے، دوسرا ادب یہ ہے کہ بائیں طرف تھتکار دے، تیسرا ادب یہ ہے کہ کروٹ بدل دے، چوتھا ادب یہ ہے کہ وضو کرلے، پانچواں ادب یہ ہے کہ نماز پڑھے، چھٹا ادب یہ ہے کہ کسی سے تذکرہ نہ کرے، اور بھی مختلف آداب ہیں۔

(۷۰۴۴) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ لَقَدْ كُنْتُ أَرَى الرُّؤْيَا فَتُمْرِضُنِي حَتَّى سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ يَقُولُ وَأَنَا كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا تُمْرِضُنِي حَتَّى سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ اللهِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ وَإِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَلْيَتْفِلْ (وَلْيَتْفُلْ) ثَلَاثًا وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ

كنت أرى الرؤيا فتمرضني: یعنی ہولناک خواب نظر آتا تھا۔

فلا يحدّث به إلا من يحب: آدمی جب خواب دیکھے تو ایسے شخص سے بیان کرے جو اس سے محبت کرتا ہو، بعض روایات میں ہے فلا يحدّث به إلا حبيبًا أو لبيبًا، دوست بری تعبیر نہیں دے گا، اور سمجھدار آدمی صحیح تعبیر دے گا، کسی ایسے شخص سے نہ کہے جو بے سمجھ ہو یا محبت نہ ہو، بعض وقت سمجھدار آدمی بھی اگر محبت نہ ہو تو حسد سے کبھی ناپسندیدہ تعبیر دے دیتا ہے، بس بہت سوچ کر ہی تذکرہ کرنا چاہیے۔

(۷۰۴۵) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ اللَّيْثِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّهَا مِنَ اللهِ فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ (لَا تَضُرُّهُ)

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الرُّؤْيَا لِأَوَّلِ عَابِرٍ إِذَا لَمْ يُصِبْ (ص ۱۰۴۳)

مشہور یہ ہے کہ پہلا معبر جو تعبیر دیتا ہے وہی خواب کی تعبیر ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: الرؤيا لأول عابر، رواه ابن عدي وفي إسناده يزيد الرقاشي وهو ضعيف، امام بخاری نے ترجمہ میں اسی کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتاتے ہیں کہ پہلا معبر جو تعبیر دے ضروری نہیں کہ خواب کی وہی تعبیر ہو۔

ایک شخص نے جب آکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا خواب سنایا تو صدیق اکبرؓ نے خواب کی تعبیر

دینے کی خواہش ظاہر کی اور تعبیر دیدی اسکے بعد جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا أصبت أم أخطأت؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا أصبت بعضاً و أخطأت بعضاً، اگر اول معبر کی تعبیر ہی سب کچھ ہوتی اور صحیح ہوتی تو آپ تخطئہ کیوں کرتے؟ اور صدیق اکبرؓ کے سوال سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اول معبر کی تعبیر ہی سب کچھ ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ امام ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے بسند حسن ابورزین عقیلی سے ایک روایت نقل کی ہے **الرؤیا علی رجل طائر مالم تعبر فإذا عبرت وقعت** اور ترمذی کے الفاظ ہیں **فإذا عبرت سقطت** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعبیر اول عابر کی ہوتی ہے۔

اسکے مطلب میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ جیسے پرندہ کو قرار نہیں ہوتا ایک جگہ بیٹھتا نہیں اسی طرح خواب کی تعبیر میں قرار نہیں ہوتا، ہاں جب معبر تعبیر دے دیتا ہے تب قرار ہوتا ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ پرندہ کے پاؤں سے جو چیز بندھی ہوئی ہو وہ ٹھہرتی نہیں گر جاتی ہے اسی طرح تعبیر کا حال ہے کہ جب تعبیر دے دی گئی تو خواب اس تعبیر پر واقع ہو جاتا ہے۔

اسکا جواب سنئے! بعض علماء فرماتے ہیں کہ خواب دو قسم کے ہوتے ہیں، بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ جو ذو وجہین ہوتے ہیں وہاں تو ہے الرؤیا لأول عابر، بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خواب میں مختلف احتمالات ہوتے ہیں اور ان احتمالات میں سے ایک کا تعین معبر کی تعبیر پر موقوف ہوتا ہے لہذا جب وہ تعبیر دے دیتا ہے تو خواب واقع ہو جاتا ہے، اور بعض خوابات ایسے ہوتے ہیں کہ جسکا ایک ہی رخ ہوتا ہے ان میں اگر تعبیر اسی رخ کے مطابق ہے تو تعبیر ٹھیک ہے اور اگر اس رخ کے مطابق تعبیر نہیں دی ہے تو من لم یر الرؤیا لأول عابر، جو صحیح تعبیر دے گا وہ واقع ہو گی، واللہ اعلم۔

(۷۰۴۶) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطُفُ (تنطِف) السَّمْنَ وَالْعَسَلَ فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُونَ مِنْهَا فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَإِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وُصِلَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَاللهِ لَتَدَعَنِّي فَأَعْبُرَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْبُرْهَا قَالَ أَمَّا الظُّلَّةُ فَالْإِسْلَامُ وَأَمَّا الَّذِي يَنْطُفُ (يَنطِف) مِنَ

الْعَسَلِ وَالسَّمْنِ فَالْقُرْآنُ حَلَاوَتُهُ تَنْطُفُ (تنطِف) فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ تَأْخُذُ بِهِ فَيُعْلِيكَ اللهُ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُهُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوَصَّلُ لَهُ فَيَعْلُو بِهِ فَأَخْبِرْنِي يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا قَالَ فَوَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ قَالَ لَا تُقْسِمْ

فقال أبو بکر رضی اللہ عنہ: اس روایت میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اجازت چاہی کہ میں تعبیر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تعبیر دو، حضرت ابو بکرؓ نے تعبیر دینے کے بعد پوچھا یا رسول اللہ! أصبتُ أم أخطأتُ، فقال: أصبت بعضاً وأخطأت بعضاً، علماء ومشائخ نے اس پر بحث کی کہ صدیق اکبرؓ سے کیا خطا ہوئی؟

(۱) امام اسماعیلی نے ابن قتیبہ سے نقل کر کے ان کی موافقت کی ہے اور یہی ایک جماعت کی رائے ہے کہ تعبیر دینے کا حق رسول اللہ ﷺ کو تھا، حضور ﷺ کی موجودگی میں تعبیر پر اقدام کرنا ہی خطا ہے، امام نووی اور بعض دیگر حضرات نے اس پر اعتراض کیا کہ صدیق اکبرؓ نے حضور ﷺ کی اجازت سے تعبیر دی، اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے ہوتے ہوئے خواب کی تعبیر کی اجازت لینا ٹھیک نہیں تھا۔

(۲) مہلب وغیرہ کہتے ہیں کہ اصل میں غلطی یہ ہوئی کہ روایت میں ہے ثم یأخذہ رجل آخر فینقطع بہ ثم یوصل لہ، اس میں رجل آخر کا مصداق حضرت عثمانؓ کو بتانا درست نہیں اسلئے کہ ثم یوصل لہ یعنی جوڑنا تو حضرت علیؓ کے لئے ہوا، اسکا جواب یہ ہے کہ یوصل لہ بھی حضرت عثمانؓ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے بعض حالات کی وجہ سے قریب تھا کہ نہ پہونچ پائیں، بلوائیوں نے بڑی تکلیف دی آخر شہید ہو کر اپنے اصحاب کے پاس پہونچ گئے۔

(۳) بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اصل میں ان رجال مذکورین کی تعیین حضرت صدیق اکبرؓ کو معلوم نہیں، انہوں نے نام نہیں لیا کہ پہلا کون، دوسرا کون، تیسرا کون، اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء میں اختیار کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ أخطات بعضاً کے معنی ہیں ترکت بعضاً یعنی بعض کا تذکرہ کیا اور بعض کا تذکرہ چھوڑ دیا۔

(۴) بعض علماء فرماتے ہیں کہ أخطأت بعضاً کے معنی ہیں کہ تعبیر کا مدار ظن پر ہے والظنّ یخطئ و یصیب، تو ظاہر ہے کہ تمہاری تعبیر کچھ صحیح ہوگی اور کچھ خطا ہوگی، لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے۔

(۵) امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اصل میں خواب میں دو چیزیں مذکور ہیں عسل اور سمن، صدیق اکبرؓ نے دونوں کی تعبیر ایک ہی کر دی یعنی قرآن، حالانکہ اسکی تعبیر قرآن وسنت ہونی چاہئے۔

(۶) بعض علماء محققین کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ صدیق اکبرؓ کے خطا کی تعیین تو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی اور بعد کے علماء اپنے طور پر ان کے خطا کی تعیین کریں یہ بذات خود خطا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات خطا کی تعیین علی التعیین نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے علم و ظن کے اعتبار سے قرائن اور حالات کو سامنے رکھ یہ کہہ رہے ہیں کہ صدیق اکبرؓ سے یہاں چوک ہوگئی، یہ چیز چھوٹ گئی، اسکی تعبیر میں ان سے سہو ہوگیا، یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ مخطی تھے، بلکہ چونکہ حضور ﷺ نے أخطأت فرمایا تو اب تلاش ہوئی کہ وہ کس جگہ خطا ہوئی ہے کیا خطا ہوئی ہے۔

(۷) شیخ عبدالعزیز دباغ سے اس مسئلہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اولیاء عالم کا ان تینوں رسی پکڑنے والے کے بارے میں اختلاف ہے، (یعنی حضور ﷺ کے بعد یکے بعد دیگرے جو رسی پکڑنے والے تھے)، ایک جماعت صدیقیہ کہلاتی ہے جو ابو بکر صدیقؓ کے اتباع ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ان تینوں سے مراد خلفاء ثلاثہ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ہیں اور انقطاع سے مراد حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کا سلسلہ ہے اور وصل سے مراد ان کی موت ہے، اور ایک دوسری جماعت اولیاء کی ہے جنہیں حسنیہ کہا جاتا ہے جو حسن بن علیؓ کے اتباع میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد امراء و اشراف ہیں جو حضور ﷺ کی ذریت میں ظاہر ہوں گے، خلفاء ثلاثہ تو معروف ہیں اگر رائی ان کو دیکھتا تو علی التعیین دیکھتا، شیخ عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں طائفۂ صدیقیہ سے تعلق رکھتا ہوں لیکن میرے نزدیک طائفۂ حسنیہ کا قول صحیح ہے، والحق أحق أن يتبع و يقال۔

بَابُ تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ (ص ۱۰۴۳)

امام بخاری اس سے ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ طلوع شمس کے بعد تعبیر دینی چاہئے، اسلئے کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ نماز فجر پڑھا کر لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہو تو بتاؤ، آپ اسکی تعبیر دیتے اور چونکہ اس وقت انسان کا ذہن و فکر پوری طرح

جمع ہوتا ہے طبیعت میں تازگی ہوتی ہے تو خواب کی باریکیوں کی طرف ذہن آسانی سے منتقل ہو جاتا ہے۔

(۷۰۴۷) حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ أَبُو هِشَامٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ لِأَصْحَابِهِ هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا قَالَ فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُصَّ وَإِنَّهُ قَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ إِنَّهُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي وَإِنَّهُمَا قَالَا لِي انْطَلِقْ وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ فَيَتَدَهْدَهُ الْحَجَرُ هَا هُنَا فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ قُلْتُ لَهُمَا سُبْحَانَ اللهِ مَا هَذَانِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوبٍ مِنْ حَدِيدٍ وَإِذَا هُوَ يَأْتِي أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرَهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنَهُ إِلَى قَفَاهُ قَالَ وَرُبَّمَا قَالَ أَبُو رَجَاءٍ فَيَشُقُّ قَالَ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْأَوَّلِ فَمَا يَفْرُغُ مِنْ ذَلِكَ الْجَانِبِ حَتَّى يَصِحَّ ذَلِكَ الْجَانِبُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ قُلْتُ سُبْحَانَ اللهِ مَا هَذَانِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقِ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى مِثْلِ التَّنُّورِ قَالَ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فَإِذَا فِيهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ قَالَ فَاطَّلَعْنَا فِيهِ فَإِذَا فِيهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ وَإِذَا هُمْ يَأْتِيهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ فَإِذَا أَتَاهُمْ ذَلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هَؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ وَإِذَا عَلَى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً وَإِذَا ذَلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ ثُمَّ يَأْتِي ذَلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ لَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ يَسْبَحُ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ كُلَّمَا رَجَعَ إِلَيْهِ فَغَرَ لَهُ فَاهُ فَأَلْقَمَهُ حَجَرًا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هَذَانِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ كَرِيهِ الْمَرْآةِ كَأَكْرَهِ مَا أَنْتَ رَاءٍ رَجُلًا مَرْآةً وَإِذَا عِنْدَهُ نَارٌ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هَذَا قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقِ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيهَا مِنْ كُلِّ نَوْرِ الرَّبِيعِ وَإِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيلٌ لَا أَكَادُ أَرَى رَأْسَهُ طُولًا فِي السَّمَاءِ وَإِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ أَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَأَيْتُهُمْ قَطُّ قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هَذَا مَا هَؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقِ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا إِلَى رَوْضَةٍ عَظِيمَةٍ لَمْ أَرَ رَوْضَةً قَطُّ أَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا أَحْسَنَ قَالَ قَالَا لِي ارْقَ فِيهَا قَالَ فَارْتَقَيْنَا فِيهَا فَانْتَهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَأَتَيْنَا بَابَ الْمَدِينَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَهُمْ اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذَلِكَ النَّهَرِ قَالَ وَإِذَا نَهَرٌ مُعْتَرِضٌ يَجْرِي كَأَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِي الْبَيَاضِ فَذَهَبُوا فَوَقَعُوا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذَلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ قَالَا لِي هَذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهَذَاكَ مَنْزِلُكَ قَالَ فَسَمَا بَصَرِي صُعُدًا فَإِذَا قَصْرٌ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَاءِ قَالَ قَالَا لِي هَذَاكَ مَنْزِلُكَ

قَالَ قُلْتُ لَهُمَا بَارَكَ اللهُ فِيكُمَا ذَرَانِي فَأَدْخُلَهُ قَالَا أَمَّا الْآنَ فَلَا وَأَنْتَ دَاخِلَهُ قَالَ قُلْتُ لَهُمَا فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا فَمَا هَذَا الَّذِي رَأَيْتُ قَالَ قَالَا لِي أَمَا إِنَّا سَنُخْبِرُكَ أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُشَرْشَرُ شِدْقُهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرُهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنُهُ إِلَى قَفَاهُ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَغْدُو مِنْ بَيْتِهِ فَيَكْذِبُ الْكَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ وَأَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِينَ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّورِ فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يَسْبَحُ فِي النَّهَرِ وَيُلْقَمُ الْحِجَارَةَ فَإِنَّهُ آكِلُ الرِّبَا وَأَمَّا الرَّجُلُ الْكَرِيهُ الْمَرْآةِ الَّذِي عِنْدَ النَّارِ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا فَإِنَّهُ مَالِكٌ خَازِنُ جَهَنَّمَ وَأَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيلُ الَّذِي فِي الرَّوْضَةِ فَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ ﷺ وَأَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِينَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُودٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللهِ وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ قَبِيحٌ فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُمْ

حدثنا مؤمل بن هشام: مؤمل ابن ھشام ابو ھشام کی یہ حدیث امام بخاری نے مطولاً تخریج فرمائی ہے، کتاب الانبیاء، کتاب التفسیر میں مختصراً گزر چکی ہے اور سمرہ ابن جندب کی یہی حدیث ایک دوسری سند سے کتاب الجنائز میں مفصلاً صفحہ ۸۵ پر گزر چکی ہے، اور اسی سند سے امام بخاری نے پانچ اور جگہ ذکر کی ہے، یہ روایت پوری بخاری میں دس جگہ آئی ہے۔

فیتدھدہ الحجر: پتھر لڑھک جاتا ہے۔ **کلّوب:** آنکڑا۔ **فیشر شر شدقه:** اسکے جبڑے کو پھاڑنا، یہ شِدق بکسر الشین وسکون الدال المہملہ ہے، قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں اور انہی کے اتباع میں ابن قرقول نے المشارق میں شَذق بالذال المعجمہ ضبط کیا ہے، یہ غلط ہے، تمام کتب حدیث میں شِدق بالدال المہملہ ضبط کیا گیا ہے۔ **ضوضوا:** شور مچا دینا۔ **فیفغر له فاه:** منہ کھول دیتا ہے۔ **کریه المرأة:** بد شکل۔ **روضة معتمة:** سرسبز وشاداب۔ **نور الربیع:** موسم بہار کی کلیاں۔ **ماءہ المحض فی البیاض:** بے انتہا صاف اور سفید پانی۔ **الربابة البیضاء:** سفید بادل۔ **فإنھم الزناة:** چونکہ انہوں نے شہوت کی آگ کو استعمال کیا اسلئے اسکے نتیجہ میں انہیں آگ کے تنور میں ڈالا گیا۔ **فإنه آکل الربا:** چونکہ وہ لوگوں کے خون کو چوستا تھا اسلئے آخرت میں خون کی نہر میں رکھا جائے گا۔

وأولاد المشرکین: یہ مشہور قول کی دلیل ہے کہ مشرکین کی اولاد بھی جنت میں جائے گی۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

(ص ۱۰۴۵) كِتَابُ الْفِتَنِ

فتن جمع ہے فتنہ کی، فتنہ کے معنٰی ہیں سونے کو آگ پر تپانا تاکہ کھرے کھوٹے کا پتہ چل جائے اور میل کچیل دور ہو جائے، اسکے بعد اسکا اطلاق ابتلاء، محنت، بلیہ، عذاب اور امور مکروہہ پر کر لیا گیا ہے، چونکہ آگ پر تپانے سے سونے کا مرغوب فیہ اور مرغوب عنہ کا پتہ چل جاتا ہے اور اس سے امتحان ہو جاتا ہے کہ سونا صحیح ہے یا غلط اسلئے فتنہ کا اطلاق امتحان پر ہوتا ہے، اور بعض وقت امتحان کے ذریعہ بعض آدمی مکرم اور بعض آدمی مُہان ہوتا ہے اسلئے فتنہ کا اطلاق محنت اور مصیبت پر بھی ہوتا ہے، بہر حال فتنہ وہ امر ہے جو خداوند تعالیٰ سے غافل کر دے۔

(ص ۱۰۴۵) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ وَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَذِّرُ مِنَ الْفِتَنِ

ابوذر کے نسخہ میں تو یہ باب ہے دیگر نسخوں میں باب نہیں ہے، حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ سے بچنے کا امر فرمایا، حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فتنوں سے ڈرایا اسلئے مؤمن کو فتنہ سے پرہیز کرنا چاہئے، یہ تو مصنف کا مقصد ہے، ویسے شراح کرام کی رائے میں واتقوا فتنة کے معنی ہیں واتقوا عذاب الفتنة اور فتنہ سے مراد معاصی ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احداث فی الدین مراد ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ فتنہ کے عموم میں معاصی، بغاوت، احداث فی الدین، ترک الامر بالمعروف وترک

النہی عن المنکر، بدعات، خروج علی الائمۃ سب ہی داخل ہیں، اور مقصد یہ ہے کہ اسکے عذاب سے بچنا چاہئے ورنہ وہ عذاب صرف ظالمین ہی کو نہیں بلکہ سب کو لپیٹ لیتا ہے، اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ ایسا کریں انہیں روکا جائے یا ان سے یکسوئی اختیار کی جائے یا ان کا علاقہ ہی چھوڑ دے۔

وما کان النبی ﷺ یحذر من الفتن: حضور اکرم ﷺ فتنوں سے ڈرایا کرتے تھے لہذا مؤمن کو فتنوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، چاہے وہ فتنے عقائد سے تعلق رکھتے ہوں یا بدعات سے اور چاہے اعمال سے تعلق رکھتے ہوں یا آپس میں اختلافات ہوں، اور یا دنیا طلبی کے لئے ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنا، آبرو لینا ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

(۷۰۴۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قَالَتْ أَسْمَاءُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا عَلَى حَوْضِي أَنْتَظِرُ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ فَيُؤْخَذُ بِنَاسٍ مِنْ دُونِي فَأَقُولُ أُمَّتِي فَيُقَالُ لَا تَدْرِي مَشَوْا عَلَى الْقَهْقَرَى قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ

مشوا علی القهقری: اگر اس سے مراد یہ ہے کہ مرتد ہوگئے تو ظاہر ہے، اور اگر اعمال میں کوتاہی مراد ہو تب بھی ظاہر ہے، کوتاہی فی الاعمال بھی ایک قسم کا الٹے قدم لوٹ جانا ہے، اور اگر بدعات اختیار کرتا ہے تو یہ بھی الٹے قدم لوٹنا ہے کہ طریق نبوت کو چھوڑ کر طریق بدعت اختیار کر لیا۔

(۷۰۴۹) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ لَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ حَتَّى إِذَا أَهْوَيْتُ لِأُنَاوِلَهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي فَأَقُولُ أَيْ رَبِّ أَصْحَابِي يَقُولُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ

(۷۰۵۰/۷۰۵۱) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ وَرَدَهُ شَرِبَ (يَشْرَبُ) مِنْهُ وَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهُ أَبَدًا لَيَرِدُ (لَيَرِدَنَّ) عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي (وَيَعْرِفُونَنِي) ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ * قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ وَأَنَا أُحَدِّثُهُمْ هَذَا فَقَالَ هَكَذَا سَمِعْتَ سَهْلًا فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَأَنَا أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ يَزِيدُ فِيهِ قَالَ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا بَدَّلُوا (مَا أَحْدَثُوا) بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي

فرطکم: فرط وہ شخص کہلاتا ہے جو قافلہ سے آگے جاتا ہے انتظام قافلہ اور لشکر کے لئے۔

اختلجوا: مجھ سے چھین لئے جائیں گے۔

(ص ۱۰۴۵) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سَتَرَوْنَ بَعْدِي أُمُورًا تُنْكِرُونَهَا

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر ایسے امور پیش آئیں جو جانے پہچانے اور معروف شرعی اصول و قواعد کے خلاف ہوں اور ان کا تعلق اپنے حقوق سے ہو تو آدمی صبر کرے تاکہ انکار علی الائمہ کی وجہ سے تشتت فیما بین المسلمین اور افتراق کلمۃ المسلمین نہ ظاہر ہو جائے اور مسلمانوں کی جمعیت پر اثر نہ پڑے۔

(۷۰۵۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً (أُثْرَةً) وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ

أثرة: ترجیح۔

أدّوا إليهم حقهم وسلوا الله حقكم: دو لفظ میں تمام دنیا کے انتظام اور سارے امور کی اصلاح کا ضابطہ بیان کر دیا، ان کا حق تو ادا کرو لیکن اپنا حق اللہ سے مانگو، ظاہر میں تو یہ ارشاد امراء کے حق میں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ قاعدۂ عامہ ہے، اگر آدمی اس دستور پر عمل کر لے تو دنیا میں کہیں بھی کسی سے جھگڑا، لڑائی، عداوت، اختلاف، چوری، ڈکیتی نہ ہو، سب کا راستہ بند ہو جائے۔

دیکھو بچو! یاد رکھو اس جملہ کو، یہیں سبق میں گرہ لگالو، ہمیشہ کے لئے اسکا عزم کر لو، دیکھو کتنا سکون سے رہتے ہو اور فتنوں سے کتنا دور رہتے ہو، أدّوا إليهم حقهم وسلوا الله حقكم، لوگوں کا حق ادا کرو اور اپنا حق ان سے نہ مانگو اللہ سے مانگو، سارا فتنہ یہیں ہوتا ہے، ہر شخص کو یہ شکوہ رہتا ہے کہ میرا حق ادا نہیں کیا، اور جب تم لوگوں کا حق ادا کرو گے اور اپنا حق ان سے مانگنے کے بجائے اللہ سے مانگو گے تو پھر لوگوں کو تم سے شکوہ نہیں ہو سکتا، اگر ہو گا تو غلط فہمی کی وجہ سے ہو گا بہر حال تم فتنوں سے بچو گے، کسی کا حق ہو جانی ہو یا مالی ادا کر دو، مدارس میں رہو گے تو مدرسین کی رعایت کرو، ان کے ساتھ محبت سے پیش آؤ، جب اللہ نے کسی کو انتظام کی سیٹ پر پہونچا دیا ہے تو وہ جس وقت اس سیٹ پر ہو ان کی رعایت کی جائے۔

(۷۰۵۳) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْجَعْدِ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

مات میتة جاھلیة: مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل جاہلیت بغیر امام کے مرا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی بغیر امام کے مریگا اور عاصی ہو گا، یہ مطلب نہیں کہ امام کے خلاف بغاوت کر لے یا اسکی اطاعت سے روگردانی کرلے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۷۰٥٤) حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

(۷۰٥٥) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ قُلْنَا أَصْلَحَكَ اللهُ حَدِّثْ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ

(۷۰٥٦) فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً (وَأُثْرَةً) عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ

إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا: امام نووی فرماتے ہیں کہ کفراً بواحاً سے مراد معاصی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ائمہ کے خلاف نہ جانا چاہئے الا یہ کہ کوئی صریح منکر جسکا منکر ہونا دلائل اسلام سے ظاہر ہو جائے تو اس صورت میں ان پر نکیر کی جاسکتی ہے۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ کفر کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جاسکتا ہے اور حدیث پاک میں نزاع سے مراد قتال ہے اور برہان سے مراد دلیل عقلی اور نص شرعی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ائمہ کے خلاف بغاوت کرنے کی اجازت اسی وقت ہے جب وہ صریح کفر اختیار کرلیں، محض فسق کی وجہ سے ائمہ کے خلاف بغاوت کی اجازت نہیں، فاسق کو امیر اور حاکم نہیں بنانا چاہئے لیکن کوئی فاسق تغلّب کر کے حاکم ہو گیا تو اگر اسکے ہٹانے پر بآسانی قدرت ہو اور ایسا عظیم فتنہ نہ ہو کہ جسکی وجہ سے مسلمانوں کی جمعیت میں انتشار پیدا ہو جائے اور قوت ٹوٹ جائے، دوسرے ان کی طرف نگاہیں نہ اٹھانے لگیں، کفار مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی طمع اور لالچ نہ کرنے لگیں تو اسکی گنجائش ہے لیکن اگر فتنہ عظیمہ کا خطرہ ہو تو بس سکوت کیا جائے۔

فیه برھان: برہان سے مراد نص ہے آیت ہو یا خبر غیر محتمل التاویل ہو، اس سے معلوم ہوا کہ خروج علی الائمہ کی اس وقت اجازت نہیں جب تک ان کے فعل میں تاویل کا امکان ہو۔

(۷۰۵۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِي قَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً (أُثْرَةً) فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي

إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً: اس شخص کے کہنے کا مطلب یہ کہ آپ نے ان کو عامل بنایا مجھے نہیں بنایا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو کسی ترجیح کی بنیاد پر عامل نہیں بنایا لیکن تم بعد میں ترجیح بھی دیکھو گے مگر اس وقت صبر کرنا، ظاہر ہے کہ اس آدمی نے بطور اعتراض نہیں کہا، سیاق کلام سے اسی کا اندازہ ہوتا ہے

(ص ۱۰۴۶) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ أُغَيْلِمَةٍ سُفَهَاءَ

أغيلمة: تصغیر ہے غلمۃ کی علی خلاف قیاس، جمع ہے غلام کی، غلام کا اطلاق نو عمر بچہ پر ہوتا ہے اور التحاء (ڈاڑھی آنے) تک غلام کا اطلاق ہوتا ہے یعنی بالغ ہونے والے بچہ پر، اور بعض وقت مجازاً ملتحی یعنی ڈاڑھی والے کو بھی غلام کہا جاتا ہے، یہاں نابالغ بچے مراد نہیں ہیں، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کی ہلاکت کچھ بیوقوف نو عمر بچوں کے ہاتھ پر ہوگی، مگر روایت میں سفہاء کا تذکرہ نہیں ہے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی روایت ذکر کرنا چاہتے ہوں پھر اسکا موقع نہیں ملا، یا پھر کسی روایت کی طرف اشارہ کیا ہو جو بخاری کی شرط کے موافق نہ ہو، حافظ ابن حجر نے اسی کو معتمد قرار دیا اور فرماتے ہیں کہ یہ امام بخاری کی عادت اکثری ہے، اور مسند احمد وغیرہ میں سفہاء کی قید وارد ہے۔

(۷۰۵۸) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَدِّي قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ وَمَعَنَا مَرْوَانُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ يَقُولُ هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ (أَيْدِي) غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ غِلْمَةً فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ بَنِي فُلَانٍ وَبَنِي فُلَانٍ لَفَعَلْتُ فَكُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ جَدِّي إِلَى بَنِي مَرْوَانَ حِينَ مُلِكُوا (مَلَكُوا) بِالشَّأْمِ فَإِذَا رَآهُمْ غِلْمَانًا أَحْدَاثًا قَالَ لَنَا عَسَى هَؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا مِنْهُمْ قُلْنَا أَنْتَ أَعْلَمُ

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: عمرو بن یحیی بن سعید نے یہ حدیث اپنے دادا سعید بن عمرو سے جب سنی اور اپنے شاگرد موسی ابن اسماعیل کو جب سنائی تو ان دونوں کے درمیان ستر سال کا فاصلہ ہے۔

هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلَى أَيْدِي غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ: میری امت کی ہلاکت قریش کے نوجوانوں کے ہاتھ پر ہوگی، اس سے مراد خاص امت کا ہلاک ہونا ہے ساری امت مراد نہیں ہے۔

فَقَالَ مَرْوَانُ لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ غِلْمَةً: غلمة منصوب علی الاختصاص ہے، عجیب بات ہے کہ یہ مروان کی اولاد میں سے ہیں اور مروان ہی ان پر لعنت کرتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اکثر لڑکے انہی کی اولاد میں سے ہوں گے، شاید یہ اسلئے کہ ان پر اتمام حجت ہو کہ ان کے دادا نے بھی ان پر لعنت کی ہے۔

اور ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ دنیا کے دلی مقاصد کی خاطر کسی کو قتل کرینگے کسی کو مارینگے، چنانچہ یزید نے شام سے ایک لشکر جرار مدینہ منورہ بھیجا اور اس لشکر شامی نے مدینہ میں بے ڈھڑک خونریزی کی اور پھر اسکا لشکر مکہ روانہ ہوا، وہاں پر جنگ ہوئی پھر ان کا زمانہ ختم ہوا، عبد الملک کا زمانہ آیا تو اس نے نہ معلوم کتنی جنگیں لڑیں اور ہزاروں مسلمان اس دنیا طلبی کی نذر ہو گئے۔

فَكُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ جَدِّي: عمرو بن یحیی کہتے ہیں کہ میں اپنے دادا کے ساتھ نکلتا تھا اور بنو مروان شام کے حاکم ہو گئے اور ان کا دار الخلافہ شام بن گیا تو دادا کہتے تھے کہ شاید یہی لوگ مراد ہیں تو میں کہتا کہ آپ زیادہ جانتے ہیں۔

(ص ۱۰۴۶) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ

نبی پاک ﷺ نے جس شر کے قریب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے ہو سکتا ہے وہی شر ہو جو حضرت عثمانؓ کے قتل کی صورت میں رونما ہوا اور پھر اسکا سلسلہ ایک طویل زمانہ تک چلتا رہا، ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان اسکی لپیٹ میں آگئے اور قتل ہو گئے، اور ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ کے فتنہ کی طرف اشارہ ہو اور اسکو قریب اسلئے کہا گیا کہ کل ما ھو آت قریب، مگر یہ دوسرا احتمال ضعیف ہے، اقرب یہی ہے کہ اس سے وہی

اختلاف مراد ہے جو مسلمانوں کے درمیان حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد واقع ہوا ہے، اسی طرح اس میں علیؓ ومعاویہؓ کی جنگیں بھی آجائینگی کہ اس میں بھی بہت لوگ قتل ہوئے۔

(۷۰۵۹) حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُنَّ أَنَّهَا قَالَتِ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّوْمِ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَعَقَدَ سُفْيَانُ تِسْعِينَ أَوْ مِائَةً قِيلَ أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ: اس روایت میں زینب بنت ام سلمہ حضرت ام حبیبہؓ سے براہ راست روایت کرتی ہیں، بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سند منقطع ہے، اسلئے کہ یہ حدیث امام مسلم نے تخریج کی ہے اس میں عن زينب بنت أم سلمة عن بنت أم حبيبة عن أم حبيبة واقع ہوا ہے یعنی زینب اور ام حبیبہ کے درمیان بنت ام حبیبہ کا واسطہ مذکور ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ مسلم کی سند من قبیل المزید فی متصل الاسانید ہے، اسلئے کہ جس طرح سفیان بن عیینہ اس حدیث کو زہری عن عروہ عن زينب بنت أم سلمة عن أم حبيبةؓ نقل کرتے ہیں اسی طرح سفیان کے دوسرے رفقاء شعیب ابن ابی حمزہ اور یونس بن یزید ایلی اسکو نقل کرتے ہیں اور شعیب ابن ابی حمزہ کی روایت میں وارد ہوا ہے عن زينب بنت أم سلمة أن أم حبيبة حدثتها، أخرجه البخاری فی علامات النبوۃ فی الإسلام اور یونس کی روایت میں أخبرتها ہے، أخرجه مسلم۔

اب یہ سمجھو کہ مسلم کی سند میں چار صحابیات وارد ہیں، زینب بنت ام سلمہؓ، حبیبہؓ، ام حبیبہؓ، زینب بنت جحشؓ، اسکی ایک اور مثال بھی ہے، امام بخاری نے کتاب الاحکام میں ایک روایت نقل کی ہے اس میں بھی چار صحابی ہیں عن السائب بن یزیدؓ، عن حویطب بن عبد العزیؓ، عن عبد اللہ بن السعدیؓ، عن عمر بن الخطابؓ۔

حافظ عبد الغنی بن سعید مصری نے ایک جزو جمع کیا جس میں وہ احادیث جمع کی ہیں جس میں چار صحابی سلسلہ وار سند میں آرہے ہیں اور اس میں انہوں نے چار حدیثیں جمع کی ہیں، اسکے بعد پھر حافظ عبد القادر رہاوی، پھر حافظ یوسف بن خلیل نے مزید چار کا اضافہ کیا اور ایک ایسی روایت ذکر کی جس میں پانچ صحابی جمع ہیں تو کل نو روایتیں ہوگئیں، ان میں سب سے زیادہ اصح یہ حدیث ہے، اور حضرت عمرؓ کی حدیث ابواب الاحکام میں آئے گی جو عمالہ کے مسئلہ میں ہے۔

وعقد سفیان تسعین: سفیان نے نوے کا عدد کیا یا سو کا، اس روایت میں عقد کی دو صورت کا ذکر

ہے ایک تسعین اور دوسرے مائۃ، ان میں صورۃً فرق ہے حقیقۃً نہیں، عقد تسعین یہ ہے کہ مسبحۂ یمنی کو اسکی جڑ میں ایسے لپیٹ دیا جائے جیسے سانپ منطوی ہو جاتا ہے، اور عقد مائۃ یہ ہے کہ خنصر یسریٰ کو اسی طرح اسکی جڑ میں لپیٹ دیا جائے، مسلم کی ایک روایت میں عقد عشرہ کا ذکر ہے وہ روایت اس روایت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، قاضی عیاض نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابتداء میں مختصر یعنی چھوٹا حلقہ ہو اسکے بعد بڑھتے بڑھتے عقد عشرہ کے برابر ہو گیا ہو، عقد عشرہ کی صورت یہ ہے کہ مسبحۂ یمنیٰ کے سرے کو ابہام کے باطن میں عقد اول پر رکھ دیا جائے، مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ تو ایک ہی روایت کے اندر رواۃ کا اختلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ عشرہ والی روایت مرجوح ہے۔

نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ: جب فسق وفجور کی کثرت ہو جائے گی تو تباہی عام ہو جائے گی، جسکی کثرت ہوتی ہے اسکا غلبہ ہوتا ہے، اگر معاصی کی کثرت ہو گی تو اللہ کا مقت وغضب آجائے گا اور اگر طاعت کی کثرت ہو گی تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

(۷۰۶۰) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَشْرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى قَالُوا لَا قَالَ فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ (الْمَطَرِ)

قَالَ فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ: حضور ﷺ کو نظر کشف میں دکھایا گیا کہ وہ فتنے اتر رہے ہیں جیسے بارش اترتی ہے۔

(ص ۱۰۴۶) بَابُ ظُهُورِ الْفِتَنِ

یہ باب فتنوں کے ظہور کے بیان میں ہے، یعنی ایک زمانہ آئے گا کہ فتنے عام ہو جائینگے، کھل کر سامنے آجائیں گے۔

(۷۰۶۱) حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ (الزَّمَنُ) وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّمَ (أَيُّمَا) هُوَ قَالَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ * وَقَالَ شُعَيْبٌ وَيُونُسُ وَاللَّيْثُ وَابْنُ

أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ: زمانہ قریب ہو جائے گا، اس حدیث پاک کے مطلب میں مختلف اقوال ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ زمانہ بتدریج چھوٹا ہو جائے گا، چنانچہ ایک روایت میں وارد ہوا ہے حتی تکون السنة کالشهر والشهر کالجمعة والجمعة کالیوم والیوم کالساعة والساعة تضطرم شي النار۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد برکت کا زائل ہو جانا ہے، قاضی عیاض اور امام نووی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام طحاوی کی رائے ہے کہ اس سے مراد اقتراب في الشر والفساد ہے اسلئے کہ سارے خیر میں متقارب ہو جائیں یہ تو بہت بعید، کبھی ایسا ہوا نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے سب شر وفساد میں شریک ہو جائیں۔

اور بعض نے کہا کہ زمانہ سے مراد زمان ساعت ہے یعنی زمانہ قریب آجائے گا لیکن یہ مراد بعید ہے، اسلئے کہ زمان ساعت تو ہر وقت قریب آرہا ہے اسکے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے پھر اسکو یتقارب سے تعبیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اور بعض نے کہا کہ یتقارب سے مراد استواء اللیل والنہار ہے لیکن یہ مطلب یہاں بیان کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو کتاب التعبیر کی حدیث إذا اقترب الزمان لم تكد رؤيا المؤمن تكذب جو صفحہ ۱۰۳۹ پر گزر چکی ہے وہاں ایک مطلب یہ ہے کہ جب لیل ونہار برابر ہو جائیں تو اس وقت خواب بہت کم غلط ہوتے ہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت قریب آجائے گی تو مؤمن کے خوابات بہت کم غلط ہوں گے وہ انتشار و اضطراب کا زمانہ ہوگا، مؤمن کس مپرسی کے عالم میں ہوگا، غریب ہوگا، اس لئے خوابات اور مبشرات کے ذریعہ اسکو تسلی دی جائے گی۔

وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ: عمل کم ہو جائے گا، بعض رویات میں وینقص العلم ہے، عام طور سے علم کی کمی ہی سبب ہوتی ہے عمل کی کمی کا، اور بعضوں میں علم کے ہوتے ہوئے عمل کم ہوگا۔

وَيُلْقَى الشُّحُّ: دلوں میں بغض ڈال دیا جائے گا، آدمی مال کی حرص میں اتنا متوالا ہوگا کہ اصحابِ حقوق کے حقوق واجبہ تک ادا نہ کرے گا۔

أَیَّم (أَیُّمَا) هُوَ: یعنی أی شیئ هو؟ أعنی الهرج، قال: القتل، یعنی ہرج کی تفسیر خود حضور ﷺ سے القتل منقول ہے، اور بعض روایات میں موقوفاً بھی وارد ہوا ہے یعنی یہ کہ یہ حبشہ کی زبان میں قتل کے معنی میں ہے، اس سے اس روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۷۰۶۲/۷۰۶۳) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى فَقَالَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ

(۷۰۶٤) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ قَالَ جَلَسَ عَبْدُ اللهِ وَأَبُو مُوسَى فَتَحَدَّثَا فَقَالَ أَبُو مُوسَى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ أَيَّامًا (لَأَيَّامًا) يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ

(۷۰٦٥) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ إِنِّي لَجَالِسٌ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ أَبُو مُوسَى سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَالْهَرْجُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْقَتْلُ

(۷۰٦٦) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَأَحْسِبُهُ رَفَعَهُ قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ أَيَّامُ الْهَرْجِ يَزُولُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ فِيهَا الْجَهْلُ قَالَ أَبُو مُوسَى وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ

(۷۰٦۷) وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ تَعْلَمُ الْأَيَّامَ الَّتِي ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ الْهَرْجِ نَحْوَهُ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ

عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ: یہ عاصم ابن ابی النجود ہیں جو مشہور قاری ہیں۔

قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ: یہ روایت بالسند السابق موصول ہے۔

مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ: بدترین لوگ وہ ہیں جو قیامت قائم ہونے کے وقت زندہ ہوں، اسلئے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں کوئی اللہ کا نام لینے والا موجود نہ ہو، لاتقوم الساعة حتی لا یقال فی الأرض الله الله، تو اب قیامت انہی لوگوں پر قائم ہوگی جو سب سے غافل اور اللہ پاک کے منکر ہوں گے۔ اور یہ حدیث جو میں نے پڑھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ میں بھی

طاقت ہے کہ جب تک کوئی بھی زمین میں اللہ اللہ کہنے والا ہو گا قیامت نہیں آئے گی، معلوم ہوا کہ یہ لفظ قیام عالم کا سبب ہے اسلئے اللہ اللہ کرو بہت فائدہ ہو گا، حضرت اقدس رائپوری سے کسی نے کہا کہ میں ذکر کرتا ہوں کوئی اثر نہیں ہوتا، حضرت نے فرمایا کہ تمہارا ذکر سویا ہوا ہے جب جاگے گا تب معلوم ہو گا، یعنی جب تم مر کر زندہ ہو گے اور اسکا اجر خزانہ در خزانہ ملے گا تب پتہ چلے گا۔

(ص ۱۰۴۷) بَابٌ لَا يَأْتِي زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ

یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ ہمیشہ مستقبل ماضی سے بدتر ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی اس میں کوئی استثنائی شکل بھی نکل آتی ہے جیسے عمر بن عبد العزیز کا دور ان سے پہلے خلفاء عبد الملک اور سلیمان کے ادوار سے اچھا تھا۔

(۷۰۶۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اصْبِرُوا فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ: انکی کل یہی ایک روایت ہے، یہ کوفی ہیں اور ایک زبیر بن عربی بصری ہیں۔

لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ: یعنی اکثر واغلب کے اعتبار سے ورنہ بعض وقت بعد کا زمانہ ماقبل کے زمانے سے اچھا ہوتا ہے، یہی توجیہ حسن بصری سے منقول ہے اور اس توجیہ کی بہر حال ضرورت ہے اسلئے کہ دورِ حجاج سے دورِ عمر بن عبد العزیز اچھا تھا، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مجموعہ کے اعتبار سے حکم لگایا جاتا ہے اور مجموعۂ موجودین فی زمن الحجاج، مجموعۂ موجودین فی زمن عمر بن عبد العزیز سے اچھے تھے، اسلئے کہ حجاج میں دور میں بہت سے ایسے صحابہ تھے جو عمر بن عبد العزیز کے دور میں نہیں تھے اور تنہا ایک صحابی ہی بڑی نعمت ہے۔

(۷۰۶۹) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُولُ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللهُ (أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ) مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّينَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ

مَاذَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ: داودی وغیرہ نے تو یہ کہہ دیا کہ خزائن اور

فتن دونوں کی مراد ایک ہے لیکن یہ صحیح نہیں، دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، بعض کو خزانہ بھی ملتا ہے اور فتنہ میں بھی مبتلا ہوتا ہے اور بعض کو خزانہ میں کوئی حصہ نہیں ملتا اور فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے۔

رُبَّ کَاسِیَةٍ فِي الدُّنْیَا عَارِیَةٍ فِي الْآخِرَةِ: کاسیةٍ مجرور ہے مگر عاریة میں دو احتمال ہیں، مجرور یا مرفوع، اگر عاریةٍ مجرور ہے تو کاسیةٍ کی صفت ہے، اور اگر عاریةٌ رفع سے ہے تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ھی عاریةٌ اور مبتدا خبر مل کر کاسیةٍ کی صفت ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ عاریةٌ خبر ہے رُبّ کاسیةٍ کی اور کسائی سے یہی منقول ہے۔

پھر اسکے مطلب میں بڑا اختلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور میں بعض مواقع مثلاً کتاب العلم، کتاب التہجد وغیرہ میں بیان کر چکا ہوں، اس میں سے ایک مشہور مطلب یہ ہے کہ بعض عورتیں لباس تو پہنیں گی مگر باریک ہونے کی وجہ سے پہنا ہوا نہ ہوگا لہٰذا دنیا میں گو وہ لباس میں ہیں مگر حقیقت میں وہ لباس نہیں تو آخرت میں بھی وہ عاریةٌ ہوں گی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ بعض تو لباس فاخرہ یہاں پہنیں گی لیکن آخرت میں عاری ہوں گی اسلئے کہ اسکا شکر ادا نہیں کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ کاسیہ کے معنی ہیں کہ کاسیة بالنعم اللہ کی نعمتوں سے مستور ہیں اللہ کی نعمتوں نے انہیں ڈھانک رکھا ہے مگر قلب کی ناشکری کی وجہ سے لباس نعمت سے عاری ہوں گی۔

ایک مطلب یہ بھی ہے کہ بعض کو اللہ تعالیٰ نے شرف نسبت کا لباس عطا فرمایا ہے لیکن یہاں تقویٰ اور تقدس اختیار نہ کرنے کی وجہ سے آخرت میں یہ شرف نسبت نافع نہ ہوگا اسکے نفع سے وہ عاری ہوں گی۔

(ص ۱۰۴۷) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی بلا کسی موجب شرعی کے اگر کوئی کسی مسلمان پر ہتھیار اٹھائے تو وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے، یہ مسلمان کا کام نہیں کہ مسلمان مسلمان پر تلوار اٹھائے یہ تو کافر کا کام ہے کہ وہ مسلمان پر تلوار اٹھاتا ہے، لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ بلا استحلال کے اگر کوئی ہتھیار اٹھائے گا تو وہ کافر ہو جائے گا قال تعالیٰ: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما﴾ اللہ نے اس قتال کی

حالت میں ان کو مؤمن قرار دیا ہے، اور اگر کسی موجب شرعی اور اللہ کے حکم کی وجہ سے مسلمانوں ہی کے خلاف تلوار اٹھاتا ہے جیسے بغاوت کو دفع کرنے کے لئے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

(۷۰۷۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

(۷۰۷۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا: اسکی توجیہ مشہور ہے، مگر سفیان بن عیینہ وغیرہ فلیس منا کی تفسیر فلیس علی حدنا الکامل پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ حدیث کا مقصد زجر ہے اور توجیہ کے بعد یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے، اور ویسے حدیث کی مختلف توجیہات ہیں، کوئی کہتا ہے کہ مستحل پر محمول ہے، کوئی کہتا ہے کہ لیس منا ای لیس علی طریقتنا، اور سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ حمل السلاح علی المؤمن مسلمان کا شعار اور فعل نہیں ہے، کافروں کا فعل اور شعار ہے لیکن کسی کافر کے ساتھ فعل میں مشابہت کفر اعتقاد کو متقاضی نہیں ہے، کافر کا کام کرنے سے کافر نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ خصائص کفر میں سے ہو تو کافر ہو جائے گا جیسے سجود صنم وغیرہ۔

(۷۰۷۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُشِيرُ (لَا يُشِرْ) أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ (يَنْزَغُ) فِي يَدِهِ فَيَقَعُ (فيقع) فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ

(۷۰۷۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرٍو يَا أَبَا مُحَمَّدٍ سَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ مَرَّ رَجُلٌ بِسِهَامٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا قَالَ نَعَمْ

(۷۰۷۴) حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ بِأَسْهُمٍ قَدْ أَبْدَى نُصُولَهَا (بَدَا نُصُولُهَا) فَأُمِرَ أَنْ يَأْخُذَ بِنُصُولِهَا لَا يَخْدِشُ مُسْلِمًا

(۷۰۷۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا أَوْ فِي سُوقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلَى نِصَالِهَا أَوْ قَالَ فَلْيَقْبِضْ بِكَفِّهِ أَنْ يُصِيبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا شَيْءٌ (بِشَيْءٍ)

(ص ۱۰۴۷) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا

يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

امام مصنف نے حدیث کے الفاظ کو ہی ترجمہ قرار دیا ہے، یہ بالکل ظاہر المراد ہے، اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ہتھیار اٹھائے گا تو یہ شخص کفار کا فعل کرتا ہے، ہتھیار اٹھانا کافروں کے فعل کے مشابہ ہے لیکن اس فعل سے کافر نہیں ہوتا ہاں اسکے مشابہ ہو جاتا ہے، کافر تو جب ہو گا جب ایسا کام کرے جس میں ایمان کے لوازمات میں سے کسی ایک لازم کی نفی لازم آتی ہو یعنی جو چیزیں ایمان میں داخل ہیں ان کی نفی لازم آتی ہو، یہ اس حدیث پاک کی سب سے اچھی توجیہ ہے اور اس صورت میں سب حدیثیں اپنے ظاہر پر رہتی ہیں، اور باقی جن لوگوں نے توجیہ کی ہے کہ یہ مستحل پر محمول ہے یا یہ کہ یہ فعل منجر الی الکفر ہو جاتا ہے وغیرہ یہ سب توجیہات معروف و مشہور ہیں اور بعض گزر چکی ہیں۔

(۷۰۷۶) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ: اس حدیث کو خوارج اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں، مرجیہ تردید کرتے ہیں، لیکن اہل سنت والجماعت اسکی توجیہ کرتے ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ گزر چکا اور سب سے اچھی توجیہ پہلی ہے یعنی اس عمل سے کافروں کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

(۷۰۷۷) حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

(۷۰۷۸) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ أَفْضَلُ فِي نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا تَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هَذَا أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلِّغٍ يُبَلِّغُهُ لِمَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ فَكَانَ كَذَلِكَ قَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ حُرِّقَ ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ حِينَ حَرَّقَهُ جَارِيَةُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ أَشْرِفُوا عَلَى أَبِي بَكْرَةَ فَقَالُوا هَذَا أَبُو بَكْرَةَ يَرَاكَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَحَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ قَالَ لَوْ دَخَلُوا عَلَيَّ مَا بَهَشْتُ (بَهَشْتُ) بِقَصَبَةٍ

وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ: یہ حمید بن عبد الملک حمیری ہیں کذا قالہ الکرمانی اور بخاری کتاب الحج میں اسکی تصریح بھی وارد ہوئی ہے۔

وَكَانَ كَذٰلِكَ: یہ وہ لفظ آگیا، یہ مقولہ ہے محمد بن سیرین کا، محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا یعنی حضور ﷺ نے جو فرمایا تھا فإنه رُب مبلَغ یبلّغه من هو أوعی له، واقع میں یہی ہوا کہ بعض بالواسطہ سننے والے بلاواسطہ سننے والے سے اوعی ہوتے تھے، اور اسکے متعلق کتاب العلم میں کلام کر چکا ہوں یہ لفظ وہاں گزرا تھا اور اسکے بعض اجزاء محذوف ہوگئے تھے، اسلئے وہاں شراح نے خاص طور سے کرمانی نے مختلف احتمالات ذکر کئے اس میں ایک احتمال یہ ذکر کیا تھا کہ ابن سیرین جو یہ کہتے ہیں صدق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تطبیق جملہ محذوفہ اور یبلّغه من هو أوعی له مقصود ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ حُرِقَ ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ حِينَ حَرَّقَهُ جَارِيَةُ بْنُ قُدَامَةَ: ابن الحضرمی عبد اللہ بن عمرو الحضرمی ہیں اسکا باپ عمرو الحضرمی تو کافر تھا جو بدر میں قتل ہوا تھا، عبد اللہ کو بظاہر رویت حاصل ہے، جاریہ ابن قدامہ نے ان کو جلا دیا تھا، یہ واقعہ سن ۳۸ ہجری کا ہے، عسکری وغیرہ نے نقل کیا کہ معاویہ نے ابن الحضرمی کو بصرہ بھیجا تھا تاکہ وہ لوگوں کو حضرت علیؓ سے جنگ کرنے پر آمادہ کریں اور حضرت علیؓ نے اعین بن ضبیعہ کو بھیجا لیکن وہ راستہ میں غیلۃً قتل کر دئے گئے پھر جاریہ بن قدامہ کو بھیجا، حضرت جاریہ نے ابن الحضرمی کو ایک دار میں محصور کر کے آگ لگادی، بقولے ستر اور بقولے چالیس آدمی سب جل گئے اسی لئے جاریہ کا لقب محرّق پڑ گیا تھا۔

أَشْرِفُوا عَلَى أَبِي بَكْرَةَ: یعنی دیکھو ابو بکرہ ہمارے خلاف تو نہیں بولتے، تو لوگوں نے کہا کہ ابو بکرہ تمہیں دیکھ رہے ہیں مگر کچھ بول نہیں رہے ہیں۔

لَوْ دَخَلُوا عَلَيَّ مَا بَهَشْتُ بِقَصَبَةٍ: بهشت ہا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، مابهشت کی تفسیر بخاری نے کی ہے مارمیت، اور بعضوں نے کہا مادافعت، حضرت ابو بکرہ کا مطلب یہی تھا کہ فتنوں کے زمانے میں آدمی کسی قسم کا اقدام نہ کرے نہ جارحانہ نہ مدافعانہ، لیکن بہت سے لوگوں کی رائے تھی کہ یوں تو خاموش رہے لیکن اگر حملہ آور ہو تو جوابی کاروائی کرے۔

(۷۰۷۹) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ

اللهُ عَنهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْتَدُّوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

(۷۰۸۰) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ جَدِّهِ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ لَا تَرْجِعُوا (لَا تَرْجِعُنَّ) بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

عن جریر قال قال رسول اللہ ﷺ: اس سے معلوم ہوا کہ

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت جریرؓ حضور ﷺ کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے یہ غلط ہے، اگرچہ ابن خزیمہ اور طحاوی نے نقل کیا ہے، اس روایت سے حجۃ الوداع میں ان کی شرکت معلوم ہوتی ہے اور میں کتاب العلم صفحہ ۲۳ پر باب الاستنصات للعلماء میں بیان کر چکا ہوں۔

(ص ۱۰۴۸) بَابُ قولِ النبی ﷺ تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

فتنہ واقع ہوگا اس میں قاعد قائم سے بہتر ہوگا، یعنی فتنہ سے جو جتنا دور ہوگا وہ بہتر ہوگا۔

(۷۰۸۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ح قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَحَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُونُ فِتَنٌ (فِتْنَةٌ) الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ فِيهَا (مِنْهَا) مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ

مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا: جو فتنہ کو جھانکے گا تو فتنہ اسے جھانک ہی لیگا۔

مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا: پناہ کی جگہ، اگر فتنے واقع ہوں تو آدمی کیا کرے؟ سلف کی ایک جماعت سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عمرؓ، عمران بن حصینؓ، ابو بکرہؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابو موسی اشعریؓ، ابوذر غفاریؓ، محمد بن مسلمہؓ وغیرہ اور تابعین میں شریح و نخعی وغیرہ کی رائے تھی کہ بالکل ایک طرف ہو جائے، پھر ابو بکرہؓ کی رائے تو یہ تھی کہ جیسے ابتداء بالقتال نہ کرے دفاع عن القتال بھی نہ کرے، اور ابن عمرؓ اور عمران بن حصینؓ کی رائے یہ تھی کہ ابتداء تو نہ کرے لیکن جوابی کاروائی کر سکتا ہے، اور ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ وہ شہر چھوڑ کر ہی چلا جائے۔

لیکن جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر محق و مبطل میں امتیاز نہ ہو تو آدمی سب سے الگ رہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں حق پر ہے فلاں باطل پر ہے تو اہل حق کی حمایت کرے اہل باطل کے خلاف، قال اللہ تعالی: ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيئ إلى أمر الله﴾، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور کوئی دوسرا اسکے خلاف بیعت لے تو اسکو قتل کر دو کائنا من کان، اور حدیث باب میں جو مضمون وارد ہے کہ فتنہ سے دور رہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اسکا تعلق مخصوص لوگوں سے ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ آخری زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے جس وقت لوگ ملک کی وجہ سے قتال کرینگے دین مقصود نہیں ہوگا، اور بعض کہتے ہیں کہ اسکا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ حق وباطل میں امتیاز نہ ہو۔

(۷۰۸۲) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ

(ص ۱۰۴۸) بَابُ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا

مصنف نے اذا شرط ذکر کی اور جواب حذف کر دیا اسلئے کہ اگر جواب ذکر کر دیتے تو ہو سکتا ہے کہ خوارج مصنف کو اپنی طرف کھینچتے یا کم از کم اس بات کی طرف مصنف کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے یا ممکن ہے کہ کوئی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا اسلئے مصنف نے حذف کر دیا۔

ویسے حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے، مستحل کے بارے میں تو ظاہر پر محمول ہے اور اگر مستحل نہیں ہے تو پھر حدیث پاک مؤول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ اسکی سزا ہے لیکن چونکہ مجرم ہے اور تمام مجرمین تحت المشیت داخل ہیں لہذا ان کی بھی مغفرت ہوگی۔

(۷۰۸۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ رَجُلٍ لَمْ يُسَمِّهِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ خَرَجْتُ بِسِلَاحِي لَيَالِيَ الْفِتْنَةِ فَاسْتَقْبَلَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ قُلْتُ أُرِيدُ نُصْرَةَ ابْنِ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَكِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ (فَكِلَاهُمَا فِي النَّارِ) قِيلَ فَهَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ فَذَكَرْتُ هَذَا الْحَدِيثَ لِأَيُّوبَ وَيُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ يُحَدِّثَانِي بِهِ فَقَالَا إِنَّمَا رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الْحَسَنُ عَنِ

الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ بِهَذَا وَ قَالَ مُؤَمَّلٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ وَهِشَامٌ وَمُعَلَّى بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْأَحْنَفِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ وَرَوَاهُ بَكَّارُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ * وَقَالَ غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ

عن رجل لم يسمّه: یہ رجل عمرو بن عبید معتزلی ہے اور بعض کہتے ہیں ہشام بن حسان ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ خَرَجْتُ بِسِلَاحِي لَيَالِيَ الْفِتْنَةِ فَاسْتَقْبَلَنِي أَبُو بَكْرَةَ: اسی طرح سے اس روایت میں وارد ہوا ہے، لیکن حسن اور ابو بکرہ کے بیچ میں احنف بن قیس کا واسطہ ہے وہ ساقط ہو گئے ہیں اگلے صفحہ پر تصریح آرہی ہے، اور لیالی الفتنۃ سے مراد وہ جنگ ہے جو حضرت عائشہؓ اور ان کے موافقین اور حضرت علیؓ اور ان کے موافقین کے درمیان ہوئی ہے۔

فَقَالَا إِنَّمَا رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الْحَسَنُ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ: اسکا مطلب یہ ہے کہ عمرو بن عبید کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے، اس نے احنف ابن قیس کو حسن اور ابو بکرہ کے بیچ میں سے حذف کر دیا، حالانکہ حسن براہ راست ابو بکرہ سے نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ احنف بن قیس سے روایت کرتے ہیں، احنف بن قیس نے شروع میں حضرت علیؓ سے انعزال کیا لیکن پھر حضرت علیؓ کے ساتھ تمام حروب میں شریک رہے۔

وقال غندر: غندر کی روایت امام مسلم نے تخریج کی ہے عن ابن ابی شیبۃ۔

ولم یرفعه سفیان: یعنی سفیان عن منصور نہیں کرتے ہیں لیکن شعبہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

(ص ۱۰۴۹) بَابٌ كَيْفَ الْأَمْرُ إِذَا لَمْ تَكُنْ جَمَاعَةٌ

یعنی اگر مسلمانوں میں انتشار ہو اور لوگ کسی ایک امام کے ساتھ نہ ہوں تو کیا کرے؟ روایت سے جواب معلوم ہو گیا کہ تمام فرق سے الگ رہے۔

(۷۰۸٤) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ

صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَیْرِ وَکُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ یُدْرِکَنِي فَقُلْتُ یَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا کُنَّا فِي جَاهِلِیَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَیْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَیْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِکَ الشَّرِّ مِنْ خَیْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِیهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ یَهْدُونَ بِغَیْرِ هَدْیِي (هَدْيٍ) تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْکِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِکَ الْخَیْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَی أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَیْهَا قَذَفُوهُ فِیهَا قُلْتُ یَا رَسُولَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَیَتَکَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَکَنِي ذٰلِکَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِینَ وَإِمَامَهُمْ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ یَکُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْکَ الْفِرَقَ کُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّی یُدْرِکَکَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَی ذٰلِکَ

عن حذیفة رضی اللہ عنہ قال کان الناس یسئلون: یہ حدیث امام بخاری نے باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں ۵۰۹ صفحہ پر تخریج فرمائی ہے اور یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس میں بخاری و مسلم کے ایک ہی استاذ ہیں محمد بن المثنیٰ۔

فهل بعد هذا الخير من شر: اس شر سے مراد وہ فتنے ہیں جو بعد میں ظاہر ہوئے جیسے حضرت علیؓ کے ساتھ جنگیں ہوئیں، حضرت عثمانؓ کا قتل ہوا پھر اسکے بعد جو خیر ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے ایام مراد ہیں، اور الذین تعرف منهم وتنكر سے مراد بعد کے امراء ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ پہلے شر سے مراد حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد جو واقعے ہوئے ہیں اور اسکے بعد خیر سے مراد حضرت علیؓ اور معاویہؓ کا اجتماع ہے، پھر دخن جو مذکور ہے اس سے مراد جو بعد کے خلفاء کرتے رہتے تھے اور خوارج کا ظہور بھی مراد ہے۔

تعرف منهم وتنكر: جو شریعت کے موافق ہیں وہ معروف ہیں اور خلاف شرع منکر ہیں اور مراد یہ کہ ان کی ہر بات شریعت کے موافق نہ ہوگی۔

هم من جلدتنا: جلدتنا کے مطلب میں تین قول ہیں، بعض نے کہا کہ مراد یہ کہ ہماری ہی قوم کے ہوں گے، بعض نے کہا کہ ہمارے ہم زبان ہوں گے، بعض نے کہا کہ ہمارے ہم مذہب ہوں گے۔

تلزم جماعة المسلمين وإمامهم: اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ ایجابی ہے یا استحبابی؟ اور پھر جماعت سے کیا مراد ہے، بعض کہتے ہیں کہ سواد اعظم مراد ہے، بعض نے کہا کہ صحابہ مراد ہیں، بعض کہتے ہیں کہ علماء مراد ہیں، امام طبری کی رائے ہے کہ امر ایجابی ہے اور جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی امام کے ہاتھ

پر بیعت کر چکے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ جو لوگ ہیں تم بھی ان کے ساتھ ہو جاؤ۔

ولو أن تعض بأصل شجرة: اگر چہ تم کسی جڑ کی درخت کو دانت سے پکڑو، یعنی چاہے تمہیں کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے کھانے کو کچھ نہ ملے بھوکے رہو حتی کہ بھوک کی وجہ سے درخت کی جڑ کاٹ کر کھاؤ لیکن بہر حال سب سے الگ رہو۔

(ص ۱۰۴۹) بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُكَثِّرَ سَوَادَ الْفِتَنِ وَالظُّلْمِ

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جہاں فاتنین وظالمین ہوں آدمی ان کے ساتھ شامل نہ ہو اسلئے کہ چاہے ان کے ظلم میں نیت کے اعتبار سے شریک نہ ہو اور عمل کے اعتبار سے بھی شریک نہ ہو لیکن بہر حال ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی جمعیت کی کثرت ہوگی، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں من كثر سواد قوم فهو منهم، رواه أبو يعلى۔

(۷۰۸۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ وَغَيْرُهُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْثٌ فَاكْتُتِبْتُ فِيهِ فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَنَهَانِي أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يُكَثِّرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْتِي السَّهْمُ فَيُرْمَى فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يَضْرِبُهُ فَيَقْتُلُهُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾

حدثنا حيوة وغيره: یہ وغیرہ ابن لہیعہ ہے۔

(ص ۱۰۴۹) بَابُ إِذَا بَقِيَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ

حُثَالَة: ردی، یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو بخاری کے بعض نسخوں میں پایا جاتا ہے، حضرت ابن عمرؓ سے ۵۹ صفحہ پر باب التشبیک فی المساجد میں یہ لفظ گزر چکا ہے اور میں وہاں بتا چکا ہوں کہ بعض نسخوں میں یہ حدیث ہے اور ابن جریر طبری نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے وصححہ ابن حبان۔

مقصد یہ ہے کہ اگر آدمی ردی لوگوں میں رہ جائے تو اپنی فکر میں رہے لوگوں کے چکر کو چھوڑ دے۔

(۷۰۸۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي

جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى فِيهَا أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَلَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ (إِسْلَامُهُ) وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ وَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا

حدثنا حذيفة: حضرت حذیفہؓ کی یہ حدیث اسی سند و متن سے کتاب الرقاق صفحہ ۹۶۱ پر باب رفع الامانۃ میں گزر چکی ہے۔

(ص ۱۰۵۰) بَابُ التَّعَرُّبِ (التَّغَرُّبِ) فِي الْفِتْنَةِ

تعرّب کے معنیٰ ہیں الاقامۃ فی البادیۃ، مقصد یہ ہے کہ جب شہروں میں فتنہ شروع ہو جائے تو آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلے جائیں، بوادی میں قیام کرلیں تاکہ فتنوں سے بچ جائیں۔

(۷۰۸۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْحَجَّاجِ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ ارْتَدَدْتَ عَلَى عَقِبَيْكَ تَعَرَّبْتَ قَالَ لَا وَلَكِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِي فِي الْبَدْوِ * وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ لَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ خَرَجَ سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ إِلَى الرَّبَذَةِ وَتَزَوَّجَ هُنَاكَ امْرَأَةً وَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَلَمْ يَزَلْ بِهَا حَتَّى قَبْلَ (حَتَّى أَقْبَلَ قَبْلَ) أَنْ يَمُوتَ بِلَيَالٍ فَنَزَلَ الْمَدِينَةَ

يا ابن الأكوع ارتددت على عقبيك: اے اکوع کے لڑکے تو الٹے قدم لوٹ گیا؟ اعرابی بن گیا؟ مہاجر کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ اپنے مہاجر کو نہ چھوڑے، حضرت سلمہ بن اکوعؓ اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ آگئے تھے اسکے بعد ربذہ میں قیام کرلیا تھا، حجاج بن یوسف مختلف لوچے نکال کر مسلمانوں کی خونریزیاں کرتا تھا وہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو بھی بظاہر قتل ہی کرنا چاہتا تھا اسلئے اس نے کہا ارتددت علی عقبیک یعنی تو مرتد ہو گیا لہذا مستحق قتل ہے، تو حضرت سلمہؓ نے جواب دیا: لا! میں الٹے قدم نہیں لوٹا اور اعرابی نہیں بنا ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أذن لی فی البدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بادیہ میں قیام کرنے کی اجازت دی ہے، حضرت سلمہؓ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت تک مدینہ میں رہے لیکن ان کے قتل کے بعد ربذہ چلے گئے وہیں شادی ہوئی، وہیں اولاد

ہوئی اور وفات سے پیشتر مدینہ آ گئے تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت سن ۳۵ ہجری میں ہوئی اور حضرت سلمہؓ کی وفات علی الصحیح سن ۷۴ ہجری میں ہوئی گویا ربذہ میں قیام تقریباً چالیس سال رہا۔

قبل أن یموت لیال: وفات سے چند دن قبل مدینہ منورہ آ گئے، مٹی مدینہ پاک کی لکھی ہوئی تھی بیمار ہوئے اور وہیں انتقال ہوا، اپنے محبوب ﷺ کے قدموں میں دفن ہو گئے۔

حضور ﷺ کے روضۂ مبارک کے مشرق میں جنۃ البقیع ہے اور قبلہ مدینہ کا جانب جنوب ہے تو حضور ﷺ کا رخ مبارک جنوب کی طرف، سر مبارک مغرب کی طرف ہے پاؤں مبارک مشرق کی طرف اور بقیع آپ کے روضہ سے مشرق کی طرف ہے تو سارے کے سارے آپ ﷺ کے پاؤں ہی کی طرف ہیں۔

(۷۰۸۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ

یوشک أن یکون خیر مال المسلم: یہ روایت کتاب الایمان میں صفحہ ۷ پر عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبی عن مالک سے گزر چکی وہاں روایتی حیثیت سے میں کلام کر چکا ہوں، اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ مخالطت افضل ہے یا عزلت؟ اسکے متعلق میں کتاب الایمان میں بھی کلام کر چکا ہوں اور ابھی قریب کتاب الرقاق میں باب العزلۃ راحۃ للمؤمن من خلاط السوء کے تحت کلام کر چکا ہوں۔

(ص ۱۰۵۰) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ

یہ ترجمہ کتاب الدعوات میں دعاء کی مناسبت سے گزر چکا اور یہاں فتن کی مناسبت سے ذکر کیا، امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ سے پناہ چاہنی چاہئے، اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں اسئلوا اللہ الفتنۃ فإن فیھا حصاد المنافقین اسکی تردید مقصود ہے، اور ایک حدیث ابو نعیم نے حضرت علیؓ سے نقل کی ہے لا تکرھوا الفتنۃ فإنھا تبیر المنافقین غالباً مؤلف نے اسکی بھی تردید کی ہے، وہ روایت بے حد ضعیف ہے بلکہ ابن وہب کہتے ہیں کہ باطل ہے۔

(۷۰۸۹) حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَحْفَوْهُ بِالْمَسْأَلَةِ فَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ الْمِنْبَرَ (عَلَى الْمِنْبَرِ) فَقَالَ

لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُ لَكُمْ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافٌّ رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي فَأَنْشَأَ رَجُلٌ كَانَ إِذَا لَاحَى يُدْعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَبِي فَقَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوءِ (مِنْ شَرِّ) الْفِتَنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ إِنَّهُ صُوِّرَتْ لِي الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتَّى رَأَيْتُهُمَا دُونَ الْحَائِطِ فَكَانَ قَتَادَةُ يَذْكُرُ هَذَا الْحَدِيثَ عِنْدَ هَذِهِ الْآيَةِ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

لَافٌّ رَأْسَهُ: ہر شخص اپنا سر اپنے کپڑے میں لپیٹے ہوئے رو رہا تھا۔

(۷۰۹۰) وَقَالَ عَبَّاسٌ النَّرْسِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا وَقَالَ كُلُّ رَجُلٍ لَافًّا رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي وَقَالَ عَائِذًا بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ أَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سَوْأَى الْفِتَنِ

عباس النرسی: النرسی نون کے ساتھ اور راء کا فتحہ یا سکون، یہ عباس ابن الولید النرسی ہے، بخاری میں ان کی کل تین روایات ہیں، ایک یہ، دوسری علامات النبوۃ میں اور تیسری کتاب المغازی میں، اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں اور اگر ہے تو وہ عیاش بن ولید الرقام کی ہے، ان کو نرسی کیوں کہا جاتا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ نرس کی طرف نسبت ہے جو ایک گاؤں ہے، بعض نے کہا کہ ایک نہر ہے، ابو نصر کلاباذی کی رائے ہے کہ اصل میں ان کے اجداد میں ایک صاحب نصر تھے اسکو بعض نبطیین نے بجائے نصر کے نرس کہہ دیا اور یہی لقب ان کو لگ گیا۔

(۷۰۹۱) وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَمُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا وَقَالَ عَائِذًا بِاللهِ مِنْ شَرِّ الْفِتَنِ

(ص ۱۰۵۰) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم الْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ

فتنہ مشرق کی جانب سے ظاہر ہو گا، یعنی فتنہ کی اصل مشرق کی طرف سے ہو گی، اور ہوا بھی یہی کہ حضرت عثمانؓ کا قتل ہوا اور ان کے قتل کا سبب طعنہ زنی اور اعتراضات ہیں اور اسکی ابتداء مشرق یعنی عراق کی جانب سے ہوئی جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے۔

اور یہ جو حدیث میں آیا کہ إني لأرى الفتن تقع خلال بيوتكم كمواقع المطر اس سے تو معلوم ہوا

کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے مگر یہ اشکال اسلئے نہیں ہوتا کہ ان فتنوں کا سبب وہی مشرق یعنی عراق کی جانب سے تھا، عراق میں خلیفہ حق اور امراء حق کے خلاف اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھتے بڑھتے مدینہ تک پہنچ گیا اور مدینہ کا فتنہ آپ ﷺ کو دکھایا گیا اور آپ نے خبر دی۔

(۷۰۹۲) حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْمِنْبَرِ فَقَالَ الْفِتْنَةُ هَا هُنَا الْفِتْنَةُ هَا هُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ قَرْنُ الشَّمْسِ

حيث يطلع قرن الشيطان: جہاں شیطان کا قرن ظاہر ہوگا، علامہ داودی کہتے ہیں کہ واقعی شیطان کے دو سینگ ہیں، لیکن ابو عبید ہروی کہتے ہیں کہ اس سے سر کے دونوں جانب مراد ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ یہ تمثیل ہے یعنی وہاں پر شیطان کو نشاط ہوتا ہے وہ ادھر ادھر حرکت کرتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد دو جماعتیں ہیں، شیطان کی جماعت وہاں ظاہر ہوگی۔

(۷۰۹۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلَ الْمَشْرِقِ (مُسْتَقْبِلُ الْمَشْرِقِ) يَقُولُ أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ

(۷۰۹۴) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَفِي نَجْدِنَا قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَفِي نَجْدِنَا فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ

(۷۰۹۵) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ شَاهِينَ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ بَيَانٍ عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ فَرَجَوْنَا أَنْ يُحَدِّثَنَا حَدِيثًا حَسَنًا قَالَ فَبَادَرَنَا إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدِّثْنَا عَنِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ وَاللهُ يَقُولُ ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ فَقَالَ هَلْ تَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ إِنَّمَا كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ الدُّخُولُ فِي دِينِهِمْ فِتْنَةً وَلَيْسَ كَقِتَالِكُمْ (بِقِتَالِكُمْ) عَلَى الْمُلْكِ

حتى لا تكون فتنة: أي حتى لا يبقى أحد يفتن عن دين الإسلام ويرتد إلى الكفر۔

و كان الدخول في دينهم: یعنی حضور ﷺ تبلیغ کرتے تھے اور مشرکین کی پوری قوت اس بات پر صرف ہورہی تھی کہ وہ ان مسلمانوں کو کفر کی طرف واپس لوٹائیں، مرتد بنائیں، اب و کان الدخول فی

دینھم کا مطلب ہے یعنی الدخول فی دین الکفار، یعنی کفار کے دین میں داخل ہونا ان کے لئے فتنہ تھا۔

ولیس بقتالکم علی الملک: یعنی آیت ملک کے قتال کے لئے نہیں کہ اگر ملک کے لئے قتال کریں تو تم بھی کسی کے ساتھ ہو جاؤ۔

(ص ۱۰۵۱) بَابُ الْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ

اس فتنہ کا بیان جو سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہو گا اس وقت آدمی کیا کرے؟ بس ایک طرف ہو جائے۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ خَلَفِ بْنِ حَوْشَبٍ كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَتَمَثَّلُوا بِهٰذِهِ الْأَبْيَاتِ عِنْدَ الْفِتَنِ

الْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَكُونُ فَتِيَّةً تَسْعَى بِزِينَتِهَا لِكُلِّ جَهُولِ
حَتَّى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا وَلَّتْ عَجُوزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيلِ
شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَتَغَيَّرَتْ مَكْرُوهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ

كانوا يستحبون أن يتمثّلوا بهذه الأبيات: فتنوں کے وقت سلف صالح ان ابیات سے تمثیل کرنے کو پسند کرتے تھے، حاشیہ کا نسخہ ہے قال امرؤ القیس، اسی طرح ابوذر کی روایت میں واقع ہوا ہے، یہ غیر مشہور ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ ابیات عمرو بن معدیکرب کے ہیں جیسا کہ مبرد نے الکامل اور ابو القاسم سہیلی نے الروض الانف میں ذکر کیا ہے۔

الْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَكُونُ فَتِيَّةً تَسْعَى بِزِينَتِهَا لِكُلِّ جَهُولِ

لڑائی پہلے پہلے جوان ہوتی ہے جو اپنی زینت سے ہر جاہل کی طرف دوڑتی ہے، الحرب مرفوع ہے مبتدا اول ہونے کی وجہ سے، اور اول ماتکون مرفوع ہے مبتدا ثانی، اور فتیۃ حال قائم مقام خبر ہے، مبتدا ثانی خبر سے مل کر خبر ہوئی مبتدا اول کی۔

بعض کہتے ہیں کہ الحرب مبتدا اور فتیۃ خبر اور اول ماتکون منصوب ہے جو حال واقع ہو رہا ہے اور ظرف ہے، اور بعضوں نے کہا کہ الحرب مبتدا اور تسعی بزینتھا لکل جھول خبر ہے اور أول ماتکون فتیۃ ظرف ہے۔

حَتَّى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا وَلَّتْ عَجُوزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيلِ

یہاں تک کہ جب وہ مشتعل ہو جاتی ہے اور اسکی لکڑیاں جلنے لگتی ہیں تو پیٹھ پھیرتی ہے بے خاوند کی

بڑھیا ہو کر۔

شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَتَغَيَّرَتْ مَكْرُوهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ

بال سفید ہو گئے رنگ اتر گیا اور اسکی حالت متغیر ہو گئی ہے نہ سونگھنے کے قابل نہ چومنے کے لائق،

مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ ابتداءً جب جنگ ہوتی ہے تو لوگوں میں بڑا اشتعال اور بڑا جوش ہوتا ہے، آدمی اس میں کودنے اور گھسنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جب جانی اور مالی نقصانات اچھی طرح ظاہر ہونے لگتے ہیں تو پھر آدمی کو جنگ سے نفرت ہو جاتی ہے پریشان ہو جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ کس طرح جان بچائے۔

تو سلف جنگ سے پہلے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے تاکہ عواقب پہلے سے مستحضر ہو جائیں اور جنگ میں دخول سے اجتناب کریں۔

(۷۰۹۶) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ عُمَرَ إِذْ قَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ قَالَ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ لَيْسَ عَنْ هَذَا أَسْأَلُكَ وَلَكِنِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ عُمَرُ أَيُكْسَرُ الْبَابُ أَمْ يُفْتَحُ قَالَ بَلْ (لَا بَلْ) يُكْسَرُ قَالَ عُمَرُ إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا قُلْتُ أَجَلْ قُلْنَا لِحُذَيْفَةَ أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ (أَعْلَمُ) أَنَّ دُونَ غَدٍ لَيْلَةً وَذَلِكَ أَنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَهُ مَنِ الْبَابُ فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ مَنِ الْبَابُ قَالَ عُمَرُ

(۷۰۹۷) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِلَى حَائِطٍ مِنْ حَوَائِطِ الْمَدِينَةِ لِحَاجَتِهِ وَخَرَجْتُ فِي إِثْرِهِ فَلَمَّا دَخَلَ الْحَائِطَ جَلَسْتُ عَلَى بَابِهِ وَقُلْتُ لَأَكُونَنَّ الْيَوْمَ بَوَّابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَأْمُرْنِي فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَضَى حَاجَتَهُ وَجَلَسَ عَلَى (فِي) قُفِّ الْبِئْرِ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِ لِيَدْخُلَ فَقُلْتُ كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ فَوَقَفَ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْكَ قَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَدَخَلَ فَجَاءَ (فَجَلَسَ) عَنْ يَمِينِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَجَاءَ عُمَرُ فَقُلْتُ كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَجَاءَ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ فَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَامْتَلَأَ الْقُفُّ فَلَمْ يَكُنْ فِيهِ مَجْلِسٌ ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَقُلْتُ كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ مَعَهَا بَلَاءٌ يُصِيبُهُ فَدَخَلَ فَلَمْ يَجِدْ مَعَهُمْ مَجْلِسًا فَتَحَوَّلَ حَتَّى جَاءَ مُقَابِلَهُمْ عَلَى شَفَةِ الْبِئْرِ فَكَشَفَ

عَنْ سَاقَيْهِ ثُمَّ دَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَجَعَلْتُ أَتَمَنَّى أَخًا لِي وَأَدْعُو اللهَ أَنْ يَأْتِيَ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَتَأَوَّلْتُ (فَأَوَّلْتُ) ذَلِكَ قُبُورَهُمْ اجْتَمَعَتْ هَاهُنَا وَانْفَرَدَ عُثْمَانُ

وقلت لاكونن بوّاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یعنی حضور ﷺ نے مجھے بواب نہیں بنایا، میں خود بن رہا تھا، لیکن بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، جمع کی صورت یہ ہے کہ ابتداء میں ابو موسیٰؓ نے خود ارادہ کیا تھا لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا، یا روایت میں حضور ﷺ کے فرمانے کو مجاز پر محمول کیا جائے، چونکہ انہوں نے اپنے طور پر دربانی طے کرلی تھی اور حضور ﷺ نے تقریر فرمائی، کوئی نکیر نہیں کی تو گویا حضور نے دربانی کے لئے مقرر فرمایا۔

قال ابن المسیب: یہ جو سعید ابن المسیب نے بیداری کے فعل کی تاویل کی ہے اسکو فراست صادقہ کہیں گے، انہوں نے اس فعل سے یہ سمجھا کہ یہ خبر ہے آئندہ ہونے والے واقعات کی، شیخین کی قبر تو حضور ﷺ کے پاس ہے اور حضرت عثمانؓ کی قبر بقیع کے پیچھے ہے، اب تو وہ سب بقیع کے دائرہ میں آگیا ہے۔

(۷۰۹۸) حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ قِيلَ لِأُسَامَةَ أَلَا تُكَلِّمُ هَذَا قَالَ قَدْ كَلَّمْتُهُ مَا دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا أَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَفْتَحُهُ (فَتَحَهُ) وَمَا أَنَا بِالَّذِي أَقُولُ لِرَجُلٍ بَعْدَ أَنْ يَكُونَ أَمِيرًا عَلَى رَجُلَيْنِ أَنْتَ خَيْرٌ (انْتِ خَيْرًا) بَعْدَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُجَاءُ بِرَجُلٍ فَيُطْرَحُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ (كَمَا يَطْحَنُ الْحِمَارُ) بِرَحَاهُ فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ أَيْ فُلَانُ أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ

قال قد كلّمته ما دون أن أفتح لک بابا: حضرت اسامہؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان سے بات چیت کی ہے مگر میں علی الاعلان امراء پر اعتراض کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا، اسلئے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جرأت بڑھ جاتی ہے اور امیر کی وقعت اور اسکا وزن کم ہوجاتا ہے اور پھر فتنوں کے دروازے کھلتے ہیں۔

اسکے بعد حضرت اسامہؓ نے فرمایا: **وما أنا بالذی أقول لرجل بعد أن یکون أمیرا علی رجلین،** میں اس شخص کے بارے میں جو دو آدمیوں کا امیر ہو حضور پاک ﷺ کی حدیث سننے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ وہ خیر الناس ہے، اور پھر وہ حدیث بیان کی کہ ایک آدمی جہنم میں ڈال دیا جائے گا وہ اپنی آنت کے اطراف میں ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی کے اطراف میں گھومتا ہے، لوگ پوچھیں گے کہ تو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تھا اور یہ کیا بات ہے کہ تو یہاں ہے؟ کہنے لگا کہ میں لوگوں کو تو اچھی بات کا حکم کرتا تھا اور خود کرتا

نہیں تھا اور لوگوں کو بری باتوں سے روکتا تھا اور خود کیا کرتا تھا۔

اس سے حضرت عثمان مراد نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد ایک کلام عام بیان کرنا ہے کیونکہ امیر، آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کے مقام پر ہوتا ہے لہذا اسکو چاہئے کہ وہ خود اچھی بات پر عمل کرے اور بری بات سے رکے، اور کسی کا امیر ہو جانا اسکی فضیلت کی دلیل نہیں ہے اس واسطے کہ امیر، آمر بالمروف اور ناہی عن المنکر کے مقام پر ہوتے ہوئے اگر اس مقام کے فرائض کو انجام نہ دے تو وہ شخص معذب ہوگا، لیکن حضرت عثمانؓ کی ذات گرامی پر حضرت اسامہؓ کا اعتراض نہیں ہے اور نہ وہ اعتراض ان کی طرف متوجہ کر رہے ہیں، والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

بَابٌ (ص ۱۰۵۲)

(۷۰۹۹) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِي اللهُ بِكَلِمَةٍ أَيَّامَ الْجَمَلِ لَمَّا بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فَارِسًا مَلَّكُوا ابْنَةَ كِسْرَى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً

یہ حدیث اسی سند کے ساتھ کتاب المغازی (ص ۶۳۷) میں گزر چکی ہے، حضور پاک علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ فارسیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا امیر بنالیا ہے تو فرمایا کہ وہ قوم فلاح ہی نہیں پاسکتی جس نے اپنا امیر عورت کو منتخب کرلیا، علامہ ابو محمد ابن حزم ظاہری نے اس روایت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ امارت عظمیٰ عورت کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے۔

آیا عورت قاضیٔ مسلمین بن سکتی ہے؟ امام ابن جریر طبری سے تو علی الاطلاق جواز نقل کیا گیا ہے، امام ابو حنیفہ اور ابن حزم ظاہری کی رائے یہ ہے کہ جن چیزوں میں عورت کی شہادت معتبر ہے ان چیزوں میں عورت قاضی بن سکتی ہے، قاضی ابو بکر ابن عربی مالکی ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن جریر طبری اور امام ابو حنیفہ سے جو نقل کیا جاتا ہے اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کے لئے مستقل منشور لکھا جائے گا کہ وہ فلاں جگہ کی قاضی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نیابۃً عن القاضی بعض جگہ بعض احکام نافذ کرسکتی ہے جیسے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں میں وہ گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ قاضی بن سکتی ہے۔

(۷۱۰۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ

حَدَّثَنَا أَبُو مَرْيَمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ الأَسَدِيُّ قَالَ لَمَّا سَارَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَعَائِشَةُ إِلَى الْبَصْرَةِ بَعَثَ عَلِيٌّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ وَحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقَدِمَا عَلَيْنَا الْكُوفَةَ فَصَعِدَا الْمِنْبَرَ فَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَوْقَ الْمِنْبَرِ فِي أَعْلَاهُ وَقَامَ عَمَّارٌ أَسْفَلَ مِنَ الْحَسَنِ فَاجْتَمَعْنَا إِلَيْهِ فَسَمِعْتُ عَمَّارًا يَقُولُ إِنَّ عَائِشَةَ قَدْ سَارَتْ إِلَى الْبَصْرَةِ وَوَاللهِ إِنَّهَا لَزَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ابْتَلَاكُمْ لِيَعْلَمَ إِيَّاهُ تُطِيعُونَ أَمْ هِيَ

لمّاسار طلحة و الزبير و عائشة: حضرت عثمانؓ جب سن ۳۵ ہجری میں شہید کر دیئے گئے اور زبردستی لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی بیعت کر لی، اسکے بعد طلحہؓ اور زبیرؓ مکہ چلے گئے اور حضرت عائشہؓ حج کو گئی ہوئی تھی وہاں ان سب کی ملاقات ہوئی اور اسکے بعد یہ طے ہوا کہ قاتلین عثمانؓ حضرت علیؓ کے پاس جمع ہو گئے ہیں ان سے انتقام لینا چاہیے، ایک ہزار آدمی شریک ہو گئے ان حضرات کے ساتھ، اور پھر راستہ میں ملتے گئے حتی کہ تین ہزار کی جمعیت ہو گئی اور یہ لوگ بصرہ پہنچے، حضرت علیؓ مدینہ میں مقیم تھے، حضرت علیؓ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے جس میں چار آدمی تو وہ تھے جنہوں نے بیعت الرضوان کی تھی اور آٹھ سو انصار تھے، حضرت علیؓ نے حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت عمارؓ کو کوفہ روانہ فرمایا تا کہ وہاں کے لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کریں اور تیار کریں، یہ سن ۳۶ ہجری کا واقعہ ہے، حضرت عمارؓ نے فرمایا: واللہ إنها لزوجة نبيكم في الدنيا و الآخرة، مطلب یہ ہے کہ ان کے اس معاملہ میں دخل دینے سے ان کا رتبہ نہیں گھٹ گیا، وہ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں، لیکن اللہ نے اس وقت تمہارا امتحان کیا ہے کہ تم خدائے پاک کا اتباع کرتے ہو اور اسکی اطاعت کرتے ہو یا حضرت عائشہؓ کی۔

إيّاه تطيعون: إيّاہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف عائد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو خلیفہ برحق ہے وہ حقیقۃً رسول کا خلیفہ ہے تم اسکی اطاعت کرتے ہو جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے یا حضرت عائشہؓ کی؟

محشی نے لکھا ہے لیعلم إیّاہ تطیعون أی علیا، میرے نزدیک یہ احتمال مرجوح ہے، اور میں نے اسکے خلاف لکھ دینے کے بعد حافظ ابن حجر کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ حافظ صاحب نے بھی وہی بات لکھی ہے یعنی إیاہ کی ضمیر علیؓ کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف لوٹ رہی ہے **فللہ الحمد و المنة**، ویسے علیؓ کی طرف بھی ارجاع ضمیر کا احتمال بعض شارحین نے لکھا ہے۔

(۷۱۰۱) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي غَنِيَّةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَامَ عَمَّارٌ عَلَى مِنْبَرِ الْكُوفَةِ فَذَكَرَ عَائِشَةَ وَذَكَرَ مَسِيرَهَا وَقَالَ إِنَّهَا زَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكِنَّهَا مِمَّا ابْتُلِيتُمْ

(۷۱۰۲/۷۱۰۳/۷۱۰۴) حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يَقُولُ دَخَلَ أَبُو مُوسَى وَأَبُو مَسْعُودٍ عَلَى عَمَّارٍ حَيْثُ (حِينَ) بَعَثَهُ عَلِيٌّ إِلَى أَهْلِ الْكُوفَةِ يَسْتَنْفِرُهُمْ فَقَالَا مَا رَأَيْنَاكَ أَتَيْتَ أَمْرًا أَكْرَهَ عِنْدَنَا مِنْ إِسْرَاعِكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ مُنْذُ أَسْلَمْتَ فَقَالَ عَمَّارٌ مَا رَأَيْتُ مِنْكُمَا مُنْذُ أَسْلَمْتُمَا أَمْرًا أَكْرَهَ عِنْدِي مِنْ إِبْطَائِكُمَا عَنْ هَذَا الْأَمْرِ وَكَسَاهُمَا حُلَّةً حُلَّةً ثُمَّ رَاحُوا إِلَى الْمَسْجِدِ

دخل أبو موسى وأبو مسعود على عمار حيث بعثه علي إلى أهل الكوفة: حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت ابو مسعودؓ کی رائے یہ تھی کہ ایسے مواقع میں قتال میں شرکت نہیں کرنی چاہئے اور وہ حمل السلاح علی المسلم کی ممانعت کی روایات سے استدلال کرتے تھے، اور حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی رائے پر تھے اور ان کی رائے یہ تھی کہ بغاۃ اور ناکثین بیعت کے ساتھ قتال کیا جائے اور ان لوگوں کا استدلال فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ إلی أمر اللہ سے تھا، اور وعید کو ایسے شخص پر محمول کرتے تھے جو حمل السلاح کے اندر متعدی اور ظالم ہو، حضرت ابو مسعودؓ اور ابو موسیٰؓ دونوں نے عمارؓ کی طرف خطاب کرکے کہا کہ تم نے اسلام لانے کے بعد کوئی ناپسند کام سوائے اس کام کے نہیں کیا، عمارؓ نے کہا کہ میرے نزدیک تم دونوں نے جب سے مسلمان ہوئے اس سے زیادہ ناپسند کام کیا ہی نہیں ہے کہ اس وقت تم امیر بر حق کی معاونت نہیں کر رہے ہو۔

وکساھما حلة حلة: کسا کی ضمیر ابو مسعودؓ کی طرف ہے اور ھما کی ضمیر عمارؓ وابو موسیٰؓ کی طرف لوٹ رہی ہے جیسا کہ اگلی روایت میں اسکی تصریح وارد ہوئی ہے اور پھر سارے جمعہ کے لئے مسجد کی طرف چلے، یہ صحابہ بھی عجیب تھے آپس میں مخالفتیں بھی ہیں اور محبتیں بھی ہیں، معلوم ہوا کہ ان کی مخالفت میں نفسانیت نہیں تھی۔

(۷۱۰۵/۷۱۰۶/۷۱۰۷) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي مَسْعُودٍ وَأَبِي مُوسَى وَعَمَّارٍ فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ مَا مِنْ أَصْحَابِكَ أَحَدٌ إِلَّا لَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ فِيهِ غَيْرَكَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْكَ شَيْئًا مُنْذُ صَحِبْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيَبَ عِنْدِي مِنِ اسْتِسْرَاعِكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ قَالَ عَمَّارٌ يَا أَبَا مَسْعُودٍ وَمَا رَأَيْتُ مِنْكَ وَلَا مِنْ صَاحِبِكَ هَذَا شَيْئًا مُنْذُ صَحِبْتُمَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيَبَ عِنْدِي مِنْ إِبْطَائِكُمَا فِي هَذَا الْأَمْرِ فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ وَكَانَ مُوسِرًا يَا غُلَامُ هَاتِ حُلَّتَيْنِ فَأَعْطَى إِحْدَاهُمَا أَبَا مُوسَى وَالْأُخْرَى عَمَّارًا وَقَالَ رُوحَا فِيهِ إِلَى الْجُمُعَةِ

(ص ۱۰۵۳) بَابٌ إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا

(۷۱۰۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ ثُمَّ بُعِثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ

إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا: مطلب یہ ہے کہ جب عذاب آتا ہے تو عام ہوتا ہے اچھے اور برے کو نہیں دیکھتا ہے، مگر موت کے اندر مشترک ہونے سے اشتراک فی الثواب و العقاب لازم نہیں آتا ہے بلکہ ہر آدمی کو اسکے عمل اور اسکی نیت کے اعتبار سے ثواب وعقاب ملتا ہے۔

(ص ۱۰۵۳) بَابُ قَوْلِ النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

یہ ترجمہ کتاب الصلح میں صفحہ ۳۷۲ پر گزر چکا ہے اور میں وہاں اس پر تنبیہ کر آیا ہوں، اور جو حدیث یہاں پر باب میں ذکر فرمائی ہے وہی حدیث وہاں بھی ذکر کی ہے اور اس حدیث کے متعلق میں وہاں کلام کر چکا ہوں، حضرت امام بخاری نے یہ ترجمہ یہاں پر صرف اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے منعقد کیا ہے کہ حضرت رسول پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت حسنؓ کی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ سید ہے شاید اللہ انکے ذریعہ دو مسلمانوں کی جماعت میں صلح کرادے، لہذا اگر کوئی آدمی مسلمانوں میں اختلاف ہونے کی صورت میں صلح کا سبب بن جائے تو حقیقۃً وہ سردار ہے خصوصاً جبکہ وہ اپنے آپ کو تھوڑا سا نیچے گرادے اور اپنے کو ذلیل کردے، اپنا منصب چھوڑ دے، عہدہ چھوڑ دے۔

(۷۱۰۹) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ أَبُو مُوسَى وَلَقِيتُهُ بِالْكُوفَةِ وَجَاءَ إِلَى ابْنِ شُبْرُمَةَ فَقَالَ أَدْخِلْنِي عَلَى عِيسَى فَأَعِظَهُ فَكَأَنَّ ابْنَ شُبْرُمَةَ خَافَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَفْعَلْ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ لَمَّا سَارَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالْكَتَائِبِ قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِمُعَاوِيَةَ أَرَى كَتِيبَةً لَا تُوَلِّي حَتَّى تُدْبِرَ أُخْرَاهَا قَالَ مُعَاوِيَةُ مَنْ لِذَرَارِيِّ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ أَنَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ نَلْقَاهُ فَنَقُولُ لَهُ الصُّلْحَ قَالَ الْحَسَنُ وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ جَاءَ الْحَسَنُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ

الْمُسْلِمِينَ

ولقيته بالكوفة: اسرائیل کہنے لگے ابن شبرمہ سے کہ مجھے عیسیٰ کے پاس لے چلو، میں واعظ ہوں اسکو نصیحت کروں گا، یہ عیسیٰ، ابو منصور جعفر کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا، انہیں ڈر ہوا کہ کہیں اسرائیل وعظ ونصیحت کریں اور یہ صاحب اپنی جوانی کے جوش میں ستانے لگے۔

أرى كتيبة: عمرو بن العاصؓ نے اس سے کتیبۃ الشام یعنی لشکر شام مراد لیا ہے۔

(۷۱۱۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَّ حَرْمَلَةَ مَوْلَى أُسَامَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ عَمْرٌو قَدْ رَأَيْتُ حَرْمَلَةَ قَالَ أَرْسَلَنِي أُسَامَةُ إِلَى عَلِيٍّ وَقَالَ إِنَّهُ سَيَسْأَلُكَ الْآنَ فَيَقُولُ مَا خَلَّفَ صَاحِبَكَ فَقُلْ لَهُ يَقُولُ لَكَ لَوْ كُنْتَ فِي شِدْقِ الْأَسَدِ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَكُونَ مَعَكَ فِيهِ وَلَكِنَّ هَذَا أَمْرٌ لَمْ أَرَهُ فَلَمْ يُعْطِنِي شَيْئًا فَذَهَبْتُ إِلَى حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ وَابْنِ جَعْفَرٍ فَأَوْقَرُوا لِي رَاحِلَتِي

وقد رأيت حرملة: مطلب یہ ہے کہ میں نے دیکھا تو ہے حرملہ کو مگر براہ راست یہ روایت سننے کا موقع نہیں ملا۔

قال أرسلني أسامة إلى علي وقال إنه سيسألك الآن: حرملہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ میری ضرورت ان کے سامنے رکھو اور وہ پوچھیں گے کہ کیا بات ہے تمہارے آقا اسامہؓ میری معاونت و مساعدت سے کیوں پیچھے رہ گئے؟ تم یہ کہہ دینا میری طرف سے کہ تم سے مجھے اتنا تعلق ہے کہ تم اگر شیر کے منھ میں ہوتے تو میں تمہارے ساتھ ہونا پسند کرتا لیکن مسلمانوں کے قتال میں شرکت میری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

حضرت علیؓ نے حرملہ کو کچھ بھی نہیں دیا اسلئے کہ وہ یہ سمجھے کہ بیت المال کا مال ان لوگوں کا حق ہے جو مسلمانوں کی معاونت کے اندر شریک ہوں اور فتنہ کو دبانے میں شریک ہوں اور اسامہؓ یکسوئی اختیار کئے ہوئے ہیں تو ان کو کیا چیز دی جائے، یہ وہاں سے سیدھے حضرات حسنینؓ اور عبد اللہ بن جعفرؓ کے پاس تشریف لے آئے تو میری سواری سامان سے بھر دی اسلئے کہ وہ جانتے تھے کہ اسامہؓ اپنے گھر کے ہی آدمی ہیں اگر وہ جنگ میں شریک نہیں ہو رہے ہیں تو کیا بات ہے۔

(ص ۱۰۵۳) بَابُ إِذَا قَالَ عِنْدَ قَوْمٍ شَيْئًا ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ بِخِلَافِهِ

یہ نفاق کی بات ہے کہ آدمی منھ پر کچھ کہے اور پیٹھ پیچھے کچھ کہے۔

(۷۱۱۱) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ (تَابَعَ) فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ

قال لما خلع أهل المدينة يزيد بن معاوية: قصہ یہ ہوا تھا کہ کچھ لوگ مدینہ منورہ سے شام گئے ہوئے تھے، یزید نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا لیکن جب یہ لوگ یہاں واپس آئے تو انہوں نے یزید کے شرابی کبابی ہونے کو بیان کیا، اہل مدینہ اس سے ناراض ہو گئے اور اسکی بیعت کو توڑ دیا اور اسکی طرف سے مدینہ کا جو امیر تھا عثمان بن محمد اسکو وہاں سے نکال دیا، یزید کو یہ بات بڑی ناپسند آئی اس نے مشورہ کیا، چنانچہ مسلم بن عقبہ المری اور حسین السکونی کی قیادت میں بڑا لشکر عظیم بھیجا، اصل امیر لشکر مسلم بن عقبہ تھا اور یہ کہہ دیا کہ پہلے تین دن اہل مدینہ کو فرصت دی جائے اگر وہ بیعت کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ مدینہ نعوذ باللہ مباح ہے، اہل مدینہ عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکۃ کی قیادت میں جنگ کرتے رہے، آخر کار بنو حارثہ نے اپنی طرف سے شام والوں کو داخل ہونے کا موقع دے دیا، جب شہر مدینہ میں شامیوں کی تکبیریں بلند ہونے لگیں تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، پھر تو شامیوں نے جو ناکردنی امر تھا سب کچھ کر ڈالا، ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا اور بعض مورخین غالبًا مسعودی کا بیان ہے کہ ایک ہزار عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوئیں نعوذ باللہ من ذلک، بہر حال یہی فتنہ، فتنۂ حرہ کہلاتا ہے یہ سن ۶۳ ہجری میں واقع ہوا ہے، اس وقت حضرت ابن عمرؓ نے اپنے بیٹوں اور غلاموں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جو آدمی بھی بیعت توڑے گا میرے اور اسکے درمیان قطع تعلق ہو جائے گا، ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے واسطے اس آدمی کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔

(۷۱۱۲) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ عَوْفٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ لَمَّا كَانَ ابْنُ زِيَادٍ وَمَرْوَانُ بِالشَّأْمِ وَوَثَبَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ وَوَثَبَ الْقُرَّاءُ بِالْبَصْرَةِ فَانْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَيْهِ فِي دَارِهِ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ عُلِّيَّةٍ (عِلِّيَّةٍ) لَهُ مِنْ قَصَبٍ فَجَلَسْنَا إِلَيْهِ فَأَنْشَأَ أَبِي يَسْتَطْعِمُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ يَا أَبَا بَرْزَةَ أَلَا تَرَى مَا وَقَعَ فِيهِ النَّاسُ فَأَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ إِنِّي احْتَسَبْتُ (أَحْتَسِبُ) عِنْدَ اللهِ أَنِّي أَصْبَحْتُ سَاخِطًا عَلَى أَحْيَاءِ قُرَيْشٍ إِنَّكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ كُنْتُمْ عَلَى الْحَالِ الَّذِي عَلِمْتُمْ مِنَ

الذِّلَّةِ وَالْقِلَّةِ وَالضَّلَالَةِ وَإِنَّ اللهَ أَنْقَذَكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَلَغَ بِكُمْ مَا تَرَوْنَ وَهَذِهِ الدُّنْيَا الَّتِي أَفْسَدَتْ بَيْنَكُمْ إِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِالشَّأْمِ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا

لما كان ابن زياد و مروان بالشام: جب ابن زیاد اور مروان شام میں ہوئے، ابن زیاد کوفہ کا امیر تھا، جب یزید مر گیا تو لوگوں نے اسی کو اپنا امیر رکھا اور اسکے بعد یہ وہاں سے چلا اور شام آیا اور ادھر مروان نے شام میں اپنی امارت کا دعویٰ کر دیا اور ابن زبیر نے مکہ میں اپنی خلافت کا دعویٰ کر دیا۔

و وثب القرّاء بالبصرة: قرّاء سے مراد خوارج ہیں جو بصرہ کے اندر سر اٹھانے لگے۔

وهو جالس في ظلّ علية له: اپنے بالاخانے کے چھپر کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

فأنشأ أبي يستطعمه بالحديث: میرے والد ان سے بات شروع کرانے لگے۔

فقال يا أبا برزة ألا ترى ما وقع فيه الناس: ابوبرزہ! دیکھ نہیں رہے ہو کہ کیا ہو رہا ہے۔

فأول شيئ سمعته: میں نے اس بات کو ثواب کا عمل اللہ کے یہاں سمجھ رکھا ہے کہ میں قریش کی جماعت پر ناراض ہو رہا ہوں۔

إنكم يا معشر العرب كنتم على الحال: مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے تو قلت وذلت تھی، اللہ نے تمہاری حالت بدلی اسلام اور محمد ﷺ کے ذریعہ سے، قلت وذلت سے نکالا لیکن تم اس دنیا میں پھنس کر کہاں پہنچ چکے ہو۔

إن ذاك الذى بالشام: یعنی مروان۔

آگے حاشیہ کے نسخہ کو حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں لیا ہے وَإِنَّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُونَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا وَإِنْ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا اسلئے میں نے اسکو بھی پڑھ دیا ہے اور یہ حدیث کا ٹکڑا ہے۔

وإن هؤلاء الذين بين أظهركم: یعنی یہ قرّاء، یہ خوارج۔

وان ذاك الذى بمكة: اور یہ جو مکّہ میں ہے ابن زبیر، یہ بھی دنیا پر قتال کرتا ہے۔

(۷۱۱۳) حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّونَ وَالْيَوْمَ يَجْهَرُونَ

إن المنافقين اليوم شرّ: حضور ﷺ کے زمانے سے آج کل کے منافقین بدتر ہیں، حضور ﷺ کے زمانے میں تو اخفاء کرتے تھے اپنے حال کا اور آج کل تو لوگ علانیہ اظہار کرتے ہیں اپنے حال کا، کہ امیر کے یہاں گئے تو اس کے منہ پر اس کے جیسی کہہ آئے اور بعد میں آکر اس کے خلاف اعلان کرتے پھرتے ہیں، یہ مراد ہے نفاق سے۔

(۷۱۱۴) حَدَّثَنَا خَلَّادٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْإِيمَانِ

إِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ: یعنی نفاق تو حضور ﷺ کے زمانے میں تھا کہ لوگ اسلام ظاہر کرتے تھے اور کفر کا اخفا کرتے تھے اور آج کل کہاں یہ بات ہو رہی ہے، اب تو کفر بعد الایمان کی بات رہ گئی ہے کہ گئے امیر کے پاس اور کہہ دیا کہ ہاں! بالکل ہم تمہارے ساتھ ہیں اور نکل کر آئے تو اسکے خلاف لوگوں میں فتنہ پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ اب تو کفر بعد الایمان ہے یعنی حضور کے زمانے میں تو منافقین کی رعایت کی جاتی تھی لیکن اب اگر پتہ چل جائے گا کہ فلاں آدمی در پردہ کافر ہے تو اسکے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

(ص ۱۰۵٤) بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُغْبَطَ أَهْلُ الْقُبُورِ

قیامت قائم ہی نہیں ہوگی تا آنکہ ایسی حالت پیش آجائے کہ لوگ اہل قبور پر غبطہ کرنے لگیں کہ کاش ہم بھی قبر میں ہوتے تو اس مصیبت سے جان بچی ہوتی۔

(۷۱۱۵) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ

(ص ۱۰۵٤) بَابُ تَغْيِيرِ الزَّمَانِ حَتَّى تُعْبَدَ الْأَوْثَانُ

زمانہ بدل جائے گا حتی کہ بت پرستی شروع ہو جائے گی۔

(۷۱۱٦) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَضْطَرِبَ أَلَيَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلَى ذِي الْخَلَصَةِ وَذُو الْخَلَصَةِ طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

لا تقوم الساعة حتی تضطرب ألیات نساء دوس: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوس کی عورتوں کے سرین حرکت کریں گے ذوالخلصہ پر یعنی اسکا طواف کر رہی ہوں گی اور اسکے ارد گرد جمع ہوں گی، اور ذوالخلصہ دوس کا بت تھا۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں وارد ہوا ہے: إن الشیطان أیس أن یعبده المسلمون فی جزیرة العرب و لکن فی التحریش بینهم شیطان اس بات سے ناامید ہوگیا ہے کہ مسلمین جزیرۃ العرب میں اسکی اطاعت کریں لیکن وہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے کی کوشش میں لگا رہے گا اسلئے کہ روایت باب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ردّت آجائے گی اور حضرت جابرؓ کی روایت کہتی ہے کہ ردّت نہیں ہوگی ہاں مسلمانوں میں اختلاف چلے گا، اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ردّتِ عام کی نفی کی گئی ہے اور اس حدیث سے ردّتِ خاص کا ثبوت ہو رہا ہے یا یہ کہا جائے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کا تعلق ابتداء زمانہ سے ہے اور اس حدیث پاک کا تعلق آخر زمانہ سے ہے جب قیامت کا قرب ہوگا۔

(۷۱۱۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ قَحْطَانَ يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ (بِعَصًا)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، لا تقوم الساعة حتی یخرج رجل من قحطان: یہ حدیث اسی سند سے مناقب قریش میں باب ذکر القحطان میں گزر چکی ہے اور وہاں میں کلام کر چکا ہوں۔

(ص ۱۰۵٤) بَابُ خُرُوجِ النَّارِ

وَقَالَ أَنَسٌ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ

علامات قیامت میں سے پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔

(۷۱۱۸) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى

لاتقوم الساعة حتی تخرج نار: قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ ایک آگ ارض حجاز میں ظاہر ہو گی جس سے بُصریٰ کے اندر اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔

امام مصنف کا ترجمہ اور ان کا اس روایت کو یہاں ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس سے وہ آگ مراد لیتے ہیں جو لوگوں کو محشر کی جانب لے جائے گی اور یہی قاضی عیاض کی بھی رائے ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگ ارض حجاز سے نکلے گی لیکن مسلم شریف میں حضرت حذیفہ بن اسیدؓ کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ وہ یمن کے ایک قعر سے نکلے گی، اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قعر عدن سے اسکا ظہور ہو اور انتشار ارض حجاز کے اندر ہو، یہ تقریر تو اس وقت ہے جب روایت الباب کو علامات ساعت پر محمول کیا جائے اور اسکا مصداق وہ نار دیا جائے جو لوگوں کو حشر کرے گی من المشرق الی المغرب۔

لیکن ایک بہت بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ علامات ساعت سے متعلق نہیں ہے بلکہ حضور پاک ﷺ نے بطور معجزہ کے اخبار بالغیب کے طور پر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ آئندہ چل کر ایک عجیب وغریب آگ ظاہر ہو گی کہ وہ ارض حجاز میں ظہور پذیر ہو گی اور بصریٰ کے اندر اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی، چنانچہ سن ۶۵۴ ہجری میں ایک آگ ظاہر ہوئی جسکے اندر شہر معلوم ہوتا تھا بہت سے برج تھے اور اسکو کھینچ کر لے جانے والے تھے، اور وہ آگ جدھر چلتی تھی پہاڑوں کو پگھلاتی ہوئی چلتی تھی، اور اس میں نہریں زرد اور سرخ رنگ کی نظر آتی تھی اور زور زور کی آوازیں آتی تھیں حتی کہ مدینہ پاک کے قریب آگئی مگر مدینہ میں ٹھنڈی ہوا آیا کرتی تھی، لوگوں نے یہ بتلایا کہ اس آگ کی روشنی مکہ میں نظر آئی اور بصریٰ کے اندر لوگوں نے اسکی روشنی کا مشاہدہ کیا۔

ابوعبداللہ قرطبی صاحب التذکرہ، ابوشامہ، امام نووی، حافظ شمس الدین ذہبی، حافظ ابن کثیر، علامہ تاج الدین سبکی، حافظ ابن حجر اور علامہ تورپشتی وغیرہ سب حضرات کی رائے یہی ہے کہ اس حدیث شریف میں جس آگ کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ وہی آگ ہے جو سن ۶۵۴ ہجری میں ظاہر ہوئی تھی اور باقی وہ آگ جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف اور مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی وہ آگ آخری زمانہ میں ظاہر ہو گی۔

(۷۱۱۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ جَدِّهِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ الْفُرَاتُ أَنْ يَحْسِرَ عَنْ كَنْزٍ مِنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا * قَالَ عُقْبَةُ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو

الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ يَحْسِرُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ

یوشک الفرات أن یحسر عن کنز من ذهب: فرات سے ایک سونے کا خزانہ نمودار ہوگا لیکن کوئی اس میں سے لے نہیں اس واسطے کہ وہ فتنہ کا سبب بنے گا۔

باب (ص١٠٥٤)

(٧١٢٠) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا مَعْبَدٌ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ تَصَدَّقُوا فَسَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا* قَالَ مُسَدَّدٌ حَارِثَةُ أَخُو عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ لِأُمِّهِ قَالَهُ أَبُو عَبْدِ اللهِ

(٧١٢١) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ يَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ دَعْوَتُهُمَا (دَعْوَاهُمَا) وَاحِدَةٌ وَحَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَحَتَّى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ وَحَتَّى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ حَتَّى يُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ يَقْبَلُ صَدَقَتَهُ وَحَتَّى يَعْرِضَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولَ الَّذِي يَعْرِضُهُ عَلَيْهِ لَا أَرَبَ لِي بِهِ وَحَتَّى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبُنْيَانِ وَحَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ وَحَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ يَعْنِي آمَنُوا أَجْمَعُونَ فَذَلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يُلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا

لاتقوم الساعة حتی تقتتل فئتان عظیمتان: کہتے ہیں کہ اس سے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جماعتیں مراد ہیں۔

وحتی یبعث دجالون قریب من ثلاثین: بعض روایات میں ہے کہ ستائیس دعویٰ نبوت کرنے والے ظاہر ہوں گے جن میں چار عورتیں ہوں گی، ویسے دعویٰ نبوت کرنے والے تو بہت سے ظاہر ہوئے مگر مراد وہ مدعیان نبوت ہیں جن کو شوکت حاصل ہوگی اور جن کے اتباع ظاہر ہوں گے اور ویسے تو خواہ مخواہ کے نبوت کے دعویدار بہت سارے پیدا ہوجاتے ہیں۔

بَابُ ذِكْرِ الدَّجَّالِ (ص ۱۰۵۵)

دجال کا زمانہ آخر میں ہو گا، قرب قیامت کے وقت اسکا ظہور ہو گا، اہل سنت والجماعت اسکے اثبات کے قائل ہیں، خوارج، معتزلہ اور جہمیہ میں سے ایک جماعت اسکا انکار کرتی ہے لیکن جمہور علماء نے احادیث صحیحہ کے ذریعہ ان کی تردید کی ہے، معتزلہ میں سے جبائی وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ ہے تو صحیح الوجود لیکن جو کچھ اسکے پاس ہو گا وہ مخاریق وخیالات ہوں گے پس پردہ کوئی حقیقت نہیں ہوگی، ورنہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی اسکے پاس جنت و جہنم ہوگی، آگ ہوگی اور باغ ہو گا تو پھر اس صورت میں معجزات سے اشتباہ ہو جائے گا۔

اہل سنت کی طرف سے جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ کب نبوت کا دعویٰ کریگا کہ اسکی باتیں معجزات سے مشتبہ ہو جائیں گی، وہ تو الوہیت کا دعویدار ہو گا لیکن خود اسکی شان ایسی ہوگی جو خود اسکی تکذیب کریگی، کانا ہو گا اور گدھے پر سوار ہو گا، بھلا ایسا خدا ہو سکتا ہے؟ اس پر اشکال یہ ہے کہ ابن ماجہ میں ابو امامہ کی روایت ہے کہ وہ اول نبوت کا دعویٰ کریگا، پھر کہے گا أنا ربکم، اسکا جواب یہ ہے کہ اس سے خوارق عادات کا ظہور ربوبیت کے دعوے کے بعد ہو گا۔

حافظ ابن کثیر نے امام طحاوی اور علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ دجال کے پاس جو کچھ ہو گا وہ تخییل اور مخاریق کے قبیل سے ہو گا حقیقت کچھ نہیں ہوگی، امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس سلسلہ میں جو کلام کیا ہے اس سے یہی بات مترشح ہوتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ جیسے سحرۂ فرعون کے پاس تھا ﴿يُخَيَّلُ إليه أنها تسعىٰ﴾ ایسے ہی اسکے پاس بھی چیزیں ہوں گی۔

مودودی صاحب کو سنا تھا کہ وہ دجال کا انکار کرتے تھے لیکن مودودی صاحب کی باتیں آسمان وزمین سے باہر کی ہوا کرتی ہیں اسلئے کون ان کی ہر بات کو مانے؟ مودودی صاحب کہتے ہیں کہ کوئی تنقید سے بالاتر نہیں ہے، یقیناً صحیح بات کہی ہے انہوں نے اور مودودی صاحب ہی پہلا مورد ہیں اسکا، وہ تنقید سے بالاتر نہیں ہیں اور ان کی کوئی بات بھی تنقید سے بالاتر نہیں ہے، عجیب بات کہ اگر وہ سچی بات بھی کہتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں کہ وہ غلط بن جاتی ہے، جو بات انہوں نے کہی ہے کہ تنقید سے کوئی بالاتر نہیں ہے سچی بات کہی ہے، بالکل صحیح بات ہے حرف بحرف صحیح ہے، لیکن ایسے کہہ دی توڑ مروڑ کر کہ غلط ہو گئی، یہ اصل میں امام مالک کی بات ہے، انہوں

نے فرمایا تھا: كل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا صاحب هذا القبر ہر شخص کے قول و فعل کو لیا اور چھوڑا جاسکتا ہے سوائے صاحب ہذا القبر صلی اللہ علیہ وسلم کے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے كل إمام يؤخذ من قوله و يترك إلا إمام المتقين صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بات سچی کہی مگر کہی کیسے کہ وہ ان کہی ہوگئی، اب مودودیوں کو مصیبت پیش آئی، وہ اپنے امام کی تائید میں ٹھونسنے لگے کہ امام مالک نے بھی کہا ہے، ابن حزم نے بھی کہا ہے، ذہبی نے بھی کہا ہے اور فلاں نے بھی کہا ہے مگر کہنے کا سلیقہ بھی تو چاہئے۔

بھائی! مر گئے ہیں اور مُردوں کو برائی کے ساتھ ذکر نہیں کرنا چاہئے لیکن مقصود ان کی ذات کی بُرائی نہیں ہے ان کے قول کی برائی بیان کرنی مقصود ہے، صاف بات یہ ہے اور ویسے بھی وہ سید ہیں اسلئے ہم تو خاموش ہیں لیکن ان کی بات کو ہم بُرا کہیں گے جو بُری ہے، یہ نہیں کہ جو مودودی نے کہہ دیا ان سب کو برا ہی کہنے لگیں، اگر وہ کہے کہ اللہ ایک ہے تو کیا ہم کہیں کہ ہم مودودی کو نہیں مانتے؟ جو ان کی بری بات ہے صرف اس کو برا کہیں گے یہ اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئے، مودودی جو خلاف حق کہتا ہے اس میں آپ مخالفت کرو اور ویسے مضیٰ ما مضیٰ، اگر یہ قضیہ دفن ہوجاتا جیسے معتزلہ دفن ہوگئے، معتزلہ کتابوں میں تو ہیں لیکن عالم وجود میں نہیں ہیں، ایسے ہی اگر یہ مودودی دفن ہوجاتا بس کتابوں میں رہ جاتا کہ کوئی تذکرہ نہ ہوتا تو اچھا تھا، مگر یہ نئی جماعت اور نئی پود پیدا ہو رہی ہے لیپوت کر رہی ہے، ویسے بعض چیزیں اس نے اچھی لکھی ہیں وہیں سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے، سود کے سلسلہ میں جو رسالہ ہے وہ بہت مقبول ہوا، ایک بات اچھی لکھتا ہے پھر اس میں ملاتا جاتا ہے، سونے کا ورق لپیٹتا ہے اور اس میں زہر دیتا چلا جاتا ہے۔

(٧١٢٢) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ قَالَ لِي الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ مَا سَأَلَ أَحَدٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ أَكْثَرَ مَا سَأَلْتُهُ وَإِنَّهُ قَالَ لِي مَا يَضُرُّكَ مِنْهُ قُلْتُ لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ ذَلِكَ

(٧١٢٣) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ

(٧١٢٤) حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيءُ الدَّجَّالُ حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ

(٧١٢٥) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَلَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ، وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَدِمْتُ الْبَصْرَةَ فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا

(۷۱۲۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ

(۷۱۲۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ وَلَكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ

(۷۱۲۸) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يَنْطُفُ أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قَالُوا هَذَا الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ

أَعْوَرُ الْعَيْنِ: یعنی داہنی آنکھ کا کانا، ویسے روایت میں اسکی بائیں آنکھ میں بھی عیب بتایا گیا ہے لیکن دائیں آنکھ تو بالکل بجھے ہوئے انگور کی طرح ہے اور بائیں آنکھ جاحظہ یعنی نکلی ہوئی ہے، عیب دار ہے اور ہوگا یہودی، اور یہودیٔ اصبہان، اصبہان میں ایک گاؤں یہودیہ ہے اسکے ستر ہزار آدمی اسکا اتباع کریں گے۔

عنبة طافية: بجھا ہوا انگور۔

(۷۱۲۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

(۷۱۳۰) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الدَّجَّالِ إِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ وَمَاؤُهُ نَارٌ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فناره بارد وماءه نار: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساحر ہوگا اور آگ کو پانی کی شکل میں اور پانی کو آگ کی شکل میں ظاہر کرے گا، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ دجال جس کو آگ بنائے ہوئے ہوگا اسکا باطن اللہ جنت بنادیں گے اور جس کو جنت بنائے ہوئے ہوگا اسکے باطن کو اللہ تعالیٰ شانہ نار بنا

دیں گے، اسی کو بعض علماء حافظ ابن حجر وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ واقعۃً آگ ہی ہوگی اور آدمی آگ میں جائے گا تو جل بھن کر خاک تو ہو جائے گا لیکن جنت میں پہنچ جائے گا، اور جنت میں ڈالے گا تو وہاں ظاہری طور پر دیکھنے میں مزہ ہوگا لیکن مرنے کے بعد سیدھا جہنم رسید ہو جائے گا۔

(۷۱۳۱) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ (مَكْتُوبًا) كَافِرٌ فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ص ۱۰۵٦) بَابُ لَا يَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِينَةَ

دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا، مدینہ، مکہ، بیت المقدس اور مسجد طور میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

(۷۱۳۲) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ أَنَّهُ قَالَ يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَّالُ أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ فَيَقُولُونَ لَا فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ وَاللهِ مَا كُنْتُ فِيكَ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ فَيُرِيدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ

فيقول أشهد أنک الدجال الذی حدثنا رسول الله: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی حدیث حضور ﷺ نے ہم سے بیان کی ہے، ابو اسحاق ابن سفیان جو صحیح مسلم کے راوی ہیں اور معمر بن راشد جو امام عبد الرزاق بن ہمام کے استاذ ہیں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ حیات خضر کے قائل ہیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی صاحبِ فتوحات مکیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جوان جسکو دجال قتل کرے گا اپنے زعم میں وہ اصحاب کہف میں سے ایک انسان ہوگا، صاحبِ فتوحات مکیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ قول بطریق کشف صحیح نہیں ہے۔

فيقول الدجال أرئيتم إن قتلت هذا: شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں کہ دجال اپنے زعم میں قتل کرے گا، نفس الامر میں قتل نہیں کرے گا۔

(۷۱۳۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ

(۷۱۳٤) حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ قَالَ وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ اللهُ

فلا يقربها الدجال و لا الطاعون إن شاء الله: ان شاء اللہ اگر تبریک کے لئے ہے تب تو دجال اور طاعون دونوں سے تعلق ہے، اور اگر تعلیق کے لئے ہے تو اسکا صرف طاعون سے تعلق ہے، بعض روایات میں بغیر طاعون کے ان شاء اللہ کا ذکر دجال کے ساتھ وارد ہوا ہے، چنانچہ محجن بن ادرع کی روایت میں مسند احمد اور مستدرک حاکم میں وارد ہوا ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ولا يدخلها الدجال إن شاء الله كلما أراد دخولها تلقاه ملك بكل نقب من أنقابها مصلت سيفه يمنعه عنها (تلوار کھینچے ہوئے ہوگا)، اسلئے حافظ ابن حجر صاحب کی رائے یہ ہے کہ استثناء کا دونوں سے تعلق ہے اور یہ استثناء تبریک کے لئے ہے تعلیق کے لئے نہیں ہے، علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے ہے کہ جن روایات میں استثناء کا تعلق دجال سے کیا گیا ہے یہ راوی کے اوہام میں سے ہے، راوی نے اختصار کر دیا اور پھر اسکو وہم واقع ہو گیا اور اِدھر کا اُدھر استثناء جوڑ دیا۔

(ص ۱۰۵٦) بَابُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ

یاجوج وماجوج، یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں یوں کہتے ہیں کہ یاجوج تو یہ روسی لوگ ہیں اور ماجوج انگلستان کے لوگ ہیں، انسان ہی ہیں، یہی یورپین اور انگلینڈ کے لوگ۔

(۷۱۳۵) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ الْإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا قَالَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ (الْخَبَثُ)

(۷۱۳٦) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُفْتَحُ الرَّدْمُ رَدْمُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَعَقَدَ وُهَيْبٌ تِسْعِينَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ص ۱۰۵۷) کتاب الأحکام

احکام جمع ہے حکم کی، حکم اصولیین کی اصطلاح میں اللہ کے اس خطاب کو کہتے ہیں جو افعال مکلفین سے متعلق ہوا کرتا ہے، یہاں مصنف کا مقصود حکم کے آداب اور شرائط، اسی طرح حاکم کے آداب اور شرائط کو بیان کرنا ہے، اور لفظ حاکم اپنے عموم کی وجہ سے قاضی اور خلیفہ کو بھی شامل ہے، اسی لئے مصنف نے یہاں پر قضاء کے مسائل اور خلیفہ اور امراء کے متعلق تراجم منعقد فرمائے ہیں۔

(ص ۱۰۵۷) بَابُ قَوْلِ اللهِ ﴿أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

اللہ اور اللہ کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو، مصنف کا اس ترجمہ کو کتاب الاحکام میں منعقد کرنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ انہوں نے اولی الامر سے مراد امراء لیا ہے۔

اس میں اختلاف ہے اور میں کتاب التفسیر میں یہ اختلاف بیان کر چکا ہوں، مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد امراء و سلاطین ہیں، یہی حضرت امام شافعی کی رائے ہے اور صاحب ہدایہ نے بھی اسکی تصریح کی ہے کہ اس سے سلاطین اور قضاۃ مراد ہیں اسی طرح شامی میں بھی مصرح ہے اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علماء ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں، لیکن امام نووی اس قول کو غلط کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں، اگر صحابہ کو مراد لینا غلط ہو گا تو ابو بکرؓ و عمرؓ کو مراد لینا بدرجۂ اولیٰ غلط ہو گا، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد علماء اور امراء دونوں ہیں، صحیح پہلا ہی قول ہے، امام شافعی نے اس کی تائید میں یہ بات پیش کی ہے کہ قریش امارت کو پہچانتے ہی نہیں تھے اور نہ کسی امیر کی اطاعت کو پسند کرتے تھے لہٰذا ان کو ولیٔ امر کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا گیا اسی لئے حضور پاک

علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: من أطاع أميری فقد أطاعنی۔

(۷۱۳۷) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ: جو میری اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی، قرآن کہتا ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ جب اطاعتِ رسول اطاعت اللہ ہے تو یقیناً عصیان الرسول عصیان اللہ ہوگا، آگے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ومن أطاع أميری فقد أطاعنی، اسلئے کہ آپ کی طرف سے جو امیر ہوگا وہ آپ کا نائب ہوگا، لہٰذا نائب رسول کی اطاعت حقیقۃً رسول ہی کی اطاعت ہے۔

(۷۱۳۸) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ: معلوم ہوا کہ لوگوں پر ایک امام ہونا چاہئے جس کے سب لوگ مطیع وفرمانبردار ہوں۔

امام بخاری نے جب پہلے یہ ثابت کر دیا کہ تمام مسلمانوں کا ایک امیر اور امام ہونا چاہئے اور اس امیر اور امام کی لوگوں کو اطاعت کرنی چاہئے تو اب مصنف ایک دوسرا ترجمہ منعقد کرتے ہیں جس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ امیر کس قوم اور کس خاندان کا اور کس قبیلہ کا ہونا چاہئے؟ فرماتے ہیں!

(ص ۱۰۵۷) بَابُ الْأُمَرَاءِ مِنْ قُرَيْشٍ

مصنف نے ترجمہ میں جو الفاظ ذکر فرمائے ہیں یہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں جو یعقوب بن سفیان اور ابو یعلی اور طبرانی نے حضرت ابو برزہؓ سے مرفوعاً نقل کئے ہیں، طبرانی کے بعض الفاظ میں الأئمة من قريش وارد ہوا ہے اسی طرح سے یہ الفاظ امام احمد نے المسند میں اور طیالسی اور بزار اور بخاری نے تاریخ میں حضرت انسؓ

سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور یہ حدیث اور بھی متعدد صحابہ سے نقل کی گئی ہے۔

اہل سنت والجماعت اور جمہور علماء بلکہ شیعہ کی بھی یہ رائے ہے کہ امیر قریش میں سے ہوگا، خوارج اور بعض معتزلہ وغیرہ نے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ امیر وہ شخص ہوسکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا متبع ہو چاہے وہ کسی خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو، ضرار بن عمرو غطفانی نے ایک اور قدم بڑھایا اور یہ کہہ دیا کہ امیر تو غیر قریش ہی کو منتخب کرنا چاہئے تاکہ اگر اس سے کوئی ناگوارِ شریعت بات پیش آئے تو فوراً اسکو معزول کیا جاسکے، کیونکہ قریشی کو معزول کرنا ذرا مشکل و دشوار ہوگا، لیکن ان لوگوں کی بات حضور ﷺ کے ارشاد الأئمة من قریش اور الأمراء من قریش کے سامنے بے حقیقت ہے، صدیق اکبرؓ نے سقیفۂ بنوساعدہ میں انصار کے سامنے یہی بات پیش کی تھی لایعرف هذا الأمر إلا لهذا الحی من قریش اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے، رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لایزال هذا الأمر فی قریش مابقی منهم اثنان** یعنی قریش ہی امام ہونا چاہئے۔

پھر اسکے بعد اس میں اختلاف ہے کہ آیا مطلقاً قریشی ہونا کافی ہے یا کسی خاندان اور خاص قبیلہ کا ہونا چاہئے، روافض تو کہتے ہیں کہ اولادِ علی میں سے ہونا چاہئے، بعض کہتے ہیں کہ اولادِ جعفر میں سے ہونا چاہئے اور بنو امیہ والے یہ کہتے تھے کہ بنوامیہ میں سے ہونا چاہئے، ابو مسلم خراسانی کی رائے یہ تھی کہ عباس کی اولاد میں سے ہونا چاہئے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ عبد المطلب کی اولاد میں سے ہونا چاہئے، علامہ ابو محمد ابن حزم ظاہری کتاب الفصل فی الملل والأهواء والنحل میں فرماتے ہیں کہ یہ سب اقوال بے دلیل ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کوئی بھی قریشی ہو وہ امیر ہوسکتا ہے اگر اس میں شرائطِ امارت جمع ہوجائیں اور لوگ اسکے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں۔

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ آیا بیک وقت دو خلیفہ ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ جمہور امت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ بیک وقت دو خلیفہ کے ہاتھ پر انعقاد بیعت نہیں ہوسکتا ہے، امام الحرمین نے یوں لکھا ہے کہ اگر دارالاسلام میں وسعت ہوجائے حتی کہ مشرق و مغرب میں ایک مسافت طویلہ ہو تو احتمال ہے کہ دو جانبوں میں دو خلیفہ منتخب کئے جاسکیں، لیکن امام مازری نے امام الحرمین کے اس احتمالی قول کو رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ قول فاسد ہے اور سلف و خلف اور ظواہر اطلاقاتِ احادیث کے خلاف ہے۔

(۷۱۳۹) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ بَلَغَ مُعَاوِيَةَ وَهُوَ (وَهُمْ) عِنْدَهُ فِي وَفْدٍ مِنْ قُرَيْشٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَيَكُونُ مَلِكٌ مِنْ قَحْطَانَ فَغَضِبَ فَقَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالًا مِنْكُمْ يُحَدِّثُونَ (يَتَحَدَّثُونَ) أَحَادِيثَ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَا تُؤْثَرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُولَئِكَ جُهَّالُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَالْأَمَانِيَّ الَّتِي تُضِلُّ أَهْلَهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوا الدِّينَ * تَابَعَهُ نُعَيْمٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ

امیر معاویہؓ یوں سمجھے کہ لوگ اس طرح کی حدیثیں بیان کر کے خلافت و امارت کو قریش میں سے نکلوانا چاہتے ہیں حالانکہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا یہ مقصود نہیں تھا وہ تو حضور کی ایک حدیث بیان کرنا چاہتے تھے اور مقصود یہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ یہ ملک قریش سے نکل جاوے گا، اور معاویہؓ نے جو حدیث بیان کی وہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی حدیث کے خلاف نہیں ہے اسلئے کہ حضور ﷺ نے لا یزال ھذا الأمر فی قریش فرمایا ہے مگر مشروط ہے اور وہ شرط ما أقاموا الدین ہے، چنانچہ ہوا بھی یہی، دیکھو! خلافت مدتوں تک قریش میں چلتی رہی، ایک زمانہ تک تو حقیقۃً چلتی رہی پھر جب بنو عباس خلیفہ ہوئے تو کچھ دنوں تک بنو عباس واقعۃً خلیفہ اور صاحب الامر والاقتدار رہے لیکن بعد میں بنو عباس نام کے خلیفہ رہ گئے اور امر کسی اور کا چلا کرتا تھا، پھر وہ زمانہ آیا کہ خلافت کا بالکل قریش سے خاتمہ ہو گیا، بنو عثمان متغلب ہو کر خلیفہ ہو گئے، علماء نے مصلحۃً یہی مناسب سمجھا کہ بنو عثمان ہی کو خلیفہ رہنے دیا جائے تاکہ مسلمان یکجائی طور پر جمع رہیں، لیکن مصطفیٰ کمال اتاترک نے اسکو بھی توڑ کر پارہ پارہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیرازۂ اسلام منتشر ہو گیا۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

مصطفیٰ کمال نے اسلام کا جتنا بڑا نقصان کیا ہے شاید ہی کسی شخص نے کیا ہو اور لوگ چاہیں اسکی قصیدہ سرائی کریں مدح سرائی کریں یہ انتہائی اسلام کو نقصان پہنچانے والا شخص گذرا ہے، یہودیوں سے اسکی سازباز تھی بس کیا کہیں، ہم نے ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاں صاحب سے جو اِس وقت اسلام کے سب سے بڑے مؤرخ میری نظر میں ہیں یہ بات کہی تھی تو یوں فرمایا کہ اس میں بھی کوئی شک ہو سکتا ہے؟ اور جن لوگوں نے مصطفیٰ کمال کی تعریف کی جیسے مولانا انور شاہ کشمیری نے تو ان حضرات کو حقائق وغیرہ معلوم نہیں تھے، انہیں

معلوم نہیں تھا کہ یہ کون ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے، اُس وقت حالات کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا، اب تو سب کچھ پتہ چل گیا ہے سب حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔

(۷۱۴۰) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ

(ص ۱۰۵۷) بَابُ أَجْرِ مَنْ قَضَى بِالْحِكْمَةِ

لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

فرماتے ہیں کہ جو حکمت یعنی قرآن اور حدیث کے مطابق فیصلہ کرے گا وہی اجر کا مستحق ہو گا، کیونکہ اللہ میاں فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ فاسق ہے، یہ ہوا منطوقِ آیت، اور مفہومِ آیت کیا ہوا کہ جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرے وہ فاسق نہیں ہے بلکہ صالح ہے، اور صالح آدمی لائق توصیف و تعریف اور مستحق اجر ہوتا ہے، تو امام بخاری نے مفہومِ آیت سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے جیسے منطوقِ حدیث سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے۔

(۷۱۴۱) حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا

یہ حدیث اسی سند سے کتاب الاعتصام میں آرہی ہے ویسے یہ روایت گزر چکی اور کلام بھی گزر چکا ہے۔

(ص ۱۰۵۷) بَابُ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً

امام بخاری نے پہلے اطاعتِ اولی الامر پر زور دیا، اب یہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ اولوا الامر کی اطاعت اس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے اور اگر معصیت کا حکم دیتا ہے تو کسی کی اطاعت جائز نہیں لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ۔

(۷۱۴۲) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ

(وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدًا حَبَشِيًّا) كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ

اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا: سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر حبشی غلام ہی امیر مقرر کر دیا جائے گویا کہ اسکا سر کشمش کا دانہ ہے یعنی بہت بد شکل بھی ہو، اسی حدیث کو ضرار بن عمرو غطفانی وغیرہ نے سامنے رکھ کر یہ استدلال کیا ہے کہ غیر قریشی کو امیر منتخب کیا جاسکتا ہے، لیکن اسکے چار جواب ہیں (۱) اس سے مراد امیر سریہ ہے (۲) اس سے مراد امارت مدینہ ہے (۳) اس سے مراد مبالغہ فی الطاعۃ ہے (۴) متغلب پر محمول ہے۔

(۷۱۴۳) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنِ الْجَعْدِ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْوِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ (يَكْرَهُهُ) فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

(۷۱۴۴) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ

فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ: اگر امام معصیت کا حکم کرے تو اسکی اطاعت جائز نہیں ہے۔

آیا امام اگر خدانخواستہ فاسق ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ وہ معزول ہو جائے گا یا نہیں؟ امام نووی فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق کی وجہ سے امام معزول نہیں ہوگا، علامہ شامی کہتے ہیں کہ البتہ وہ مستحق عزل ہے مگر کرنا نہ چاہئے اس واسطے کہ اس سے فتنہ ہوگا اور انتشار پیدا ہوگا، اور اگر کافر ہو جائے تو اس صورت میں علماء کا اجماع ہے کہ وہ معزول ہو جائے گا اور ہر مسلمان کے ذمہ واجب ہے کہ اسکے خلاف علم بلند کرے اور اگر کسی میں طاقت نہیں ہے تو اسکو ہجرت واجب ہے اور جو مداہنت کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

(۷۱۴۵) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ فَغَضِبَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُطِيعُونِي قَالُوا بَلَى قَالَ قَدْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ لَمَا جَمَعْتُمْ حَطَبًا وَأَوْقَدْتُمْ نَارًا ثُمَّ دَخَلْتُمْ فِيهَا فَجَمَعُوا حَطَبًا فَأَوْقَدُوا نَارًا فَلَمَّا هَمُّوا بِالدُّخُولِ فَقَامَ (فَقَامُوا) يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا تَبِعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَارًا مِنَ النَّارِ أَفَنَدْخُلُهَا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ خَمَدَتِ النَّارُ وَسَكَنَ غَضَبُهُ فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ

(ص ۱۰۵۸) بَابُ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ الْإِمَارَةَ أَعَانَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا

جو امارت نہیں مانگے گا اللہ اس کی اعانت کریں گے اس واسطے کہ امارت مانگنا دلیل ہے اعتماد علی النفس کی، لہٰذا اس وقت خدائے پاک کی اعانت رک جاتی ہے، اور نہ مانگنا دلیل ہے اپنے کو نا اہل سمجھنے کی اور آدمی جب اپنے کو نا اہل سمجھتا ہے تو ہر چیز میں اللہ پر اعتماد کرتا ہے اور جب اللہ پر اعتماد کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے بھی اعانت متوجہ ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء کے متعلق جو وارد ہوا ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي﴾ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں وارد ہوا ہے ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے دوسرے حضرات اس میں داخل نہیں ہیں۔

باقی اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابو داؤد شریف میں ایک روایت وارد ہے مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى يَنَالَهُ، ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جَوْرَهُ، فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهُ عَدْلَهُ فَلَهُ النَّارُ، اسکا جواب یہ ہے کہ طلب قضاء کے لئے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس سے حق بات صادر ہی نہیں ہوگی، بتلانا تو یہ ہے کہ جو آدمی بذات خود طالب بنتا ہے حق تعالیٰ کی معاونت اسکی طرف نہیں آتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ عام طور پر نہیں آتی ہے اور اگر کوئی بمجبوری طالب ہوتا ہے اسلئے کہ کوئی اہل نہیں ہے تو اس صورت میں اگر اللہ پاک اسکی اعانت فرمائے محض اس وجہ سے کہ وہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے معاملے درست رہیں تو کیا عجب ہے۔

(۷۱۴۶) حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ

فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ: اس مسئلہ کے متعلق میں کلام کر چکا ہوں ص ۹۹۴ پر کہ کفارہ کی تقدیم حنث پر ہے یا حنث کی تقدیم کفارہ پر؟ حنفیہ اور داؤد ظاہری وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ پہلے آدمی حانث ہو پھر کفارہ دے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ پہلے آدمی کفارہ دے سکتا ہے۔

(ص ۱۰۵۸) بَابُ مَنْ سَأَلَ الْإِمَارَةَ وُكِلَ إِلَيْهَا

(۷۱۴۷) حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ (لَا تَتَمَنَّيَنَّ) الْإِمَارَةَ فَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ

(ص ۱۰۵۸) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحِرْصِ عَلَى الْإِمَارَةِ

(۷۱۴۸) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ* وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ حُمْرَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ

فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ: امارت دودھ پلانے والی تو بڑی بڑھیا ہے لیکن دودھ چھڑانے والی بہت بری ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کو امارت و خلافت حاصل رہتی ہے تب تک تو بڑے مزے، اور اسکے بعد جب معزول ہو جاتا ہے تو بڑی ذلت ورسوائی ہوتی ہے، یا قتل ہو جاتا ہے تو پھر ذلت و رسوائی کا پوچھنا ہی کیا، یا مطلب یہ ہے کہ جب تک دنیا میں رہتا ہے تب تک تو خوب مزے لوٹتا ہے روپے بھی ہیں پیسے بھی ہیں عزت بھی ہے جاہ بھی ہے، اور مرنے کے بعد پھر مطالبات شرعیہ متوجہ ہوتے ہیں، اللہ پاک کی طرف سے مطالبے ہوتے ہیں کہ لوگوں کے دماء کے بارے میں کیا کیا؟ لوگوں کے اموال کے بارے میں کیا کیا؟ حقوق العباد کا کیا ہوا؟

(۷۱۴۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي هَذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ

(ص ۱۰۵۸) بَابُ مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ

اگر کسی آدمی کو کسی رعیت کا راعی یعنی امیر و نگران بنا دیا جائے اور خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی

خوشبو نہیں پائے گا اسلئے امیر کو یہ چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے۔

(۷۱۵۰) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ (يَسْتَرْعِيهِ) اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ (بِنُصْحِهِ) إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ

(۷۱۵۱) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ قَالَ زَائِدَةُ ذَكَرَهُ عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ أَتَيْنَا مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ نَعُودُهُ فَدَخَلَ عَلَيْنَا عُبَيْدُ اللهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ أُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

(ص ۱۰۵۹) بَابُ مَنْ شَاقَّ شَقَّ اللهُ عَلَيْهِ

جو امیر رعیت پر مشقت ڈالتا ہے تو اللہ اس پر مشقت ڈالیں گے، ادھر تو حضور ﷺ نے لوگوں کو یوں فرمایا کہ تم سے جو مطالبہ کیا جارہا ہے اور تمہارے ذمہ جو حق ہے تم ان کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو، اور اُدھر امراء کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ رعیت کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔

جو کام بھی جماعت سے متعلق ہوتا ہے تو شارع علیہ الصلاۃ والسلام دونوں طرف والوں کو تنبیہ کرتے ہیں، دونوں جانب والوں کو متوجہ فرماتے ہیں تاکہ ہر ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرے۔

(۷۱۵۲) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ طَرِيفٍ أَبِي تَمِيمَةَ قَالَ شَهِدْتُ صَفْوَانَ وَجُنْدَبًا وَأَصْحَابَهُ وَهُوَ يُوصِيهِمْ فَقَالُوا هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَمَنْ يُشَاقِقْ (يُشَاقَّ) يَشْقُقِ اللهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالُوا أَوْصِنَا فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ الْإِنْسَانِ بَطْنُهُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَأْكُلَ إِلَّا طَيِّبًا فَلْيَفْعَلْ وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يُحَالَ (يَحُولَ) بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ بِمِلْءٍ (مِلْءِ) كَفِّهِ (كَفٍّ) مِنْ دَمٍ أَهْرَاقَهُ فَلْيَفْعَلْ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ مَنْ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُنْدَبٌ قَالَ نَعَمْ جُنْدَبٌ

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ الْإِنْسَانِ بَطْنُهُ: انسان کا پیٹ سب سے پہلے پھٹے گا لہٰذا اگر حلال روزی کھا سکتا ہو تو حلال کھانے کا اہتمام کرے۔

(ص ۱۰۵۹) بَابُ الْقَضَاءِ وَالْفُتْيَا فِي الطَّرِيقِ

وَقَضَى يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الطَّرِيقِ وَقَضَى الشَّعْبِيُّ عَلَى بَابِ دَارِهِ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ کیا راستہ چلتے ہوئے فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

حضرت امام بخاری نے جو اثر اور روایت پیش کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے، اگر وہ فیصلہ اور مسئلہ ایسا ہے کہ غور طلب ہے تو راستہ چلتے ہوئے نہ فتویٰ دینا چاہئے اور نہ فیصلہ کرنا چاہئے، اور مسئلہ کھلا ہوا ہے تو پھر راستہ چلتے ہوئے فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اشہب کا رجحان یہی ہے، سحنون کہتے ہیں کہ راستہ میں نہ فتویٰ دینا چاہئے اور نہ فیصلہ کرنا چاہئے، ابن حبیب کہتے ہیں کہ اگر مسئلہ ہلکا پھلکا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

(۷۱۵۳) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجَانِ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَقِيَنَا رَجُلٌ عِنْدَ سُدَّةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَعْدَدْتَ لَهَا فَكَأَنَّ الرَّجُلَ اسْتَكَانَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَعْدَدْتُ (عَدَدْتُ) لَهَا كَبِيرَ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلَكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ

فَكَأَنَّ الرَّجُلَ اسْتَكَانَ: وہ آدمی ڈھیلا پڑ گیا۔

قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ: جس کے ساتھ محبت کروگے اسی کے ساتھ تم رہوگے، مگر اس سے مراد معیت فی الدرجہ نہیں ہے بلکہ معیت فی المکان ہے۔

(ص ۱۰۵۹) بَابُ مَا ذُكِرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم لَمْ يَكُنْ لَهُ بَوَّابٌ

فرماتے ہیں کہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربان نہیں تھا، لہٰذا مطلب ہوا کہ قاضی صاحب کو بھی دربان نہ رکھنا چاہئے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ حاکم دربان نہ رکھے، اور حنابلہ نے بھی اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے، امام نووی نے شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ اگر ضرورت نہ محسوس ہو تو اس صورت میں امام اور قاضی دربان نہ رکھے، اسکا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت رکھ سکتے ہیں، چنانچہ ابو اسحاق

شیرازی نے مہذب میں لکھا ہے کہ حاجب اور دربان رکھنا مکروہ نہیں ہے کذا نقلہ فی حیاۃ الحیوان، اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ قاضی کو چاہئے کہ جب وہ مسجد میں یا اپنے مکان میں فیصلہ کرنے کے لئے بیٹھے تو ایک دربان مقرر کرلے تاکہ خصوم کا اژدہام نہ ہونے پائے، لیکن دربان لوگوں سے رشوت نہ لے، اور اگر لوگوں سے رشوت لے اور قاضی کو پتہ چل جائے تو قاضی خود راشی کہلائے گا اور گنہگار ہوگا۔

ہو سکتا ہے کہ مصنف نے اس ترجمہ سے حنفیہ پر رد کیا ہو لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حضرات احناف حاجب و دربان رکھنے کو ایک مخصوص صورت میں کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اژدہام وغیرہ کا اندیشہ ہو اور اگر اژدہام وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو تو وہ بھی نہیں کہتے کہ دربان رکھا جائے۔

(۷۱۵٤) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لِامْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ تَعْرِفِينَ فُلَانَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهَا وَهِيَ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي فَقَالَتْ إِلَيْكَ عَنِّي فَإِنَّكَ خِلْوٌ مِنْ مُصِيبَتِي قَالَ فَجَاوَزَهَا وَمَضَى فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَ مَا قَالَ لَكِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا عَرَفْتُهُ قَالَ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَتْ إِلَى بَابِهِ فَلَمْ تَجِدْ عَلَيْهِ بَوَّابًا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا عَرَفْتُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ (الصَّدْمَة)

(ص۱۰۵۹) بَابُ الْحَاكِمِ يَحْكُمُ بِالْقَتْلِ عَلَى مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ دُونَ الْإِمَامِ الَّذِي فَوْقَهُ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ قصاص کا فیصلہ کرنے کے لئے امیر المؤمنین کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اسکا ماتحت حاکم بھی فیصلہ کر سکتا ہے، امام شافعی اور اشہب کی تو یہی رائے ہے، حنفیہ فرماتے ہیں کہ امراء امصار کو تو حق ہے لیکن امراء السواد، عامل السواد جو دیہات وغیرہ میں مقرر ہوتے ہیں ان کو اس پر اقدام نہ کرنا چاہئے، ابن قاسم مالکی کا رجحان بھی یہی ہے۔

(۷۱۵۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الذُّهْلِيُّ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ كَانَ يَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْأَمِيرِ

قیس بن سعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے ہوتے تھے جیسے امیر کے سامنے شرطی ہوا کرتا ہے

چوکیدار، چوبدار، اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر نہیں ہوتی ہے۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ دون الحاکم کے لفظ سے سمجھ میں آتی ہے کیونکہ دُوْنَ، عند کے معنٰی میں ہے، تو مطلب یہ ہے کہ حاکم کی موجودگی میں حاکم کا ماتحت قصاص کا فیصلہ کر سکتا ہے، اگر لغت اس کی تائید کرے تو ٹھیک ہے۔

(۷۱۵۶) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ الْقَطَّانُ عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ وَأَتْبَعَهُ بِمُعَاذٍ

(۷۱۵۷) حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا مَحْبُوبُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ رَجُلًا أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ فَأَتَى مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَهُوَ عِنْدَ أَبِي مُوسَى فَقَالَ مَا لِهَذَا قَالَ أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ قَالَ لَا أَجْلِسُ حَتَّى أَقْتُلَهُ قَضَاءَ اللهِ وَرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ص ۱۰۵۹) بَابٌ هَلْ يَقْضِي الْحَاكِمُ أَوْ يُفْتِي وَهُوَ غَضْبَانُ

بحالت غضب حاکم صاحب فیصلہ کر سکتے ہیں یا مفتی صاحب فتویٰ دے سکتے ہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بحالت غضب بلکہ ہر ایسی حالت میں جس میں انسان کسی خاص چیز میں مشغول ہو جائے مثلاً شدتِ بھوک کی حالت ہو یا شدت پیاس کی یا شدت غم کی، اس میں فیصلہ کرنا مکروہ ہے لیکن اگر فیصلہ کر دیا تو جمہور علماء کے یہاں فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

حنابلہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ فیصلہ نافذ نہیں ہو گا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لا یقضی القاضی وھو غضبان، حضرات جمہور فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے شراج حرہ کے بارے میں فیصلہ کیا تھا اور وہ فیصلہ نافذ بھی ہو گیا، اس پر حنابلہ کی طرف سے اعتراض کیا گیا کہ یہ تو حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کیونکہ آپ کی زبان مبارک سے غضب ورضاء کے عالم میں حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کے لئے مکروہ نہیں ہے، دوسرے کے لئے اگر غضب کی حالت میں فیصلہ کیا گیا اور فیصلہ حق کے مطابق ہوا نافذ تو ہو جائے گا لیکن لا یقضی القاضی کی مخالفت کی وجہ سے کراہت لازم آئے گی اور سرکار ﷺ کے حق میں کوئی کراہت نہیں ہے، بعض حنابلہ یوں فرماتے ہیں کہ اگر مسئلہ غضب کی حالت سے پہلے واضح ہو چکا ہے تب تو بحالت غضب

فیصلہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر غضب کے عالم ہی میں مسئلہ درپیش ہوا ہے تو پھر فیصلہ نہ کرنا چاہئے، علامہ موفق ابن قدامہ اور شمس الدین بن ابی عمرو المقدسی صاحبُ الشافی ان کے تلمیذ، ان دونوں کی رائے جمہور کے قول کی طرف ہے۔

حضرت امام بخاری نے اس میں کوئی قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا، دو روایتیں ذکر فرمادیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی اس مسئلہ کے اندر تفصیل ہے، اور وہ تفصیل یہی ہے کہ اگر غصہ کی حالت ایسی ہو کہ انسان کو اس وقت بات ہی سمجھ میں نہ آئے تب تو فیصلہ نہ کرے اور اگر ایسی حالت نہیں ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فیصلہ حق کے مطابق ہو گیا تو معتبر ہو جائے گا جیسے حضور ﷺ نے غصہ کے عالم میں اور ناراضگی میں حضرت معاذؓ کو ڈانٹا تھا، اور اگر حق کے مطابق نہیں ہوا تو اس فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے حضرت ابو بکرہؓ کی حدیث اس باب میں ذکر کی جو منع پر دلالت کرتی تھی، پھر ابو مسعودؓ کی حدیث ذکر فرمائی جو جواز پر دلالت کرتی ہے، اس سے امام بخاری نے جمع بین الروایات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جواز حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ آپ معصوم اور تعدی سے مامون ہیں اور آپ کا غضب حق ہی کی وجہ سے ہوتا تھا، اب اگر کوئی آدمی حضور ﷺ کی حالت میں ہو یعنی اس سے غصہ کی حالت میں زیادتی نہ ہوتی ہو اور وہ حق ہی کی بنیاد پر غصہ ہوتا ہو تو اس صورت میں اس کے لئے فیصلہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ورنہ فیصلہ کرنا اس شخص کے حق میں ممنوع ہونا چاہئے۔

(۷۱۵۸) حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَتَبَ أَبُو بَكْرَةَ إِلَى ابْنِهِ وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ بِأَنْ لَا تَقْضِيَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ

(۷۱۵۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي وَاللهِ لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فِيهَا قَالَ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا فِي مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ

(۷۱۶۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الْكَرْمَانِيُّ (الْكِرْمَانِيُّ) حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا

یونس قال حدّثنا محمّد هو الزّهريّ أخبرني سالم أنّ عبد الله بن عمر أخبره أنّه طلّق امرأته وهي حائض فذكر عمر للنّبيّ صلّى الله عليه وسلّم فتغيّظ عليه (فيه) رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ثمّ قال ليراجعها ثمّ ليمسكها حتّى تطهر ثمّ تحيض فتطهر فإن بدا له أن يطلّقها فليطلّقها

(ص ۱۰۶۰) بَابُ مَنْ رَأَى الْقَاضِي أَنْ يَحْكُمَ بِعِلْمِهِ فِي أَمْرِ النَّاسِ إِذَا لَمْ يَخَفِ الظُّنُونَ وَالتُّهَمَةَ، كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِهِنْدٍ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ وَذَلِكَ إِذَا كَانَ أَمْرًا مَشْهُورًا

حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قاضی آیا اپنے علم پر فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً قاضی کو کوئی مسئلہ پہنچا اور اسے اس مسئلہ کے متعلق کوئی بات معلوم ہے تو وہ اپنے علم پر اعتماد کر کے فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں، امام مالک اور امام محمد فرماتے ہیں کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا، قاضی ابویوسف فرماتے ہیں کہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے گا، امام شافعی اور امام احمد کی دونوں روایتیں ہیں لیکن امام شافعی کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حقوق اللہ میں تو قاضی اپنے علم پر فیصلہ نہیں کرے گا کیونکہ حقوق اللہ کا مبنیٰ مسامحت پر ہے اور حقوق العباد میں تفصیل ہے، اگر زمانۂ قضاء کے اندر اس کو علم ہوا ہے تب تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور اگر زمانۂ قضاء کے پہلے سے علم ہے تو اس صورت میں وہ فیصلہ نہیں کر سکتا ہے۔

حضرت امام بخاری اس مسئلہ میں ایک چوتھی رائے کے مالک ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ جہاں تہمت اور ظنون کا خطرہ نہ ہو وہاں تو فیصلہ کر سکتا ہے اور جہاں تہمت کا اندیشہ ہو وہاں پر فیصلہ نہیں کر سکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند، ابوسفیان کی بیوی سے کہہ دیا کہ خذی ما یکفیکِ و ولدکِ بالمعروف کیونکہ دنیا میں مشہور تھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے وہ اپنی آل و اولاد اور اہل و عیال پر خرچ کرنے میں بھی کنجوسی کرتا ہے تو حضور نے فرمادیا کہ لے سکتے ہو کوئی حرج نہیں۔

(۷۱۶۱) حدّثنا أبو اليمان أخبرنا شعيب عن الزّهريّ حدّثني عروة أنّ عائشة رضي الله عنها قالت جاءت هند بنت عتبة بن ربيعة فقالت يا رسول الله والله ما كان على ظهر الأرض أهل خباء أحبّ إليّ

أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِکَ وَمَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِکَ ثُمَّ قَالَتْ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيکٌ فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ حَرَجٍ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا قَالَ لَهَا لَا حَرَجَ عَلَيْکِ أَنْ تُطْعِمِيهِمْ مِنْ مَعْرُوفٍ

یہ حدیث اسی سند سے کتاب المظالم میں گزر چکی ہے۔

(ص۱۰۶۰) بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الْخَطِّ الْمَخْتُومِ وَمَا يَجُوزُ مِنْ ذٰلِکَ

وَمَا يَضِيقُ عَلَيْهِ وَكِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عَامِلِهِ وَالْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ كِتَابُ الْحَاكِمِ جَائِزٌ إِلَّا فِي الْحُدُودِ ثُمَّ قَالَ إِنْ كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً فَهُوَ جَائِزٌ لِأَنَّ هٰذَا مَالٌ بِزَعْمِهِ وَإِنَّمَا صَارَ مَالًا بَعْدَ أَنْ ثَبَتَ الْقَتْلُ فَالْخَطَأُ وَالْعَمْدُ وَاحِدٌ وَقَدْ كَتَبَ عُمَرُ إِلَى عَامِلِهِ فِي الْحُدُودِ (الْجَارُودِ) وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي سِنٍّ كُسِرَتْ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي جَائِزٌ إِذَا عَرَفَ الْكِتَابَ وَالْخَاتَمَ وَكَانَ الشَّعْبِيُّ يُجِيزُ الْكِتَابَ الْمَخْتُومَ بِمَا فِيهِ مِنَ الْقَاضِي وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُهُ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ الثَّقَفِيُّ شَهِدْتُ عَبْدَ الْمَلِکِ بْنَ يَعْلَى قَاضِيَ الْبَصْرَةِ وَإِيَاسَ بْنَ مُعَاوِيَةَ وَالْحَسَنَ وَثُمَامَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ وَبِلَالَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيَّ وَعَامِرَ بْنَ عَبِيدَةَ وَعَبَّادَ بْنَ مَنْصُورٍ يُجِيزُونَ كُتُبَ الْقُضَاةِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الشُّهُودِ فَإِنْ قَالَ الَّذِي جِيءَ عَلَيْهِ بِالْكِتَابِ إِنَّهُ زُورٌ قِيلَ لَهُ اذْهَبْ فَالْتَمِسِ الْمَخْرَجَ مِنْ ذٰلِکَ وَأَوَّلُ مَنْ سَأَلَ عَلَى كِتَابِ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى وَسَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللهِ* وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحْرِزٍ جِئْتُ بِكِتَابٍ مِنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ قَاضِي الْبَصْرَةِ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ الْبَيِّنَةَ أَنَّ لِي عِنْدَ فُلَانٍ كَذَا وَكَذَا وَهُوَ بِالْكُوفَةِ وَجِئْتُ بِهِ الْقَاسِمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَأَجَازَهُ وَكَرِهَ الْحَسَنُ وَأَبُو قِلَابَةَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى وَصِيَّةٍ حَتَّى يَعْلَمَ مَا فِيهَا لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ فِيهَا جَوْرًا وَقَدْ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ خَيْبَرَ إِمَّا أَنْ تَدُوا (يَدُوا) صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ تُؤْذِنُوا (يُؤْذِنُوا) بِحَرْبٍ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الشَّهَادَةِ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ إِنْ عَرَفْتَهَا فَاشْهَدْ وَإِلَّا فَلَا تَشْهَدْ

حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں بظاہر تین مسئلے بیان فرمائے ہیں:

(۱) الشَّهَادَةُ عَلَى الْخَطِّ الْمَخْتُومِ (۲) كِتَابُ الْحَاكِمِ إِلَى عَامِلِهِ (۳) الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي۔

شہادت خطِ مختوم یعنی مہر بند تحریر پر آیا گواہی دی جاسکتی ہے کہ یہ فلاں کی تحریر ہے یا نہیں؟ حضرت امام بخاری کا طرز تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گواہی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ آدمی تحریر اور مہر کو پہچانتا ہو، مصنف نے اسی لئے ابراہیم نخعی کا اثر ذکر فرمایا ہے، اور ابن بطال فرماتے ہیں کہ شاہد کو محض اپنی تحریر دیکھ کر شہادت دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ اسکو یاد نہ آجائے کہ یہ میری تحریر ہے، فرماتے ہیں کہ

اس پر اتفاق ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الخط یشبہ الخط، بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے کی انگوٹھی جیسی انگوٹھی اور دوسرے کے مہر جیسی اپنی مہر بنالیتا ہے اور اسکی تحریر سے ملا کر اپنی تحریر لکھ دیتا ہے اور دھوکہ میں ڈال دیتا ہے، چنانچہ یہی بات حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب بنی جیسا کہ واقعہ مشہور و معروف ہے۔

حضرت امام مالک سے منقول ہے کہ شہادت علی الخط مطلقاً جائز ہے لیکن ابن شعبان فرماتے ہیں کہ ابن وہب فرمایا کرتے تھے لا آخذ بقول مالک، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سارے لوگوں نے امام مالک کے قول کی مخالفت کی ہے اور ان کے قول کو من الاقوال الشاذہ شمار فرمایا ہے لأن الخط یشبہ الخط، امام ابو یوسف اور امام محمد سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ خط پر شہادت دی جاسکتی ہے۔

امام ابو حنیفہ اس مسئلہ میں مخالف ہیں جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہوا ہے، یہ گفتگو امام صاحب اور صاحبین میں اس تحریر میں ہے جو قمطرۂ قاضی کے اندر ہے، کیونکہ جو قاضی کے جھولے میں ہوتی ہے بستہ میں ہوتی ہے وہ محفوظ ہوتی ہے اس میں تغییر اور تبدیل کا احتمال نہیں ہوتا، اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، اور اگر قاضی کے پاس وہ تحریر محفوظ نہیں ہے تو اس صورت میں گنجائش نہیں ہے۔

وَمَا یَجُوزُ مِنْ ذٰلِکَ وَمَا یَضِیقُ عَلَیْهِ: امام بخاری تفصیل کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ خط مختوم پر شہادت دینے کی گنجائش بعض صورتوں میں ہے اور بعض صورتوں میں تنگی ہے، اگر شاہد تحریر پہچان لے اور مہر بند ہو تب تو گنجائش ہے اور اگر تحریر نہیں پہچانتا ہے اور مہر بند نہیں ہے تو گنجائش نہیں ہے۔

(۲) **وَكِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عَامِلِهِ:** اور حاکم کی تحریر اسکے عامل کی طرف، یہ دوسرا مسئلہ ہے، یعنی امیر المؤمنین اگر اپنے عامل کو خط لکھے تو وہ تحریر مقبول ہے۔

(۳) **وَالْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي:** یہ تیسرا مسئلہ ہے، قاضی اگر قاضی کو خط لکھے تو وہ تحریر مقبول ہے، حقیقت میں یہ دونوں مسئلے ایک ہی نوع کے ہیں۔

آیا کتاب القاضی الی القاضی مطلقاً مقبول ہے یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ اس میں تو اتفاق ہے کہ كِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عَامِلِهِ اور کتاب القاضی إلی القاضی بالاجماع مقبول ہے مگر صرف اس میں اختلاف ہے کہ آیا مطلقاً مقبول ہے یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟

حضرت امام مالک تو فرماتے ہیں کہ مطلقاً مقبول ہے یہی امام شافعی اور احمد کی ایک ایک روایت

ہے، لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کتاب القَاضِي إلَى القَاضِي اموال کے اندر مقبول ہے حدود اور قصاص کے اندر مقبول نہیں ہے، یہی امام احمد بن حنبل کا ظاہر مذہب ہے جیسا کہ صاحب مغنی وغیرہ نے تصریح کی ہے اور یہی امام شافعی کا مشہور قول ہے، چنانچہ امام نووی نے المنہاج میں صرف یہی ایک قول ذکر فرمایا ہے۔

وقال بعض الناس كتاب الحاكم جائز إلا في الحدود: بعض الناس کہتے ہیں کہ کتابِ حاکم جائز ہے مگر حدود میں جائز نہیں ہے، بعض الناس سے مراد امام ابو حنیفہ ہیں لیکن ابھی جو ما قبل میں تفصیل بیان ہو چکی ہے اس سے معلوم ہے کہ بعض الناس اکیلے ہیں یا دکیلے ہیں یا تکیلے ہیں، سچی بات یہ ہے کہ بعض الناس اکیلے نہیں ہیں بلکہ شافعی بھی اپنے ظاہری قول میں اور احمد بھی اپنے ظاہری مذہب میں بعض الناس ہی کے ساتھ ہیں، مگر حضرت امام بخاری مجبور ہیں کہ حنفیوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا تھا اس واسطے ناراض ہو کر احناف کی خبر لیتے رہتے ہیں، لینا چاہئے جب ستایا ہے تو یہ بھی انہیں جواب دیں۔

ثم قال: إن كان القتل خطأ فهو جائز: یوں کہتے ہیں کہ بعض الناس کو دیکھو کہ کیسی الٹی باتیں اور متناقض فیصلے کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ کتاب الحاکم جائز تو ہے مگر حدود و قصاص میں معتبر نہیں ہے لیکن اگر قتل خطا ہو تو معتبر ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ تناقض نہیں تو اور کیا چیز ہے؟ پہلے تو کہہ دیا کہ قتل میں معتبر نہیں ہے پھر کہتے ہیں کہ قتل خطا میں معتبر ہے، جب پوچھا کہ صاحب کیوں؟ تو جواب دیا لأن هذا مال، یعنی قتل خطاء اصل میں قتل نہیں ہے بلکہ مال ہے۔

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ مال ہے؟ وَإِنَّمَا صَارَ مَالًا بَعْدَ أَنْ ثَبَتَ الْقَتْلُ، وَالْخَطَأُ وَالْعَمْدُ وَاحِدٌ، مال تو بعد میں بنا ہے قتل پہلے ثابت ہوا، لہٰذا جب قتل پہلے ثابت ہوا تو قتل کے اندر قتلِ خطا اور قتل عمد دونوں برابر ہیں۔

مگر کوئی آدمی پوچھے حضرت امام سے کہ انصاف سے آپ یہ بتائیں کہ قتل خطا کا موجَب کیا ہے اور قتل عمد کا موجَب کیا ہے؟ قتل عمد کا موجَب یا تو صرف قصاص ہے جیسا کہ ابو حنیفہ کہتے ہیں اور امام مالک ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں اور دوسروں کی بھی ایک ایک روایت ہے، یا احد الامرین ہے یعنی دیت یا قصاص جیسا کہ امام شافعی اور احمد کا مشہور مسلک اور امام مالک کی ایک روایت ہے، اور قتل خطاء کا موجَب بالاتفاق دیت اور مال ہے، تو معلوم ہوا کہ قتل خطاء صورۃً قتل ہے لیکن حقیقۃً موجِب مال ہے، اس لئے حضرات احناف نے مآل کار کو

دیکھا اس لئے وہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ قتل خطاء کی صورت میں تو کتاب القاضی الی القاضی معتبر ہے کیونکہ اسکا اثر قتل پر نہیں پڑے گا، اس کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا مال واجب ہوگا، اور قتل عمد میں وہ اسکو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

وقد كتب عمر إلى عامله في الجارود: حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو جارود کے بارے میں خط لکھا تھا، حاشیہ کا نسخہ ہے **في الحدود**، دونوں صحیح ہیں، امام بخاری نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے میں اسکو تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

عبدالرزاق نے المصنف میں روایت فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں قدامہ بن مظعونؓ کو جو ابن عمرؓ اور حفصہؓ کے حقیقی ماموں تھے بحرین کا عامل بنایا تھا، وہاں سے جارود عبدی تشریف لائے اور انہوں نے یہ کہا کہ قدامہؓ نے شراب پی ہے اور تم ان پر حد قائم کرو، کہنے لگے **من يشهد معك**؟ کون شہادت دے گا، کہا کہ ابوہریرہؓ، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا ہے لیکن سکران دیکھا ہے، فرمایا **لقد تنتعت في الشهادة**، اسکے بعد قدامہؓ کو خط لکھا کہ بحرین سے سیدھے مدینہ پہونچو، وہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، جارود آئے کہنے لگے **أقم عليه الحد**، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم شاہد ہو یا خصم؟ کہا کہ شاہد، کہا کہ تو نے شہادت دے دی، اگلے دن پھر آئے کہنے لگے **أقم عليه الحد**، حضرت عمرؓ نے فرمایا: **ما أراك إلا خصماً**، پھر تیسرے دن آئے کہنے لگے **أقم عليه الحد**، حضرت عمرؓ نے فرمایا: **لأسوءنك** اور کوڑا اٹھایا تو حضرت جارود نے کہا کہ واہ! شراب پیے تیرا چچازاد بھائی اور حساب کرے تو میرے ساتھ، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اگر آپ کو ہماری بات پر اعتماد نہیں ہے تو بنت الولید سے سوال کر لو یعنی ہند بنت الولید جو قدامہؓ کی بیوی ہے ان سے پوچھ لو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے پچھوایا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہاں! یہ شراب پیتے ہیں، بس اب کیا تھا حضرت عمرؓ نے قدامہؓ کو طلب کیا اور کہا کہ شراب کیوں پی؟ کہا کہ میں نے پی ہے لیکن مجھ پر حد قائم نہیں کی جا سکتی ہے، اللہ میاں فرماتے ہیں ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا﴾، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ **أخطأت في الاستدلال والتاويل** اور اسکے بعد حد قائم کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا، لوگوں نے کہا کہ جب تک بیمار ہے چھوڑ دیجئے، کچھ دن چھوڑے رکھا پھر اسکے بعد مشورہ کیا لوگوں نے کہا کہ جب تک کمزور ہے چھوڑ دیجئے، فرمایا کہ یہ تحت السیاط اللہ کے یہاں پہنچ جائے بہتر ہے اس سے

کہ میری گردن پر لٹک کر پہنچے اور فرمایا کہ اس پر حد جاری کی جائے، چنانچہ اسّی کوڑے مارے گئے۔

قدامہؓ تھے بدری اور ناراض ہوگئے حضرت عمرؓ سے، حضرت عمرؓ جب آخری حج میں تشریف لے گئے تو قدامہؓ بھی ساتھ تھے، مقام سقیا میں جب حضرت عمرؓ بیدار ہوئے تو کہا کہ فوراً قدامہؓ کو میرے پاس لاؤ، میں نے ابھی خواب دیکھا ہے اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ قدامہؓ تیرا بھائی ہے ان سے صلح کرو، آدمی بھیجا گیا قدامہؓ کے یہاں، انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے گھسیٹ کر لے آؤ، غرض کہ حضرت قدامہؓ پکڑ کر لائے گئے، حضرت عمرؓ نے بات چیت کی مصالحت ہوگئی۔

اب اس سارے واقعہ سے دیکھ لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے خط کس سلسلہ میں لکھا، قدامہؓ کو بلانے کے لئے لکھا تھا، اسلئے نہیں لکھا تھا کہ قدامہؓ کی حد وہاں جاری کر دی جائے، تو اس سے امام بخاری کا استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

و كتب عمر بن عبدالعزيز في سنّ كسرت: یہ عمر بن عبدالعزیز تابعی ہیں و لیس قول التابعی حجۃ و لا فعلہ۔

و قال إبراهيم: كتاب القاضي إلى القاضي جائز إذا عرف الكتاب و الخاتم: یہ آگیا وہی اثر جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا۔

وقال معاوية بن عبدالكريم: شهدت عبدالملك بن يعلىٰ الخ: یوں کہتے ہیں کہ یہ سارے قضاۃ تھے سب قاضیوں کی کتاب مان لیا کرتے تھے گواہ نہیں طلب کرتے تھے، اب مدعا علیہ صاحب (جن کے خلاف خط آیا ہوا ہے) اگر کہتے کہ یہ تحریر غلط ہے تو پھر قاضی صاحب کہتے تھے کہ جاؤ! تم نے جو غلط ہونے کا دعویٰ کیا ہے اسکی دلیل پیش کرو۔

و أول من سأل على كتاب القاضي البينة: ابن ابی لیلیٰ اور سوار بن عبد اللہ نے سب سے پہلے قضاۃ میں سے یہ کہا کہ کتاب القاضی معتبر نہیں جب تک کہ اسکے ساتھ گواہ نہ ہو، لیکن بعد میں سارے علماء نے اس پر اجماع کر لیا، اس واسطے کہ زُور اور دروغ گوئی اور کذب بیانی لوگوں میں شائع ہوگئی ہے، اب پتہ نہیں کہ کون کہاں سے خط لے کر چلا آوے اور کہے کہ فلاں قاضی صاحب کی یہ تحریر ہے، اسلئے ان دونوں حضرات نے یہ کہہ دیا کہ جب تک کتاب کے ساتھ دو گواہ نہیں ہوں گے اس وقت تک کتاب القاضی کا اعتبار نہیں کیا

جائے گا، ائمہ اربعہ بلکہ تمام امت نے اس پر اتفاق کرلیا۔

و كره الحسن و أبو قلابة أن يشهد على وصية: اگر کوئی وصیت نامہ لکھا ہوا ہو اور قاضی کہے کہ تم اس پر گواہی دے دو تو جب تک اسکا مضمون گواہ نہ معلوم کرلے اس پر گواہی نہیں دینی چاہئے، یہی حضرات ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ جائز ہے، مگر ان کا قول مرجوح ہے اس واسطے کہ معلوم نہیں کہ اسکے اندر کیا لکھا ہوا ہے، لہٰذا گواہوں کو معلوم کرلینا چاہئے کہ اس میں ہے کیا؟ کہیں کتاب متلمس کی طرح تو نہیں ہے؟ کہیں صحیفہ متلمس تو نہیں ہے؟

و قد كتب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلى أهل خيبر إما أن تدوا صاحبكم و إما أن تؤذنوا بحرب: اس لفظ کو مصنف نے بصیغۂ خطاب نقل کیا ہے لیکن کہیں بھی بخاری میں بصیغۂ خطاب واقع نہیں ہوا ہے، صفحہ نمبر ۱۰۶۷ پر یہ روایت آرہی ہے اس میں إما أن يدوا صاحبكم و إما أن يوذنوا بحرب بصیغۂ غیبت وارد ہوا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی نے بھی اسی طرح کیا ہے، روایت موصولہ تو بصیغۂ غائب نقل کی اور اسکے بعد جب اسکا ٹکڑا نقل کیا آگے تو بصیغۂ خطاب نقل کردیا، جیسے بخاری نے نقل کردیا ویسے ہی محمد بن حسن نے بھی نقل کردیا۔

وقال الزهری فی شهادة على المرأة: معلوم ہوا کہ معرفت بعض وقت آواز سن کر بھی ہوجاتی ہے اور اصل دارومدار معرفت پر ہے، لہٰذا اگر شاہدوں کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ فلاں کی تحریر ہے اور اس پر جو دستخط ہے وہ واقعۃً ہماری دستخط ہے تو گواہی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۷۱۶۲) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ قَالُوا إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا فَاتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِهِ وَنَقْشُهُ (وَنَقَشَهُ) مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ

(ص۱۰۶۱) بَابُ مَتَى يَسْتَوْجِبُ الرَّجُلُ الْقَضَاءَ

وَقَالَ الْحَسَنُ أَخَذَ اللهُ عَلَى الْحُكَّامِ أَنْ لَا يَتَّبِعُوا الْهَوَى وَلَا يَخْشَوُا النَّاسَ وَلَا يَشْتَرُوا بِآيَاتِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ثُمَّ قَرَأَ ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾وقرأ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾وقرأ﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾فَحَمِدَ سُلَيمانَ وَلَمْ يَلُمْ دَاوُدَ وَلَوْلَا مَا ذَكَرَ اللهُ مِنْ أَمْرِ هَذَيْنِ لَرُئِيتُ أَنَّ الْقُضَاةَ هَلَكُوا فَإِنَّهُ أَثْنَى عَلَى هَذَا بِعِلْمِهِ وَعَذَرَ هَذَا بِاجْتِهَادِهِ وَقَالَ مُزَاحِمُ بْنُ زُفَرَ قَالَ لَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ خَمْسٌ إِذَا أَخْطَأَ الْقَاضِي مِنْهُنَّ خَصْلَةً (خُطَّةً) كَانَتْ فِيهِ وَصْمَةٌ أَنْ يَكُونَ فَهِمًا (فَقِيهًا) حَلِيمًا عَفِيفًا صَلِيبًا عَالِمًا سَؤُولًا عَنِ الْعِلْمِ

آدمی کب قاضی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ کب قاضی ہونے کا استحقاق رکھتا ہے؟ علامہ موفق فرماتے ہیں کہ جب آدمی کے اندر تین شرطیں پائی جائیں تب وہ قاضی ہو سکتا ہے، پہلی شرط تو یہ ہے کہ اس کے اندر کمال پایا جائے اور کمال کی دو قسمیں ہیں ایک کمال الاحکام اور دوسری کمال خلقت۔

کمالِ احکام تو یہ ہے کہ آدمی عاقل، بالغ، حر، ذکر ہو، اور ذکر ہونے کے اندر اختلاف ہے، ابن جریر طبری سے منقول ہے کہ قاضی ہونے کے لئے ذکوریت شرط نہیں ہے اسلئے کہ عورت بھی قاضی بن سکتی ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں میں عورتوں کی شہادت معتبر ہے اس میں عورت کو قاضی بنایا جاسکتا ہے، میں قریب ہی میں قاضی ابن عربی کا کلام بیان کر چکا ہوں، اور کمالِ خلقت سے مراد یہ ہے کہ سمیع، بصیر اور متکلم ہو، بعض شافعیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اندھے آدمی کو قاضی بنایا جاسکتا ہے۔

اور شرط استحسانی یہ ہے کہ عدالت ہو، فاسق آدمی کو جمہور علماء کے نزدیک قاضی بنانا جائز نہیں ہے، حنفیہ کے یہاں نوادر کی روایت تو یہی ہے لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ فاسق کو قاضی بنایا جاسکتا ہے، امام غزالی نے لکھا ہے جیسا کہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ آج کل قاضی میں سارے شرائطِ قضاء پائے جانے مشکل ہیں، لہٰذا اگر صاحبِ شوکت سلطان کسی کو قاضی بنادے چاہے وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو اسکی قضاء معتبر ہوگی، جیسے شاہدِ فاسق کی شہادت تو نہیں مانی جائے گی لیکن کہیں باتفاق مان لی جائے تو اس صورت میں اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اہل اجتہاد میں سے ہو، امام مالک، شافعی اور احمد تو یہی فرماتے ہیں، نوادر کی ہمارے یہاں روایت یہی ہے کہ اہل اجتہاد میں سے ہو لیکن حنفیہ کا ظاہر مسلک یہ ہے کہ قاضی کا مجتہد ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ شرطِ اولویت ہے، غیر مجتہد کو بھی قاضی بنایا جاسکتا ہے اور وہ عالم سے فتویٰ معلوم کر کرکے فتویٰ دیتا رہے، اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہدایہ اور فتح القدیر میں دیکھی جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد کے بارے میں دو قول ہیں، قدوری اجتہاد کو ذکر کرتے ہیں لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ اجتہاد شرط اولویت ہے اس میں نوادر وغیرہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وقال الحسن: أخذ الله على الحكام أن لا يتبعوا الهوى ولا يخشوا الناس ولا يشتروا بآياته ثمنا قليلا ثم قرأ يا داود الآية: حسن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حکام سے یہ عہد لیا کہ وہ خواہشات کی اتباع نہ کریں اور نہ لوگوں سے ڈریں اور قرآنی آیات کے عوض میں معمولی ثمن نہ لیں۔

معلوم ہوا کہ قاضی اتباع ہویٰ نہ کرے۔

وقرأ إنا أنزلنا التوراة فيها هدى ونور، الآية: معلوم ہوا کہ منزّل کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

فحمد سليمان ولم يلم داود: اللہ نے سلیمان کی تعریف کی اور داؤد کی ملامت نہیں کی۔

ولولا ما ذكر الله من أمر هذين لرأيت أن القضاة هلكوا: اگر اللہ میاں نے سلیمان اور داؤد کا ذکر نہ کیا ہوتا تو اس صورت میں حسن بصری فرماتے ہیں کہ میرا تو خیال یہ ہے کہ قضاۃ ہلاک ہوجاتے اسلئے کہ ان کا ہر حکم تھوڑے ہی مطابق واقعہ ہوتا ہے۔

آیا ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ اختلاف مبنی ہے ایک اور مسئلہ پر، وہ یہ ہے کہ ہر حادثہ میں اللہ کی طرف سے ایک حکم معین ہوتا ہے یا مسائل اجتہادیہ میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم معین نہیں ہوتا ہے بلکہ مجتہد کا اجتہاد جہاں پہنچائے وہی حکم اسکا شرعی ہے؟ اس کے اندر دونوں قول ہیں اور ویسے اس مسئلہ کی تفصیل شرح عقائد میں دیکھی جائے۔

وقال مزاحم بن زفر: قال لنا عمر بن عبد العزيز: مزاحم بن زفر کا یہ اثر سعید بن منصور نے کتاب السنن میں ذکر کیا ہے اور عبد الرزاق اور بیہقی نے بھی اسکو دوسرے طرق سے نقل فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی کے اندر چند شرائط ہونے چاہئیں، اوّل یہ ہے کہ فہیم و سمجھدار ہو، پاگل و بے وقوف نہ ہو،

حلیم ہو، ذی حلم اور بردبار ہو جلد باز نہ ہو، عفیف ہو پاکدامن ہو، صلیب ہو سخت ہو شریعت کی متابعت کرنے کے اندر کسی کی رورعایت نہ کرتا ہو، عالم ہو، علم کے متعلق سوال کرنے والا ہو، اگر کوئی قضیہ پیش آجائے اور اس کے متعلق معلوم نہ ہو تو سکوت نہ کر بیٹھے بلکہ تحقیق کرنا چاہئے اور معلوم کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرنا چاہئے خواہ مخواہ اپنی طرف سے فیصلہ نہیں کر دینا چاہئے۔

(ص ۱۰۶۱) بَابُ رِزْقِ الْحُكَّامِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا

وَكَانَ شُرَيْحٌ الْقَاضِي يَأْخُذُ عَلَى الْقَضَاءِ أَجْرًا وَقَالَتْ عَائِشَةُ يَأْكُلُ الْوَصِيُّ بِقَدْرِ عُمَالَتِهِ وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے رزق حاکم کا مسئلہ بیان کیا ہے لیکن اچھی طرح سمجھ لو کہ دو چیزیں ہیں، ایک رزق الحاکم اور دوسرا استیجار علی الحکومۃ والقضاء۔

حاکم کا رزق یعنی بیت المال سے اسکا کھانا پینا دینا، یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ سب کا یہی مسلک ہے، مگر بعض حنابلہ نے حاجت کی قید بھی لگائی ہے اور بلاحاجت کے ان کے یہاں دو وجہیں ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ حاجت کے ساتھ بھی رزق لے سکتا ہے اور بلاحاجت کے بھی رزق لے سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ ہے استیجار علی القضاء کا، اس میں حنفیہ اور شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں کہ قاضی کو اجرت لینے کی گنجائش نہیں ہے، وہ قضاء پر اجرت نہیں لے سکتا ہے۔ اب جو بخاری نے و کان شریح یأخذ علی القضاء أجراً نقل کیا ہے اس اجر سے مراد اجرت یعنی استیجار اور معاملہ کرکے اجرت لینا مراد نہیں ہے، بلکہ بیت المال سے رزق لینا مراد ہے یعنی اپنے کھانے پینے کی چیزیں لیا کرتے تھے۔

(۷۱۶۳) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ ابْنُ أُخْتِ نَمِرٍ أَنَّ حُوَيْطِبَ بْنَ عَبْدِ الْعُزَّى أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ السَّعْدِيِّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَدِمَ عَلَى عُمَرَ فِي خِلَافَتِهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَلَمْ أُحَدَّثْ أَنَّكَ تَلِي مِنْ أَعْمَالِ النَّاسِ أَعْمَالًا فَإِذَا أُعْطِيتَ الْعُمَالَةَ كَرِهْتَهَا فَقُلْتُ بَلَى فَقَالَ عُمَرُ فَمَا تُرِيدُ إِلَى ذَلِكَ قُلْتُ إِنَّ لِي أَفْرَاسًا وَأَعْبُدًا (وَأَعْتُدًا) وَأَنَا بِخَيْرٍ وَأُرِيدُ أَنْ تَكُونَ عُمَالَتِي صَدَقَةً عَلَى الْمُسْلِمِينَ قَالَ

عُمَرُ لَا تَفعَلْ فَإِنِّي كُنْتُ أَرَدْتُ الَّذِي أَرَدْتَ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي حَتَّى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا فَقُلْتُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَإِلَّا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ

یہ حدیث رباعی ہے، اس سند میں چار صحابی ہیں، میں ماقبل میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ حضرت عمرؓ کی حدیث، حدیث العمالہ کہلاتی ہے۔

(۷۱۶۴)وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي حَتَّى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا فَقُلْتُ أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ

(ص١٠٦٢) بَابُ مَنْ قَضَى وَلَاعَنَ فِي الْمَسْجِدِ

وَلَاعَنَ عُمَرُ عِنْدَ مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَضَى شُرَيْحٌ وَالشَّعْبِيُّ وَيَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الْمَسْجِدِ وَقَضَى مَرْوَانُ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بِالْيَمِينِ عِنْدَ (عَلَى) الْمِنْبَرِ وَكَانَ الْحَسَنُ وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى يَقْضِيَانِ فِي الرَّحَبَةِ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ

حضرت امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ مسجد میں قضاء اور لعان جائز ہے۔

مسجد میں قضاء امام ابو حنیفہ، مالک، احمد اور اسحاق نے مستحب سمجھا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ غیر مسجد میں فیصلہ کرنا میرے نزدیک مستحب ہے اسلئے کہ بسا اوقات حائض اور مشرک حاضر ہوتے ہیں، امام مالک فرماتے ہیں: القضاء فی المسجد من أمر الناس قدیم، موفق نے اس پر اجماع صحابہ نقل فرمایا ہے یہی امام بخاری کی رائے ہے۔

(۷۱۶۵)حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ شَهِدْتُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَفُرِّقَ بَيْنَهُمَا

(۷۱۶۶)حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَهْلٍ أَخِي بَنِي سَاعِدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ

(ص ۱۰۶۲) بَابُ مَنْ حَكَمَ فِي الْمَسْجِدِ

حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حَدٍّ أَمَرَ أَنْ يُخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَيُقَامَ

وَقَالَ عُمَرُ أَخْرِجَاهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ

مطلب یہ ہے کہ حاکم مسجد کے اندر فیصلہ کرے گا لیکن جب اقامۃ الحد کا نمبر آئے گا تو مسجد سے باہر نکال کر حد قائم کی جائے گی، حد مسجد میں قائم نہیں کی جائے گی، حضور اکرم ﷺ سے حکیم بن حزام نے روایت نقل کی ہے نهى رسول الله ﷺ أن يستقاد في المسجد و أن تنشد فيه الأشعار، رواه أحمد و ابن حبان و الحاكم، حضرت امام ابو حنیفہ و شافعی و احمد فرماتے ہیں کہ مسجد کے اندر حد نہ قائم کرنی چاہئے، شعبی اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ جائز ہے، امام مالک فرماتے ہیں لا بأس بالضرب بالسياط اليسيرة دو چار کوڑے مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن بات یہ ہے کہ بعض آدمیوں کو تو ایک ہی کوڑے میں پیشاب نکل آتا ہے اس واسطے مسجد کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا مسجد میں نہیں مارنا چاہئے۔

(۶۷۱) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعًا قَالَ أَبِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا قَالَ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ

(۶۸۱) قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ بِالْمُصَلَّى رَوَاهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجْمِ

(ص ۱۰۶۲) بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ لِلْخُصُومِ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام کو یہ چاہئے کہ خصوم کو وعظ و نصیحت کرے کہ جو حق بات ہے اسے بیان کردو اور اللہ کے لئے ایک دوسرے کے حق پر دست درازی نہ کرو۔

(۶۹۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ

بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِي عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ (مِنْ حَقِّ) أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ

إنما أنا بشر و إنكم تختصمون إلي: لہذا سمجھ لو کہ قاضی تو ظاہر حجت کے مطابق فیصلہ کرے گا لیکن اسکے فیصلہ کی وجہ سے حرام حلال نہیں ہو سکتا ہے، حنفیہ اس کو املاک مرسلہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اور عقود و فسوخ میں احناف یوں فرماتے ہیں کہ قضاءِ قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے اگر محل میں قابلیت ہے اور قاضی کو شاہدین کے زُور کا علم نہیں ہوا ہے۔

(ص ۱۰۶۲) بَابُ الشَّهَادَةِ تَكُونُ عِنْدَ الْحَاكِمِ فِي وِلَايَتِهِ الْقَضَاءَ أَوْ قَبْلَ ذَلِكَ لِلْخَصْمِ

وَقَالَ شُرَيْحٌ الْقَاضِي وَسَأَلَهُ إِنْسَانٌ الشَّهَادَةَ فَقَالَ ائْتِ الْأَمِيرَ حَتَّى أَشْهَدَ لَكَ وَقَالَ عِكْرِمَةُ قَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا عَلَى حَدٍّ زِنًا أَوْ سَرِقَةٍ وَأَنْتَ أَمِيرٌ فَقَالَ شَهَادَتُكَ شَهَادَةُ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ عُمَرُ لَوْلَا أَنْ يَقُولَ النَّاسُ زَادَ عُمَرُ فِي كِتَابِ اللهِ لَكَتَبْتُ آيَةَ الرَّجْمِ بِيَدِي وَأَقَرَّ مَاعِزٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزِّنَا أَرْبَعًا فَأَمَرَ بِرَجْمِهِ وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدَ مَنْ حَضَرَهُ وَقَالَ حَمَّادٌ إِذَا أَقَرَّ مَرَّةً عِنْدَ الْحَاكِمِ رُجِمَ وَقَالَ الْحَكَمُ أَرْبَعًا

اگر امام کو خصم کی شہادت معلوم ہو یعنی مدعی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ مدعی جو دعویٰ کر رہا ہے وہ صحیح ہے چاہے ولایت القضاء سے پہلے اس کا علم ہوا ہو اور چاہے ولایت القضاء کے بعد علم ہوا ہو، تو آیا حاکم اپنے علم کے اعتبار سے فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت امام بخاری نے اس باب میں جو روایت اور آثار ذکر کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی حیثیت ایک شاہد کی سی ہے، البتہ اگر ایسی چیز ہو جہاں تہمت کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ ابو قتادہ کے سلب کا قصہ تھا تو اس میں فیصلہ کرتے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ویسے یہ مسئلہ اختلافیہ ہے اور اسکے متعلق ما قبل باب من رأى القاضى أن يحكم بعلمه فى أمر الناس میں کلام کیا جا چکا ہے کہ آیا قاضی اپنے علم پر فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اُس میں اور اِس میں فرق یہ ہے کہ وہاں تو مصنف نے قاضی کے علم کو مدارِ مسئلہ بنایا ہے اور یہاں حاکم کے شاہد ہونے کو مدارِ مسئلہ بنایا ہے، اگرچہ

بعض وقت دونوں جمع بھی ہو جاتے ہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، امام بخاری نے آگے چل کر اس میں پانچ چھ قول نقل کئے ہیں، میں وہیں پر ان قائلین کے ناموں کی طرف اشارہ کروں گا۔

وقال شريح القاضي: سفیان ثوری نے اپنی جامع میں اور عبد الرزاق نے المصنف میں بطریق ثوری اور معمر نقل کیا ہے وہ ابن شبرمہ سے نقل کرتے ہیں وہ شعبی سے کہ ایک آدمی نے قاضی شریح کو اپنا گواہ بنایا اور پھر قاضی شریح ہی کے پاس مقدمہ لے کر گیا تو قاضی شریح نے فرمایا ائت الأمير و أنا أشهد لک، (امیر المومنین یعنی حضرت علیؓ کے پاس چلو میں تمہاری گواہی دوں گا)، معلوم ہوا کہ قاضی شریح نے محض اپنے علم پر اعتماد کر کے فیصلہ نہیں کیا بلکہ اپنی شہادت کو ایک فرد کی شہادت شمار کیا۔

وقال عكرمة: قال عمر لعبد الرحمن بن عوف: یہ اثر سفیان ثوری نے اپنی جامع میں اور عبد الرزاق نے المصنف میں ثوری اور معمر سے نقل کیا ہے اور یہ دونوں عبد الکریم جزری سے وہ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں، اسی طرح سے امام بیہقی نے بھی سنن کبریٰ میں بطریق سفیان ثوری اس کو موصولاً روایت فرمایا ہے اس کے الفاظ ہیں. قال عمر لعبد الرحمن بن عوف أرأيت لو رأيتَ رجلاً على حد زنى أو سرقة و أنت أمير، مصنف نے ارأیت کو حذف کر دیا اور یہاں لو رأیتَ (تا کے زبر سے) جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے **اصل میں** (یعنی بخاری میں) واقع ہوا ہے مگر جو اثرِ موصول نقل کیا جاتا ہے اس میں لو رأيتُ (تا کا پیش) ہے۔

اب اس کو اگر لو رأيتَ پڑھا جائے **جیسا کہ** بخاری شریف میں واقع ہوا ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اے عبد الرحمن بن عوفؓ! اگر تم کسی آدمی کو **زنا یا سرقہ کر**تے ہوئے دیکھو اور تم امیر المؤمنین ہو تو کیا تم اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرو گے؟ تو عبد الرحمن بن عوفؓ نے جواب دیا شهادتک شهادة رجل من المسلمين، امیر المؤمنین! آپ جو دوسرے نمبر پر خلفاء راشدین میں سے ہیں آپ کی شہادت ایک مسلمان کی شہادت ہے لہٰذا اگر میں امیر ہوں گا تو میری شہادت بھی ایک مسلمان کی شہادت سمجھی جائے گی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: صدقتَ، سچ کہتے ہو۔

اور اگر لو رأيتُ ہو جیسا کہ اثرِ موصول کا مقتضٰی ہے تو اس صورت میں حضرت عمرؓ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد الرحمنؓ! یہ بتاؤ کہ اگر میں کسی کو زنا اور سرقہ کرتے ہوئے دیکھوں اور تم ہو امیر یعنی قاضی تو کیا تم تنہا

میری بات پر اعتماد کروگے؟ فرمایا شهادتک شهادة رجل من المسلمین، امیر المسلمین! آپ کی شہادت ایک مسلمان کی شہادت ہے، آپ کا امیر المؤمنین ہونا سر آنکھوں پر لیکن شاہد ہونے میں امارت المؤمنین کا کوئی دخل نہیں ہے، آپ تو ایک فرد ہیں لہٰذا آپ کی شہادت ایک فرد کی شہادت ہے تنہا آپ کی شہادت پر فیصلہ نہیں کروں گا، فرمایا: صدقت، سچ کہتے ہو۔

قال عمر: لو لا أن يقول الناس زاد عمر في كتاب الله: حضرت عمرؓ نے تنہا اپنے علم پر اعتماد کر کے کتاب اللہ میں آیت الرجم کو نہیں لکھا، یہ لکھنا جو ہوتا وہ بربنائے قراءت نہ ہوتا بلکہ بربنائے اثباتِ حکم ہوتا، اسلئے کہ یہ تو متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آیت الرجم کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

وأقرّ ماعز عند النبي صلى الله عليه وآله وسلم بالزنا أربعا: اور ماعزؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو آپ نے ان کے رجم کا حکم دے دیا اور یہ کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو گواہ بنایا ہو، معلوم ہوا کہ اگر حاکم کی خدمت میں آکر مقرّ اقرار کرلے تو اس کے اقرار پر ہی حاکم فیصلہ کر دے گا، حاضرین کو اس کے اقرار پر شاہد بنانا ضروری نہیں ہے۔

وقال حماد: إذا أقرّ مرة عند الحاكم رجم: حماد ابن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ اگر حاکم کے پاس ایک مرتبہ اقرار کرلیا تو رجم کر دیا جائے گا۔

وقال الحكم أربعا: حکم بن عتیبہ کہتے ہیں کہ چار مرتبہ اقرار کرے تب رجم کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ اختلافیہ ہے ماقبل میں میں بیان کر چکا ہوں، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں تو ایک مرتبہ اقرار کافی ہے جیسا کہ حماد بن ابی سلیمان استاذ ابی حنیفہ کا مسلک ہے، لیکن امام ابو حنیفہ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ چار مرتبہ اقرار شرط ہے جیسا کہ حکم بن عتیبہ کا مسلک ہے، پھر اس کے بعد امام ابو حنیفہ نے چار مجلس کو شرط قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ماعزؓ نے چار مرتبہ اقرار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم منھ پھیرتے رہے اور وہ چار طرف آکر اقرار کرتے رہے تو مجلسیں بدل گئیں۔

(۷۰۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ لَهُ بَيِّنَةٌ عَلَى قَتِيلٍ قَتَلَهُ فَلَهُ سَلَبُهُ فَقُمْتُ لِأَلْتَمِسَ بَيِّنَةً عَلَى قَتِيلِي (قَتِيلٍ) فَلَمْ أَرَ أَحَدًا يَشْهَدُ لِي فَجَلَسْتُ ثُمَّ بَدَا لِي فَذَكَرْتُ أَمْرَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ سِلَاحُ هَذَا الْقَتِيلِ الَّذِي يَذْكُرُ عِنْدِي قَالَ فَأَرْضِهِ مِنْهُ (مِنِّي)

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعَ أَسَدًا مِنْ أُسْدِ اللهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ قَالَ فَأَمَرَ (فَقَامَ) رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَدَّاهُ إِلَيَّ فَاشْتَرَيْتُ مِنْهُ خِرَافًا فَكَانَ أَوَّلَ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ عَنِ اللَّيْثِ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَدَّاهُ إِلَيَّ وَقَالَ أَهْلُ الْحِجَازِ الْحَاكِمُ لَا يَقْضِي بِعِلْمِهِ شَهِدَ بِذَلِكَ فِي وِلَايَتِهِ أَوْ قَبْلَهَا وَلَوْ أَقَرَّ خَصْمٌ عِنْدَهُ لِآخَرَ بِحَقٍّ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي عَلَيْهِ فِي قَوْلِ بَعْضِهِمْ حَتَّى يَدْعُوَ بِشَاهِدَيْنِ فَيُحْضِرَهُمَا إِقْرَارَهُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِرَاقِ مَا سَمِعَ أَوْ رَآهُ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ قَضَى بِهِ وَمَا كَانَ فِي غَيْرِهِ لَمْ يَقْضِ إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ وَقَالَ آخَرُونَ مِنْهُمْ بَلْ يَقْضِي بِهِ لِأَنَّهُ مُؤْتَمَنٌ وَإِنَّمَا يُرَادُ مِنَ الشَّهَادَةِ مَعْرِفَةُ الْحَقِّ فَعِلْمُهُ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَقْضِي بِعِلْمِهِ فِي الْأَمْوَالِ وَلَا يَقْضِي فِي غَيْرِهَا وَقَالَ الْقَاسِمُ لَا يَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ أَنْ يُمْضِيَ (يَقْضِيَ) قَضَاءً بِعِلْمِهِ دُونَ عِلْمِ غَيْرِهِ مَعَ أَنَّ عِلْمَهُ أَكْثَرُ مِنْ شَهَادَةِ غَيْرِهِ وَلَكِنَّ فِيهِ تَعَرُّضًا لِتُهْمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ وَإِيقَاعًا لَهُمْ فِي الظُّنُونِ وَقَدْ كَرِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظَّنَّ فَقَالَ إِنَّمَا هَذِهِ صَفِيَّةُ

قال فعلم رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فأداه إلي: فَعَلِمَ اسی طرح کشمیہنی کی روایت میں واقع ہوا ہے اور حموی کے نسخہ میں ہے فقام، مگر راجح روایتی حیثیت سے کشمیہنی کا نسخہ ہے، اور امام بخاری آگے چل کر جو ان کے نزدیک صواب ہے اس پر تنبیہ کریں گے کہ صواب فقام ہے جیسا کہ عبداللہ بن صالح کے طریق میں واقع ہوا ہے، گویا امام بخاری نے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ قتیبہ نے فَعَلِمَ کہا ہے مگر ان کے دوسرے رفیق فقام کہتے ہیں اور راجح دوسرے رفیق عبداللہ بن صالح کی روایت ہے۔

قال لي عبد الله عن الليث فقام النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فأداه إلي: امام بخاری نے عبداللہ بن صالح کی روایت یہ بتلانے کے واسطے ذکر فرمائی ہے کہ قتیبہ کی روایت میں تو فَعَلِمَ ہے اور عبداللہ بن صالح کی روایت میں فقام ہے اور صحیح عبداللہ بن صالح ہی کی روایت ہے کما فی الفتح، اور میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ علامہ ابن تیمیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جب کسی روایت میں کوئی لفظ واقع ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے وہم تو امام بخاری صواب پر تنبیہ فرمایا کرتے ہیں۔

مگر عجیب بات ہے کہ حضرتؒ امام بخاری کا استدلال قتیبہ ہی کی روایت پر منطبق ہوتا ہے فَعَلِمَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا تو مجھ کو ادا کر دیا، معلوم ہوا کہ اگر حاکم کو علم ہو جائے اور ظنون و تہمت کا اندیشہ نہ ہو تو اس صورت میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا اپنے علم پر فیصلہ نہیں کیا بلکہ جب

اس شخص نے جسکے پاس زرہ تھی اقرار کرلیا کہ یہ انہیں کی ہے حضور! انہیں راضی کر دیجئے، تو آنحضور ﷺ نے فیصلہ کیا، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے علم پر فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ مقر کے اقرار پر فیصلہ فرمایا اور حاضرین کو گواہ نہیں بنایا، معلوم ہوا کہ اشہاد علی الا قرار ضروری نہیں ہے۔

وقال أهل الحجاز الحاكم لا يقضي بعلمه: حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کی رائے ہے کہ قاضی اپنے علم پر فیصلہ نہیں کرے گا چاہے اسکو زمانۂ قضاء میں واقعہ کا علم ہوا ہو یا اس سے پہلے علم ہوا ہو، یہی امام مالک، امام محمد کا مسلک ہے اور امام احمد بن حنبل کا ظاہر مذہب اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔

ولو أقرّ عنده خصم آخر بحق في مجلس القضاء: اگر خصم نے مجلس قضاء میں اقرار کرلیا تو اس صورت میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قاضی محض اقرارِ مقر پر فیصلہ نہیں کرے گا، بلکہ دو گواہ بلوائے گا وہ اسکے اقرار کو سنیں گے پھر اسکے بعد فیصلہ کرے گا، یہ ابن قاسم، اشہب مالکی کی رائے ہے، اور بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر مجلس قضاء میں اقرار کیا ہے تو قاضی محض اقرار پر فیصلہ کردے گا، امام بخاری اپنی رائے بیان کرچکے ہیں کہ محض اقرار پر قاضی فیصلہ کردے گا اشہاد ضروری نہیں ہے۔

وقال بعض أهل العراق: فرماتے ہیں کہ بعض اہل عراق کی رائے یہ ہے کہ قاضی نے جو کچھ مجلس قضاء میں دیکھا یا سنا ہے وہاں تو وہ اپنے علم پر فیصلہ کرسکتا ہے اور غیر مجلس میں جو کچھ دیکھا یا سنا ہے وہاں اپنے علم پر فیصلہ نہیں کرسکتا ہے وہاں دو گواہوں کی ضرورت پیش آئے گی، یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین کی رائے ہے اور مالکیہ میں سے ایک جماعت مطرف، ابن ماجشون، اصبغ اور سحنون یہی فرماتے ہیں، علامہ ابن التین مالکی فرماتے ہیں وجری به العمل لوگوں کا عمل اسی بات پر جاری ہے۔

وقال آخرون منهم: بل يقضي به: دوسرے اہل عراق یعنی قاضی ابو یوسف اور ان کے متبعین اور اسی طرح حضرت امام شافعی فی قولٍ فرماتے ہیں کہ قاضی اپنے علم پر فیصلہ کرے گا چاہے قضاء کی مجلس میں اسکو علم ہوا ہو یا مجلس قضاء کے باہر علم ہوا ہو، اس واسطے کہ قاضی امین ہے اور مقصودِ شہادت معرفتِ حق ہے اور قاضی کا علم شہادت سے بڑھا ہوا ہے اسلئے کہ شہادت کے ذریعہ تو قاضی کو بالواسطہ علم حاصل ہوتا ہے اور قاضی جب بذات خود علم رکھتا ہو تو وہ علم بلاواسطہ ہوتا ہے۔

وقال بعضهم: يقضي بعلمه في الأموال: اس سے مراد امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف ہیں، اور

امام احمد کی ایک روایت ہے کہ صرف اموال کے اندر اپنے علم پر فیصلہ کر سکتا ہے غیر اموال کے اندر فیصلہ نہیں کر سکتا ہے، یہ پانچ قول ہیں اور اہل حجاز کے جو قول نقل کئے ہیں اس کا تجزیہ کیا جائے تو چھ قول بن جاتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے گول مول طور پر اس مسئلہ میں سات قول نقل کئے ہیں، گول مول کا مطلب یہ ہے کہ بس اقوال نقل کر دیئے اور قائلین نہ دارد کر دئے (۱) مطلقاً فیصلہ نہیں کر سکتا ہے (۲) مطلقاً فیصلہ کر سکتا ہے اپنے علم پر (۳) زمن قضاء میں جس کا علم ہوا ہے اس پر فیصلہ کر سکتا ہے (۴) مجلس قضاء میں جس کا علم ہوا ہے اس پر فیصلہ کر سکتا ہے (۵) اموال میں صرف فیصلہ کر سکتا ہے (۶) اموال اور قذف میں فیصلہ کر سکتا ہے، یہ بعض مالکیہ کی رائے ہے (۷) ہر شئی میں فیصلہ کر سکتا ہے سوائے حدود کے، فرماتے ہیں کہ یہی شافعیہ کا راجح قول ہے اور میں بتا چکا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی راجح قول ہے، یہی امام احمد بن حنبل کا بھی راجح قول ہے۔

وقال القاسم: لا ینبغی للحاکم أن یقضی: قاسم یوں فرماتے ہیں کہ قاضی کو محض اپنے علم پر فیصلہ نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس کا علم، غیر کی شہادت سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ شہادت سے علم بالواسطہ ہوتا ہے اور قاضی کو جو علم حاصل ہے وہ بلاواسطہ ہے، لیکن اس میں اپنے آپ کو خواہ مخواہ مسلمانوں کی نظر میں متہم کرنا اور بدگمانی میں ڈالنا ہے۔

وقد کرہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الظنّ: مصنف نے ابتداء میں جو شہادت کی بات ذکر فرمائی ہے اور قاسم کی بات جو آخر میں ذکر کی اس پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے یہ کہا تھا کہ حضرت امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ قاضی محض اپنی شہادت پر فیصلہ نہیں کرے گا، ہاں البتہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو کہ وہاں تہمت کا خطرہ نہ ہو، مشہور ہو گیا ہو اور لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو تو وہاں قاضی صاحب اپنے علم پر فیصلہ کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مصنف کا ترجمہ اگر غور کیا جائے تو مکرر ہے، **باب من رأی القاضی أن یحکم بعلمه فی أمر الناس** الخ کے ذیل میں مصنف یہ مسئلہ بیان کر آئے ہیں مگر یہ کہا جائے گا کہ یہاں پہنچ کر اسکی مزید وضاحت کی ہے اور یہاں شہادت کا لفظ ذکر دیا ہے اس لئے اب تکرار نہیں رہی، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قاضی کا علم کبھی بالواسطہ ہوتا ہے اور کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے، تو وہاں تو مصنف نے علم القاضی سے بحث کی ہے اور یہاں شہادۃ القاضی سے بحث فرمائی ہے، لہٰذا دونوں میں فرق ہے، شہادۃ القاضی میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بلاواسطہ

ہوتا ہے، اور علم القاضی کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے، تو وہ ترجمہ اعم ہوا اور یہ ترجمہ اخص ہوا لہٰذا امام بخاری پر تکرار کا اعتراض وارد نہیں ہوتا ہے۔

(۱۷۱۷)حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَلَمَّا رَجَعَتِ انْطَلَقَ مَعَهَا فَمَرَّ بِهِ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَاهُمَا فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ قَالَا سُبْحَانَ اللهِ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ* رَوَاهُ شُعَيْبٌ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَابْنُ أَبِي عَتِيقٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيٍّ يَعْنِي ابْنَ حُسَيْنٍ عَنْ صَفِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ص۱۰۶۳) بَابُ أَمْرِ الْوَالِي إِذَا وَجَّهَ أَمِيرَيْنِ إِلَى مَوْضِعٍ

أَنْ يَتَطَاوَعَا وَلَا يَتَعَاصَيَا

حاکم کو یہ چاہئے کہ جب دو امیروں کو ایک ہی جگہ امیر بنا کر بھیجے کسی مصلحت سے تو ان کو آپس میں موافقت کی فہمائش کرے اور یہ کہ ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرے۔

(۱۷۲)حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِي وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى إِنَّهُ يُصْنَعُ بِأَرْضِنَا الْبِتْعُ فَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ* وَقَالَ النَّضْرُ وَأَبُو دَاوُدَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَوَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ص۱۰۶۳) بَابُ إِجَابَةِ الْحَاكِمِ الدَّعْوَةَ

وَقَدْ أَجَابَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَبْدًا لِلْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ

حضرت امام بخاری نے یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ حاکم دعوت قبول کر سکتا ہے، جمہور علماء حنفیہ اور حنابلہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ولائم میں حاضر ہو سکتا ہے یعنی دعوت عامہ میں، اور رہ گئی دعوت خاصہ اسکے بارے میں حضرات حنفیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دعوت خاصہ میں حاضر نہیں ہونا چاہئے، اس واسطے کہ دعوت عامہ میں تہمت کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے اور دعوت خاصہ محض قاضی صاحب کے قاضی ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے تو اس

میں اتہام اور ارتشاء کا اندیشہ ہوتا ہے۔

آیا دعوت خاصہ میں عزیز و قریب سب شامل ہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف تو فرماتے ہیں کہ عزیز و قریب سب شامل ہیں لیکن امام محمد سے ایک روایت منقول ہے کہ آدمی اپنے عزیز و قریب کی دعوت خاصہ قبول کر سکتا ہے جیسے اس کا ہدیہ خاصہ لے سکتا ہے۔

رہا یہ کہ دعوت خاصہ اور دعوت عامہ میں فرق کیا ہے؟ دعوت خاصہ اور دعوت عامہ میں فرق یہ ہے کہ دعوت عامہ میں قاضی صاحب آوے یا نہ آوے دعوت ہونی ہے جیسے ولیمہ میں ہوتا ہے، اور دعوت خاصہ وہ دعوت کہلاتی ہے کہ جہاں قاضی صاحب کے آنے پر تو دعوت ہو اور اگر ان کے آنے کے متعلق معلوم ہو گیا کہ وہ ملتوی ہے تو دعوت بھی ملتوی ہو جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ صرف دعوتِ ولیمہ میں حاضر ہونا چاہئے اور وہ بھی قاضی صاحب کو جانے کے بعد اختیار ہے چاہے کھائیں یا نہ کھائیں اور بہتر یہ ہے کہ نہ کھائیں، امام مالک ان چیزوں میں بہت محتاط پہلو پسند فرماتے تھے۔

(۱۷۴۳) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ

(ص ۱۰۶۴) بَابُ هَدَايَا الْعُمَّالِ

یہ ایک حدیث کا لفظ ہے جس کو امام احمد اور ابو عوانہ نے ابو حمید ساعدی سے روایت فرمایا ہے: هدايا العُمّال غلول، عمال کا ہدایا غلول ہے، لہٰذا اگر دار الخلافہ کی طرف سے عمال مقرر ہو کر خراج، جزیہ اور عشر وغیرہ وصول کرنے جائیں اور کچھ لوگ ان کی خدمت میں ہدایا بھی پیش کر دیں تو یہ ہدیہ قبول کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہے۔

آیا قاضی اور حاکم ہدیہ قبول کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حنابلہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جو پہلے سے ہدیہ نہ دیتا ہو اس کا ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے اور جو پہلے سے دیتا ہو اس کا ہدیہ قبول کر سکتے ہیں، یہی حضرات حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے، البتہ ہمارے بعض علماء یوں فرماتے ہیں کہ اپنے ذی رحم محرم کا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ

نہیں ہے کیونکہ یہ تو صلہ رحمی کی وجہ سے ہے، مگر شیخ الاسلام خواہر زادہ سے کفایہ میں نقل کیا گیا ہے کہ اگر عزیز و قریب پہلے سے ہدیہ دینے کا عادی نہ ہو اور حاکم اور والی بن جانے کے بعد ہدیہ دینے لگے تو وہ اور اجنبی برابر ہیں، اسی طرح اگر حاکم اور والی ہونے کے بعد وہ شخص جس کی عادت ہدیہ دینے کی ہے ہدیہ میں اضافہ کردے تو یہ تہمت کی جگہ ہے زائد مقدار کے قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ غور کرو تو سارا ہی تہمت میں داخل ہو گیا نہ زائد قبول کرے اور نہ قلیل۔

(۷۱۷۴)حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي أَسْدٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْأُتْبِيَّةِ (اللُّتْبِيَّةِ) عَلَى صَدَقَةٍ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سُفْيَانُ أَيْضًا فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ الْعَامِلِ نَبْعَثُهُ فَيَأْتِي يَقُولُ هَذَا لَكَ وَهَذَا لِي فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَيَنْظُرُ أَيُهْدَى لَهُ أَمْ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْتِي بِشَيْءٍ إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ (جُؤَارٌ) أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا قَالَ سُفْيَانُ قَصَّهُ عَلَيْنَا الزُّهْرِيُّ وَزَادَ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعَ أُذُنَايَ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنِي وَسَلُوا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ سَمِعَهُ مَعِي وَلَمْ يَقُلِ الزُّهْرِيُّ سَمِعَ أُذُنِي *[خُوَارٌ] صَوْتٌ وَالْجُؤَارُ مِنْ [تَجْأَرُونَ] كَصَوْتِ الْبَقَرَةِ۔

(ص ۱۰۶۴) بَابُ اسْتِقْضَاءِ الْمَوَالِي وَاسْتِعْمَالِهِمْ

موالی جمع ہے مولیٰ کی اور مولیٰ کہتے ہیں آزاد کردہ غلام کو، لفظ موالی عام طور سے عجمیوں پر بولا جاتا ہے، چونکہ عامۃً اعاجم عربوں کے حملہ کے بعد عربوں کے قبضہ میں آئے اور غلام بنے اور پھر انہوں نے آزاد کیا۔

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ غیر قریشی کو قاضی بنایا جاسکتا ہے، امارت عظمیٰ کے لئے تو قریشی ہونا شرط ہے لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الأئمة من قريش، لیکن امارت عظمیٰ کے علاوہ باقی اور چیزوں میں قریشی ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا جامع مسجد کا امام غیر قریشی ہو سکتا ہے چاہے کتنی ہی چھوٹی برادری کا آدمی سمجھا جاتا ہو، اور اسی طرح سے شہر کا قاضی غیر قریشی ہو سکتا ہے چاہے وہ کتنی ہی نیچی برادری کا ہو اگر اسکو قضاء کا علم ہے۔

واستعمالهم: اور انکو عامل بنانا، یعنی اسی طرح غیر قریشی کو عامل بھی بنایا جاسکتا ہے، کسی جگہ کا گورنر بنایا جاسکتا ہے، صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا جاسکتا ہے۔

(۷۱۷۵) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ يَؤُمُّ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَأَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَبُو سَلَمَةَ وَزَيْدٌ وَعَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ

كان سالم مولى أبي حذيفة يؤم المهاجرين الأولين: مطلب یہ ہے کہ جب بعد میں ابو بکرؓ وعمرؓ آگئے تب تک ان کی امامت کا سلسلہ جاری رہا حتی کہ ابو بکر وعمرؓ نے بھی ان کا اقتداء کیا۔

(ص ۱۰۶۴) بَابُ الْعُرَفَاءِ لِلنَّاسِ

عرفاء جمع ہے عریف کی اور عریف کہتے ہیں چودھری کو، اگر لوگوں کے لئے چودھری مقرر کر دیئے جائیں تو سنت میں اسکی اصل موجود ہے، باقی ابوداوٗد کی ایک حدیث میں جو یہ وارد ہوا ہے **العرافة حق ولا بد للناس من عرفاء والعرفاء في النار**، یہ حدیث اول تو ضعیف ہے اور اگر اسکو ثابت مان لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور سے چودھری صاحبان ظلم وزیادتی کرتے ہیں اس لئے جہنم میں جائیں گے۔

(۷۱۷۶/۷۱۷۷) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَمِّهِ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حِينَ أَذِنَ لَهُمُ الْمُسْلِمُونَ فِي عِتْقِ سَبْيِ هَوَازِنَ إِنِّي لَا أَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ فَرَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ النَّاسَ قَدْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا

(ص ۱۰۶۴) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ثَنَاءِ السُّلْطَانِ وَإِذَا خَرَجَ قَالَ غَيْرَ ذَلِكَ

فرماتے ہیں کہ بادشاہ کے سامنے تو تعریف کرے اور پیٹھ پیچھے کرے اس کی برائی، یہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، لوگوں کی عادت ہے کہ حکام اور امراء کے سامنے تو تعریف کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے برائی کرتے ہیں، بلکہ لوگ علماء کے سامنے ان کی تعریف کرتے ہیں کہ جناب! تم نے تو بڑا کام کیا اور پیٹھ پیچھے کہتے ہیں کہ ذرا:

دیکھو ان مولویوں کو کہ دماغ خراب ہو گئے ہیں زکاۃ کا مال کھا کھا کر۔

(۷۱۷۸) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أُنَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ إِنَّا نَدْخُلُ عَلَى سُلْطَانِنَا فَنَقُولُ لَهُمْ خِلَافَ (بِخِلَافِ) مَا نَتَكَلَّمُ إِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمْ قَالَ كُنَّا نَعُدُّهَا (نَعُدُّ هَذَا) نِفَاقًا

(۷۱۷۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ

ذو وجھین: دورویہ آدمی، جہاں جیسی بات دیکھی کر دی۔

(ص ۱۰۶۴) بَابُ الْقَضَاءِ عَلَى الْغَائِبِ

اگر مدعا علیہ خصم غائب ہو تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف مدعی کے گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حضرات ائمہ ثلاثہ تو فرماتے ہیں کہ جائز ہے، حنفیہ اور امام احمد ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے مجوزین کی تائید میں ہند کا قصہ پیش کیا ہے انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہے مجھے ضرورت پڑتی ہے تو کیا میں ان کا مال لے لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خذی مایکفیک وولدک بالمعروف، حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا علی وجہ الافتاء تھا، خود حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: لاتقض بین اثنین حتی تسمع کلام الآخر، رواہ ابوداؤد والترمذی، دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کی بات نہ سن لینا، اسلئے کہ کیا پتہ کہ مدعا علیہ خصم کے شاہدین پر کوئی نقد اور تبصرہ کر دے اور یہ کہہ دے کہ یہ قابل شہادت نہیں ہے مشکوک ہے، لہٰذا دوسرے خصم کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔

اور بالفرض ابوسفیان کے واقعہ کو قضاء پر محمول ہی کر لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ ان کے متعلق یہ شہرت تھی کہ وہ آل واولاد اور بیوی بچوں پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں تنگی کرتے ہیں، اس شہرت کی وجہ سے سرکار دوعالم ﷺ نے ان کی عدم موجودگی میں محض بیوی صاحبہ کے بیان پر اعتماد کر کے فیصلہ کر دیا تو یہ قضاء

القاضی کے علم ہی کے قبیل سے ہے جیسا کہ خود بخاری ما قبل میں اس پر تنبیہ کر آئے ہیں۔

(۷۱۸۰)حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ هِنْدَ (هِنْدًا) قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ فَأَحْتَاجُ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ قَالَ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ

(ص ۱۰۶۴) بَابُ مَنْ قُضِيَ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذْهُ

فَإِنَّ قَضَاءَ الْحَاكِمِ لَا يُحِلُّ حَرَامًا وَلَا يُحَرِّمُ حَلَالًا

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ محض قاضی صاحب کے فیصلہ پر اعتماد کر کے کوئی چیز نہ حلال ہو سکتی ہے نہ حرام ہو سکتی ہے، لہٰذا اگر قاضی صاحب نے گواہوں کی گواہی پر اعتماد کر کے فیصلہ کر دیا اور مدعی صاحب کے حق میں فیصلہ ہو گیا اور واقع میں گواہ جھوٹے ہیں اور مدعی صاحب کا دعویٰ جھوٹا ہے تو محض قاضی صاحب کے فیصلہ کی وجہ سے وہ چیز حلال نہیں ہو گی۔

جمہور علماء تو اس قانون کو بالکل عام سمجھتے ہیں چاہے ان کا تعلق املاک مرسلہ سے ہو اور چاہے وہ عقود و فسوخ سے ہو۔

حضرات حنفیہ اسکو املاک مرسلہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور ان عقود و فسوخ کے ساتھ جہاں محل میں صلاحیت نہ ہو یا قاضی کو شاہدین کا کذب معلوم ہو جائے، اور اگر قاضی کو شاہدین کا کذب معلوم نہ ہو اور محل میں صلاحیت ہو تو اس صورت میں حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ قاضی کی شہادت ظاہراً و باطناً نافذ ہو جائے گی جیسا کہ ما قبل میں بیان کر چکا ہوں۔

(۷۱۸۱)حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَمِعَ خُصُومَةً بِبَابِ حُجْرَتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَأَقْضِي لَهُ بِذَلِكَ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا

(۷۱۸۲)حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ

زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَامَ إِلَيْهِ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَتَسَاوَقَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ احْتَجِبِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ تَعَالَى

(ص ۱۰۶۵) بَابُ الْحُكْمِ فِي الْبِئْرِ وَنَحْوِهِ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ فیصلہ کے لئے کوئی خاص چیز ضروری نہیں ہے جس چیز کا مقدمہ پیش کیا جائے قاضی صاحب اس میں فیصلہ کریں گے، کنواں ہو یا غسل خانہ ہو یا اور کوئی چیز ہو۔

(۱۸۳۷) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ **قَالَ** عَبْدُ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ (يَقْتَطِعُ بِهَا) مَالًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ **إِلَّا** لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ الْآيَةَ فَجَاءَ الْأَشْعَثُ وَعَبْدُ اللهِ يُحَدِّثُهُمْ فَقَالَ فِيَّ نَزَلَتْ وَفِي رَجُلٍ خَاصَمْتُهُ فِي بِئْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ فَلْيَحْلِفْ قُلْتُ إِذًا يَحْلِفُ فَنَزَلَتْ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ﴾ الْآيَةَ

لا يحلف على يمين صبر: یمین صبر قاضی کی مجلس میں کھڑے ہو کر قسم کھانا، صبر کے معنی حبس کے ہیں کیونکہ قسم کھانے والا اپنے آپ کو قاضی کی مجلس میں روک کر قسم کھاتا ہے اور جھوٹی قسم کھاتا ہے اسلئے کہ اسکو یمین صبر کہا جاتا ہے خواہ مخواہ اپنے آپ کو اس پر روکتا ہے۔

(ص ۱۰۶۵) بَابُ الْقَضَاءِ فِي قَلِيلِ الْمَالِ وَكَثِيرِهِ سَوَاءٌ

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ الْقَضَاءُ فِي قَلِيلِ الْمَالِ وَكَثِيرِهِ سَوَاءٌ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ مال قلیل اور مال کثیر میں فیصلہ کرنے میں کوئی تفصیل اور تفریق نہیں ہے، قاضی کے یہاں جو مقدمہ پیش کیا جائے گا قاضی فیصلہ کرے گا، بعض قاضیوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی بڑا

مقدمہ آئے تب تو خود فیصلہ کرتے تھے اور اگر چھوٹا مقدمہ آئے تو اپنے نائب کے حوالہ کر دیتے تھے، حضرت امام بخاری نے ان کی تردید فرمائی ہے۔

(۷۱۸۴ / ۷۱۸۵) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَبَةَ خِصَامٍ عِنْدَ بَابِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ (إِلَيْهِمْ) فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضًا أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ أَقْضِي لَهُ بِذَلِكَ وَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَدَعْهَا

(ص۱۰۶۵) بَابُ بَيْعِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ أَمْوَالَهُمْ وَضِيَاعَهُمْ

وَقَدْ بَاعَ النَّبِيُّ ﷺ مُدَبَّرًا مِنْ نُعَيْمِ بْنِ النَّحَّامِ

حضرت امام بخاری کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے ذمہ کوئی حق واجب ہو اور وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہو تو اس صورت میں قاضی اس کے مال کو یا اس کی زمین کو فروخت کر کے لوگوں کے حقوق ادا کر سکتا ہے۔

اگر آدمی لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے اور ادا نہیں کرتا ہے تو کیا قاضی اس کے مال یا اس کی زمین کو فروخت کر کے خود حق ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ تو فرماتے ہیں کہ کر سکتا ہے، یہی صاحبین کا مسلک ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قاضی خود اسکو مجبور کرے گا کہ وہ فروخت کرے قاضی فروخت نہیں کرے گا۔

اسی طرح سے ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ اگر آدمی سفیہ ہو تو کیا قاضی صاحب اس کے مال کو فروخت کر کے اسکو محفوظ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین تو کہتے ہیں کہ فروخت کر سکتا ہے، امام ابو حنیفہ اس مسئلہ میں مخالفت کرتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرات جمہور تو حظر علی السفیہ کے قائل ہیں اور حضرت امام اعظم انکار کرتے ہیں، مسئلہ کی تفصیل جلد اوّل صفحہ نمبر ۲۲۳ پر گزر چکی ہے۔

نعیم بن النحّام: بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابن کا لفظ زائد ہے کیونکہ نحام، نعیم کی صفت ہے، نحام نحمہ سے ماخوذ ہے اور نحمہ کہتے ہیں اس کھانسی کو جس کی آواز پیٹ سے نکلتی ہو، حضور ﷺ نے ان کا نحمہ یعنی کھانسنے کی آواز جنت میں سنی تھی اس لئے نعیم نحام کہلائے جانے لگے، عرب کا دستور یہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی

خاص وصف آ جائے تو وہ وصف نام پر غالب ہو جاتا ہے، ایک عالم کالقب ہے حُو حُو، میرا خیال ہے کہ حو حو کرتے رہتے ہوں گے انکالقب ہی حو حو پڑ گیا، علامہ راغب طباخ کالقب طباخ ہے حالانکہ بہت بڑے عالم ہیں اور انہوں نے حلب شحبہ کی تاریخ لکھی ہے۔

(۱۸۶ک)حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ (عَنْ دَيْنٍ) لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَاعَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ ثُمَّ أَرْسَلَ بِثَمَنِهِ إِلَيْهِ

(ص ۱۰٦٦) بَابُ مَنْ لَمْ يَكْتَرِثْ لِطَعْنِ مَنْ لَا يَعْلَمُ فِي الْأُمَرَاءِ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر امراء میں لوگ خواہ مخواہ بلاوجہ اور بلا سبب کے طعن و تشنیع کریں تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہئے، لوگوں کی تو عادت ہی ہے کہ خواہ مخواہ تبصرہ کرتے ہیں کہ فلاں کو امیر بنا دیا بھلا اس کی عمر تھی؟ جب بخاری شریف میرے یہاں منتقل ہو کر آئی تو عمر کم تھی ۳۳ سال کی عمر تھی، دو عالم آئے میرے پاس اور دونوں سن رسیدہ تھے، باتیں کرنی شروع کر دیں، میری طبیعت خراب تھی اور میں مطالعہ میں بھی مصروف تھا، ایک صاحب ان کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ کوئی حرج تو ہے نہیں لیکن عمر بہت کم ہے، میں نے کہا کہ حافظ ابو طاہر سِلَفی نے جب حدیث پڑھائی ہے تو سولہ سال کی عمر تھی اور بقولے انہوں نے اسی سال سے زائد حدیث پڑھائی ہے، آپ واقف بھی ہیں ابو طاہر سِلَفی کون ہیں؟ کہا کہ ہاں! واقف ہوں تو میں نے کہا کہ ذرا بتایئے کون ہے ابو طاہر سِلَفی؟ اب آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، تو وہ جو دوسرے صاحب بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب! کیا تمہاری عادت ہے بک بک کرنے کی، چپ رہو، مجھے بھی تیزی آ گئی تھی میں بھی تو ملّا قسم کا آدمی ہوں۔

وہ عالم ایک مرتبہ آئے، انہوں نے ایک کتاب میں ایک مضمون لکھا تھا، حضرت ناظم صاحب کے دروازہ کے پاس کھڑے تھے، میں نے انہیں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ آپ نے جو مضمون لکھا ہے اور فلاں روایت کا جو حوالہ دیا ہے وہ جناب نبوت کے مقام رفیع سے گھٹی ہوئی روایت ہے، اور اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے جیسا کہ ابن جوزی نے تصریح کی ہے اور علامہ ابن عراق علامہ سیوطی نے موافقت کی ہے، اب وہ مجھے تاکنے

لگے پھر وہ مجھ سے اتنا ڈرنے لگے کہ چپکے ایک طرف کو ہو جاتے ہیں۔

(۷۱۸۷)حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطُعِنَ فِي إِمَارَتِهِ فَقَالَ إِنْ تَطْعَنُوا (تَطْعُنُوا) فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ (تَطْعُنُونَ) فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلِهِ وَايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمْرَةِ (لِلْإِمَارَةِ) وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ

(ص۱۰۶۶) بَابُ الْأَلَدِّ الْخَصِمِ

وَهُوَ الدَّائِمُ فِي الْخُصُومَةِ، لُدًّا عُوجًا

حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آدمی کو ہمیشہ مقدمہ بازی کرنے اور خصومت سے پرہیز کرنا چاہئے، شریعت میں ایسا شخص مذموم قرار دیا گیا ہے، اب اس سے غور کرلیں کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ خواہ مخواہ لڑتے ہی رہتے ہیں۔

(۷۱۸۸)حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ

الألدّ الخصم: سخت جھگڑالو۔

(ص۱۰۶۶) بَابُ إِذَا قَضَى الْحَاكِمُ بِجَوْرٍ أَوْ خِلَافِ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهُوَ رَدٌّ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر حاکم کا فتویٰ ظلم پر مبنی ہو یا اہل علم کے قول کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے، اس ترجمۃ الباب کی غرض ظاہر ہے، حاصل یہ ہے کہ قضاءِ حاکم اگر مبنی بر ظلم ہو یا علماء کے قول کے خلاف ہو تو قاضی کا یہ فیصلہ مردود ہے۔

حضرت امام بخاری نے کتاب الاعتصام میں صفحہ ۱۰۹۲ پر ایک ترجمہ منعقد کیا ہے باب إذا اجتهد العالم أو الحاكم فأخطأ خلاف رسول الله ﷺ من غير علم فهو مردود، سوال یہ ہے کہ دونوں ترجموں میں کیا فرق ہے؟ حافظ ابن حجر عسقلانی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے کتاب القضاء میں جو ترجمہ

منعقد فرمایا وہ تو یہ بتلانے کے واسطے منعقد کیا ہے کہ اجماع کے خلاف جو قول ہو گا وہ مردود ہو گا، اور کتاب لاعتصام میں جو باب منعقد فرمایا ہے اس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ رسول کے خلاف جو فیصلہ ہو وہ مردود ہے۔

عبد ضعیف کی رائے یہ ہے کہ دونوں ترجموں کی غرض اسکے خلاف ہے، حضرت امام بخاری کتاب الاحکام کے اِس ترجمہ یعنی باب إذا قضى الحاكم بجور الخ سے تو یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قضاءِ قاضی اور حاکم کا فیصلہ اگر مبنی بر ظلم ہو یا اہل علم کے فتوے کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے، اور کتاب لاعتصام میں جو ترجمہ منعقد فرمایا ہے وہاں مقصود یہ ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اگر نص کے خلاف ہو، رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد اور احادیث کے خلاف ہو، غیر مستند الی نص الشارع ہو تو وہ مردود ہے۔

اور یہ جو غرض ہم نے الگ الگ بیان کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب الاحکام چل رہی ہے اس کے مناسب مسئلہ قضاء ہے، اور وہ کتاب الاعتصام ہے اسکے مناسب مسئلہ اجتہاد ہے اور لفظ بھی دونوں جگہ الگ الگ ہیں، یہاں تو کہتے ہیں إذا قضى الحاكم اور وہاں کہتے ہیں إذا اجتهد العالم الخ۔

یہ ہے امام بخاری کی غرض، باقی حافظ صاحب نے جو غرض بیان کی ہے معلوم نہیں کہاں سے بیان کی؟

(۷۱۸۹) حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدًا ح وَحَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ فَلَمْ يُحْسِنُوا أَنْ يَقُولُوا أَسْلَمْنَا فَقَالُوا صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيرَهُ فَأَمَرَ كُلَّ رَجُلٍ مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ أَسِيرَهُ فَقُلْتُ وَاللهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ مَرَّتَيْنِ

(ص ۱۰۶۶) بَابُ الْإِمَامِ يَأْتِي قَوْمًا فَيُصْلِحُ بَيْنَهُمْ

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر امام یا قاضی خود جا کر موقع پر صلح کرا دے تو یہ اس کی شان اور منصبِ امارت کے خلاف نہیں ہے، امام بخاری نے کتاب الصلح صفحہ ۳۷۰ پر ایک ترجمہ منعقد کیا ہے باب خروج الإمام إلى المواضع ليصلح، وہاں کتاب الصلح کی مناسبت سے اور یہاں کتاب الاحکام کی مناسبت سے ہے۔

(۷۱۹۰) حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْمَدِينِيُّ (الْمَدَنِيُّ) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ

السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ قِتَالٌ بَيْنَ بَنِي عَمْرٍو فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَتَاهُمْ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فَلَمَّا حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَأَذَّنَ بِلَالٌ وَأَقَامَ وَأَمَرَ أَبَا بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ وَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ فَشَقَّ النَّاسَ حَتَّى قَامَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ فِي الصَّفِّ الَّذِي يَلِيهِ قَالَ وَصَفَّحَ الْقَوْمُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَلْتَفِتْ حَتَّى يَفْرُغَ فَلَمَّا رَأَى التَّصْفِيحَ لَا يُمْسَكُ عَلَيْهِ الْتَفَتَ فَرَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ أَنِ امْضِهْ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ هٰكَذَا وَلَبِثَ أَبُو بَكْرٍ هُنَيَّةً يَحْمَدُ (فَحَمِدَ) اللهَ عَلَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَشَى الْقَهْقَرَى فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ إِذْ أَوْمَأْتُ إِلَيْكَ أَنْ لَا تَكُونَ مَضَيْتَ قَالَ لَمْ يَكُنْ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يَؤُمَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لِلْقَوْمِ إِذَا نَابَكُمْ (رَابَكُمْ) أَمْرٌ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ وَلْيُصَفِّحِ النِّسَاءُ

مر أبابکر: یہ لفظ مر أبابکر اسی طریق میں وارد ہوا ہے۔

(ص ۱۰۶۶) بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ لِلْكَاتِبِ أَنْ يَكُونَ أَمِينًا عَاقِلًا

قاضی کے لئے مناسب یہ ہے کہ ایک امین رکھ لے جو اس کے فیصلے وغیرہ لکھا کرے، قاضی خود بھی لکھ سکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ایک امین ہونا چاہئے تا کہ قاضی دوسرے کام کے لئے فارغ رہے، یہ کاتب امانتدار ہونا چاہئے اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ اس میں اختلاف ہے کہ مسلم عادل ہونا چاہئے یا نہیں؟ حنابلہ فرماتے ہیں کہ مسلم عادل ہونا چاہئے، مختصر خلیل سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، اور شافعیہ کے یہاں دو وجہیں ہیں، راجح اسلام کی شرط ہے اور یہی امام بیہقی نے اختیار کی ہے، اور امام نووی نے نہایہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں مایستحب کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر امین اور غیر عاقل ہو اسے بھی کاتب بنایا جاسکتا ہے، شاید امام بخاری کے پیش نظر یہ ہو کہ چونکہ فیصلہ قاضی کے سامنے گزرے گا اس لئے کاتب اگر کچھ خیانت کرے گا تو اس کو پتہ چل جائے گا لہٰذا جیسا بھی کاتب رکھ لیا جائے جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ امانت دار ہو، مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ امانت دار ہو عادل ہو فإن الكتابة موضع أمانة۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو عبداللہ بن مسعودؓ نے نصرانی کاتب رکھا تھا رواہ ابن ابی شیبہ،

لیکن بیہقی کی روایت میں ہے کہ ابن عمرؓ نے ابو موسی اشعریؓ پر نکیر کی کہ جو اللہ کے یہاں معتبر نہیں اس پر تم کیسے اعتماد کرتے ہو۔

(۷۱۹۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ أَبُو ثَابِتٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَعَثَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ لِمَقْتَلِ (مَقْتَل) أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا فَيَذْهَبَ قُرْآنٌ كَثِيرٌ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِي ذَلِكَ حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ عُمَرَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَإِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ قَالَ زَيْدٌ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفَنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ بِأَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا كَلَّفَنِي مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ يَحُثُّ مُرَاجَعَتِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَيَا فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ فَوَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ إِلَى آخِرِهَا مَعَ خُزَيْمَةَ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ فَأَلْحَقْتُهَا فِي سُورَتِهَا وَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَيَاتَهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ اللِّخَافُ يَعْنِي الْخَزَفَ

روایت میں حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں جمع قرآن کا تذکرہ ہے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی بعد میں جمع قرآن ہوا ہے، دونوں کی صورت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قرآن پاک کو یکجائی طور پر جمع کیا گیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں ترتیب کا لحاظ فرمایا اور جس لسان پر اترا تھا اسکا خاص لحاظ کیا گیا، اس لئے کہ قرآن شریف لسان قریش پر نازل ہوا تھا، مگر عرب وسیع ملک ہے اور وہاں کے لہجے، انداز اور لغات مختلف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے وسعت کے لئے سات احرف پر پڑھنے کی اجازت دی تھی، اس کے بعد جب اس کی ضرورت نہیں رہی تو اس کو ختم کر دیا گیا اور لسان قریش پر جمع کیا گیا تاکہ لوگوں کا اختلاف ختم ہو جائے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ احرف سبعہ پورے قرآن پاک میں منتشر ہیں اور حضرت عثمانؓ نے موجودہ ترتیب پر جمع کرایا تھا اس لئے کہ یہی اس کی اصل ترتیب ہے، اور متقدمین علماء فرماتے ہیں کہ سارے قرآن کی

ترتیب چاہے آیات ہوں چاہے سورتیں ہوں توقیفی ہے، صرف سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب اجتہادی ہے، مسئلہ کی وضاحت کتاب فضائل القرآن میں گزر چکی ہے۔

(ص۱۰۶۷) بَابُ كِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عُمَّالِهِ وَالْقَاضِي إِلَى أُمَنَائِهِ

حضرت امام بخاری کا مقصد ظاہر ہے یعنی اگر حاکم اپنے ماتحت حکام کو خط لکھے یا قاضی اپنے امین کے نام تو یہ خطوط معتبر ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، مگر مصنف نے جو روایت ذکر کی ہے اس سے ان کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوتا ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے نہ تو اپنے نائب کو خط لکھا تھا اور نہ امین کو، بلکہ آپ نے تو خصوم کو خط لکھا تھا، مگر مصنف کا ترجمہ بطریق اولویت ثابت ہوتا ہے کہ جب آدمی خصوم کو خط لکھ سکتا ہے اور وہ معتبر ہے تو اپنے نائبین اور عمال کو بدرجۂ اولیٰ لکھ سکتا ہے اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۷۱۹۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي لَيْلَى ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي لَيْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ هُوَ وَرِجَالٌ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ فَأُخْبِرَ مُحَيِّصَةُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي فَقِيرٍ أَوْ عَيْنٍ فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ أَنْتُمْ وَاللهِ قَتَلْتُمُوهُ قَالُوا مَا قَتَلْنَاهُ وَاللهِ ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُمْ وَأَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ فَذَهَبَ لِيَتَكَلَّمَ وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُحَيِّصَةَ كَبِّرْ كَبِّرْ يُرِيدُ السِّنَّ فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ فَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ بِهِ فَكُتِبَ (فَكَتَبُوا) مَا قَتَلْنَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ قَالُوا لَا قَالَ أَفَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ قَالُوا لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ مِائَةَ نَاقَةٍ حَتَّى أُدْخِلَتِ الدَّارَ قَالَ سَهْلٌ فَرَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ

(ص۱۰۶۷) بَابُ هَلْ يَجُوزُ لِلْحَاكِمِ أَنْ يَبْعَثَ رَجُلًا وَحْدَهُ لِلنَّظَرِ فِي الْأُمُورِ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ کسی بات کی تحقیق کے لئے حاکم تنہا کسی ایک شخص کو بھیج سکتا ہے؟

مصنف نے جو روایت پیش کی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بھیج سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود مصنف نے فیصلہ نہیں کیا اس واسطے کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بس جیسا موقع ہو، مصالح کا تقاضا ہو ویسا کرنا چاہئے، اگر ایک آدمی پر اعتماد ہو اور تہمت وغیرہ کا خطرہ نہ ہو تو ایک آدمی بھیجا جاسکتا ہے، اور اگر یہ خطرہ ہو کہ ایک آدمی معلوم نہیں کیا کر گزرے اور کس اشتباہ میں ڈال دے اس لئے اسکے ساتھ ایک اور آدمی کر دینا چاہئے تاکہ مغالطہ میں نہ پڑ جائے یا وہ کوئی گڑبڑ نہ کرلے۔

یہاں پر ایک تقریر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کی ہے کہ امام بخاری نے یہاں امام محمد کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قاضی أقر عندی فلان بكذا کہہ ہی نہیں سکتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرا آدمی گواہی نہ دے، امام بخاری بتلانا چاہتے ہیں کہ صرف ایک آدمی کا اقرار کافی ہے، یہ مسئلہ حافظ صاحب نے بے جگہ ذکر دیا ہے، یہ تو ما قبل میں بیان ہو چکا ہے، یہاں اقرار فی مجلس القاضی کا مسئلہ چل ہی نہیں رہا ہے، یہاں تو مسئلہ چل رہا ہے کہ حاکم تحقیق حال کے لئے کیا ایک تنہا آدمی کو بھیج سکتا ہے نہیں؟

(۷۱۹۳/۷۱۹۴) حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَا جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ صَدَقَ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَقَالُوا لِي عَلَى ابْنِكَ الرَّجْمُ فَفَدَيْتُ ابْنِي مِنْهُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَقَالُوا إِنَّمَا عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ لِرَجُلٍ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَرَجَمَهَا

(ص ۱۰۶۸) بَابُ تَرْجَمَةِ الْحُكَّامِ وَهَلْ يَجُوزُ تَرْجُمَانٌ وَاحِدٌ

ترجمہ کہتے ہیں التعبير بلغة عن لغة ایک لغت کو دوسری لغت میں تعبیر کرنا، حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ اختلافیہ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حاکم بعض وقت خصوم کی زبان سے ناواقف ہوتا ہے ترجمان کی ضرورت پڑتی ہے، تو کیا ایک ترجمان کافی ہے یا دو ہونے ضروری ہیں؟ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایک ترجمان کافی ہے اسی کو امام ابن منذر اور امام بخاری نے اختیار کیا ہے، امام احمد کی یہی ایک روایت

حافظ صاحب کے کلام سے معلوم ہوتی ہے، اور مالکیہ کی بھی ایک روایت ہے، امام شافعی اور امام محمد فرماتے ہیں کہ دو ترجمان ضروری ہیں، یہی حضرت امام احمد کی دوسری روایت ہے جس کو امام ابو القاسم حنبلی نے اختیار کیا ہے، اور علامہ عینی نے مالکیہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ ایک ثقہ مسلم کافی ہے لیکن اگر دو ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

(۷۱۹۵) وَقَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يَتَعَلَّمَ كِتَابَ الْيَهُودِ حَتَّى كَتَبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُتُبَهُ وَأَقْرَأْتُهُ كُتُبَهُمْ إِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ وَقَالَ عُمَرُ وَعِنْدَهُ عَلِيٌّ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ وَعُثْمَانُ مَاذَا تَقُولُ هَذِهِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَاطِبٍ فَقُلْتُ تُخْبِرُكَ بِصَاحِبِهِمَا (بِصَاحِبِهَا) الَّذِي صَنَعَ بِهِمَا (بِهَا) وَقَالَ أَبُو جَمْرَةَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ * وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا بُدَّ لِلْحَاكِمِ مِنْ مُتَرْجِمَيْنِ

وقال خارجۃ بن زید بن ثابت: یہ روایت امام بخاری نے تاریخ کبیر میں مطولاً تخریج فرمائی ہے، اس روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا اور سنن کی روایت میں ہے کہ سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سریانی اور عبرانی زبان دونوں کو سیکھنے کا حکم دیا ہو، یہودیوں کی کتاب تو عبرانی زبان میں ہے اور ممکن ہے کہ یہودی سریانی زبان بولتے ہوں، لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ عبرانی زبان بولتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ سریانی بول کر عبرانی مراد ہو، اور بہت ممکن ہے کہ ان کے یہاں عبرانی اور سریانی دونوں ہی رائج ہو۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے بروایتے پندرہ دن میں اور بروایتے سترہ دن میں یہودیوں کی زبان سیکھ لی تھی، یہ ان کے غضب کی ذہانت کی دلیل تھی۔

وقال عمر وعندہ علیؓ وعبدالرحمٰن وعثمان: سعید بن منصور اور امام شافعی وغیرہ نے یہ اثر نقل کیا ہے کہ ایک نُوبیہ عورت نے آکر یہ کہا تھا کہ میں زنا سے حامل ہوں، حضرت عمرؓ سمجھے نہیں تو عبدالرحمن بن حاطب نے ترجمانی کی، مرغوس نامی ایک غلام نے زنا کیا تھا۔

وقال بعض الناس: لابد للحاکم من مترجمین: امام بخاری فرماتے ہیں کہ دلیل سے اور سلف کے عمل سے ثابت ہے کہ ایک ترجمان کافی ہے لیکن بعض الناس کہتے ہیں کہ دو ترجمان ضروری ہیں۔

علامہ ابن مغلطایا حنفی کہتے ہیں کہ یہاں بعض الناس سے مراد امام شافعی ہیں، اور یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ بعض الناس سے مراد احناف ہی ہوتے ہیں یہ صحیح نہیں، لیکن مغلطایا نے خواہ مخواہ کی یہ تقریر کی ہے، امام

بخاری نے ساری کتاب میں جہاں کہیں بھی بعض الناس کہا ہے احناف ہی کو مراد لیا ہے، مگر یہاں بعض احناف یعنی امام محمد کے ساتھ امام شافعی بھی ہیں، روئے سخن امام محمد کی طرف کیا ہے اور ان پر اعتراض کیا ہے گو یہ اعتراض امام شافعی پر بھی پڑتا ہے، بہرحال جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ دو مترجم ضروری ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ترجمانی از باب شہادت ہے اور شہادت میں تعدد مطلوب ہے، اور جو حضرات ایک ترجمان کافی سمجھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ از باب اخبار ہے۔

علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری مسئلہ کی تحریر نہیں کر سکے اس لئے کہ اس میں تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں کہ اخبار کے وقت ایک ترجمان کافی ہے اور شہادت کے وقت دو، اصل نزاع تو اس میں ہے کہ ترجمانی از باب اخبار ہے یا از باب شہادت؟ اگر شافعی یہ تسلیم کرلیں کہ از باب اخبار ہے تو تعدد کو اختیار نہیں کریں گے اور اگر حنفی یہ تسلیم کرلیں کہ یہ شہادت ہے تو وہ تعدد کا قول اختیار کرے گا، اور جو صورتیں امام بخاری نے پیش کی ہیں وہ از باب اخبارات ہیں۔

لیکن حافظ ابن حجر نے اس مقام پر علامہ کرمانی پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور امام بخاری کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ کرمانی مطلب محرّر نہیں سمجھ سکے، امام بخاری نے ایک ترجمان کے کافی ہونے کے دلائل مرفوعہ اور آثار موقوفہ پیش کئے ہیں پھر یہ کہنا کہ بخاری مسئلہ کو محرر نہیں کرسکے کیسے صحیح ہوسکتا ہے، اور ترجمان مسلم عادل ہوتا تھا معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے ایک ترجمان ترجمانی کرے تو کافی ہے۔

(۷۱۹۶) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَقَالَ لِلتُّرْجُمَانِ (لِلتَّرْجُمَانِ) قُلْ لَهُ إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ

ثم قال لترجمانه قل لهم إني سائل هذا: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ اخذ کیا ہے، اس پر اعتراض کیا گیا کہ یہ اس شخص کا فعل ہے جو غیر مسلم تھا، مسلمان ہی کا فعل حجت نہیں تو غیر مسلم کا کیا حجت ہوگا؟ حجت تو نبی پاک ﷺ کے اقوال و افعال اور صحابہ کے اقوال و افعال ہیں، اب اس میں ہوگیا اختلاف، اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہرقل کتب سابقہ سے واقف تھا اور عالم تھا اور وہ کتب سابقہ پر عمل کرتا تھا اور امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت مانتے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ جو کچھ وہاں پیش آیا تھا وہ ابوسفیان اور

صحابہ نے نقل کیا اور ابن عباس نے جو ترجمان القرآن اور حبر الامۃ ہیں بغیر نکیر کے نقل کر دیا، نقل کرنے کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ ایک ترجمان ہماری شریعت میں کافی نہیں ہے بلکہ دو ترجمان ضروری ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہماری شریعت ایک ترجمان کو کافی سمجھتی ہے۔

(ص ۱۰٦۸) بَابُ مُحَاسَبَةِ الْإِمَامِ عُمَّالَهُ

امام بخاری کا مقصد تو ظاہر ہے یعنی امیر المؤمنین اور خلیفہ کو یہ چاہئے کہ وہ اپنے عمال کا محاسبہ کرتا رہے، کہیں وہ حد سے تجاوز نہ کریں، شریعت کے راستہ سے ہٹنے نہ پائیں، ظلم و تعدی نہ کریں اور احکام شرعیہ میں کوتاہی نہ کریں۔

(۷۱۹۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ ابْنَ الْأُتْبِيَّةِ (اللُّتْبِيَّةِ) عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ فَلَمَّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَاسَبَهُ قَالَ هَذَا الَّذِي لَكُمْ وَهَذِهِ (وَهَذَا) هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا (أَلَّا) جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْكُمْ عَلَى أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِي اللهُ فَيَأْتِي أَحَدُكُمْ (أَحَدُهُمْ) فَيَقُولُ هَذَا لَكُمْ وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا فَوَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا قَالَ هِشَامٌ بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا جَاءَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا فَلَأَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللهَ رَجُلٌ بِبَعِيرٍ لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بِبَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ

(ص ۱۰٦۸) بَابُ بِطَانَةِ الْإِمَامِ وَأَهْلِ مَشُورَتِهِ

البطانۃ الدخلاء: دخیل کی جمع ہے بمعنی رازدار۔

مَشُوْرَة: اور مَشْوَرَة دونوں جائز ہیں، بفتح المیم والواو اور بفتح المیم وضم الشین وسکون الواو۔

حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ امام کے کچھ رازدار ہونے چاہئیں جن سے وہ در پردہ مشورے بھی لیتا رہے، اس لئے کہ بعض وقت ہر بات کا علم ایک شخص کو نہیں ہو پاتا، کچھ ایسے رازدار ہونے چاہئیں جن سے

مشورے لیتا رہے، اگر بہت سے رازدار ہوں گے تو ان سے بہت سی باتوں کا علم ہو گا، احکام و مسائل میں قاضی کو مشورہ کرنا چاہئے۔

جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ قاضی و حاکم پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالے پھر سنت رسول اللہ ﷺ پر، اگر وہاں نہ ملے تو اجماع کی طرف رجوع کرے اور اگر کتاب و سنت اور اجماع امت میں کوئی تذکرہ نہ ہو تو پھر اہل علم سے مشورہ کرے اور دلائل کا استخراج کرے مگر کسی کی تقلید نہیں کریگا بلکہ جو دلیل اس کے نزدیک راجح اور ظاہر ہو گی اس کے مطابق عمل کرے گا اس لئے کہ مجتہد کو تقلید کی گنجائش نہیں ہے، مگر امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایک مجتہد اپنے سے اعلیٰ کی چاہے وہ اعلویت بعض مسائل ہی میں کیوں نہ ہو تقلید کر سکتا ہے۔

یہاں ایک اور مسئلہ بھی بیان کر دوں اور وہ یہ ہے کہ مجتہدِ افضل کے ہوتے ہوئے مجتہد مفضول کی تقلید کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ و مالک اور اکثر شافعیہ اور حنابلہ جواز کے قائل ہیں، امام احمد نے ایک روایت میں منع کیا ہے۔

آگے ایک اور مسئلہ سنو! حضور ﷺ کے حق میں مشورہ کا کیا حکم ہے؟ اس کے متعلق کلام صحیح مسلم کی کتاب الصلاۃ کی ابتداء میں اور اسی طرح صحیح بخاری کی کتاب الاذان کی ابتداء میں کر چکا ہوں اور آئندہ ان شاء اللہ اجمالی طور پر کتاب الاعتصام کے اواخر میں کروں گا۔

(۷۱۹۸) حَدَّثَنَا أَصْبَغُ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ فَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ تَعَالَى * وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ بِهَذَا وَعَنِ ابْنِ أَبِي عَتِيقٍ وَمُوسَى عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مِثْلَهُ وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَوْلَهُ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ أَبِي حُسَيْنٍ وَسَعِيدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَوْلَهُ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ حَدَّثَنِي صَفْوَانُ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ: بعض علماء فرماتے ہیں اس سے نبی اکرم ﷺ مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ آپ کے پاس بطانۂ شر تھا ہی نہیں، آپ کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا، قاعدہ تو یہ عام ہی ہے کہ اللہ نے سب کے لئے ایک بطانۂ خیر اور ایک بطانۂ شر مقرر کر دیا ہے، بطانۂ خیر تو خیر کا

حکم دیتا ہے اور بطانہ شر یعنی نفس اور شیطان تو گمراہی کاراستہ دکھاتا ہے، بطانہ خیر سے مراد ملک اور بطانہ شر سے مراد شیطان ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا اس لئے وہ آپ کو خیر ہی کا حکم دیتا تھا، حدیث میں ہے ولکن اللہ أعانني عليه فأسلم فلا يأمرني إلا بخير۔

وقال عبيد الله بن أبي جعفر: یہ تعلیق امام طبرانی نے معجم کبیر میں بطریق ابوسالم عن ابی لیث عن عبید اللہ بن ابی جعفر ذکر کی ہے۔

(ص ۱۰۶۹) بَابُ كَيْفَ يُبَايِعُ الْإِمَامُ النَّاسَ

حضرت امام بخاری کا مقصد بیعت کے صیغہ قولیہ کو بیان کرنا ہے، بیعت کے صیغہ فعلیہ کو بتلانا مقصود نہیں اور دلیل اسکی وہ روایات ہیں جو مصنف نے اس باب میں ذکر کی ہیں، چھ روایتیں مصنف نے ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ بیعت سمع وطاعت، ہجرت، جہاد، صبر، عدم الفرار پر لی جائے اور اسی طرح اور امور اسلام پر بیعت لی جائے۔

(۷۱۹۹/۷۲۰۰) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيدِ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَأَنْ نَقُومَ أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

(۷۲۰۱) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَدَاةٍ بَارِدَةٍ وَالْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ الْخَنْدَقَ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ فَأَجَابُوا نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا * عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

(۷۲۰۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتَ

(۷۲۰۳) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ شَهِدْتُ ابْنَ عُمَرَ حَيْثُ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ كَتَبَ إِنِّي أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ مَا اسْتَطَعْتُ وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِمِثْلِ ذَلِكَ

یہ حدیث امام مالک نے الموطا میں موصولاً تخریج کی ہے۔

حیث اجتمع الناس علی عبدالملک: اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو اختلاف تھا کہ عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں خلیفہ تھے اور پورے حجاز نے ان کے ہاتھ پر بیعت کررکھی تھی اور ادھر شام میں یزید خلیفہ تھا اور اس کے بعد معاویہ بن یزید خلیفہ ہوا وہ چالیس دن کے بعد مر گیا اور پھر اس کے بعد مروان نے خلافت کا دعویٰ دائر کردیا وہ بھی آٹھ مہینہ کے بعد ہلاک ہوگیا، پھر عبدالملک بن مروان اس کی جگہ آگیا یہ بڑا باقبال تھا، اس نے آہستہ آہستہ سارے علاقوں پر قبضہ کیا اور حجاج بن یوسف ثقفی کی قیادت میں ایک لشکر جرار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور جنگ ہوئی حتی کہ جمادی الاولیٰ سن ۷۳ ہجری میں علی المشہور یا جمادی الثانیہ میں بقولے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوگئے، اس کے بعد عبدالملک سے منازعت کرنے والا کوئی نہ رہا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان کو خط لکھا: إنی أقرّ بالسمع و الطاعة۔

(۷۲۰۴) حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنَنِي فِيمَا اسْتَطَعْتُ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

(۷۲۰۵) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ لَمَّا بَايَعَ النَّاسُ عَبْدَ الْمَلِكِ كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتُ وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِذَلِكَ

إلی عبداللہ عبدالملک أمیر المؤمنین: علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ تقدیر عبارت ہے مِن ابن عمر إلی عبداللہ عبدالملک، یہ صحیح نہیں، امام بخاری نے الادب المفرد میں یہ حدیث تخریج فرمائی ہے بطریق اسماعیل بن ابی اویس عن مالک اس میں یہ تصریح ہے کہ أن عبداللہ بن عمر کتب إلی عبدالملک بن مروان یبایعہ فکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لعبد الملک أمیر المؤمنین من عبداللہ بن عمر سلام علیک۔

علی سنة اللہ: سے مراد علی کتاب اللہ ہے۔

(۷۲۰۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ

حدثنا عبداللہ بن مسلمة: عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی کے طریق سے مصنف نے یہ روایت یہاں

نقل کی ہے اور قتیبہ سے یہی روایت کتاب المغازی میں ذکر کی ہے اور دونوں حاتم بن اسماعیل سے نقل کرتے ہیں۔

قال علی الموت: اسی طرح عبد اللہ بن زید بن عاصم مازنی نقل کرتے ہیں جیسا کہ کتاب الجہاد میں گزر چکا ہے، لیکن نافع کی روایت میں ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا: **بایعهم علی الموت؟ قال لا، بایعهم علی الصبر،** میں کتاب الجہاد میں بیان کرچکا ہوں کہ اس سلسلہ میں روایتوں میں لفظی اختلاف ہے اور مقصد یہ تھا کہ جم کر لڑیں گے چاہے موت ہی کیوں نہ واقع ہوجائے، اور موت پر بیعت کا مطلب بھی یہی ہے کہ کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گا چاہے موت آجائے۔

(۷۲۰۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الرَّهْطَ الَّذِينَ وَلَّاهُمْ عُمَرُ اجْتَمَعُوا فَتَشَاوَرُوا فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لَسْتُ بِالَّذِي أُنَافِسُكُمْ عَلَى (عَنْ) هَذَا الْأَمْرِ وَلَكِنَّكُمْ إِنْ شِئْتُمُ اخْتَرْتُ لَكُمْ مِنْكُمْ فَجَعَلُوا ذَلِكَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَلَمَّا وَلَّوْا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَمْرَهُمْ فَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَتَّى مَا أَرَى أَحَدًا مِنَ النَّاسِ يَتْبَعُ أُولَئِكَ الرَّهْطَ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ وَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُشَاوِرُونَهُ تِلْكَ اللَّيَالِي حَتَّى إِذَا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أَصْبَحْنَا مِنْهَا فَبَايَعْنَا عُثْمَانَ قَالَ الْمِسْوَرُ طَرَقَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بَعْدَ هَجْعٍ مِنَ اللَّيْلِ فَضَرَبَ الْبَابَ حَتَّى اسْتَيْقَظْتُ فَقَالَ أَرَاكَ نَائِمًا فَوَاللهِ مَا اكْتَحَلْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ (الثَّلَاثَ) بِكَبِيرِ (بِكَثِيرِ) نَوْمٍ انْطَلِقْ فَادْعُ الزُّبَيْرَ وَسَعْدًا فَدَعَوْتُهُمَا لَهُ فَشَاوَرَهُمَا (فَسَارَّهُمَا) ثُمَّ دَعَانِي فَقَالَ ادْعُ لِي عَلِيًّا فَدَعَوْتُهُ فَنَاجَاهُ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ مِنْ عِنْدِهِ وَهُوَ عَلَى طَمَعٍ وَقَدْ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَخْشَى مِنْ عَلِيٍّ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِي عُثْمَانَ فَدَعَوْتُهُ فَنَاجَاهُ حَتَّى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا الْمُؤَذِّنُ بِالصُّبْحِ فَلَمَّا صَلَّى لِلنَّاسِ (النَّاسُ) الصُّبْحَ وَاجْتَمَعَ أُولَئِكَ الرَّهْطُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ فَأَرْسَلَ إِلَى مَنْ كَانَ حَاضِرًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَأَرْسَلَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ وَكَانُوا وَافَوْا تِلْكَ الْحَجَّةَ مَعَ عُمَرَ فَلَمَّا اجْتَمَعُوا تَشَهَّدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ يَا عَلِيُّ إِنِّي قَدْ نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ فَلَا تَجْعَلَنَّ عَلَى نَفْسِكَ سَبِيلًا فَقَالَ أُبَايِعُكَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ فَبَايَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَبَايَعَهُ النَّاسُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ وَأُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ وَالْمُسْلِمُونَ

ولّاهم عمر اجتمعوا: حضرت عمرؓ نے اپنے آخری وقت میں جب ان کو فیروز ابولؤلؤ مجوسی نے خنجر مار دیا تھا تو مسئلہ خلافت چھ آدمیوں کے بیچ میں رکھ دیا تھا اور ان کے مشورہ پر موقوف کردیا کہ وہ آپس میں سے کسی ایک کو متعین کرلیں۔

وھو علی طمع: حضرت علیؓ ہی کی بات نہ تھی حضرت عثمانؓ کو بھی اس کی خواہش تھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ روایت میں یہ بات گزر گئی فأسکت الشیخان لیکن مسورؓ کو حضرت علیؓ سے مخالفت تھی اس لئے انہوں نے علیؓ کی بات ظاہر کر دی اور عثمانؓ کی بات ظاہر نہیں کی، یہ نہیں کہ غلط بیانی کی، دونوں باتیں بالکل الگ ہیں، طمع دونوں کے اندر تھی لیکن لوگوں کے ذہنوں میں حضرت عثمانؓ کا رتبہ حضرت علیؓ سے اونچا تھا اور لوگ عثمانؓ ہی کو پسند کرتے تھے۔

تلک الحجۃ: اس حج میں حضرت عمرؓ کے ساتھ امراء الاجناد بھی شامل تھے۔

أَمَّا بَعْدُ یَا عَلِيُّ: حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کے سامنے یہ رکھا تھا کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سنتِ خلیفتین پر تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں گے راضی ہو تم؟ فرمایا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ تو ٹھیک ہے لیکن سنتِ خلیفتین کے بارے میں مااستطعتُ، اور جب حضرت عثمانؓ سے کہا تو انہوں نے منظور کر لیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہاں سنتِ خلیفتین کی شرح یہ کر دی کہ عدل و انصاف مراد ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تو عدل و انصاف کو تسلیم کیا اور علیؓ نے انکار کر دیا، حافظ کی بات غلط ہے اور غلط غلط ہی ہوتی ہے، بلکہ مقصد یہ تھا کہ شیخین کی جو سیرت ہے اس کے مطابق چلنا پڑے گا، چنانچہ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جب کچھ نرمی برتی تو عبد الرحمٰن بن عوفؓ ناراض ہو گئے اور اس میں حضرت عثمانؓ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ میں جھگڑا ہوا، حضرت عثمانؓ نے معذرت پیش کی، اس قصہ کی تفصیل کتبِ حدیث مصنف عبد الرزاق اور اسی طرح تاریخ عمرو بن شبہ وغیرہ میں موجود ہے۔

وبایعہ الناس والمھاجرون: اور حضرت علیؓ نے بھی بیعت کی۔

(ص ۱۰۷۰) بَابُ مَنْ بَایَعَ مَرَّتَیْنِ

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تکرار بیعت کی اصل موجود ہے، نبی اکرم ﷺ نے سلمہ بن اکوعؓ سے دو مرتبہ بیعت لی تھی، بعض تو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ میدان کارزار میں بڑے آگے ہوتے تھے، اور کارہائے نمایاں انجام دیتے تھے، اور بعضوں نے یہ کہا ہے لأنہ کان یقاتل قتالا کالراکب والراجل، اور بعض یہ کہتے

ہیں کہ ان کی ہمت بڑھانی مقصود تھی، بڑے بہادر آدمی تھے مزید ہمت بڑھانے کے لئے تکرار بیعت کی ہو۔

(۷۲۰۸) حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَقَالَ لِي يَا سَلَمَةُ أَلَا تُبَايِعُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ بَايَعْتُ فِي الْأَوَّلِ قَالَ وَفِي الثَّانِي

(ص ۱۰۷۰) بَابُ بَيْعَةِ الْأَعْرَابِ

امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ امام کے ہاتھ پر اعراب اور دیہاتیوں کی بیعت بھی مشروع ہے، جیسے دوسرے بیعت کریں گے تو اعراب کو بھی بیعت کرنا چاہیئے۔

(۷۲۰۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَهُ وَعْكٌ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا (وَتَنْصَعُ طِيبَهَا)

(ص ۱۰۷۰) بَابُ بَيْعَةِ الصَّغِيرِ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچہ کی بیعت کا کیا حکم ہے؟ نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے چھوٹے بچہ سے بیعت نہیں لی ہے، اور بعضے علماء تو فرماتے ہیں کہ نابالغ کی بیعت لازم نہیں ہوتی ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر چھوٹوں کی طرف سے ان کا بڑا بیعت کرلے تو بیعت لازم ہو جائے گی۔

(۷۲۱۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ بَايِعْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَغِيرٌ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ وَكَانَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ

(ص ۱۰۷۰) بَابُ مَنْ بَايَعَ ثُمَّ اسْتَقَالَ الْبَيْعَةَ

حضرت امام بخاری کہتے ہیں کہ اگر کوئی بیعت کر کے توڑنا چاہے تو اس کی گنجائش نہیں ہے، امام قبول

نہیں کرے گا، ایک اعرابی نے بیعت کر کے بیعت فسخ کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے منظور نہیں فرمایا۔

(۷۲۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ فَأَتَى الْأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا (وَتَنْصَعُ طِيبُهَا)

(ص ۱۰۷۱) بَابُ مَنْ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا

حضرت امام بخاری کا مقصد ایسے شخص کی مذمت بیان کرنا ہے جو امام کے ہاتھ پر محض دنیا طلبی کی غرض سے بیعت کرے، اگر کوئی بزرگوں کے ہاتھ پر نام کے لئے بیعت کرے تو یہ بھی کوئی چیز نہیں، بزرگوں کے ہاتھ پر تو اس لئے بیعت لی جاتی ہے کہ یہ اللہ والے ہیں، اللہ کے رازدار ہیں، ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمہارا بھی اللہ سے رابطہ ہو جائے گا اور تم میں بھی کچھ خیر آئے گی، ان کے ذریعہ ہم اللہ کا راستہ حاصل کریں گے اور اللہ تک پہونچیں گے، آج کل بیعت اس لئے ہوتی ہے کہ شہرت مل جائے، دنیا مل جائے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نے بڑے حضرت (مولانا شاہ عبدالرحیم) رائے پوری کو بیعت کے لئے خط لکھا، بڑے حضرت رائے پوری نے جواب میں لکھا تھا کہ میرے شیخ و مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حیات ہیں آپ انہیں سے بیعت ہو جائیں، حضرت نے لکھا کہ مجھے تو حضرت ہی پسند ہیں اور ٹھیک ہے کہ آپ کو سب کچھ انہیں سے ملا لیکن مجھے آپ ہی سے مناسبت ہے، یہ ہے اور وہ ہے کیا کیا لکھا، حضرت رائے پوری بڑے خوش ہوئے پھر جیسے ہوئے مولانا عبدالقادر رائے پوری، دنیا جانتی ہے، جب بیٹھتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بادشاہ ہو، پگڑی باندھے ہوئے اور وہ محبوبیت اور مقبولیت نصیب ہوئی کہ کیا مسلمان کیا ہندو! دیکھتے ہی رہ جاتے، شاہ تھے شاہ، اور بھئی سب سے بڑے شاہ اللہ ہیں، اللہ، اللہ۔

حضرت کے یہاں تواضع اور فنائیت تھی بس اپنے آپ کی نفی، جو بیعت کے لئے آتا تو حضرت مدنی کے پاس بھیجتے، جب حضرت رائے پوری سہارنپور آتے تو دنیا ہی کچھ اور ہو جاتی، معلوم ہوتا ہم کسی اور دنیا میں آ گئے، وہ واقعۃً اپنے زمانہ کے بڑے تھے۔

(۷۲۱۲) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَاهُ (لِدُنْيَا) إِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفَى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ وَرَجُلٌ يُبَايِعُ (بَايَعَ) رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ فَأَخَذَهَا وَلَمْ يُعْطَ بِهَا

(ص ۱۰۷۱) بَابُ بَيْعَةِ النِّسَاءِ

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عورتوں کی بیعت کا بیان یعنی عورتوں کی بیعت کیسے ہوگی اور کن چیزوں پر ہوگی؟

(۷۲۱۳) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ يَقُولُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي مَجْلِسٍ تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَٰلِكَ

(۷۲۱۴) حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ بِهَٰذِهِ الْآيَةِ ﴿لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا﴾ قَالَتْ وَمَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا

كان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يبايع النساء بالكلام: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے مختلف صورتوں سے بیعت لیتے تھے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوا، بخاری کی اس روایت میں ہے کہ آپ بیعت بالکلام لیتے تھے، ابوداؤد نے مراسیل میں شعبی سے اور عبد الرزاق نے المصنف میں نخعی سے اور سعید بن منصور نے سنن میں قیس بن ابی حازم سے مختلف مرسل روایتیں نقل کی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ثوب قطری کے واسطے سے بیعت لی ہے، ایک طرف سے آپ نے کپڑے پکڑ لئے اور دوسری طرف سے عورتوں نے، اور مغازیٔ ابن اسحاق میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے پانی سے بیعت لی یعنی پانی لایا گیا اور آپ نے دست مبارک ڈال دیا اور پھر وہ پانی عورتوں کے پاس لے جایا گیا اور انہوں نے اپنے ہاتھ اس میں ڈال دیے، اسی طرح طبرانی کی ایک روایت

میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے واسطے سے آپ نے بیعت لی، بہر حال مامست ید رسول اللہ ﷺ ید امرأة إلا امرأة یملکھا، کسی اجنبی عورت کے ہاتھ کو آپ نے ہاتھ نہیں لگایا ہاں جو آپ کی ملک ہو یعنی علی وجہ الازدواج یا علی وجہ ملک الیمین ہو۔

یہ تھے حضور ﷺ! اور آج کل کے بدعتی پیر کہتے ہیں کہ ہمارا اور تمہارا خون تو ایک ہی ہے پردہ کی کیا ضرورت ہے؟

(۷۲۱۵) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا ﴿أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا﴾ وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتِ امْرَأَةٌ مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فُلَانَةُ أَسْعَدَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتِ امْرَأَةٌ إِلَّا أُمُّ سُلَيْمٍ وَأُمُّ الْعَلَاءِ وَابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ أَوِ ابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ

(ص ۱۰۷۱) بَابُ مَنْ نَكَثَ بَيْعَةً

وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ﴾

اگر بیعت کر کے کوئی بیعت توڑ دے تو اسی پر وبال ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فمن نکث فانما ینکث علی نفسه﴾، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اعراب کے بیعت توڑ دینے کی درخواست منظور نہیں فرمائی اس لئے کہ نکثِ بیعت معصیت ہے اور ناکث کے حق میں وبال ہے، تو حضور ﷺ معصیت میں کیوں مدد کرتے؟

(۷۲۱۶) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعْتُ جَابِرًا قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَايِعْنِي عَلَى الْإِسْلَامِ فَبَايَعَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ ثُمَّ جَاءَ الْغَدَ (مِنَ الْغَدِ) مَحْمُومًا فَقَالَ أَقِلْنِي فَأَبَى فَلَمَّا وَلَّى قَالَ الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا (وَتَنْصَعُ طِيبَهَا)

(ص ۱۰۷۱) بَابُ الِاسْتِخْلَافِ

استخلاف: کسی کو خلیفہ مقرر کرنا، خلیفہ کا تعین دو صورتوں سے ہوتا ہے، کبھی تو خلیفۂ سابق کسی کو نامزد کر دیتا ہے جیسے صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا تھا، اور کبھی نامزد نہیں کرتا اور اہل حل وعقد کسی

کو منتخب کر لیتے اور اس کے ہاتھ بیعت کر لیتے ہیں، پھر اہل حل و عقد کی بیعت سے بیعت منعقد ہو جائے گی اور اس میں تمام اہل حل و عقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ انکار نہ پایا جائے، علماء کی ایک جماعت کی بیعت کافی ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت یا اہل الرائے کی ایک جماعت بیعت کر لے تو کافی ہے، بلکہ ابو الحسن اشعری سے منقول ہے کہ اگر علماء مشہورین میں سے جو اہل الرائے ہوں ان میں سے ایک آدمی بھی بیعت کر لے تو کافی ہے مگر شرط یہ ہے کہ شہود کے مجمع میں ہو تا کہ کوئی انکار نہ کرے، معتزلہ کہتے ہیں کہ کم از کم پانچ ہونا چاہئے، بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت ہو مگر اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے، کوئی عدد مخصوص مطلوب نہیں۔

ایک تیسری صورت اور بھی ہے کہ خلیفۂ سابق مسئلۂ خلافت کو چند لوگوں کے مشورہ میں رکھ دے جیسے حضرت عمرؓ نے کر دیا تھا، استخلاف کی پہلی جو دو صورتیں ہم نے نقل کی ہیں اجماعی ہیں، صرح بالإجماع أبو زکریا النووی۔

(۷۲۱۷) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَا رَأْسَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكِ لَوْ كَانَ وَأَنَا حَيٌّ فَأَسْتَغْفِرُ لَكِ وَأَدْعُو لَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَا ثُكْلِيَاهُ وَاللهِ إِنِّي لَأَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِي وَلَوْ كَانَ ذَاكَ لَظَلَلْتَ آخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ أَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَنَا وَا رَأْسَاهُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ فَأَعْهَدَ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَأْبَى اللهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُونَ

بَلْ أَنَا وَا رَأْسَاهُ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ بلکہ میرا بھی سر درد کرتا ہے۔

لقد هممت أو أردت أن أرسل إلى أبي بكر وابنه: یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور آنحضور ﷺ کو یقین ہو گیا تھا کہ ابو بکر صدیقؓ ہی خلیفہ ہوں گے۔

مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کی آپ نے تصریح کی تھی یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، بکر ابن اخت عبد الواحد اور ابو جعفر بن جریر طبری اور ابو محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا دیا تھا، آپ نے ان کو امام صلاۃ بنا دیا تھا، امیر الحج بنا دیا تھا، اور عورت سے کہہ دیا: إن لم

تجدینی فأتی أبابکر اور یہ فرمایا أردت أن أرسل إلی أبی بکر وابنه فأعهد أن یقول القائلون أو یتمنی المتمنون، ثم قلت: یأبی اللہ ویدفع المؤمنون أو یدفع اللہ ویأبی المؤمنون۔

اور جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح نہیں فرمائی تھی، بلکہ امام نووی کہتے ہیں کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو نامزد نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: ان استخلف فقد استخلف من هو خیر منی أبوبکر وإن ترک فقد ترک من هو خیر منی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری، بخاری میں آگے روایت آرہی ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی خلافت کی تصریح نہیں کی تھی، وهو إجماع أهل السنة۔

(۷۲۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قِيلَ لِعُمَرَ أَلَا تَسْتَخْلِفُ قَالَ إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي أَبُو بَكْرٍ وَإِنْ أَتْرُكْ فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ رَاغِبٌ رَاهِبٌ وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَمَيِّتًا (حَيًّا وَلَا مَيِّتًا)

فقال: راغب وراهب: یعنی بعض آدمی تو جو کچھ میرے پاس ہے اس میں رغبت رکھتا ہے اور بعض مجھ سے ڈرتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ بعض خلافت کے راغب اور خواہاں ہیں اور بعض خلافت سے ڈرتے ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ میں راغب فیما عند اللہ اور راہب من عقاب اللہ ہوں، لیکن یہ مطلب بعید ہے اگرچہ بعض علماء نے بیان کیا ہے۔

إنی نجوت منها کفافًا: یعنی خلافت سے میں برابر سرابر نجات پا جاؤں، نہ اس کا مجھے ثواب ہو اور نہ اس کا مجھ سے کوئی محاسبہ ہو یہ مجھے پسند ہے۔

لا اتحمّلها حیًّا ولا میتًا: خلافت کو میں اپنے سر نہ اپنی زندگی میں لادوں گا اور نہ مرنے کے بعد، یعنی میں خواہ مخواہ کے لئے اپنی طرف سے کسی کو نامزد کر کے اپنی ذمہ داری نہیں رکھنا چاہتا، اپنی ذمہ داری میں نہیں لینا چاہتا۔

(۷۲۱۹) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ خُطْبَةَ عُمَرَ الْآخِرَةَ حِينَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَذَلِكَ الْغَدَ مِنْ يَوْمٍ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَشَهَّدَ وَأَبُو بَكْرٍ صَامِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ قَالَ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَعِيشَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَدْبُرَنَا يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنْ يَكُونَ آخِرَهُمْ فَإِنْ يَكُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ جَعَلَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ نُورًا تَهْتَدُونَ بِهِ هَدَى (تَهْتَدُونَ بِهِ بِمَا هَدَى) اللهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَانِيَ اثْنَيْنِ فَإِنَّهُ أَوْلَى الْمُسْلِمِينَ بِأُمُورِكُمْ فَقُومُوا فَبَايِعُوهُ وَكَانَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ قَدْ بَايَعُوهُ قَبْلَ ذَلِكَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الْعَامَّةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ لِأَبِي بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ اصْعَدِ الْمِنْبَرَ فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتَّى صَعِدَ (أَصْعَدَهُ) الْمِنْبَرَ فَبَايَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً

حَتَّى يَدْبُرَنَا: یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ ہم سب کو پیچھے کر دیں، یعنی آپ ہم سب کے بعد دنیا سے تشریف لائیں۔

فلم یزل بہ حتی صعد المنبر: صدیق اکبرؓ بالکل تواضع کے پتلے تھے، قطعاً چاہتے ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کے ہاتھ پر بیعت کرے اور مارے شرم کے صدیق اکبرؓ منبر نبوی پر قدم نہیں رکھنا چاہتے تھے، نبیٔ اکرم ﷺ نے جہاں قدم رکھا ہو امتی کو کیا مجال ہے کہ وہاں قدم رکھے مگر جو کچھ کیا ان حضرات نے وہ بہ مجبوری کیا اور بضرورت، اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں رضی اللہ عن الصحابة أجمعین۔

(۷۲۲۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تُرِيدُ الْمَوْتَ قَالَ إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ

إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ: یہ اشارہ تھا کہ میرے بعد ابو بکرؓ میرے نائب ہوں گے۔

(۷۲۲۱) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لِوَفْدِ بُزَاخَةَ تَتْبَعُونَ أَذْنَابَ الْإِبِلِ حَتَّى يُرِيَ اللهُ خَلِيفَةَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُهَاجِرِينَ أَمْرًا يَعْذِرُونَكُمْ بِهِ

عن أبی بکر قال لوفد بزاخة: بزاخہ ایک جگہ کا نام ہے بحرین میں، پورا قصہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عن سفیان عن أیوب الطائی عن قیس بن مسلم روایت کیا ہے وہ طارق بن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ اہل بزاخہ جو قبیلۂ طی کے لوگ تھے صدیق اکبرؓ کی خدمت میں مصالحت کی غرض سے آئے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا: إختاروا إما الحرب المجلیة وإما السلم المخزیة، کہنے لگے کہ حرب مجلیہ تو ہماری سمجھ میں آرہا ہے سلم مخزیہ کیا ہے؟ فرمایا کہ تم سے حلقہ یعنی ہتھیار، کراع یعنی گھوڑے لے لئے جائیں گے، اور جو

تمہارے اموال ہمیں ملیں وہ غنیمت ہوں گے، اور جو تم نے ہمارے اموال لئے وہ واپس کرو، اور ہمارے مقتولین کی دیت دو، اور تمہارے قتلیٰ جہنم میں ہوں گے، اور تم کو چھوڑ دیا جائے گا اذناب ابل کے پیچھے پھرو گے یہاں تک کہ اللہ کے نبی کا خلیفہ اور مہاجرین کو تمہارے بارے میں کوئی بات ظاہر ہو جسکی وجہ سے تم کو معذور سمجھیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں یہ بات کہہ دی۔

حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ میری ایک رائے ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ گھوڑے اور ہتھیار لے لئے جائیں یہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ جو یہ کہتے ہیں کہ تدُو اقتلانا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہمارے قتلیٰ نے تو اللہ کے لئے قتال کیا ہے ان کا اجر تو اللہ کے یہاں ان کے لئے ثابت ہو گیا ہے، لوگوں نے حضرت عمرؓ کے مشورہ کی موافقت فرمائی۔

مصنف نے یہ حدیث صرف حتی یری اللہ خلیفة نبیه کی وجہ سے ذکر کی، اور یہ لفظ ایسا ہے جس سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت حضور ﷺ نے نامزد کر دی تھی، لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ خلیفة نبیه اس لئے کہا کہ صدیق اکبرؓ نبی پاک ﷺ کے بعد نبیٔ اکرم ﷺ کے کاموں کی تکمیل کے لئے اور آپ کے مشن کو چلانے کے لئے آپ کی جگہ منتخب ہوئے۔

(ص ۱۰۷۲) بَابٌ

(۷۲۲۲/۷۲۲۳) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا فَقَالَ كَلِمَةً لَمْ أَسْمَعْهَا فَقَالَ أَبِي إِنَّهُ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس روایت میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے، اس لئے مصنف نے اس باب اور روایت کو استخلاف کے تحت اس کے بعد ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

یکون اثنا عشر أمیرًا کلّھم من قریش: بارہ امیر ہوں گے سارے قریش ہوں گے، اس حدیث پاک پر دو اشکال ہیں، پہلا اشکال تو یہ ہے کہ حضرت سفینہؓ کی حدیث ابو داؤد اور سنن ترمذی وغیرہ میں وارد ہوا ہے الخلافة بعدی ثلاثون سنة، اور تیس سال حضرات خلفاء اربعہؓ کی خلافت پر اور حسن بن علیؓ کی

خلافت کے ایام ملانے پر ختم ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بارہ امیر نہیں ہوں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سفینہؓ کی حدیث میں خلافتِ نبوت کا ذکر ہے، ابُوداؤد میں ہے خلافة النبوة بعدی ثلاثون سنة، اور اِس روایت میں مطلقاً امارت کا ذکر ہے چاہے وہ امارت علی منہاج النبوة ہو یا امارت وملوکیت کے باب کی چیز ہو۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ خلفاء اور امراء بارہ میں تو منحصر نہیں تھے اس سے تو کہیں زیادہ ہوئے ہیں، علماء نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے مخصوص قسم کے بارہ خلیفہ مراد ہیں سارے خلفاء کی تحدید و تعیین مقصود نہیں۔

پھر اسکے بعد اس میں اختلاف ہے کہ یہ بارہ خلفاء کون ہیں؟ (۱) روافض تو کہتے ہیں کہ اس سے ہمارے ائمہ اثنا عشر مراد ہیں لیکن ان کی یہ تعیین صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث پاک میں مسلم وغیرہ میں وارد ہے لایزال الإسلام عزیزًا إلی اثنی عشر خلیفة، اور جن بارہ کا تذکرہ وہ وارد کرتے ہیں ان کے زمانے میں کہیں بھی عزت اسلام نہیں سوائے حضرت علیؓ اور ان کے بعد امام حسنؓ کے دور میں، اور اس کے بعد جتنے اثنا عشر ہیں کسی ایک سے بھی ترویج دین کا اس انداز کا کام نہیں ہوا جو حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ اصل میں نبیٔ اکرم ﷺ کے خلفاء آپ کے نائب اور قائم مقام تھے اور خلیفہ اصل کا کام انجام دیتا ہے، نبیٔ اکرم ﷺ کی خلافت کی دو قسمیں تھیں، خلافت ظاہرہ اور خلافت باطنہ، خلافت ظاہرہ تو امور سلطنت وغیرہ کا انتظام کرنا ہے اور خلافت باطنہ کا تعلق تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن سے ہے، خلفاء اربعہ تو ظاہری اور باطنی دونوں طور پر آپ کے خلیفہ تھے، اس کے بعد پھر خلافت ظاہرہ اور باطنہ منقسم ہوگئی، خلافت ظاہرہ کا تعلق تو امراء اور خلفاء سے رہا اور خلافت باطنی کا تعلق حضرات مشائخ کی طرف منتقل ہوا، اور ائمۂ اثنا عشر بھی خلافت باطنہ میں حضور ﷺ کے خلیفہ ہیں اس لئے کہ وہ بھی تزکیۂ باطن کا کام کرتے ہیں۔

لیکن اس حدیث پاک میں روافض کے بارہ خلفاء پھر بھی مراد نہیں ہیں اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے لایزال الإسلام عزیزًا إلی اثنی عشر خلیفة، اور ان کے جو آخری خلیفہ ہیں محمد بن حسن عسکری وہ غار سرّ من رأی میں چھپے ہوئے ہیں، ان کے زعم میں اب تک نکلے نہیں، اور روافض روزانہ جاتے ہیں اور اس غار کے پاس چلاتے ہیں یا إمام اخرج، یا إمام اخرج، صبح سے شام تک ندا ہوتی ہے اور پھر ناکام واپس چلے آتے ہیں،

اس کا پتہ ہی نہیں، وہ امام معدوم ہے جس کو وہ لوگ امام معصوم کہتے ہیں۔

خمینی صاحب اپنے آپ کو ان ہی کا نائب بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ میرے پاس ہے انہیں کی طرف سے آیا ہے، واللہ اعلم، خمینی صاحب کے حال کو تو میں جانتا نہیں، ہمارے خیال میں تو خمینی صاحب غلط بیانی کرتے ہیں اور وہ شیعیت کا پرچار کر رہے ہیں اور اسلام کی بیخ کنی کی کوشش میں ہیں، اور شیعہ اور یہودی ایک ہیں ان شیعوں کی ابتداء ہی عبد اللہ بن سبا سے ہوئی ہے جو یہودی زادہ تھا۔

(۳) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں بلکہ امام بیہقی، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اور قاضی عیاض نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس سے مخصوص بارہ خلفاء مراد ہیں، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، یزید بن معاویہ، عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک اور ہشام بن عبد الملک۔

یہاں پر حافظ ابن حجر کو تھوڑا سا سہو ہو گیا انہوں نے بارہواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک کو شمار کر دیا، اگر اس کو لے لیا جائے تو تیرہ ہو جائیں گے مگر حافظ ابن کثیر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح ہے ہی نہیں اس لئے کہ بارہ کا عدد تو اس سے بہت پہلے پورا ہو جاتا ہے۔

(۴) بعضے علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے بنو امیہ کے خلفاء مراد ہیں جس کی ابتداء یزید بن معاویہ سے ہوتی ہے اور انتہاء مروان حمار پر، اور مروان بن حکم اس سے خارج ہے کیونکہ وہ تو متغلّب تھا، اسی کو امام خطابی نے اختیار کیا ہے اور اس کی تائید میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث تدور رحی الإسلام لخمس و ثلاثین أو ست و ثلاثین أو سبع و ثلاثین، فإن تمّ لهم أمرهم يقم لهم سبعين سنة، رواه أبو داود أو كما قال صلى الله عليه وسلم، تدور رحى الإسلام لخمس و ثلاثين أو ست و ثلاثين أو سبع و ثلاثين فإن هلكوا فسبيل من هلك و إن يقم لهم دينهم يقم لهم سبعين عامًا، الحديث۔

حافظ ابن حجر نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ بالاستقلال خلافت بنو امیہ کی طرف سن ۴۱ ہجری میں منتقل ہوئی ہے اور مروان حمار کا قتل سن ۱۳۲ ہجری میں ہے تو مجموعہ اکیانوے سال ہو جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ نکال دیا جائے گا کیونکہ وہ صحابی ہیں، اور ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں دین سے مراد ملک ہے۔

(۵) ابن جوزی نے ابن منادی کی کتاب سے نقل کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ امام مہدی کے بعد پانچ آدمی سبط اکبر یعنی امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، اور پانچ سبط اصغر یعنی امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، اور پھر آخری خلیفہ سبط اکبر کی اولاد میں سے ایک شخص کے بارے میں وصیت کرے گا اور اس کے بعد اس کا لڑکا ہو گا۔

(۶) ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ بارہ خلفاء ہوں جو تمام مدت اسلام میں پائے جائیں گے اور جو علی منہاج النبوۃ ہوں گے اور جن پر تمام امت جمع ہو جائے گی، ابوداود کی روایت میں ہے کلّهم تجتمع عليه الأمة، اور یہی مطلب حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر اور اپنی تاریخ میں اختیار کیا ہے اور حجۃ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی نقل کیا ہے، اور اسی کو علامہ جلال الدین سیوطی نے العرف الوردی فی اخبار المهدی میں اور ہمارے حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود میں اختیار فرمایا ہے اور حافظ عراقی کا کتاب القرب میں رجحان اسی طرف ہے۔

(۷) بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے بارہ خلفاء علی التسلسل مراد ہیں جن کی انتہاء عمر بن عبد العزیز پر ہوتی ہے، معاویہ بن یزید کی مدت قلیل تھی وہ خارج ہے اور مروان کو بھی خارج کیا جائے گا اس لئے کہ وہ متغلب تھا، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسن بن علیؓ، معاویہؓ، یزید، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز یہ بارہ ہو گئے۔

(۸) علامہ ابن قیم نے حافظ ابو حاتم بن حبان بستی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ بارہ خلفاء مسلسل مراد ہیں اسکے آخر میں عمر بن عبد العزیز ہوں گے اور انہوں نے خلفاء اربعہ پھر معاویہؓ پھر یزید بن معاویہ پھر اسکے بیٹے معاویہ بن یزید پھر مروان بن حکم پھر عبد الملک بن مروان پھر اس کے بیٹے ولید بن عبد الملک پھر سلیمان بن عبد الملک پھر عمر بن عبد العزیز کا تذکرہ کیا ہے اور عمر بن عبد العزیز سو سال کی انتہاء پر خلیفہ ہوئے ہیں اور یہی قرن مفضل علیہ ہے جس کو خیر القرون کہا جاتا ہے۔

(۹) مہلب کہتے ہیں کہ یہ عجائب وقت کی خبر دی گئی ہے یعنی ایک وقت میں ہوں گے، چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مغرب میں ایک وقت میں چھ خلافت کے دعویدار تھے، ادھر مصر میں فاطمیین دعویٰ کر رہے تھے لیکن یہ مطلب غلط ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کلّهم تجتمع عليه الأمة۔

(۱۰) قاضی ابن العربی کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کے معنیٰ نہیں سمجھتا ہوں کہ کیا ہے و لا أقول له معنی، اور ابن عبید الوزیر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ بارہ آدمی ہیں جن سے قوانین مملکت انجام پذیر ہوتے ہیں جیسے بادشاہ، وزیر، قاضی وغیرہ، علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تردید کی ہے۔

(۱۱) بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مستحقین خلافت مراد ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ بارہ بول کر تکثیر مراد ہے وغیر ذلک، اس حدیث میں اس مسئلہ پر کہ بارہ سے کون مراد ہے اور کیا ہے ہمارے حضرت نے لامع الدراری کے حاشیہ میں نہایت تفصیل سے کلام کیا ہے۔

(ص ۱۰۷۲) بَابُ إِخْرَاجِ الْخُصُومِ وَأَهْلِ الرِّيَبِ مِنَ الْبُيُوتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ

وَقَدْ أَخْرَجَ عُمَرُ أُخْتَ أَبِي بَكْرٍ حِينَ نَاحَتْ

حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر خصوم چھپ جائیں تو حاکم ان کو باہر نکلوائے گا تاکہ صاحب حق کا حق دلوائے، اسی طرح اگر متہم لوگ، معاصی والے ادھر ادھر چھپے ہوئے ہوں تو جب حاکم کو ان کا حال معلوم ہو جائے تو ان کو بھی باہر نکالے گا تاکہ سزا دے، بلکہ ایسوں کو شہر بدر کر دینا چاہئے، یہ ترجمہ کتاب الاشخاص میں گزر چکا ہے وہاں مصنف نے خصومات کی مناسبت سے ذکر کیا ہے اور یہاں احکام کی مناسبت سے۔

(۷۲۲٤) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ (يُحْتَطَبُ) ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ (أَحَدُكُمْ) أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ* قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ يُونُسُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ مِرْمَاةٌ مَا بَيْنَ ظِلْفِ الشَّاةِ مِنَ اللَّحْمِ مِثْلُ مِنْسَاةٍ وَمِيضَاةٍ الْمِيمُ مَخْفُوضَةٌ

(ص ۱۰۷۳) بَابُ هَلْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَمْنَعَ الْمُجْرِمِينَ وَأَهْلَ الْمَعْصِيَةِ مِنَ الْكَلَامِ مَعَهُ وَالزِّيَارَةِ وَنَحْوِهِ

حضرت امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر امام مصلحت سمجھتا ہے تو کسی کو اپنے سے بات چیت کرنے اور ملاقات کرنے سے روک سکتا ہے، لیکن یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے جہاں اس طرح کا روکنا اور منع کرنا مفید ہو جیسے حضرت کعبؓ وغیرہ کے قصہ میں ہوا تھا تو وہاں تو مناسب ہے، اور جہاں مفید نہ ہو بلکہ اور زیادہ تشویش کا باعث بن جائے اور شریر و مفسد اور سختی پر اتر آئے وہاں مناسب نہیں، اسی لئے امام نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور اس تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے جو میرے کلام سے نکلتی ہے۔

(۷۲۲۵) حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابن شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا تَخَلَّفَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَذَكَرَ حَدِيثَهُ وَنَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمِينَ عَنْ كَلَامِنَا فَلَبِثْنَا عَلَى ذَلِكَ خَمْسِينَ لَيْلَةً وَآذَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ص ۱۰۷۳) کتاب التمنّی

یہ کتاب یہاں اسی طرح سے واقع ہوئی ہے اور بظاہر کتاب الاحکام سے متعلق ہے اس لئے کہ اس میں تمنا کے احکام بیان کئے گئے ہیں، تمنّی باب تفعّل کا مصدر ہے اور امنیہ سے ماخوذ ہے۔

حضرت امام بخاری نے کتاب التمنی اس لئے ذکر کی ہے کہ تمنا کے متعلق مختلف نصوص وارد ہوئے ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، حتی کہ امام شافعی سے منقول ہے لو لا أنا نأثم بالتمنّي لتمنّينا، امام بخاری نے تمنا کے متعلق روایات پر مختلف تراجم منعقد کر کے ان کے محامل بیان کئے ہیں، اگر تمنا خیر کی کی جائے تو یہ مباح اور مطلوب ہے، اور اگر کسی ناپسندیدہ امر کی کوخواہش ہے یا ایسی چیز کی تمنا ہے جو مفضی الی الحسد ہو یا جس سے خدائے پاک کی تقدیر پر اعتراض لازم آتا ہو یا جو تمنا تعطل کا باعث بنتی ہو تو وہ ممنوع اور ناپسندیدہ ہے۔

(ص ۱۰۷۳) بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَنِّي وَمَنْ تَمَنَّى الشَّهَادَةَ

تمنائے شہادت خیر کی تمناؤں میں سے ہے، مباح ہے بلکہ مطلوب ہے۔

(۷۲۲۶) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا يَكْرَهُونَ أَنْ يَتَخَلَّفُوا بَعْدِي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ مَا تَخَلَّفْتُ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ

(۷۲۲۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ وَدِدْتُ أَنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ

ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُهُنَّ ثَلَاثًا أَشْهَدُ بِاللهِ

(ص ۱۰۷۳) بَابُ تَمَنِّي الْخَيْرِ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَوْ كَانَ لِي أُحُدٌ ذَهَبًا

یہ ترجمہ، ترجمۂ سابقہ سے عام ہے، وہاں پر امنیۂ شہادت کا ذکر ہے اور یہاں پر تمنائے خیر کا ذکر ہے، مصنف کا مقصد یہ ہے کہ تمنائے جائز صرف شہادت میں منحصر نہیں بلکہ تمام امور خیر سے اس کا تعلق ہے۔

(۷۲۲۸) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ عِنْدِي أُحُدٌ ذَهَبًا لَأَحْبَبْتُ أَنْ لَا يَأْتِيَ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ لَيْسَ شَيْءٌ أَرْصُدُهُ (أُرْصِدُهُ) فِي دَيْنٍ عَلَيَّ أَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهُ

ليس شيئ أرصده في دين عليّ أجد من يقبله: علامہ بدرالدین زرکشی فرماتے ہیں کہ شیئ اسی طرح سے واقع ہوا ہے اور اصیلی کی روایت میں شیئاً بالنصب ہے، اس متن میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے جس سے کلام مختل ہوگیا ہے، زرکشی، قاضی عیاض کی اتباع میں فرماتے ہیں کہ اصل کلام ہے وعندی منه دینار أجد من يقبله ليس شيئاً أرصده لدين، یہاں أجد من يقبله دینار کی صفت ہے، موصوف وصفت میں اجنبی سے فصل واقع ہوگیا ہے جس کی وجہ سے مراد کو سمجھنا دشوار ہوگیا ہے۔

لیکن اس کلام کی ایسی وضاحت کی جاسکتی ہے جس سے بغیر دعویٰ تقدیم و تاخیر کے مراد سمجھ میں آجائے اور وہ یہ ہے کہ دینار موصوف ہو اور ليس شيئ أرصده في دين عليّ پورا جملہ دینار کی صفت ہو اور أجد من يقبله اس سے حال واقع ہو اور یہ سب مل کر مبتدا بن جائے، اور مطلب یہ ہو کہ اگر کوہ احد سونا بن جائے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ تین رات گزرنے کے بعد اس کا ایک دینار بھی میرے پاس رہے، ہاں ایسا دینار ہو جس کی وہ صفت ہو ليس شيئ أرصده في دين عليّ أجد من يقبله وہ تو اس سے مستثنیٰ ہے یعنی دینارِ دین کہ اسکو تو میں باقی رکھنا پسند کروں کیونکہ دین کا مسئلہ بڑا سخت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں تھوڑا اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں جو لفظ ہے یہ کسی راوی کا تصرف ہے، انصاف یہ ہے معنیً تو واقع میں صحیح ہوگئے لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ راوی کا اپنا تصرف ہے، یہی روایت دوسرے مواقع میں گزر چکی ہے جس کے الفاظ اس سے زیادہ واضح ہیں۔

(ص ۱۰۷۳) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ

حضرت امام بخاری نے غالباً یہ ترجمہ یہاں اس لئے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لو تمنائیہ ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ لو شرطیہ ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ تمنا علی تقدیر الشرط ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ لو استقبلت من أمری ما استدبرت ما سقت الهدی، اگر مجھے بعد کی اس بات کا علم پہلے ہی ہو جاتا تو میں سوق ہدی نہ کرتا تو آنحضور ﷺ نے عدم سوق ہدی کی تمنا کی مگر اس شرط پر کہ پہلے علم ہو جاتا۔

(۷۲۲۹) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ وَلَحَلَلْتُ مَعَ النَّاسِ حِينَ حَلُّوا

(۷۲۳۰) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَبَّيْنَا بِالْحَجِّ وَقَدِمْنَا مَكَّةَ لِأَرْبَعٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَأَنْ نَجْعَلَهَا عُمْرَةً وَنَحِلَّ إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ قَالَ وَلَمْ يَكُنْ مَعَ أَحَدٍ مِنَّا هَدْيٌ غَيْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَلْحَةَ وَجَاءَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ مَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالَ أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا أَنَنْطَلِقُ إِلَى مِنًى وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ وَلَوْلَا أَنَّ مَعِي الْهَدْيَ لَحَلَلْتُ قَالَ وَلَقِيَهُ سُرَاقَةُ وَهُوَ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَنَا هَذِهِ خَاصَّةً قَالَ لَا بَلْ لِأَبَدٍ (لِلْأَبَدِ) قَالَ وَكَانَتْ عَائِشَةُ قَدِمَتْ مَعَهُ مَكَّةَ وَهِيَ حَائِضٌ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَنْسُكَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ وَلَا تُصَلِّي حَتَّى تَطْهُرَ فَلَمَّا نَزَلُوا الْبَطْحَاءَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنْطَلِقُونَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ وَأَنْطَلِقُ بِحَجَّةٍ قَالَ ثُمَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنْ يَنْطَلِقَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيمِ فَاعْتَمَرَتْ عُمْرَةً فِي ذِي الْحَجَّةِ بَعْدَ أَيَّامِ الْحَجِّ

ألنا هذه خاصة: ھذہ کا اشارہ فسخ الحج الی العمرہ کی طرف ہے یا اعتمار فی اشہر الحج کی طرف ہے، دونوں احتمال ہیں اور دونوں کا کوئی نہ کوئی قائل ہے، ابواب عمرہ میں کلام ہو چکا ہے۔

(ص ۱۰۷۴) بَابُ قَوْلِهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لَيْتَ كَذَا وَكَذَا

حدیث پاک میں ہے لیت رجلاً صالحاً من أصحابی یحرسنی، مصنف نے اس کو تبدیل کر دیا

لیت کذا و کذا سے تاکہ یہ بتادیں کہ حدیث باب سے تمنائے عامہ کا ثبوت ہوتا ہے، اچھی بات کی تمنا کی جاسکتی ہے، اپنے کسی نفع کی تمنا ہوسکتی ہے۔

(۷۲۳۱) حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ أَرِقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ السِّلَاحِ قَالَ مَنْ هَذَا قَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُ أَحْرُسُكَ فَنَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى سَمِعْنَا غَطِيطَهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ بِلَالٌ أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً * بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ص ۱۰۷۴) بَابُ تَمَنِّي الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ

یہ بھی خیر کی تمنا کی ایک اعلیٰ صورت ہے کہ آدمی قرآن کی تمنا کرے، علم کی تمنا کرے، بظاہر تو مصنف نے ترغیب دی ہے کہ قرآن و علم کی تمنا کرنی چاہئے۔

(۷۲۳۲) حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَاسُدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ يَقُولُ لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ فَيَقُولُ لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ * حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ بِهَذَا

(ص ۱۰۷۴) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَنِّي

وقول الله تعالى: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ، الآية

امام بخاری نے اب تک تمنا کی انواع جائزہ بیان کیں، اب یہاں سے تمنا کی انواع مکروہہ بیان کر رہے ہیں، مصنف نے اس باب میں جو آیت اور روایتیں ذکر کی ہیں ان کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمنا مکروہ ہے جو داعی الی الحسد ہو، آیت شریفہ ﴿لاتتمنوا ما فضل الله به بعضهم على بعض﴾ سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اسی طرح وہ تمنا مکروہ ہے جو رضا بالقضاء کے خلاف ہو، تقدیر پر اعتراض ہوتا ہو۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ ایسی تمنا جائز ہے جس کا تعلق غیر سے ہو یعنی جو مباح ہو اس صورت میں نہی کا

تعلق اس تمنا سے ہوگا جو داعی الی الحسد ہو، لیکن میرے نزدیک پہلی تقریر راجح ہے، اس صورت میں آیت اور روایت دونوں مایکرہ من التمنی کے ساتھ مربوط ہو جاتے ہیں۔

(۷۲۳۳) حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُ

لو لا أني سمعت النبي ﷺ يقول: انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ سے میں نے نہ سنا ہوتا کہ آپ تمنائے موت سے منع کرتے تھے تو میں تمنا کرتا، موت کی تمنا رضا بالقضاء کے منافی ہے اس لئے موت کی تمنا ہے ممنوع، البتہ اگر کوئی آدمی ایسی مصیبت میں پھنس جائے جس سے دین کے نقصان کا خوف ہو تو ایسے وقت میں موت کی تمنا کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ان الفاظ سے تمنا کی جائے جو حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے: اللهم أحيني ما كانت الحياة خيرًا لي و توفني إذا كانت الوفاة خيرًا لي۔

(۷۲۳۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ قَالَ أَتَيْنَا خَبَّابَ بْنَ الْأَرَتِّ نَعُودُهُ وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا فَقَالَ لَوْ لَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ

(۷۲۳۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَزْهَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَمَنَّى (لَا يَتَمَنَّيَنَّ) أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزْدَادُ وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ

فلعله يستعتب: یستعتب کی تفسیر گزر چکی ہے أی یطلب العتبیٰ، العتبیٰ بالالف المقصورہ، جسکے معنیٰ ہیں رضاء کے۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لَوْ لَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا (ص ۱۰۷۴)

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں: لَوْ لَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا، اللہ اگر نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے۔

لو لا تین طرح استعمال ہوتا ہے (۱) ایک تو آتا ہے انتفاء ثانی کے لئے بسبب وجود اوّل کے، جیسے کہا جاتا ہے لو لا زید لأكرمتك اگر زید نہ ہوتا تو میں تیرا اکرام کرتا، مطلب یہ ہے کہ اکرام اسلئے منتفی ہے کہ زید موجود ہے، (۲) کبھی لو لا آیا کرتا ہے تحضیض کے لئے جب مضارع پر داخل ہو جیسے لو لا تستغفرون اللہ تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے؟ (۳) کبھی لو لا آتا ہے تندیم کے لئے جیسے لو لا جاءوا علیه بأربعة شهداء

یہ اس وقت ہوتا ہے جب لو لا ماضی پر داخل ہو۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ لو اصل میں تمنائیہ ہے اسکے اوپر لا داخل ہو گیا ہے اور لا کے داخل ہو جانے کے بعد لو لا بن گیا، پھر اگر یہ مستقبل پر داخل ہوتا ہے تو تحضیض کے معنٰی کا فائدہ دیتا ہے اور اگر ماضی پر داخل ہوتا ہے تو تندیم کے معنٰی کا فائدہ دیتا ہے۔

اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے یہ ترجمہ ابواب تمنی میں کیوں ذکر فرمایا ہے؟ لو لا تو تمنی کے لئے استعمال ہوتا نہیں ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس بات پر نظر کرتے ہوئے اسکو یہاں پر داخل فرمایا ہو کہ لو لا کی اصل چونکہ لو تمنائیہ ہے لہٰذا امام بخاری نے جزء اوّل کا اعتبار کر لیا ہو۔

مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ ترکیب کے بعد تو اسکے معنٰی بدل گئے، لو لا میں جب تک لا داخل نہیں کیا گیا تھا تب تک تنہا لو تھا اور معنیٔ تمنی کے لئے مفید تھا اور جب اسکے بعد لا داخل کر دیا گیا تو وہ ایک لفظ مرکب بن گیا، اب اگر وہ فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تحضیض کے معنٰی کا فائدہ دیتا ہے اور فعل ماضی پر داخل ہوتا ہے تو تندیم کے معنٰی کا فائدہ دیتا ہے، بہر حال نہ تو پہلا لو لا مفید ہے یہاں اور نہ اخیر کے دونوں لو لا مفید ہیں تو پھر مصنف نے یہاں پر یہ ترجمہ کیوں ذکر کیا؟

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے حدیث باب سے اپنا ترجمہ یوں اخذ فرمایا ہے کہ اگر قول محقق کی تعلیق کی جائے تب تو اس سے منع نہیں کیا جائے گا، اور وہ قول جو غیر حق ہے اگر اس کی تعلیق کی جائے تو اس سے منع کیا جائے گا، جیسے کوئی آدمی یہ کہنے لگے لو لا فعلت کذا لکان کذا اگر میں یوں نہ کئے ہوتا تو یوں نہ ہوتا، اگر میں فلاں چیز نہ کھائے ہوتا تو بیمار نہ ہوتا، مطلب یہ ہے کہ آپ تقدیر خداوندی پر اعتراض کر رہے ہیں کہ آپ کھانے کی وجہ سے بیمار ہو گئے حالانکہ اللہ کے چاہنے اور اس کی تقدیر کی وجہ سے بیماری آئی ہے، آپ دیکھئے ایک آدمی زہر کھاتا ہے نہیں مرتا ہے اور دوسرا کھاتا ہے مر جاتا ہے، معلوم ہوا کہ اصل چیز جو عامل ہے وہ تقدیر خداوندی ہے۔

(۷۲۳۶) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ وَارَى التُّرَابُ (وَإِنَّ التُّرَابَ لَمُوَارٍ)

بَیاضَ بَطْنِهِ یقُولُ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا نَحْنُ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا فَأَنْزِلَنْ سَکِینَةً عَلَیْنَا إِنَّ الْأُلَی وَرُبَّمَا قَالَ الْمَلَا قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَیْنَا أَبَیْنَا یرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ

(ص ۱۰۷۴) بَابُ كَرَاهِیَةِ تَمَنِّي لِقَاءِ الْعَدُوِّ

وَرَوَاهُ الْأَعْرَجُ عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

دشمن سے ملاقات کی تمنا کرنا مکروہ ہے اس واسطے کہ انجام معلوم نہیں ہے۔

(۷۲۳۷) حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِ اللهِ وَكَانَ كَاتِبًا لَهُ قَالَ كَتَبَ إِلَیْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى فَقَرَأْتُهُ فَإِذَا فِیهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللهَ الْعَافِیَةَ

(ص ۱۰۷۵) بَابُ مَا یَجُوزُ مِنَ اللَّوْ، وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً﴾

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ ما یجوز من اللو، اس سے معلوم ہوا کہ لو کی بعض صورتیں جائز نہیں اور بعض صورتیں جائز ہیں، حضرت امام نے اس سے مسلم شریف کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابھی میں تمہارے سامنے پڑھ چکا ہوں یعنی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف و فی کل خیر، احرص علی ما ینفعک ولا تعجز، و إیاک و اللو فإن لو تفتح عمل الشیطان، انسان کو خیر کی حرص کرنی چاہئے اور جو خیر کا موقع ہے اسے لو کہہ کر کھو نہیں دینا چاہئے، اگر یوں ہوتا تو میں یہ کر لیتا، بلکہ آدمی کو اپنے ہاتھ پیر چلانے چاہئیں، اپنی قدرت اور ارادہ کو استعمال کرنا چاہئے، اسلئے کہ آدمی اگر محض لو کہے گا اور رُک جائے گا تو یہ شیطان کے وسوسہ کا دروازہ کھول دے گا، شیطان دنیا بھر کے خیالات آدمی کے دل میں ڈال دے گا، کہیں تقدیر پر اعتراض کرائے گا اور کہیں کچھ کرائے گا۔

بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لو کہنا شریعت میں ممنوع ہے، مگر حضور پاک ﷺ سے متعدد مواقع میں لو تمنائیہ کا استعمال منقول ہے، قرآن میں وارد ہے لو أن لی بکم قوة، اس لئے امام بخاری نے یہ بتلا دیا کہ بعض صورتیں لو کی جائز ہیں اور بعض صورتیں ممنوع ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کون سی صورت جائز ہے اور کون سی صورت ممنوع ہے؟ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اگر آدمی لفظ لو استعمال کرتا ہے اور دل میں مشیت خداوندی کو مضمر رکھتا ہے تب تو جائز ہے، اور اگر دل میں مشیت خداوندی کا اضمار نہیں رکھتا ہے تو جائز نہیں ہے، لو کان کذا لکان کذا یعنی اگر اللہ چاہتے تو ایسا ہوتا تو یہ جائز ہے، اور لو کان کذا لکان کذا اور مشیت کا اضمار نہیں کیا تو جائز نہیں۔

قاضی عیاض ارشاد فرماتے ہیں کہ ماضی اور منقضی پر لو کو داخل کرنا تو موجب اعتراض علی التقدیر ہے یہی ہے محل ممانعت، اور اگر ماضی پر داخل نہ ہو تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لو کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن امام نووی ارشاد فرماتے ہیں کہ لو کا استعمال ماضی میں حضور پاک ﷺ سے منقول ہے لو استقبلت من أمری ما استدبرت، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اصل میں حضور پاک ﷺ نے ایسی جگہ پر لفظ لو کے استعمال سے منع کیا ہے جہاں تقدیر پر اعتراض لازم آتا ہو یا بے فائدہ ہو، اور اگر بے فائدہ جگہ نہ ہو بلکہ فائدہ کا موقع ہو جیسے حسرت کا اظہار ہو یا تأسف کا اظہار ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ تین صورتیں ہیں (۱) کبھی آدمی لو کو داخل کرتا ہے ماضی پر، اگر ماضی پر لو داخل کرتا ہے تو یہ تقدیر پر اعتراض کا سبب بنتا ہے (۲) اگر لو کو داخل کرتا ہے حال پر تو یہ انسان میں تعطل کا سبب بنتا ہے، یعنی انسان میں ایک بطالت سی پیدا ہو جاتی ہے کہ میرے پاس یہ ہوتا تو میں یہ کر لیتا، ارے موقع ہے کوشش کر لو کیا پتہ اللہ تعالیٰ اسباب فراہم کر دیں اور تم کامیاب ہو جاؤ، حج کا زمانہ ہے ایک آدمی کہتا ہے کہ اگر میرے پاس یہ ہوتا تو میں حج کر لیتا، کوشش کر لو اللہ کرنے پر قادر ہیں (۳) اگر استقبال سے اس کا تعلق ہو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اس لئے کہ وہاں پر نہ تقدیر پر اعتراض ہوتا ہے اور نہ حال میں انسان میں بطالت پیدا ہوتی ہے۔

(۷۲۳۸) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ ذَكَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ أَهِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا امْرَأَةً مِنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ قَالَ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ أَعْلَنَتْ

(۷۲۳۹) حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو حَدَّثَنَا عَطَاءٌ قَالَ أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ فَخَرَجَ عُمَرُ فَقَالَ الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللهِ رَقَدَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ يَقُولُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ وَقَالَ سُفْيَانُ أَيْضًا عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالصَّلَاةِ هَذِهِ السَّاعَةَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ

عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابن عَبَّاسٍ أَخَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الصَّلَاةَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ رَقَدَ النِّسَاءُ وَالوِلْدَانُ فَخَرَجَ وَهُوَ يَمْسَحُ الْمَاءَ عَنْ شِقِّهِ يَقُولُ إِنَّهُ لَلْوَقْتُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَقَالَ عَمْرٌو حَدَّثَنَا عَطَاءٌ لَيْسَ فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَّا عَمْرٌو فَقَالَ رَأْسُهُ يَقْطُرُ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ يَمْسَحُ الْمَاءَ عَنْ شِقِّهِ وَقَالَ عَمْرٌو لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ إِنَّهُ لَلْوَقْتُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۷۲۴۰) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ

(۷۲۴۱) حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ وَاصَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرَ الشَّهْرِ وَوَاصَلَ أُنَاسٌ مِنَ النَّاسِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ مُدَّ بِيَ (لَوْ مَدَّنِي) الشَّهْرُ لَوَاصَلْتُ وِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أَظَلُّ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ* تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ مُغِيرَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ: اس لفظ کو یاد رکھنا میں اسکی طرف کتاب الاعتصام میں اشارہ کرونگا، ان شاء اللہ تعالی۔

(۷۲۴۲) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابنِ شِهَابٍ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ أَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: اس سند میں شعیب اور ابوالزناد کے درمیان زہری کا واسطہ ہمارے نسخوں میں واقع ہوا ہے، میرے نزدیک یہ کاتب کی غلطی ہے، اگرچہ شعیب زہری کے شاگرد ہیں لیکن وہ یہ روایت زہری سے نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ ابوالزناد سے براہ راست نقل کرتے ہیں، اسی طرح تمام مصری نسخوں میں اور شروح کے سارے نسخوں میں واقع ہوا ہے بلکہ حضرت امام بخاری نے یہ سند بخاری شریف میں پچاس سے زائد مرتبہ ذکر فرمائی ہے اور کہیں بھی زہری کا ذکر شعیب اور ابوالزناد کے درمیان واقع نہیں ہوا ہے اس لئے یہ ہندی نسخوں کی غلطی ہے، اور اسی طرح ہندی نسخوں میں کئی جگہ سند میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔

(۷۲۴۳)حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَمَا لَهُمْ (فَمَا بَالُهُمْ) لَمْ يُدْخِلُوهُ فِي الْبَيْتِ قَالَ إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا قَالَ فَعَلَ ذَاكِ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوا وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاءُوا وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ (حَدِيثُ عَهْدٍ) بِالْجَاهِلِيَّةِ فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ (الْجِدَارَ) فِي الْبَيْتِ وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ فِي الْأَرْضِ

(۷۲۴۴)حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ

(۷۲۴۵)حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا *تَابَعَهُ أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّعْبِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ص ۱۰۷٦) كتاب أخبار الآحاد

(ص ۱۰۷٦) بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ

یہ کتاب اخبار آحاد کے بیان میں ہے۔

حضرت امام بخاری نے یہاں جو اخبار آحاد کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے یہ بظاہر بے جوڑ ہے، اسکو کتاب الاحکام کے ساتھ ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ یہ بھی من جملہ کتاب الاحکام کے ہے، لہٰذا یہاں پر کتاب کے بجائے باب کا نسخہ ہونا چاہئے، چنانچہ بعض نسخوں میں **باب ما جاء فی أخبار الآحاد** کا لفظ واقع ہوا ہے اور یہ عنوان یہاں ہونے کے بجائے کتاب التمنی سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔

اب اگر واقعۃً یہاں بخاری نے قصداً ذکر کیا ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اخبار آحاد کو مستقل طور پر اور تمنی کے بعد ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ یہاں پر حضرت امام بخاری اخبار آحاد کی حجیت ثابت کرنا چاہتے ہیں، آگے حضرت امام بخاری کتاب الاعتصام ذکر فرما رہے ہیں اور کتاب الاعتصام کا مقصود یہ ہے کہ کتاب و سنت کو آدمی مطمح نظر رکھے اور معمول بہا بنائے، یہ نکتہ ابھی اس وقت ذہن میں آیا کسی شارح کے کلام میں نظر سے نہیں گزرا ہے اور اگر ہو تو اپنے نظر کی کوتاہی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرات محدثین کرام نے احادیث کی دو قسم کی ہیں، متواتر اور غیر متواتر، متواتر تو وہ احادیث کہلاتی ہیں جس کے نقل کرنے والے ایک ایسی جماعت ہو جن کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو، بعض عقلیین نے کہہ دیا کہ عقلاً محال ہو لیکن یہ قول مرجوح ہے اگرچہ عقائد والے اسکو ذکر کرتے ہیں، محدثین کے یہاں صحیح قول یہ ہے کہ جن کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو، اور اس کے علاوہ جتنی خبریں ہیں وہ سب اخبار آحاد کہلاتی ہیں۔

پھر اخبار آحاد کی تین قسمیں ہیں مشہور، عزیز، غریب۔

غریب تو وہ خبر کہلاتی ہے جس میں کہیں پر کوئی راوی منفرد ہو اس کا کوئی متابع اور ساتھی نہ ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں غریب مطلق اور غریب نسبی، اگر مسلسل تفرد ہو تو غریب مطلق ہے ورنہ غریب نسبی ہے، اور عزیز وہ حدیث کہلاتی ہے جسکے نقل کرنے والے ہر طبقہ میں دو ہوں اس سے زائد نہ ہوں اور نہ اس سے کم ہوں، اور مشہور وہ حدیث کہلاتی ہے جس کے نقل کرنے والے ہر طبقہ میں دو سے زائد ہوں چاہے تین چاہے چار ہوں چاہے اس سے زائد ہوں مگر تواتر کی حد تک نہ پہونچے، یہ تو ہے محدثین کرام کی تقسیم۔

ہمارے حضرات فقہاء کرام کی تقسیم اور ہے، وہ اصول فقہ میں فرماتے ہیں کہ حدیث کی دو قسمیں ہیں، حدیث مرسل اور حدیث مسند، حدیث مرسل تو وہ حدیث کہلاتی ہے جسکو صحابی یا تابعی یا بعد کا آدمی بیچ کا واسطہ حذف کر کے نقل کرتا ہے، جیسے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کذا، فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کذا، مرسل صحابی تو بالاتفاق مقبول ہے، ابواسحاق اسفرائینی صرف اس مسئلہ میں مخالف ہے، اور طبقہ ثانیہ اور طبقہ ثالثہ کے مراسیل بھی مقبول ہیں۔

اس کے بعد کے مراسیل آیا مقبول ہیں یا نہیں؟ اس میں ہمارے یہاں تین قول ہیں، بعض تو کہتے ہیں کہ اگر ائمہ مرسل نقل کرتے ہیں تو مقبول ہے ورنہ مقبول نہیں، ائمہ مجتہدین اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر ایسا شخص نقل کرے جو صرف ثقہ سے روایت کرتا ہے تو اس کی مرسل روایت مقبول ہے ورنہ نہیں، اور بعضے حضرات کہتے ہیں کہ عادل شخص کی مرسل روایت مقبول ہے۔

حدیث مسند وہ حدیث کہلاتی ہے جو موصول السند ہو، پھر حدیث مسند کی ہمارے حضرات نے تین قسمیں کی ہیں، متواتر، مستفیض جس کو مشہور کہا جاتا ہے اور خبر واحد، حدیث متواتر کی تعریف تو وہی ہے جو محدثین کرام کے یہاں ہے اور وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے کالعلم المشاهد بالعین، حدیث متواتر میں ہمارے فقہاء تھوڑا سا یہ داخل کرتے ہیں کہ وہ تینوں طبقات میں درجۂ تواتر میں ہو، طبقۂ صحابہ میں بھی، طبقۂ تابعین میں بھی اور طبقۂ تبع تابعین میں بھی، اور اگر حدیث طبقۂ اولیٰ میں خبر واحد ہو اور اسکے بعد درجۂ تواتر کو پہنچ جائے تو اسکو ہمارے اصحاب مستفیض اور مشہور کہتے ہیں، ابو بکر جصاص رازی نے اسکو متواتر کے اقسام میں شمار کیا ہے، عیسیٰ ابن ابان کہتے ہیں کہ اس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور یضلّل جاحده ولا یکفر، اس کے علاوہ جو اخبار ہیں

یعنی اس میں تواتر نہ طبقۂ اولیٰ میں ہو نہ طبقۂ ثانیہ میں ہو وہ خبر واحد کہلائے گی، خبر واحد حضرات احناف کے یہاں عمل کو واجب کرتی ہے بشرطیکہ قرآن کے خلاف نہ ہو، سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو، اور ما تعم بہ البلوی میں وارد نہ ہو، اور صحابہ نے اسکی مخالفت نہ کی ہو، اس کے خلاف محاجہ نہ کیا ہو۔

اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ امام بخاری نے یہاں پر اخبار آحاد سے مراد محدثین کی اصطلاح کی جو اخبار آحاد ہیں وہ نہیں لی ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ خبر لی ہے جسکا ناقل ایک آدمی ہو، آیا وہ حجت ہے یا نہیں؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی خبر حجت ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کم از کم دو ناقل ہوں، بعض کہتے ہیں کہ کم از کم تین ہوں، بعض کہتے ہیں کہ چار ہوں، بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہوں، اور بعض کہتے ہیں کہ سات ہوں، امام بخاری نے باب ما جاء فی إجازة خبر الواحد الصدوق الخ کا ترجمہ منعقد کر کے انہیں اقوال کی تردید فرمائی ہے، امام بخاری نے یہاں پر خبر واحد سے حقیقی واحد مراد لیا ہے، وحدت عند الاصولیین مراد نہیں لی ہے یعنی جو خبر درجۂ تواتر کو نہ پہنچی ہو۔

صدوق کی قید سے کاذب کو نکال دیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مبالغ فی الصدق ہو اسکی تو خبر مقبول ہے اور جو مبالغ فی الصدق نہ ہو اس کی خبر مقبول نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ صادق کی خبر مقبول ہے جھوٹا آدمی نہ ہو، صدوق اسلئے کہہ دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہو اور جو کبھی سچ بولے اور کبھی جھوٹ بولے وہ صادق تو ہوتا ہے لیکن صدوق نہیں کہلاتا ہے تو اس سے کاذب کو نکال دیا، کاذب کی خبر مردود ہے۔

اگر کوئی آدمی ایسا ہو جسکا صدق و کذب مشکوک ہو اس کی خبر بھی مقبول نہیں ہو گی بلکہ وہ محتاج تبیّن ہو گی۔

في الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام: یعنی ہر چیز میں خبر مقبول ہو گی۔

وقول الله تعالى ﴿فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون﴾ **ويسمى الرجل طائفة لقوله تعالى** ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا﴾ **فلو اقتتل رجلان دخل في معنى الآية وقوله تعالى** ﴿إن جاءكم فاسق بنبإ فتبينوا﴾ **وكيف بعث النبي صلى الله عليه وسلم أمراءه واحدا بعد واحد فإن سها أحد منهم ردّ**

إلى السنة:

امام بخاری نے ایک سوال کا جواب دیا ہے کہ آپ خبر واحد کی حجیت پر ایسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جس میں طائفہ کا لفظ وارد ہوا ہے، حالانکہ طائفہ تو جماعت پر بولا جاتا ہے، اس کا جواب دیا، فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کو بھی طائفہ کہا جاتا ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا﴾ (اگر مسلمانوں کی دو جماعت قتال کریں) یہاں پر یہ حکم جیسے جماعت کے متعلق وارد ہوا ہے ایسے ہی دو فرد کے متعلق بھی وارد ہوا ہے فلو اقتتل رجلان دخل في معنى الآية، دو آدمی قتال کریں تو وہ بھی معنیٰ آیت میں داخل ہو جائیں گے، جیسے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے آیت شریفہ سے خبر واحد کی حجیت پر، ان سے پہلے امام شافعی اور ان سے پہلے مجاہد نے استدلال کیا ہے، اس پر یہ اشکال نہیں ہوتا ہے کہ ﴿وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين﴾ اس لئے کہ اس آیت کا سیاق اس بات پر دال ہے کہ وہاں ایک فرد کا حضور مقصود نہیں ہے بلکہ جماعت کا حضور مقصود ہے تاکہ عذاب کو دیکھ کر عبرت حاصل ہو۔

وَقَوْلُهُ تَعَالَى ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾: امام بخاری نے اس سے اپنا مدعا یوں ثابت کیا ہے کہ فاسق کی خبر کو اس کے فسق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ نے موقوف کر دیا ہے، معلوم ہوا کہ اگر فاسق نہ ہو گو ایک آدمی ہو تو اس کی خبر معتبر ہے۔

وَكَيْفَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أُمَرَاءَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ فَإِنْ سَهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ رُدَّ إِلَى السُّنَّةِ: حضور ﷺ اپنے امراء بھیجتے تھے یکے بعد دیگرے، اگر کسی سے غلطی ہو جاتی تھی تو اس کو سنت کی طرف لوٹا دیا جاتا تھا، کہہ دیا جاتا کہ یہاں فلاں سے غلطی ہو گئی ہے اور صحیح بات یہ ہے، معلوم ہوا کہ ایک آدمی کی خبر مقبول ہے، اگر غلطی ہو جائے گی تو اس کی غلطی پر متنبہ کر دیا جائے گا، لوگوں کو بتا دیا جائے گا کہ فلاں کو بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے، مصنف نے اس سے خبر واحد کی حجیت ثابت کی ہے، حضرت رسول کریم ﷺ نے امراء بھیجے، ایک ایک گئے اور حضور ﷺ کی طرف سے پیغامات لے کر گئے اور ان پیغامات پر لوگوں نے اعتماد کیا، معلوم ہوا کہ فرد واحد کی خبر معتبر ہوتی ہے۔

(۷۲۴۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفِيقًا فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا (أَهْلِينَا) أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَأَخْبَرْنَاهُ قَالَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ

وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا: یہ وہ لفظ ہے جس پر میں نے کتاب الصلاۃ میں متنبہ کیا تھا کہ أوْ شک راوی کے لئے نہیں ہے بلکہ تنویع کے واسطے ہے، یہ کرمانی کہتے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے ذکر أشياء أحفظها و ذكر أشياء لا أحفظها۔

(۷۲۴۷) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ قَالَ يُنَادِي لِيَرْجِعَ (لِيَرْجِعَ) قَائِمَكُمْ وَيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ وَلَيْسَ الْفَجْرُ أَنْ يَقُولَ هٰكَذَا وَجَمَعَ يَحْيَى كَفَّيْهِ حَتَّى يَقُولَ هٰكَذَا وَمَدَّ يَحْيَى إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ

(۷۲۴۸) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ

(۷۲۴۹) حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ

قَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ روایت ترجمۃ الباب مطابق ہے ہی نہیں، اس میں کہنے والی تو ایک جماعت تھی لیکن صفحہ ۱۶۳ پر یہی روایت گزری ہے اس میں ہے قال صلیت خمساً ایک آدمی نے کہا، علامہ عینی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے اپنے ترجمہ ثابت فرمایا ہے لیکن بات یہ ہے کہ امام بخاری نے فقيل له أزيد فى الصلاة سے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، فقيل له، کہا گیا آپ سے، اس سے معلوم ہوا کہ کہنے والا ایک آدمی تھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک آدمی کی خبر قابل اعتماد ہوتی ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہوئی؟ مگر چونکہ اس کی خبر حضرت ﷺ کے اپنے علم کے منافی تھی اس لئے آپ نے استفسار کیا حاضرین سے۔

(۷۲۵۰) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ أَمْ نَسِيتَ فَقَالَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ سَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ ثُمَّ رَفَعَ

فَقَالَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ: اس سے امام بخاری نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے، چونکہ ذوالیدین کا کلام حضور ﷺ کے فعل مبارک سے معارض ہو گیا تھا اس لئے آپ نے پوچھا، نہ اس لئے کہ آپ نے ان کی خبر پر اعتماد نہیں کیا، اگر اعتماد نہ ہوتا تو آپ استفسار کاہے کو کرتے؟

(۷۲۵۱) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ (الْفَجْرِ) إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ

(۷۲۵۲) حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ فَوُجِّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّى مَعَهُ رَجُلٌ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ قَدْ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ

(۷۲۵۳) حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ وَأَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيخٍ وَهُوَ تَمْرٌ فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أَنَسُ قُمْ إِلَى هَذِهِ الْجِرَارِ فَاكْسِرْهَا قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى انْكَسَرَتْ

(۷۲۵۴) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَهْلِ نَجْرَانَ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ

(۷۲۵۵) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ

(۷۲۵۶) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غَابَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُهُ أَتَيْتُهُ بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا غِبْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدَهُ أَتَانِي بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۷۲۵۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا فَأَوْقَدَ (فَأَوْقَدُوا) نَارًا وَقَالَ ادْخُلُوهَا فَأَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا وَقَالَ آخَرُونَ إِنَّمَا فَرَرْنَا مِنْهَا فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا لَوْ دَخَلُوهَا لَمْ يَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ لِلْآخَرِينَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ (الْمَعْصِيَةِ) إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ

بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا: علامہ ابن التین وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ترجمہ کے مطابق نہیں ہے، اسلئے کہ صحابہ نے ان کی بات تھوڑے مانی تھی؟ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آگ میں داخل ہونے میں تو نہیں مانی لیکن باقی اور چیزوں میں تو ان کی بات مانتے ہی تھے۔

(۷۲۵۸/۷۲۵۹) حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۷۲۶۰) ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَعْرَابِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ لِي بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ صَدَقَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ لَهُ بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ فَقَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ وَأَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرُدُّوهَا وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا

(ص ۱۰۷۸) بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم الزُّبَيْرَ طَلِيعَةً وَحْدَهُ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا حضرت زبیرؓ کو تحقیق حال کے لئے سریہ بنا کر بھیجا تھا، معلوم ہوا کہ ایک آدمی کی خبر معتبر ہے۔

(۷۲۶۱)حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمَدِينِيِّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَدَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثَلَاثًا فَقَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ قَالَ سُفْيَانُ حَفِظْتُهُ مِنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ وَقَالَ لَهُ أَيُّوبُ يَا أَبَا بَكْرٍ حَدِّثْهُمْ عَنْ جَابِرٍ فَإِنَّ الْقَوْمَ يُعْجِبُهُمْ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ عَنْ جَابِرٍ فَقَالَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ سَمِعْتُ جَابِرًا فَتَابَعَ بَيْنَ أَحَادِيثَ (أَرْبَعَةِ أَحَادِيثَ) سَمِعْتُ جَابِرًا قُلْتُ لِسُفْيَانَ فَإِنَّ الثَّوْرِيَّ يَقُولُ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَقَالَ كَذَا حَفِظْتُهُ مِنْهُ كَمَا أَنَّكَ جَالِسٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ قَالَ سُفْيَانُ هُوَ يَوْمٌ وَاحِدٌ وَتَبَسَّمَ سُفْيَانُ

قَالَ سُفْيَانُ هُوَ يَوْمٌ وَاحِدٌ وَتَبَسَّمَ سُفْيَانُ: مطلب یہ ہے کہ قصہ خندق کا تسلسل رہا یہاں تک کہ قصہ بنو قریظہ واقع ہو گیا، گویا دونوں ایک ہی دن سے متعلق ہے لہذا بین اللفظین کوئی فرق نہیں ہے۔

(ص ۱۰۷۸) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ فَإِذَا أَذِنَ لَهُ وَاحِدٌ جَازَ

فَإِذَا أَذِنَ لَهُ وَاحِدٌ جَازَ: معلوم ہوا کہ خبر واحد معتبر ہے۔

(۷۲۶۲)حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ حَائِطًا وَأَمَرَنِي بِحِفْظِ الْبَابِ فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ

(۷۲۶۳)حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ جِئْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَدُ عَلَى رَأْسِ الدَّرَجَةِ فَقُلْتُ قُلْ هَذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَذِنَ لِي

(ص ۱۰۷۸) بَابُ مَا كَانَ يَبْعَثُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الْأُمَرَاءِ وَالرُّسُلِ

وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دِحْيَةَ الْكَلْبِيَّ بِكِتَابِهِ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى قَيْصَرَ

حضرت امام بخاری ابھی تو یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ کیف بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أمراءه واحداً بعد

واحد اور یہاں پر مستقل ترجمہ کی صورت میں بیان کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ضمناً ذکر کیا تھا اور یہاں پر استقلالاً ذکر کر رہے ہیں، یا یہ کہا جائے کہ وہاں بحیثیت مثبِت ذکر کیا تھا اور یہاں بحیثیت دعویٰ کے ذکر فرمایا ہے، بہر حال امراء اور رسل واحداً بعد واحد بھیجنے سے شخص واحد کی خبر کے حجت ہونے پر استدلال جیسے امام بخاری نے کیا ہے ان سے پہلے حضرت امام شافعی نے بھی کیا ہے۔

(۷۲۶۴) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرَى فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ يَدْفَعُهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَهُ كِسْرَى مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ

(۷۲۶۵) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ أَذِّنْ فِي قَوْمِكَ أَوْ فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ أَنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ

(ص ۱۰۷۹) بَابُ وَصَاةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وُفُودَ الْعَرَبِ أَنْ يُبَلِّغُوا مَنْ وَرَاءَهُمْ قَالَهُ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفود عرب کو ہدایت فرماتے تھے کہ جہاں جائیں تبلیغ کریں، یہ تھوڑے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جماعت بنا کر جاؤ اور تبلیغ کرو، بلکہ ہر شخص کو خطاب تھا کہ جو آدمی جہاں جائے وہاں تبلیغ کرے، معلوم ہوا کہ فرد واحد کی خبر معتبر ہے۔

(۷۲۶۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُقْعِدُنِي عَلَى سَرِيرِهِ فَقَالَ لِي إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوا رَبِيعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ أَوِ الْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارَ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا فَسَأَلُوا عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ وَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَأَظُنُّ فِيهِ صِيَامُ رَمَضَانَ وَتُؤْتُوا مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيرِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ

اِحْفَظُوْهُنَّ وَأَبْلِغُوْهُنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ

وَأَبْلِغُوْهُنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ: اس سے امام بخاری نے اپنا ترجمہ ثابت فرمایا ہے، اس لئے کہ امر ہر فرد کو الگ الگ شامل ہے، اگر ایک فرد کی خبر اور ایک فرد کی تبلیغ کافی نہ ہوتی تو حضور ﷺ یوں ارشاد نہ فرمادیتے أَبْلِغُوْهُنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ۔

(ص ۱۰۷۹) بَابُ خَبَرِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ جیسے مرد کی خبر تنہا ہونے کی صورت میں معتبر ہے اگر عورت تنہا خبر دے اور وہ مستند اور معتمد ہے تو اس کی خبر بھی معتبر ہوگی۔

(۷۲۶۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ تَوْبَةَ الْعَنْبَرِيِّ قَالَ قَالَ لِي الشَّعْبِيُّ أَرَأَيْتَ حَدِيثَ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَاعَدْتُ ابْنَ عُمَرَ قَرِيبًا مِنْ سَنَتَيْنِ أَوْ سَنَةٍ وَنِصْفٍ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ سَعْدٌ فَذَهَبُوا يَأْكُلُونَ مِنْ لَحْمٍ فَنَادَتْهُمْ امْرَأَةٌ مِنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَحْمُ ضَبٍّ فَأَمْسَكُوا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا أَوِ اطْعَمُوا فَإِنَّهُ حَلَالٌ أَوْ قَالَ لَا بَأْسَ بِهِ شَكَّ فِيهِ وَلَكِنَّهُ لَيْسَ مِنْ طَعَامِي

وَلَكِنَّهُ لَيْسَ مِنْ طَعَامِي: حضور ﷺ کو اس سے گھن آئی کیونکہ آپ کے علاقہ میں اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا، واللہ تعالی اعلم۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

كِتَابُ الِاعْتِصَامِ (ص ۱۰۷۹)

بابُ الاعتصام بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (ص ۱۰۷۹)

الاعتصام، عصمۃ سے ماخوذ ہے اور عصمت کے معنٰی پنجے سے کسی چیز کو پکڑنا ہے، مصنف کا مقصود اس کتاب سے اتباع قرآن وسنت کو بیان کرنا ہے اسی لئے آگے ترجمہ منعقد کیا ہے باب الاعتصام بالکتاب و السنة، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ ماخوذ ہے آیت کریمہ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا﴾ سے، حبل سے مراد کتاب وسنت ہے اس واسطے کہ جیسے رسی کے ذریعہ سے آدمی کنویں سے پانی حاصل کرتا ہے ایسے ہی کتاب وسنت کے ذریعہ خدائے پاک کی رضا اور اس پر عمل کر کے اللہ کا ثواب حاصل کرتا ہے۔

کتاب کا لفظ جب اصطلاح اسلام میں بولا جاتا ہے تو قرآن پاک مراد ہوتا ہے، اور سنت کا لفظ لغت میں طریقہ کے معنٰی میں آتا ہے، اور اصطلاح میں الطریقة المسلوکة فی الدین پر بولا جاتا ہے، محدثین کرام جب لفظ سنت بولتے ہیں تو اس سے حضور ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال مراد لیتے ہیں، اور حضرات فقہاء کرام سنت بول کر مراد لیتے ہیں کہ جو فرض اور واجب نہ ہو، اور بعضے علماء یوں کہتے ہیں کہ جو مستحب کا مرادف ہو۔

لفظ سنت اگر علی الاطلاق بولا جائے تو اس سے حضرت امام شافعی کے یہاں مشہور قول پر اور امام احمد وغیرہ جمہور علماء اور محدثین کے نزدیک حضور ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے، بلکہ امام حاکم اور امام بیہقی وغیرہ حضرات نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے، مگر شافعیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، علامہ ابو محمد ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ لفظ سنت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سنت محمدیہ ﷺ ہی مراد ہو، حنفیہ میں سے امام طحاوی، ابوالحسن کرخی، ابو بکر رازی وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ لفظ سنت جب بولا جاتا ہے تو اس سے ہو سکتا ہے کہ

سنت محمدیہ ﷺ مراد ہو اور ہو سکتا ہے کہ سنت صحابہ مراد ہو، مگر علامہ جمال الدین زیلعی، محقق ابن ہمام وغیرہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سنت سے سنتِ نبویہ مراد ہوتی ہے، حنفیہ میں سے صاحب دستور العلماء نے ہمارے متقدمین سے یہی نقل کیا ہے اور صاحب میزان کی بھی یہی رائے ہے جو علماء احناف میں سے گزرے ہیں، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جب لفظ سنت بولا جاتا ہے تو اس سے حضور پاک ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے، اور جب دوسروں کی سنت مراد ہوتی ہے تو اضافت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جیسے سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، واللہ تعالیٰ اعلم، یہاں پر سنت بول کر سنت نبویہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتحیۃ مراد ہے۔

حضرت امام بخاری نے جو کتاب الاعتصام منعقد فرمائی ہے اس کا مقصود کیا ہے؟ حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے کتاب الاعتصام سے کتاب کو شروع کیا ہے اور کتاب الرد علی الجہمیہ وغیرہ سب کو اس کے ضمن میں ہی ذکر فرمایا ہے، کتاب الرد علی الجہمیہ مستقل کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی کتاب میں اضداد کو ذکر فرماتے ہیں، چنانچہ امام بخاری نے کتاب الایمان میں کفر اور ظلم اور فسق کا ذکر فرمایا ہے، اور اسی طرح کتاب العلم میں رفع علم اور ظہور جہل کا تذکرہ فرمایا ہے، اور استسقاء میں رفع باراں کی دعاء کا تذکرہ کیا ہے۔

اسی طرح یہاں پر بھی حضرت امام بخاری نے جب **الاعتصام بالکتاب و السنۃ** کا ترجمہ منعقد فرمایا اور یہ بتلایا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو دانتوں سے پکڑنا ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ہی حضرت امام بخاری نے ان فرق کی تردید بھی کر دی جو سنت رسول اللہ ﷺ کو معمول بہا نہیں بناتے ہیں، اس لئے کتاب الرد علی الجہمیہ کو ذکر کیا ہے، یہاں سے لے کر آخر تک کتاب الاعتصام ہی ہے، کتاب الرد علی الجہمیہ کتاب کی کتاب ہے جیسے باب کے باب کی اصطلاح مشہور ہے، ایسے ہی حضرت فرماتے ہیں کہ کتاب کی کتاب کی بھی اصطلاح ہے اور امام بخاری گاہے اس کو استعمال کرتے ہیں، حضرت شیخ دامت برکاتہم نے کتاب الاستیذان میں بھی یہی طرز استعمال کیا ہے اور ان کی رائے یہی ہے کہ کتاب الاستیذان مستقل کوئی کتاب نہیں ہے کتاب کی کتاب ہے جیسا کہ میں ما قبل میں تنبیہ کر آیا ہوں۔

لیکن میری اپنی رائے یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے کتاب الاعتصام سے اصول فقہ کے مسائل

بیان فرمائے ہیں، اسی لئے حضرت امام نے اس میں عمل بالکتاب، اقتداء بالسنن کا تذکرہ فرمایا ہے، اجماع کا ذکر کیا ہے اور قیاس وغیرہ کا بھی ذکر فرمایا ہے، اور کتاب الرد علی الجہمیہ سے امام بخاری کا مقصود ذات وصفات کے مسائل بیان کرنے ہیں، اور چونکہ جہمیہ صفات کا انکار کرتے ہیں اسلئے بعض نسخوں میں کتاب الرد علی الجہمیہ کا عنوان ہے ورنہ بہت سے نسخوں میں وہاں کتاب التوحید کا عنوان واقع ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے کتاب التوحید میں جہاں اللہ کی ذات کا تذکرہ فرمایا ہے وہیں اس کی صفات کا بھی ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی رسالت اور میزان وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے، کتاب التوحید ایسا ہی ہے جیسے حضرات متکلمین علم کلام میں ذات و صفات اور حشر ونشر اور رسالت و میزان کے مسائل ذکر فرمایا کرتے ہیں، وہ الگ مستقل کتاب ہے اور یہ الگ مستقل کتاب ہے۔

آگے سنئے! حضرت امام بخاری عام علماء کی طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت کو تو حجت مانتے ہیں، رہی یہ بات کہ وہ قیاس کو بھی حجت مانتے ہیں یا نہیں؟ عامۃً شراح کرام حضرت علامہ مہلب، علامہ ابن التین، علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی وغیرہ حضرات کی رائے ہے کہ امام بخاری قیاس کو حجت مانتے ہیں اگر قیاس صحیح ہو اور اس کے اوضاع اور طریقوں پر استعمال کیا گیا ہو اور نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس نہ کیا گیا ہو، اور اگر نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس کو استعمال کیا گیا ہو یا قیاس کو اس کے طریقوں پر استعمال نہ کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ علت جامعہ کو زبردستی تلاش کیا گیا ہو تو حضرت امام بخاری قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں۔

لیکن علامہ داؤدی اور علامہ کشمیری کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری قیاس کو حجت نہیں مانتے ہیں، یہی میرا اپنا بھی خیال ہے، چنانچہ حضرت امام بخاری نے قیاس سے متعلق جتنے تراجم منعقد فرمائے ہیں سب سے اس کی مذمت ہی نکلتی ہے، امام بخاری فرماتے ہیں مایذکر من ذم الرأی و تکلّف القیاس، حضرت امام بخاری رائے کو مذموم اور قیاس کو تکلف قرار دیتے ہیں، پھر اس کے بعد امام ترجمہ منعقد فرماتے ہیں باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسئل مما لم ینزل علیہ الوحی الخ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کسی بات کا سوال کیا جائے اور آپ پر وحی الٰہی نازل نہ ہوئی ہو تو یا تو آپ لا أدری کہہ دیتے یا جواب نہیں دیتے تھے، آپ رائے اور قیاس سے جواب

نہیں دیتے تھے، اس کے بعد امام بخاری ترجمہ منعقد کرتے ہیں باب تعلیم النبی ﷺ أمته من الرجال والنساء مما علّمه الله ليس برأي ولا تمثيل، امام یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے امت کو وہی تعلیم دی ہے جو اللہ پاک نے آپ کو تعلیم دی آپ نے رائے اور تمثیل کی تعلیم نہیں دی، اور پھر امام بخاری آگے چل کر یہ ترجمہ منعقد کرتے ہیں باب قول النبی ﷺ لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق وهم أهل العلم، امام اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس طائفہ سے مراد طائفۂ محدثین ہیں، اہل الرائے والقیاس نہیں ہیں، چنانچہ امام بخاری سے دوسری روایت میں اس طائفہ کی تفسیر اصحاب الحدیث کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

پھر حضرت امام بخاری آگے چل کر یہ بتلاتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے جو کبھی تشبیہ دینا منقول ہے اس کا مقصود قیاس کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود تفہیم سائل ہے، گویا قائسین کے استدلال کا جواب بھی دے رہے ہیں اور ترجمہ منعقد کرتے ہیں باب من شبّه أصلاً معلوماً بأصل مبيّن قد بيّن الله حكمها ليفهم السائل، اور دوسرا ترجمہ منعقد کرتے ہیں باب ما جاء في اجتهاد القضاء بما أنزل الله لقوله ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولٰئك هم الظالمون﴾ ومدح النبی ﷺ صاحب الحكمة حين يقضي بها و يعلّمها لا يتكلف من قِبله و مشاورة الخلفاء وسوالهم أهل العلم، بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ قضاء بما أنزل الله کی کوشش کرنی چاہئے اور اپنی طرف سے آدمی تکلف سے رائے وقیاس سے جواب نہ دے، اور اگر بات معلوم نہ ہو تو اہل علم سے مشورہ کرے اور سوال کرے جیسا کہ حضرات خلفاء کرتے تھے، البتہ حضرت امام بخاری اس بات کے قائل ہیں کہ دلیل قابل استدلال ہو، چنانچہ امام بخاری نے ۱۰۹۳ صفحہ پر ترجمہ منعقد کیا ہے باب الأحكام التي تعرف بالدلائل وكيف معنى الدلالة وتفسيرها۔

یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ قیاس کا انکار کرتے تھے اور دلالت کا اعتراف کرتے تھے جیسا کہ اہل اصول نے ان سے نقل کیا ہے، دلالت کا مطلب کیا ہے؟ دلالت کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری اولویت سے، اطلاق سے، تلازم سے، استصحاب حال وغیرہ جو وجوہِ دلالت ہیں ان سے استدلال کرتے ہیں، وہ قیاس وتمثیل کا انکار کرتے ہیں جسکو اصطلاح فقہ میں قیاس کہا جاتا ہے کہ مذکور میں جو حکم ہے غیر مذکور میں وہ حکم منتقل کیا جائے اُس علت کی وجہ سے جو مذکور میں موجود ہے اور وہی علت غیر مذکور میں

بھی موجود ہے، بہر حال حضرت امام بخاری کے جن تراجم کا ہم نے تذکرہ کیا ہے خلاصہ کے طور پر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری قیاس کے معاملہ میں داؤد ظاہری کے ہم خیال ہیں اور وہ قیاس کو تکلف شمار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے رائے و قیاس سے جواب نہیں دیا، نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو وہی سکھلایا جو اللہ نے آپ کو سکھلایا، رائے و تمثیل نہیں سکھلائی، اور یہ کہتے ہیں کہ اہل حق اور اہل علم، اہل الرائے والقیاس نہیں ہیں، اور جن دلائل سے قائسین نے استدلال کیا ہے امام بخاری اسکا جواب دیتے ہیں کہ وہ قیاس لاثبات الحکم نہیں ہے بلکہ قیاس لتفہیم السائل ہے اور وہ دلالت کے قائل ہیں جیسا کہ داؤد ظاہری قائل ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم وعلمہ أحکم۔

(۷۲۶۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مِسْعَرٍ وَغَيْرِهِ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ لِعُمَرَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَنَّ عَلَيْنَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لَأَعْلَمُ أَيَّ يَوْمٍ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ * سَمِعَ سُفْيَانُ مِسْعَرًا وَمِسْعَرٌ قَيْسًا وَقَيْسٌ طَارِقًا

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾: آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ نے اصول کو مکمل فرما دیا اور قرآن پاک میں دین کے سارے اصول کو نازل فرما دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اصول کو نازل فرما کر دین کی تکمیل کر دی تو پھر انسان کو قرآن پاک کا معمول بنانا چاہئے اور اسکو ہی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ یہی دین مرضی ہے، اللہ فرماتے ہیں رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا، اور دوسری جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾۔

(۷۲۶۹) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ الْغَدَ حِينَ بَايَعَ الْمُسْلِمُونَ أَبَا بَكْرٍ وَاسْتَوَى عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشَهَّدَ قَبْلَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَمَّا بَعْدُ فَاخْتَارَ اللهُ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي عِنْدَهُ عَلَى الَّذِي عِنْدَكُمْ وَهَذَا الْكِتَابُ الَّذِي هَدَى اللهُ بِهِ رَسُولَكُمْ فَخُذُوا بِهِ تَهْتَدُوا وَإِنَّمَا هَدَى اللهُ بِهِ رَسُولَهُ

وَهٰذَا الْكِتَابُ الَّذِي هَدَى اللّٰهُ بِهٖ رَسُولَكُمْ فَخُذُوا بِهٖ: یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

(۷۲۷۰) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ

اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ: اے اللہ! اسکو کتاب کا علم عطا فرما، اور یہ دعاء اسی لئے آپ نے فرمائی تھی کہ کتاب اللہ کے مطابق حضرت ابن عباسؓ اپنی زندگی گزاریں۔

(۷۲۷۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ عَوْفًا أَنَّ أَبَا الْمِنْهَالِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَرْزَةَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يُغْنِيكُمْ أَوْ نَعَشَكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ وَقَعَ هَاهُنَا يُغْنِيكُمْ وَإِنَّمَا هُوَ نَعَشَكُمْ يُنْظَرُ فِي أَصْلِ كِتَابِ الْاِعْتِصَامِ

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يُغْنِيكُمْ أَوْ نَعَشَكُمْ بِالْإِسْلَامِ: اللہ تعالیٰ شانہ تم کو مستغنی فرمادیں گے اسلام کے ذریعہ سے، یعنی اسلام ایسا دین ہے کہ اس دین کو اختیار کرنے کے بعد باقی ادیان سے مستغنی ہو جاؤ گے، نعشکم أی رفعکم، اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے ذریعہ باقی تمام لوگوں پر سربلندی عطا فرمادی، اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب لوگوں نے اسلام کو پوری طرح سے پکڑ رکھا تھا تو اہل اسلام کو تمام لوگوں پر سربلندی اور عزت حاصل تھی اور زمین کے ایک بہت بڑے رقبہ پر اہل اسلام کی سلطنت تھی۔

وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اور حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ سے بھی اللہ نے تم کو سربلندی دی کہ آنحضور کے ذریعہ سچا دین پہنچا، لہٰذا حضور پاک ﷺ کی سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہئے۔

حاشیہ کا نسخہ ہے قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: وَقَعَ هَاهُنَا يُغْنِيكُمْ وَإِنَّمَا هُوَ نَعَشَكُمْ يُنْظَرُ فِي أَصْلِ كِتَابِ الْاِعْتِصَامِ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے کوئی کتاب مستقل طور پر الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے نام سے تالیف فرمائی تھی جس سے بخاری کی کتاب الاعتصام کو منتخب فرمایا ہے جیسا کہ آداب کے سلسلہ میں امام بخاری نے مستقل کتاب الادب المفرد تالیف فرمائی ہے اور اس کی بہت سی روایات کو بخاری کی کتاب الادب میں درج فرمایا ہے۔

(۷۲۷۲) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يُبَايِعُهُ وَأُقِرُّ لَكَ بِذَلِكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ عَلَى سُنَّةِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتُ

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ الخ: حضرت ابن عمرؓ نے عبد الملک بن مروان کو یہ لکھا تھا کہ میں تیری بات مانوں گا اور سنوں گا اللہ کی سنت اور رسول کی سنت کے مطابق، اللہ کی سنت تو اس کی کتاب ہے اور رسول کی سنت حضور ﷺ کی احادیث ہیں چاہے وہ اقوال ہوں یا افعال ہوں یا احوال ہوں، معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا مطمح نظر سنت اللہ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہونی چاہئے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

(ص ۱۰۸۰) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ

مجھ کو جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، امام بخاری نے کتاب التعبیر ۱۰۳۸ صفحہ پر ابن شہاب زہری سے جوامع الکلم کی تفسیر نقل کی ہے، فرماتے ہیں: بلغني أن جوامع الكلم أن الله تعالى يجمع الأمور الكثيرة التي كانت تكتب في الكتب قبله في الأمر الواحد والأمرين أو نحو ذلك، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضور اکرم ﷺ کو نہایت فصاحت وبلاغت عطا فرمائی تھی، جو لمبی لمبی عبارتوں میں مضامین لکھے جاتے تھے آپ ان کو مختصر الفاظ میں ادا کر دیا کرتے تھے، میں کتاب التعبیر میں اسکی متعدد مثالیں بیان کر آیا ہوں۔

امام بخاری کا اس ترجمۃ الباب سے مقصود کیا ہے؟ ایک احتمال تو یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہئے کیونکہ آپ کی سنت انسان کے ان تمام امور کے لئے متکفل ہے جسکی انسان کو دین کے معاملہ میں ضرورت پڑتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے جوامع الکلم بول کر قرآن پاک مراد لیا ہو، مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو قرآن پاک کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا اور چونکہ آپ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے تو جو چیز آپ لے کر آئے اس پر بھی ایمان لانا ضروری اور جسکا آپ نے مطالبہ کیا اس پر بھی کاربند ہونا ضروری ہے، اور آنحضور ﷺ نے مطالبہ کیا ہے عمل بالقرآن کا تو قرآن پاک پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

یا یوں کہئے کہ حضرت امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ قرآن پاک جوامع الکلم کے قبیل سے ہے گو اس کا

حجم مختصر ہے لیکن وہ اپنی جامعیت کے اعتبار سے تمام اصولِ شریعت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، لہٰذا قرآن پاک کو اختیار کرنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جوامع الکلم سے عام مراد ہو چاہے قرآن ہو اور چاہے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

(۷۲۷۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَدْ ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمْ تَلْغَثُونَهَا أَوْ تَرْغَثُونَهَا أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا

وَأَنْتُمْ تَلْغَثُونَهَا أَوْ تَرْغَثُونَهَا أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا: عام طور سے اس حدیث کے طرق میں وأنتم تنتثلونها أو تستخرجونها واقع ہوا ہے، اور بعض میں تنتقلونها واقع ہوا ہے، لیکن اس طریق میں تلغثونها یا ترغثونها واقع ہوا ہے۔

ترغثونها تو ماخوذ ہے رغث سے اور رغث کنایہ ہے سعة العیش سے، کہا جاتا ہے رَغَثَ الجدی أمه جب جانور کا بچہ اپنی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے اور وہ اپنی ٹانگ کشادہ کر دیتی ہے، اور کہا جاتا ہے ناقة رغوث جبکہ کثیرة اللبن ہو۔

اور تلغثونها جو لام کے ساتھ واقع ہے اس میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ لام بھی راء ہی کی ایک لغت ہے یعنی کبھی تو راء کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کبھی لام کے ساتھ، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ تصحیف ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ماخوذ ہے لغیث سے، لغیث عظیم کے وزن پر وہ طعام کہلاتا ہے جو شعیر کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ کیف ما اتفق کھاتے ہو، لیکن یہ توجیہ بعید معلوم ہوتی ہے، راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ لفظ ثابت ہو تو لغة فی الراء یعنی را کی جگہ لام کو بعض وقت استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷۲۷٤) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ أُومِنَ أَوْ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ (أُوتِيتُه) وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنِّي أَكْثَرُهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ: فرماتے ہیں کہ جو چیز مجھے عطا کی گئی وہ وحی

خداوندی ہے جو اللہ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے، مجھے امید ہے کہ میرے متبعین قیامت کے دن زیادہ ہوں گے، اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وحی خداوندی دائم اور باقی رہے گی، لہٰذا ہمیشہ لوگ اس میں غور کرتے رہیں گے اور اس کی وجہ سے ہدایت یاب ہوتے رہیں گے، برخلاف انبیاء سابقین کے معجزات کے کہ ان کے ساتھ ان کے معجزات ختم ہوگئے۔

(ص ۱۰۸۰) بَابُ الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾

قَالَ أَيِمَّةً نَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلَنَا وَيَقْتَدِي بِنَا مَنْ بَعْدَنَا، وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ ثَلَاثٌ أُحِبُّهُنَّ لِنَفْسِي وَلِإِخْوَانِي هَذِهِ السُّنَّةُ أَنْ يَتَعَلَّمُوهَا وَيَسْأَلُوا عَنْهَا وَالْقُرْآنُ أَنْ يَتَفَهَّمُوهُ وَيَسْأَلُوا عَنْهُ وَيَدَعُوا النَّاسَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ

حضرت امام بخاری نے الاعتصام بالکتاب و السنۃ کا ایک عام ترجمہ منعقد کیا تھا، اور بعثت بجوامع الکلم کا ترجمہ منعقد کرکے غالباً ترغیب العمل بالقرآن کو ذکر فرمایا تھا، اب یہاں سے حضور ﷺ کی سنتوں کے اقتداء پر تحریض فرمارہے ہیں، یہ اپنے عموم کی وجہ سے حضور ﷺ کی سنن قولیہ اور فعلیہ دونوں کو شامل ہے، اور پھر مصنف نے سنن فعلیہ کے لئے مستقلاً ترجمہ باب الاقتداء بأفعال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد کیا ہے، سنن قولیہ امر اور نہی ہے، اور امر ونہی کے متعلق امام بخاری نے آگے چل کر مستقل ترجمہ منعقد کیا ہے، تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتداءً یہ ایک جامع ترجمہ ہے جو اقتداء سنن کے متعلق منعقد کیا گیا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے حضور ﷺ کے اقوال کے اتباع کی ترغیب دی ہے اور آئندہ جو باب الاقتداء بأفعال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہا ہے اس سے حضور ﷺ کے افعال کے اتباع کی ترغیب دی ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلایا ہے کہ حضور کی سنتوں پر عمل کرنا ضروری ہے، کیونکہ جیسے احکام کا ثبوت قرآن سے ہوتا ہے ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کی حدیثوں سے بھی ہوتا ہے، ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے

ارشاد فرمایا: ألا إني أمرت و نهيت وإنها لمثل القرآن أو أكثر، میں نے بھی خود حکم دیا ہے اور منع کیا ہے اور میرے احکام اور میرے منہیات قرآن پاک کے مثل یا اس سے زیادہ ہیں یعنی تعداد میں، تو جیسے قرآن پاک پر عمل کرنا ضروری ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، اس سے فرقۂ قرآنیہ کی تردید ہوگئی، اور آئندہ چل کر امام بخاری نے باب الاقتداء بأفعال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترجمہ منعقد کیا ہے وہاں مقصود یہ بتلانا ہے کہ آیا حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے افعال کی اقتداء کرنا جو ماموربہ ہے اسکا درجہ کیا ہے؟ وجوب کا یا استحباب کا یا اباحت کا؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے آئندہ اسکی طرف مختصر سا اشارہ آرہا ہے۔

قَالَ: أَيِمَّةً نَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلَنَا وَيَقْتَدِي الخ: معلوم ہوا کہ لاحقین کو سابقین کا اقتداء اور اتباع کرنا ضروری ہے اور ان سے اسکا مطالبہ ہے۔

وقال ابن عون: ثلاث أحبهنّ لنفسي و لإخواني: ابن عون کہتے ہیں کہ تین باتیں مجھے پسند ہیں اپنے لئے اور اپنے بھائیوں اور دوستوں کے لئے، ایک تو یہ ہے کہ سنت سیکھیں اور اسکے متعلق لوگوں سے معلومات حاصل کریں، دوسری یہ کہ قرآن پاک سمجھیں اور اسکے متعلق معلومات حاصل کریں، اور تیسری یہ کہ چھوڑ دیں لوگوں کو مگر خیر سے، یعنی لوگوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، اگر ہو سکے تو ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں اور بس۔

(۷۲۷۵) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى شَيْبَةَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ قَالَ جَلَسَ إِلَيَّ عُمَرُ فِي مَجْلِسِكَ هَذَا فَقَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَدَعَ فِيهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ قُلْتُ مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ قَالَ لِمَ قُلْتُ لَمْ يَفْعَلْهُ صَاحِبَاكَ قَالَ هُمَا الْمَرْءَانِ يُقْتَدَى (نَقْتَدِي) بِهِمَا

هُمَا الْمَرْءَانِ يُقْتَدَى بِهِمَا: وہ دونوں ایسے مرد کامل تھے کہ ہم ان کا اقتداء کرتے ہیں، الْمَرْءَانِ کا مصداق جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ ہیں، حضرت عمرؓ یوں کہتے ہیں کہ ہم ان کا اقتداء کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ سنت محمدیہ کا اقتداء کرنا ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کو اسکی وجہ سے تبدیل کر دیا۔

(۷۲۷۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَأَلْتُ الْأَعْمَشَ فَقَالَ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي جَذْرِ قُلُوبِ

الرِّجَالِ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ فَقَرَءُوا الْقُرْآنَ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ

فَقَرَءُوا الْقُرْآنَ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ: لوگوں نے قرآن پڑھا اور سنت کو سیکھا، اور سیکھا اسی لئے تھا تاکہ سنت کے مطابق عمل کریں۔

(۷۲۷۷) حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يَقُولُ قَالَ عَبْدُ اللهِ إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ (الْهُدَى هُدَى) مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَ﴿إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾

إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ: بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، مسند احمد میں ہے أصدق الحديث كتاب الله وأحسن الهدى هدى محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

هدی بفتح الهاء وسکون الدال، بمعنی سمت اور طریقہ، بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اور دوسری روایت ہے وأحسن الهدى هدى محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی بھی ہدایات تھیں وہ ختم ہو گئیں ان کا ایک مخصوص زمانہ تھا، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت دائم و مستمر ہے لہٰذا وہ تمام ہدایات سے احسن ہے۔

وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا: اور بدترین امور محدثات ہیں، مسند احمد میں اس کے آگے ہے وكل بدعة ضلالة، ہر بدعت ضلالت ہے، بدعت کہتے ہیں اس امر کو جو انوکھا اور نوپید ہو، اور شریعت میں بدعت کا اطلاق اس امر پر کیا جاتا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو، اور اگر شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود ہو تو اس کو بدعت نہیں کہا جاتا ہے۔

اب اس میں علماء میں اختلاف ہو رہا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ چیز بدعت حسنہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے، کوئی بدعت حسنہ ہو نہیں سکتی ہے، اس کا اصل منشاء یہ ہے کہ جن حضرات نے بعض بدعات کو بدعت حسنہ کہا ہے وہ اس معنی کے لحاظ سے کہا ہے کہ اگرچہ اس کی مجموعی شکل شارع علیہ السلام کے عہد مبارک میں نہیں تھی لیکن اس کی اصل ضرور موجود تھی، مثال کے طور پر یہ مدارس اور خانقاہیں صورۃً بدعت حسنہ ہیں اس لئے کہ اس کی مجموعی شکل عہد نبوت میں موجود نہیں تھی، لیکن بہر حال اس کی اصل

موجود تھی کہ اصحاب صفہ حضور ﷺ کی خدمت میں پڑے رہتے تھے اور آپ سے قرآن وحدیث حاصل کرتے تھ، اسی طرح آپ سے تزکیہ نفس حاصل کرتے تھے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے، بدعت محمودہ اور بدعت مذمومہ، بدعتِ محمودہ تو وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، اور جو سنت کے خلاف ہو وہ بدعت مذمومہ ہے، غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات نے بعض بدعات کو بدعت حسنہ اور بعض کو سیئہ قرار دیا ہے ان کی مراد بدعت سیئہ سے وہ امر ہے جس کی سنت میں نہ کوئی عام اصل ہے اور نہ کوئی خاص، اور بدعت حسنہ سے مراد وہ امر ہے جس کی سنت میں کوئی اصل عام موجود ہو۔

اور یہ جو بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ ہر بدعت سیئہ ہے اور کوئی بدعت حسنہ نہیں ہو سکتی ہے ان حضرات کی مراد بدعت سے وہی ہے جن کو دوسرے حضرات بدعت سیئہ کہتے ہیں، اس لئے کہ جس چیز کی اصل شریعت میں موجود ہو چاہے خاص ہو یا عام وہ بدعت کہلائی ہی نہیں جاسکتی ہے، مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات شریف میں اس پر بڑا زور دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ جو بدعت ہوگی وہ ضلالت اور گمراہی ہوگی اور بدعتِ سیئہ ہی ہوگی حسنہ ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

میں نے جو تقریر کی ہے اس تقریر سے حضرات سلف کے کلام میں جمع ہو جاتا ہے اور تعارض ختم ہو جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے تراویح کے اجتماع عام کو بدعت بتلایا ہے اور فرمایا ہے **نعمت البدعة هذه**، یہ بدعت بہت اچھی چیز ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جو مجموعی طور پر عہد نبوت میں نہیں تھی مگر چونکہ اس کی اصل موجود تھی اس واسطے سلف نے اسکو اچھا سمجھ لیا، واللہ اعلم۔

شیخ عزالدین ابن عبد السلام نے کتاب القواعد میں بدعت کی احکام خمسہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں بیان کی ہیں (۱) بدعت واجبہ (۲) بدعت مندوبہ (۳) بدعت محرمہ (۴) بدعت مکروہہ (۵) بدعت مباحہ، اور پھر ہر ایک کی الگ الگ مثالیں بیان کی ہیں، مگر علامہ ابو القاسم شاطبی نے شیخ عزالدین کی اس مسئلہ میں کتاب الاعتصام میں مخالفت کی ہے اور ان پر لمبا چوڑا اعتراض کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ غور کیا جائے تو واقعی اور نفس الامر کے طور پر اختلاف اہل حق میں ملتا ہی نہیں ہے، اگر اختلاف ملتا ہے تو وہ لفظی ہوتا ہے تعبیر کا فرق ہوتا ہے

ورنہ تو سارے لوگ ایک ہی محور پر جا کر جمع ہو جاتے ہیں۔

(۷۲۷۸/ ۷۲۷۹) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ

(۷۲۸۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَأْبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى: میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل ہو گا مگر جو انکار کر دے، یعنی جو میرے لائے ہوئے دین اور میری سنت کا انکار کر دے وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے بغیر اس کے داخلۂ جنت ناممکن ہے، آپ سے پوچھا گیا وَمَنْ يَأْبَى؟ فرمایا کہ جو اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا، اور جو نافرمانی کرے گا اس نے اباء وانکار کیا، اور اباء وانکار کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

(۷۲۸۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَادَةَ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ حَدَّثَنَا أَوْ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هَذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوا أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا فَالدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْقٌ (فَرَّقَ) بَيْنَ النَّاسِ *تَابَعَهُ قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ جَابِرٍ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالُوا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا الخ: اس حدیث میں جو تشبیہ ہے وہ من قبیل تشبیہ المرکب بالمرکب ہے، لہٰذا مفردات کے درمیان تشبیہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ: محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں، یعنی محق و مبطل کا پتہ محمد ﷺ کے ذریعہ چلے گا، جو آپ کے طرز پر ہوگا وہ حق پر ہوگا اور جو آپ کے طرز سے ہٹا ہوا ہوگا وہ باطل پر ہوگا۔

تابعه قتيبة بن سعيد: قتیبہ کی روایت امام ترمذی نے تخریج کی ہے۔

(۷۲۸۲) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيمُوا فَقَدْ سُبِقْتُمْ (سَبَقْتُمْ) سَبْقًا بَعِيدًا فَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا

يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيمُوا الخ: اے قراء اور علماء کی جماعت! استقامت اختیار کرو، اگر استقامت اختیار کرلو گے تو بہت آگے بڑھ جاؤ گے، اور اگر تم نے استقامت اور راہ صواب اختیار نہیں کی بلکہ دائیں بائیں طرف جھکے تو بہت دور گمراہی میں جا پڑو گے۔

فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا: سَبَقْتُمْ صیغۂ معروف ہے اور بعضوں نے سُبِقْتُمْ ضبط کیا ہے لیکن راجح اوّل ہی ہے، ابن مبارک نے کتاب الزہد میں یہی روایت تخریج فرمائی ہے اس کے الفاظ ہیں يا معشر القراء خذوا طريق من كان قبلكم فوالله لئن استقمتم لقد سَبَقْتُمْ سبقا بعيدا، ولئن تركتموه يمينا وشمالا لقد ضللتم ضلالا بعيدا، یہ لفظ بالکل واضح ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگلے لوگ اگر استقامت اختیار کریں گے تو پچھلوں کے لئے سنت حسنہ ایجاد کریں گے اور اگر ضلالت اختیار کریں گے تو پچھلوں کے لئے سنت سیئہ ایجاد کریں گے، اور قاعدہ ہے من سنّ سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها ومن سنّ سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها

(۷۲۸۳) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ فَأَدْلَجُوا فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ (وَاتَّبَعَ) مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ

یہ حدیث اسی سند سے کتب الرقاق میں ذرا اختصار کے ساتھ گزر چکی ہے، ویسے یہ حدیث امام مسلم

نے بھی اسی سند سے تخریج فرمائی ہے تو شیخین اس روایت کو نقل کرنے میں بیک سند و متن متفق ہیں۔

وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ: اس کے متعلق میں کلام کر چکا ہوں، قاعدہ یہ تھا کہ جب دشمن کو دیکھتے تھے اور خوف شدید ہوتا تھا تو آدمی اپنے کپڑے کو نکال کر سر پر لپیٹ لیتا تھا، گویا یہ بتلاتا تھا کہ تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ ورنہ تم کو اس طرح مجرد اور ننگا ہو جانا پڑے گا۔

(۷۲۸۴/ ۷۲۸۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ فَقَالَ وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ فَقَالَ عُمَرُ فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ * قَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ وَعَبْدُ اللهِ عَنِ اللَّيْثِ عَنَاقًا وَهُوَ أَصَحُّ ورواه الناس عناقاً، وعقالا ههنا لا يجوز وعقالاً فى حديث الشعبى مرسل و كذا قال قتيبة عقالاً

وكذا قال قتيبة: عقالا: قتیبہ کی روایت مسلم شریف میں وارد ہوئی ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ عقالاً کا لفظ یہاں جائز نہیں ہے، راجح عناقاً کا لفظ ہے، اس لفظ میں اختلاف ہے، بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ عقال کا لفظ وہم ہے اور امام بخاری نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے اور صحیح عناقا کی روایت ہے، اور بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ دونوں لفظ محفوظ ہیں، جیسے عناقا وارد ہوا ہے ایسے ہی عقالا وارد ہوا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ہو سکتا ہے کہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا ہو ایک مرتبہ عناقا کہا ہو اور ایک مرتبہ عقالا کہا ہو، مگر چونکہ مخرج حدیث ایک ہے اسلئے مخرج کے اتحاد کی صورت میں تعدد کا قول اختیار کرنا بعید معلوم ہوتا ہے، لا محالہ احد اللفظین کو اصح وارجح قرار دینا پڑے گا فما اختاره البخاری أسعد بطريق المحدثين، ویسے عقالا کے لفظ کی توجیہ میں مسلم شریف میں کر آیا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ عِقال ایک سال کی زکاۃ پر بولا جاتا ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ عقال سے مراد وہ رسی ہے جو دو جانوروں کے گلے جوڑنے کے واسطے استعمال کی جاتی ہے، اس کو گرجوڑ کہتے ہیں، اور بھی

اس کی توجیہات ہیں، کتاب الزکاۃ میں بعض کو ذکر کر آیا ہوں۔

(۴۲۸۶) حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ بْنِ بَدْرٍ فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ يَا ابْنَ أَخِي هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الْأَمِيرِ فَتَسْتَأْذِنَ لِي عَلَيْهِ قَالَ سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاسْتَأْذَنَ لِعُيَيْنَةَ فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَمَا (وَلَا) تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ فَغَضِبَ عُمَرُ حَتَّى هَمَّ بِأَنْ يَقَعَ بِهِ فَقَالَ الْحُرُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ وَإِنَّ هَذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ فَوَاللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ

قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ، الخ: عیینہ ابن حصن اپنے بھتیجے حرؓ ابن قیس کے پاس آئے اور کہنے لگے اے بھتیجے! اس امیر کے پاس تجھے وجاہت حاصل ہے ذرا میرے لئے بھی اجازت لے لے، کہنے لگے بہت اچھا! اجازت لے لی، پھر داخل ہوتے ہی عیینہ صاحب نے نہ سلام نہ کلام، بس کہنا شروع کر دیا یَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَمَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ (او ابن خطاب! تو نہ ہمیں پوری طرح عطاء کثیر دیتا ہے اور نہ ہم میں انصاف کرتا ہے تو حضرت عمرؓ کو آگیا غصہ، کوڑا اٹھایا کہ رسید کرے۔

فَقَالَ الْحُرُّ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى الخ: حرؓ ابن قیس نے اپنے چچا کو بچا لیا، فوراً کہا کہ امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ عفو کو اختیار کیجئے اور اچھی بات کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے، اور یہ آدمی جاہلین میں سے ہے، حضرت عمرؓ یہ آیت سنتے ہی خاموش ہو گئے اور آگے نہیں بڑھے۔

اس حدیث پاک سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اقتداء بالکتاب مطلوب ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی سنت کا اتباع بھی ضروری ہے، کیونکہ جناب رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ اور حضور ﷺ کو جس بات کا حکم دیا گیا تھا حضرت عمرؓ نے اسکا اقتداء کیا اور عیینہ ابن حصن سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

(۷۲۸۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهَا قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ حِينَ خَسَفَتِ (كَسَفَتِ) الشَّمْسُ وَالنَّاسُ قِيَامٌ وَهِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ (مَا بَالُ النَّاسِ) فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللهِ فَقُلْتُ آيَةٌ قَالَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَرَهُ إِلَّا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُسْلِمُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَأَجَبْنَاهُ وَآمَنَّا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا عَلِمْنَا أَنَّكَ مُوقِنٌ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ

فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا: حضرت محمد ﷺ کے متعلق قبر میں سوال کیا جائے گا تو مؤمن کہے گا محمد جاءنا بالبینات، محمد ﷺ بینات لائے ہم نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ پر ایمان لائے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ جو کچھ لے کر آئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے انسان قبر میں گرفت سے بچے گا۔

(۷۲۸۸) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ (أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ سُؤَالُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ) عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ

قَالَ دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ: جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑے رہو، یعنی تم اپنی طرف سے ابتداء بالسوال مت کرو، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء بالسوال تمہارے لئے دشواری کا سبب بن جائے، بعض چیزیں تمہارے لئے مباح ہوں اور سوال کرنے کے بعد اس کی تحریم نازل ہو جائے اور تمہارے حق میں وہ چیز حرام ہو جائے۔

امام بغوی شرح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ مسائل دو قسم کے ہیں، بعض تعلیم کے طور پر سوالات ہوتے ہیں، آدمی کو امور دینیہ کے سیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کی وجہ سے وہ سوال کرتا ہے ایسے سوالات تو جائز ہیں بلکہ قرآن پاک میں اس طرح سوالات کرنا مامور بہ ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

﴿إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اور حضرات صحابہ کرام کے سوالات اسی نوع کے ہوتے تھے، اور بعض سوالات علی وجہ التعنت والتکلف ہوتے ہیں، وہ منع ہیں۔

فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، الخ: جب کسی بات سے منع کروں اس سے بچو اور جس بات کا میں تم کو حکم دوں اس کو تم کرو، اس حدیث کو علماء نے جوامع الکلم میں شمار کیا ہے اس لئے کہ یہ اپنے عموم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مامورات اور منہیات کو شامل ہے۔

(ص ۱۰۸۲) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ وَتَكَلُّفِ مَا لَا يَعْنِيهِ

وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

سوالات کی کثرت اور لایعنی باتوں کے متعلق سوال کرنا مکروہ ہے، حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے سوال عن النوازل قبل حلولھا کے متعلق روشنی ڈالی ہے، یہ مسئلہ سلف میں مختلف فیہ تھا کہ آیا کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے فرضی طور پر واقعہ بنا کر اس کے متعلق سوال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک وغیرہ اسکو بہت ناپسند کرتے تھے اور امام سے جب کسی بات کے متعلق سوال کیا جاتا تو پوچھتے تھے کہ آیا ایسا واقعہ ہوا ہے یا نہیں؟ اگر واقع ہوتا تھا تو حضرت امام جواب دیتے تھے ورنہ جواب نہیں دیا کرتے تھے، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سوال عن النوازل جائز ہے اگرچہ وہ وقوع سے پہلے ہی ہو بشرطیکہ اس کا مقصود یہ ہو کہ فرعیات مدون ہو جائیں اور جاہل کو عمل کرنے کی سہولت حاصل ہو جائے۔

اور باقی جن نصوص سے سوالات کرنے پر نکیر معلوم ہوتی ہے علماء نے اس کے دو محمل بیان کئے ہیں، اوّل تو یہ کہ اس سے مراد ایسے سوالات ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں، یا ایسے سوالات ہیں جن میں تعنت ہوتا ہے مسئول کو تنگ کرنا مقصود ہوتا ہے، حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے غالباً اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ لایعنی باتوں کے متعلق تکلف کرنا اور سوال کرنا منہی عنہ ہے، اگر آدمی کوئی فرضی ہی سوال کرتا ہے لیکن لایعنی نہیں ہے بلکہ پیش نظر کوئی خاص فائدہ ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضرات علماء نے اصول یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل مستنبط کر کے کتابوں

میں مدون فرمادیئے، اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو آج عمل کرنے کی سہولت حاصل ہوگئی، قاضی ابن عربی کی رائے یہ ہے کہ استخراج مسائل اور تدوین احکام میں قبل حلول الحوادث کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔

وقوله لَاتَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ: رہا صحابہ کا سوال کرنا تو وہ یا تو آیت سے پہلے تھا یا ضرورت کی بناء پر تھا۔

(۲۸۹ ۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ

إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ، الخ: مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ شخص ہے کہ کوئی چیز پہلے سے حرام نہ ہو اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام ہو جائے۔

(۲۹۰ ۷) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ يُحَدِّثُ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً (حُجْزَةً) فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيرٍ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا لَيَالِيَ حَتَّى اجْتَمَعَ إِلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوا صَوْتَهُ لَيْلَةً فَظَنُّوا أَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ

(۲۹۱ ۷) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا فَلَمَّا أَكْثَرُوا عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ غَضِبَ وَقَالَ سَلُونِي فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبِي فَقَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَضَبِ قَالَ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

قَالَ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: اور اسی روایت کے دوسرے طرق میں وارد ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ کہنے لگے رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا ﷺ، اور چونکہ یہ سوالات تکلف پر مبنی تھے اس

لئے حضور ﷺ ناراض ہوئے، معلوم ہوا کہ متکلفانہ سوالات نگاہ شارع میں ناپسندیدہ ہیں۔

(۷۲۹۲) حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنَّهُ كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدِ الْبَنَاتِ وَمَنْعٍ وَهَاتِ

كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ: امام مالک فرماتے ہیں کہ کثرت سوال سے منع کیا گیا، معلوم نہیں کہ اس سے مراد یہی سوالات ہیں جو تم خواہ مخواہ کیا کرتے ہو یا لوگوں کے اموال کے متعلق سوال کرنا ہے، امام بخاری کا طرز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دونوں کو مانتے ہیں کہ کتاب الزکاۃ میں بھی یہ روایت ذکر فرمادی اور یہاں بھی ذکر فرمادیا، اور حضور ﷺ کو جوامع الکلم سے نوازا گیا تھا لہٰذا اگر ایک مختصر سے لفظ میں دو معنیٰ آگئے ہوں تو کیا عجب ہے۔

(۷۲۹۳) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ

فَقَالَ نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ: ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے، اس واسطے آدمی کو خواہ مخواہ تکلف اختیار نہیں کرنا چاہئے اور حضور ﷺ سے کہلوایا گیا ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾۔

(۷۲۹۴) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا قَالَ أَنَسٌ فَأَكْثَرَ النَّاسُ (الْأَنْصَارُ) الْبُكَاءَ وَأَكْثَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَقَالَ أَنَسٌ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْنَ مَدْخَلِي يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ قَالَ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي سَلُونِي فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا

وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ عُمَرُ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هَذَا الْحَائِطِ وَأَنَا أُصَلِّي فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ

فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ: یعنی خیر وشر ایک ساتھ جمع ہورہے تھے، حضور ﷺ کو ان کی صورت مثالیہ دکھلائی گئی تھی یا علی وجہ المعجزہ دونوں کو لا کر ایک ساتھ جمع کردیا تھا۔

(۷۲۹۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ فُلَانٌ وَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ﴾ الْآيَةَ

(۷۲۹۶) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ (يَسْأَلُونَ) حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللهَ

لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللهَ: لوگ سوالات میں اتنا تکلف کریں گے کہ یہاں تک پوچھ بیٹھیں گے کہ اللہ میاں نے سب مخلوق کو پیدا کیا اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اور واقعۃً اس طرح کا حال پیش آیا، چنانچہ مسلم شریف وغیرہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، اس کا جواب بس یہی ہے کہ اللہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا ہے، اور جب اس طرح کا وسوسہ آئے تو آدمی کو تعوذ پڑھنا چاہئے اور اس طرح کے خیالات سے اپنے دل کو فوراً پھیر لینا چاہئے ورنہ شیطان خیالات کے دریا میں غرق کرکے انسان کو گمراہ کردیتا ہے، اسی لئے احادیث میں ترغیب وارد ہوئی ہے کہ اگر اس طرح کی بات پیش آئے فلیتعوذ باللہ ولینتہ (تعوذ پڑھے اور رک جائے)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال ہی اپنی جگہ غلط ہے، اس لئے کہ جب اللہ مخلوق ہوگا تو وہ اللہ ہو ہی نہیں سکتا ہے، کیونکہ اللہ تو خالق ہے اور خالق تو دوسروں کا پیدا کرنے والا ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں، تو اگر وہی کسی کا پیدا کیا ہوا ہو تو وہ خالق کیا ہوگا مخلوق بن جائے گا، اور خالق ہونا چاہتا ہے وجود کو اور مخلوق ہونا چاہتا ہے عدم کو لہٰذا سوال ہی اپنی جگہ غلط ہے۔

(۷۲۹۷)حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرْثٍ (خِرَبٍ) بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يُسْمِعُكُمْ (لَا يُسْمِعْكُمْ) مَا تَكْرَهُونَ فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالُوا يَا أَبَا الْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنِ الرُّوحِ فَقَامَ سَاعَةً يَنْظُرُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَتَأَخَّرْتُ عَنْهُ حَتَّى صَعِدَ الْوَحْيُ ثُمَّ قَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾

فَقَالَ بَعْضُهُمْ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ: یہ روایت سب سے پہلے کتاب العلم میں گزر چکی ہے اور میں وہاں اس کے متعلق بحمد اللہ نہایت بسط و ایضاح کے ساتھ کلام کر چکا ہوں اور مختصر طور پر کتاب التفسیر میں بھی کلام کر چکا ہوں اور یہ بتلا چکا ہوں کہ آیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کے متعلق علم دیا گیا تھا یا نہیں؟ اور روح کی حقیقت کیا ہے؟ اہل حق کی رائے یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں ایسے سرایت کئے ہوئے ہے جیسے عرق گلاب، گلاب میں سرایت کئے ہوئے ہے، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ نے انسانوں اور جانداروں میں حیات رکھ دی ہے۔

(ص ۱۰۸۴) بَابُ الاقْتِدَاءِ بِأَفْعَالِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترجمہ منعقد کر کے اقوال نبی کے اتباع کی ترغیب دی تھی اور اس باب سے افعال نبی کے اتباع کی ترغیب دی ہے، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے میں ابھی بیان کر چکا ہوں، بہر حال حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا اتباع مامور بہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا اتباع کرنا واجب ہے یا مندوب یا کچھ تفصیل ہے؟

حضرت امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا اقتداء

کرنا واجب ہے الا یہ کہ کوئی خاص دلیل عدم وجوب پر دلالت کرے، قاضی ابو بکر ابن الباقلانی فرماتے ہیں کہ آپ کے افعال میں وجوب اور ندب اور اباحت سب کا احتمال ہے، دار ومدار قرینہ پر ہے، قرینہ جس بات پر دلالت کرے گا وہی چیز مختار اور معمول بہا ہوگی، حضرات شافعیہ کی ایک بڑی جماعت کہتی ہے **الأصل فی أفعاله الندب إذا ظهر وجه القربة**، اور بعض کہتے ہیں کہ **ولو لم یظهر** اگرچہ اس کا قربت ہونا ظاہر نہ ہو۔

حضرات حنفیہ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے افعال مختلف اقسام کے ہیں، (۱) بعض تو وہ ہیں جو آپ سے سہواً صادر ہوئے اس میں اقتداء مامور نہیں، (۲) آنحضور ﷺ کے افعال جبلیہ ہمارے لئے بھی مباح ہیں اور آپ کے لئے بھی مباح تھے، لہٰذا حضور ﷺ جس طرح آنکھوں کو بند کرتے تھے جس طرح آپ چلتے تھے جس طرح بات میں جو انداز اختیار کرتے تھے وہ انداز اختیار کرنا ہمارے لئے مباح ہے، (۳) وہ افعال ہیں جو حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہیں وہ آپ ہی کے ساتھ خاص ہیں اس میں کسی کو اقتداء کا حق حاصل نہیں، جیسے چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا وغیرہ، (۴) وہ افعال ہیں جو مجمل کتاب کا بیان ہے اس کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ جو مبیَّن کا حکم ہے وہی بیان کا حکم ہے۔

اب جن افعال کے متعلق نہ بیان ہونا معلوم ہو اور نہ خصوصیت کا علم ہو تو کیا حکم ہے؟ امت کس چیز کی مامور بہ ہے؟ جمہور علماء جس میں ابو بکر جصاص رازی بھی ہیں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے حق میں وہ فعل جو درجہ رکھتا ہے امت کے حق میں بھی وہی درجہ رکھتا ہے، لہٰذا آنحضور ﷺ کے لئے واجب تو امت کے لئے بھی واجب ہے، آپ کے حق میں مندوب تو امت کے حق میں بھی مندوب ہے، آپ کے حق میں مباح تو امت کے حق میں بھی مباح ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ صرف عبادات کا حکم ہے، امام کرخی فرماتے ہیں کہ جن افعال کے متعلق بیانِ خصوصیت نہ معلوم ہو سکے وہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہی سمجھے جائیں گے الا یہ کہ عموم کی کوئی دلیل آجائے اور اس کی وجہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم آپ کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہ فعل جیسے آپ کرتے تھے آپ کی امت بھی اس میں مامور بہ ہے۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ بعض افعال ایسے ہیں کہ جس کی صفت آپ کے حق میں معلوم ہے اس کے

متعلق ابھی کلام ہو چکا ما عرف صفته في حقه فالجمهور ومنهم الرازي يقولون: الأمة مثله في الوجوب والندب والإباحة، لیکن جس کی صفت ہی معلوم نہیں کہ آیا حضور ﷺ یہ افعال علی وجہ الاباحۃ کرتے تھے یا علی وجہ الوجوب یا علی وجہ الاستحباب، امت کا معاملہ اس کے بارے میں کیا ہے؟ ابوالیسر بزدوی فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ امت کے حق میں مباح ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام کرخی فرماتے ہیں کہ مباح ہے آپ کے حق میں اور ہمیں اس کے اتباع کی گنجائش نہیں ہے، اور ابوبکر جصاص رازی، فخر الاسلام بزدوی، شمس الائمہ سرخسی، قاضی ابوزید دبوسی فرماتے ہیں کہ جب آپ کے حق میں مباح ہے تو ہمارے حق میں بھی مباح ہے، ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾۔

اس مسئلہ میں اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں، اس کا محل اصول فقہ کی کتابیں ہیں، خاص طور سے علامہ ابن ہمام نے التحریر میں ان مسائل کو محرر فرمایا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ نام تو ہے تحریر لیکن ہے وہ بڑی مغلق کتاب، علامہ ابن امیر حاج حلبی نے جو ابن ہمام کے شاگرد رشید ہیں اور ان ہی کی طرح سے فقہ اور اصول اور حدیث کے ماہر ہیں انہوں نے اس کی ایک شرح لکھی ہے التقریر والتحریر جو مدرسہ میں تین جلدوں میں موجود ہے اس سے اس کی کافی وضاحت ہوتی ہے۔

ایک مسئلہ اور ہے کہ اگر حضور ﷺ کے اقوال و افعال میں تعارض ہو جائے تو آیا اقوال کو ترجیح ہوگی افعال پر یا افعال کو ترجیح ہوگی اقوال پر یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ علامہ صلاح الدین علائی نے اس میں علماء کے تین قول نقل کئے ہیں، ایک قول جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ قول کو مقدم کیا جائے گا فعل پر، دوسرا قول یہ ہے کہ فعل مقدم ہوگا قول پر کیوں کہ فعل میں احتمالات نہیں ہوتے ہیں اور قول میں احتمالات ہوتے ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے گا یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ قرائن و شواہد سے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے یا فعل کو، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

(۷۲۹۸) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي اتَّخَذْتُ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَنَبَذَهُ وَقَالَ إِنِّي لَنْ أَلْبَسَهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ

فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ الخ: حضور ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تو صحابہ نے بھی بنوالی، معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ کے افعال جائز الاتباع ہیں بلکہ مامور بالاتباع ہیں۔

(ص ۱۰۸۴) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ فِي الْعِلْمِ وَالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالْبِدَعِ

لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾

حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں چند چیزیں لکھی ہیں (۱) تعمق، یعنی آدمی تشدید کرے، مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اتباع اور اقتداء مطلوب ضرور ہے لیکن آدمی اسی حد تک رہے جس حد تک اتباع و اقتداء کہلاتا ہے، اس سے اگر تجاوز کرے گا تو تعمق کے حدود میں داخل ہو جائے گا (۲) دوسری چیز بیان کی تنازع فی العلم، علم میں تنازع سے اجتناب کرنا چاہئے (۳) آگے فرماتے ہیں والغلو فی الدین، غلو یہ تعمق سے آگے کا درجہ ہے، حد سے تجاوز کر جانا (۴) چوتھی چیز ہے البدع یعنی بدعتیں، جو چیز شریعت میں نہ ہو آدمی اپنی طرف سے گھڑ لے اور افتراء کرے۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾: دین میں غلو مت کرو، اس سے مراد فروع ہیں، اور ﴿وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ سے اشارہ ہے اصول کی طرف، مطلب یہ ہے کہ اصول و فروع دونوں میں غلو سے اجتناب کیا جائے، اصول میں اتباع کیا جائے ماورد وما ثبت کا، اور فروع میں بھی غلو سے اجتناب کیا جائے، بس جتنے تک کی گنجائش ہو اتنے تک میں اتباع کیا جائے آگے قدم نہ بڑھایا جائے۔

(۷۲۹۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُوَاصِلُوا قَالُوا إِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي (وَيَسْقِينِ) فَلَمْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ قَالَ فَوَاصَلَ بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَيْنِ أَوْ لَيْلَتَيْنِ ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ كَالْمُنَكِّلِ (كَالْمُنْكِي - كَالْمُنْكِرِ) لَهُمْ

إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي: یہ حقیقی طعام تھا جو جنت سے لایا جاتا تھا، یا اس سے مراد

قوتِ طعام وشراب کا حاصل ہونا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ میں ایک ایسی لذت محسوس ہوتی ہے جو طعام وشراب سے مستغنی کر دیتی ہے، تینوں قول ہیں، اس تیسرے قول کے متعلق ایک شعر کسی نے کہا ہے:

لها أحاديث من ذكرى فتشغلها   عن الشراب وتلهيها عن الزاد

ترجمہ: اُس محبوبہ کی باتیں ایسی ہیں جو تجھ کو کھانے اور پینے سے مشغول کر دیتی ہیں، نہ کھانے کا خیال رہتا ہے اور نہ پینے کا خیال رہتا ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم کے متعلق بتایا گیا کہ ایک مرتبہ رمضان شریف میں تو پورے رمضان میں از قبیل اناج کوئی چیز نہیں چکھی ہے، حضرت کو یخنی پلا دی جاتی ہے وہ بھی دو تین گھونٹ پیتے (خادم) ابوالحسن کی زبردستی سے، اولیاء اللہ کو بس مزے آتے رہتے ہیں بھوکے پڑے رہتے ہیں۔

کالمنکر لهم: جیسے آپ انکار کر رہے ہوں، یہی حدیث ماقبل میں ۱۰۷۵ صفحہ پر گزری ہے جس میں ہے یدّع المتعمّقون تعمّقهم تاکہ تعمق والے اپنا تعمق یعنی غلو چھوڑ دیں، اس سے ترجمہ کی مطابقت ظاہر ہوتی ہے۔

(۷۳۰۰) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ خَطَبَنَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى مِنْبَرٍ مِنْ آجُرٍّ وَعَلَيْهِ سَيْفٌ فِيهِ صَحِيفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَقَالَ وَاللهِ مَا عِنْدَنَا مِنْ كِتَابٍ يُقْرَأُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ فَنَشَرَهَا فَإِذَا فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ وَإِذَا فِيهَا الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ عَيْرٍ إِلَى كَذَا فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَإِذَا فِيهِ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَإِذَا فِيهَا مَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا

وَاللهِ مَا عِنْدَنَا مِنْ كِتَابٍ يُقْرَأُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ: اس سے روافض کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محمد بن حسن عسکری دس پارے لے کر غارِ سرّ من رأی میں چھپے ہوئے ہیں، حضرت علیؓ تو کہتے ہیں کہ میرے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے ہی نہیں جس کو ہم پڑھتے ہوں، اور محمد بن حسن اللہ جانے کہاں سے لے کر چھپ گئے ہیں۔

فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ

یہ بدعتوں کی کراہت پر صراحۃً دلالت کرتا ہے۔

(۷۳۰۱)حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيهِ وَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ فَوَاللهِ إِنِّي أَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً

یہ حدیث اسی سند سے ابواب الادب میں گزر چکی ہے اور میں وہاں تنبیہ کر چکا ہوں، حضور ﷺ نے کچھ چیزوں میں سہولت اختیار کی مثلاً بعض ایام میں افطار اور بعض ایام میں روزہ، اسی طرح رات میں کچھ سونا اور کچھ بیدار رہنا، لیکن بعض صحابہ کرام نے اس سے احتراز کیا اور تشدد اختیار کیا، مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیئے، اور بعضوں نے یہ عزم کر لیا کہ رات بھر عبادت کریں گے، اور بعضوں نے یہ عزم کر لیا کہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے شادی نہیں کریں گے، تو حضور ﷺ نے فرمایا: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ کیا بات ہے کہ بعض لوگ ایسی چیزوں سے احتراز کرتے ہیں جو میں خود کرتا ہوں، معلوم ہوا کہ یہ چیز غلو ہے کیونکہ حضور ﷺ کے حدود سے گزر جانا غلو ہے، آپ نے جو کچھ کیا اسکو کرنا چاہئے اور جو آپ نے نہیں کیا اس سے آگے قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

فَوَاللهِ إِنِّي أَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً: میں اللہ سے ان لوگوں سے سے زیادہ واقف ہوں اور زیادہ ڈرنے والا ہوں، مطلب یہ ہے کہ عمل میں مبالغہ اور اکثار دو وجہ سے ہوتا ہے، قوت علمیہ کی وجہ سے اور قوت عملیہ کی وجہ سے، اور میں قوت علمیہ اور عملیہ دونوں میں ان سے بڑھا ہوا ہوں، اور اس کے باوجود میں اتنا زیادہ مبالغہ نہیں کرتا ہوں تو ان لوگوں کو مبالغہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

(۷۳۰۲)حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفْدُ بَنِي تَمِيمٍ أَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ التَّمِيمِيِّ الْحَنْظَلِيِّ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ وَأَشَارَ الْآخَرُ بِغَيْرِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ إِنَّمَا أَرَدْتَ خِلَافِي فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ [عَظِيمٌ] قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ ابْنُ

الزُّبَيْرِ فَكَانَ عُمَرُ بَعْدُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ إِذَا حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَدِيثٍ حَدَّثَهُ كَأَخِي السِّرَارِ لَمْ يُسْمِعْهُ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ

فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا الخ: اس سے تنازع ثابت ہوا جس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾

وَلَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهِ: اب سے مراد عبد اللہ بن زبیرؓ کے نانا حضرت ابو بکرؓ مراد ہیں، اب کہہ دیا کیونکہ یہ ان کی ماں کے والد ہیں۔

إِذَا حَدَّثَ النَّبِيَّ ﷺ بِحَدِيثٍ حَدَّثَهُ كَأَخِي السِّرَارِ: اس کے بعد تو حضرت عمرؓ کی عادت یہ ہوگئی کہ بات ایسے کرتے جیسے سرگوشی کرتے ہوں لَمْ يُسْمِعْهُ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ، بعض وقت حضور ﷺ آواز نہیں سنتے تھے تو ان سے پوچھتے تھے کہ کیا کہا؟ ویسے حدیث شریف کے متعلق میں کلام کر چکا ہوں کتاب التفسیر میں۔

(۷۳۰۳) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ (لِلنَّاسِ) فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُولِي إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ (لِلنَّاسِ) فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا

یہ حدیث اسی سند کے ساتھ ابواب الصلاۃ میں صفحہ ۹۹ پر گزر چکی ہے، حضرات ازواج مطہرات کا بار بار سوال کرنا غلو اور تعمق تھا، حضور تو فرما رہے ہیں کہ ابو بکرؓ کو کہو اور یہ کہہ رہی ہیں کہ عمرؓ کو کہہ دو کہ وہ امامت کریں۔

(۷۳۰۴) حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَ عُوَيْمِرٌ الْعَجْلَانِيُّ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ فَقَالَ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَيَقْتُلُهُ أَتَقْتُلُونَهُ بِهِ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَكَرِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا فَرَجَعَ عَاصِمٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ الْمَسَائِلَ فَقَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى الْقُرْآنَ خَلْفَ عَاصِمٍ فَقَالَ لَهُ قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكُمْ قُرْآنًا فَدَعَا بِهِمَا (فَدَعَاهُمَا) فَتَقَدَّمَا فَتَلَاعَنَا ثُمَّ قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَفَارَقَهَا وَلَمْ يَأْمُرْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِرَاقِهَا فَجَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْمَرَ قَصِيرًا مِثْلَ وَحَرَةٍ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ كَذَبَ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْحَمَ أَعْيَنَ ذَا أَلْيَتَيْنِ فَلَا أَحْسِبُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى الْأَمْرِ الْمَكْرُوهِ

فَكَرِهَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا: حضور نے ان سوالات کو ناپسند کیا اور عیب لگایا، اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت فرمایا ہے، اس لئے کہ ان کا سوال غلو کے حدود میں داخل تھا کہ خواہ مخواہ قبل حلول الواقعہ سوال کیا۔

وَلَمْ يَأْمُرْهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِفِرَاقِهَا أَيْ بِطَلَاقِهَا: فراق سے مراد طلاق ہے، ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فراق کا امر فرمایا ہی تھا۔

انْظُرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْمَرَ قَصِيرًا مِثْلَ وَحَرَةٍ: دیکھو تم اس کو اگر لائے وہ بچہ سرخ رنگ کا، ٹھگنا جیسے بامنی ہوتی ہے تو میرا گمان نہیں مگر یہ کہ اسکے خاوند نے اس پر تہمت لگائی، اور اگر لائے وہ سیاہ فام، بڑی آنکھوں والا اور موٹے سرین والا تو میرا گمان نہیں مگر یہ کہ اس نے سچ کہا ہے۔

(۷۳۰۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ النَّصْرِيُّ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ ذَلِكَ فَدَخَلْتُ عَلَى مَالِكٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ انْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ أَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَا فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ يَسْتَأْذِنُونَ قَالَ نَعَمْ فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَأَذِنَ لَهُمَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ اسْتَبَّا فَقَالَ الرَّهْطُ عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ فَقَالَ اتَّئِدُوا أُنْشِدُكُمْ بِاللهِ (أَنْشُدُكُمُ اللهَ) الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهُ قَالَ الرَّهْطُ قَدْ قَالَ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَإِنِّي مُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللهَ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَالِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ ﴿مَا أَفَاءَ اللهُ

عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ﴾ الآيَةَ فَكَانَتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وَاللهِ مَا احْتَازَهَا (اخْتَارَهَا) دُونَكُمْ وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ وَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هَذَا الْمَالُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ فَعَمِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ حَيَاتَهُ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذَلِكَ فَقَالُوا نَعَمْ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ أَنْشُدُكُمَا اللهَ (بِاللهِ) هَلْ تَعْلَمَانِ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمَا حِينَئِذٍ وَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ تَزْعُمَانِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ فِيهَا كَذَا وَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ فِيهَا صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا عَلَى كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَأَتَانِي هَذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ وَبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا مُنْذُ وَلِيتُهَا وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِي فِيهَا فَقُلْتُمَا ادْفَعْهَا إِلَيْنَا بِذَلِكَ فَدَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذَلِكَ قَالَ الرَّهْطُ نَعَمْ فَأَقْبَلَ (ثُمَّ أَقْبَلَ) عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ أَفَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ فَوَالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا

اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ: حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم کہا حالانکہ حضرت علیؓ ظالم نہیں تھے، مگر عباسؓ چچا تھے بڑے تھے اور بڑوں کو بعض وقت چھوٹوں کو اس طرح کی بات کہہ دینے کا حق ہوتا ہے، اجلال کے طور پر کہا کرتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ کلام مشروط تھا، وقیل غیر ذلک۔

استبّا: گالی گلوچ کی یعنی دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔

یہ حدیث کئی بار گزر چکی ہے اور اس پر کلام گزر چکا ہے، یہاں تو امام بخاری اس روایت کو ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ تنازع مکروہ ہے، حضرت عثمانؓ وغیرہ کا یہ کہنا: یا أمیر المؤمنین! اقض بینھما وأرح أحدھما من الأخر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس تنازع کی وجہ سے دونوں حضرات مشقت میں پڑ گئے تھے، تکلیف میں پڑے ہوئے تھے۔

(ص ۱۰۸۶) بَابُ إِثْمِ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا رَوَاهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اگر کوئی آدمی کسی محدث کو، مبتدع کو، ظالم کو، عاصی کو پناہ دے تو گنہگار ہے۔

(۷۳۰۶) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَحَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ قَالَ نَعَمْ مَا بَيْنَ كَذَا إِلَى كَذَا لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ قَالَ عَاصِمٌ فَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ أَوْ آوٰى مُحْدِثًا

قَالَ عَاصِمٌ: فَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ: دار قطنی کتاب العلم میں کہتے ہیں کہ موسی ابن انس وہم ہے اور یہ وہم یا تو بخاری کو ہوا ہے یا ان کے استاذ موسی ابن اسماعیل کو ہوا ہے، صحیح موسی ابن نضر ہے جیسا کہ مسلم شریف میں وارد ہوا ہے۔

(ص ۱۰۸۶) بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ الْقِيَاسِ

وقول الله ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ باب ان نصوص کے بیان میں ہے جو رائے کی مذمت اور قیاس کے تکلف ہونے کے بیان میں وارد ہوئی ہیں۔

امام بخاری کے اس ترجمہ کے متعلق حضرات شراح کرام عامۃً یہ فرماتے ہیں کہ اس سے جس رائے اور جس قیاس کی مذمت فرمائی ہے وہ وہ رائے اور قیاس ہے جو نص کے ہوتے ہوئے کیا جائے، یا قیاس کے اوضاع متعارفہ کے مطابق نہ کیا جائے، یا علت جامعہ کے تلاش کرنے میں غلو سے کام لے۔

اصل یہ ہے کہ اگر علت جامعہ بین المنصوص و غیر المنصوص واضح ہو تو اسکو لیا جائے اور منصوص کا حکم غیر منصوص کی طرف متعدی کیا جائے، ورنہ پھر براءت اصلیہ پر عمل کیا جائے، یا اور جو قوانین شریعت ہیں ان کے مطابق عمل کیا جائے، لیکن میں اپنی بات بیان کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک حضرت امام بخاری، داؤد بن علی ظاہری کے ہم خیال ہیں، جیسے وہ قیاس کا انکار کرتے ہیں ان کے دوسرے ساتھی امام بخاری بھی قیاس کا انکار کرتے ہیں، اور دلیل یہ ہے کہ امام بخاری جو نصوص پیش کر رہے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیاس تکلف

ہے اور رائے مذموم ہے، ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ جسکا تمہیں علم نہ ہو اسکے پیچھے مت پڑو، ضرورت کیا پیش آئی قیاس کرنے کی۔

(۷۳۰۷) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شُرَيْحٍ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَجَّ عَلَيْنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْزِعُ الْعِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاهُمُوهُ (أَعْطَاكُمُوهُ) انْتِزَاعًا وَلَكِنْ يَنْتَزِعُهُ مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ فَيُضِلُّونَ وَيَضِلُّونَ فَحَدَّثْتُ بِهِ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو حَجَّ بَعْدُ فَقَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَاسْتَثْبِتْ لِي مِنْهُ الَّذِي حَدَّثْتَنِي عَنْهُ فَجِئْتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَحَدَّثَنِي بِهِ كَنَحْوِ مَا حَدَّثَنِي فَأَتَيْتُ عَائِشَةَ فَأَخْبَرْتُهَا فَعَجِبَتْ فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَقَدْ حَفِظَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو

حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شُرَيْحٍ وَغَيْرُهُ: غَيْرُهُ کا مصداق ابن لہیعہ صاحب ہیں۔

فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ فَيُضِلُّونَ وَيَضِلُّونَ: کچھ جہال پیدا ہوں گے ان سے فتویٰ پوچھا جائے گا وہ فتویٰ بجائے منقولات قرآن اور حدیث سے پیش کریں اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، رائے سے فتویٰ دینے والے کو مضل اور اس رائے پر عمل کرنے والے کو ضال کہا جارہا ہے، معلوم ہوا کہ رائے مذموم ہے۔

یہ حدیث مسلم شریف میں بھی وارد ہوئی ہے، مصنف سعید بن تلید سے نقل کرتے ہیں اور مسلم حرملہ سے نقل کرتے ہیں اور دونوں ابن وہب سے نقل کرتے ہیں، بخاری نے تو اس حدیث سے رائے کی مذمت پر استدلال کیا ہے، جو لوگ رائے اور قیاس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے وہ رائے اور قیاس مراد ہے جو نصوص کے ہوتے ہوئے کیا جائے یا اوضاع شریعت کے مطابق قیاس کا جو طرز ہے اس کے خلاف کیا جائے۔

(۷۳۰۸) حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ هَلْ شَهِدْتَ صِفِّينَ قَالَ نَعَمْ فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ لَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي

جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ لَرَدَدْتُهُ وَمَا وَضَعْنَا سُيُوفَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا إِلَى أَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرَ هَذَا الْأَمْرِ قَالَ وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ شَهِدْتُ صِفِّينَ وَبِئْسَتْ صِفُّونَ

امام بخاری نے یہ حدیث دوسندوں سے ذکر کی ہے، سند ثانی کے الفاظ یہاں ذکر کئے ہیں اور سند اوّل کے الفاظ ابواب الجزیہ میں گزر چکے ہیں، یوم أبی جندل سے مراد صلح حدیبیہ کا دن ہے کیونکہ اس دن حضرت ابوجندلؓ اپنی قیود میں آہستہ آہستہ آئے ہوئے تھے اور مسلمانوں نے واپس کر دیا تھا، حضور ﷺ نے بہت چاہا لیکن سہیل راضی ہی نہیں ہوئے ان کے دینے پر۔

وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَرَدَدْتُهُ: حضرت سہل بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بس میں ہوتا کہ میں حضور ﷺ کے امر کو رد کردوں تو رد کر دیتا، اور ہم نے اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں پر کسی امر کی طرف نہیں رکھا کہ ہم کو خوف اور ہول میں ڈالے مگر ہماری تلواریں ہم کو ایک سہل امر کی طرف لے گئیں جس کو ہم پہچانتے ہیں سوائے اس امر کے کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔

وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ: شَهِدْتُ صِفِّينَ وَبِئْسَتْ صِفُّونَ: ابووائل نے فرمایا کہ میں صفین میں شریک تھا اور صفین بہت بری تھی کہ مسلمانوں میں تلوار چلی اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹیں۔

يقول: مالم يكن فيه كتاب ولا سنة: اس رائے کی مذمت کر رہے ہیں جس میں کتاب وسنت نہ ہو، آدمی کو چاہئے کہ رائے سے فتویٰ ہی نہ دے، لیکن حضرات جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت سہل ابن حنیفؓ نے ان لوگوں کی رائے کو متہم قرار دیا ہے جو صلح کی پیش کش کرنے پر اعتراض کرتے تھے اور اسکو منظور نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ جو لوگ ٹیلے پر ہیں امیر المؤمنین ان کا چل کر خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے ہیں؟

(ص ۱۰۸۷) بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ مِمَّا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي أَوْ لَمْ يُجِبْ حَتَّى يُنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ وَلَمْ يَقُلْ بِرَأْيٍ وَلَا بِقِيَاسٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿بِمَا

أَرَاكَ اللهُ ﴾ وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم عَنِ الرُّوحِ فَسَكَتَ حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ

اس ترجمۃ الباب کی غرض میرے نزدیک تو وہی ہے جو ظاہر ترجمہ سے سمجھ میں آتی ہے یعنی اگر حضور ﷺ سے کسی ایسی بات کے متعلق سوال کیا جاتا جس کے بارے میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی تو دو ہی صورتیں ہوتی تھیں، یا تو آپ لا أدری فرمادیتے یا آپ جواب ہی نہ دیتے تا آنکہ آپ پر وحی آجائے، لیکن آپ رائے و قیاس سے جواب نہیں دیتے تھے، معلوم ہوا کہ رائے و قیاس شریعت میں کوئی چیز نہیں ہے۔

بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مسئلہ اختلافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ کہ جناب رسول اکرم ﷺ کو مسائل میں اجتہاد کرنے کا حق حاصل تھا یا نہیں؟ کتاب العلم میں یہ مسئلہ میں مفصل طور پر ذکر کر چکا ہوں مگر ضرورت مقام کی بناء پر یہاں پر بھی اعادہ کرتا ہوں۔

امام شافعی، امام احمد، قاضی ابو یوسف اور عامۂ حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لئے قیاس کرنا اور اجتہاد کرنا جائز تھا، امام مالک کی اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ والأشبہ جوازہ، تو مطلب یہ نکلا کہ حضرات ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے متبعین کے نزدیک حضور ﷺ کے لئے اجتہاد کرنا جائز تھا، شیعہ، معتزلہ اور اشاعرہ انکار کرتے ہیں، قاضی اور جبائی یوں کہتے ہیں کہ صرف فروع میں حضور پاک ﷺ کو اجتہاد کا حق تھا، امام الحرمین نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، یہ چار قول ہو گئے۔

پھر جمہور علماء جو آپ کے حق میں اجتہاد کے جواز کے قائل ہیں ان میں اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا آپ نے اجتہاد کیا یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں، بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ آپ نے کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جائز تو تھا مگر آپ نے کیا نہیں، اور امام غزالی سے اس مسئلہ میں توقف نقل کیا گیا ہے۔

پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے اجتہاد کیا ہے ان میں اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا آپ پر خطاء جائز تھی یا نہیں؟ یعنی آپ سے اجتہاد میں خطاء کا واقع ہونا ممکن تھا یا ممکن نہیں تھا؟ حنفیہ اور حنابلہ تو کہتے ہیں کہ آپ سے خطاء واقع ہونا ممکن تھا، یہی آمدی نے شافعیہ سے نقل کیا ہے لیکن سرکار دو عالم ﷺ کو خطاء پر باقی نہیں رکھا جاتا بلکہ تنبیہ کر دی جاتی، اور ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ کو اجتہاد کا حق تھا اور اجتہاد کیا بھی مگر آپ سے خطاء واقع ہونا ممکن نہیں تھا، امام نووی نے یہ قول محققین سے نقل کیا ہے، اسی کو حلیمی، بیضاوی اور

دوسرے حضرات نے اختیار کیا ہے، فخر الدین رازی اور فقیہ ہندی کہتے ہیں إنه الحق، علامہ تاج الدین سبکی نے حضرت امام شافعی سے نقل کیا ہے انہوں نے کئی جگہ کتاب الأمّ میں اسکی تصریح فرمائی ہے۔

لِقَوْلِهٖ تَعَالَى﴿بِمَا أَرَاكَ اللهُ﴾: یعنی حضور کو تو یہ حکم تھا﴿بِمَا أَرَاكَ اللهُ﴾کے مطابق فیصلہ کرنے کا، قیاس ورائے سے جواب دینے کا حکم نہیں تھا لہٰذا آپ قیاس ورائے سے جواب نہیں دیتے تھے۔

جمہور علماء جو قیاس ورائے کو حجت مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے متعلق اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کو اجتہاد کا حق نہیں تھا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا، وحی آتی تھی آسمان سے فرشتہ آتا تھا، لہٰذا آپ کو اجتہاد کرنے کی کیا ضرورت تھی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نصوص سے اجتہاد کا جواز آپ کے لئے نکلتا ہے، حضور ﷺ نے مکہ میں خطبہ دیا اور یہ فرمایا کہ لا يختلى خلاها، حضرت عباسؓ کھڑے ہوئے کہنے لگے: یارسول اللہ! إلا الإذخر، آپ نے فرمایا: إلا الإذخر۔

(۷۳۰۹)حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ مَرِضْتُ فَجَاءَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ وَضُوءَهُ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقُلْتُ أَيْ رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي قَالَ فَمَا أَجَابَنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ

(ص۱۰۸۷) بَابُ تَعْلِيمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم أُمَّتَهُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ لَيْسَ بِرَأْيٍ وَلَا تَمْثِيلٍ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے مردوں اور عورتوں کو وہی تعلیم دی جو اللہ نے آپ کو تعلیم دی، آپ نے رائے اور تمثیل کی تعلیم نہیں دی۔

یہ ترجمہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری قیاس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ قیاس عام طور سے قیاس تمثیلی پر بولا جاتا ہے، اور قیاس تمثیلی کا مطلب یہ ہے کہ حکم منصوص کے مثل کو غیر منصوص میں ثابت

کیا جائے علت جامعہ کے مشترک ہونے کی وجہ سے، جو علت منصوص میں پائی جاتی ہے وہ غیر منصوص میں بھی پائی جائے، لہٰذا جو حکم منصوص کا ہے وہ غیر منصوص کی طرف عائد کیا جائے گا۔

علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اگر نص بیان کرنا ممکن ہو تو آدمی خواہ مخواہ رائے وقیاس سے جواب نہ دے، اصل میں مہلب چونکہ بخاری کو قائسین میں سے مانتے ہیں اس لئے انہوں نے ان کے ترجمہ کی تشریح قائسین کے اصول پر فرمائی ہے۔

(۷۳۱۰) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ (الْإِصْبَهَانِيِّ) عَنْ أَبِي صَالِحٍ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْهَا مِنْ وَلَدِهَا ثَلَاثَةً إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ اثْنَيْنِ (أَوِ اثْنَيْنِ) قَالَ فَأَعَادَتْهَا مَرَّتَيْنِ ثُمَّ قَالَ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ اثْنَيْنِ: حضور ﷺ سے جب عورت نے پوچھا او اثنین تو آپ نے فرمایا واثنین، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ جو کچھ جواب دیتے تھے وہ اللہ کی تعلیم کے بعد جواب دیتے تھے، کیونکہ عورت نے جب دو مرتبہ اعادہ کیا تب جا کر آپ نے جواب دیا، معلوم ہوا کہ آپ نے نزول وحی کا انتظار کیا۔

(ص ۱۰۸۷) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ

حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر ظاہر رہے گی یعنی حق پر ثابت رہے گی، اور بخاری کہتے ہیں وهم أهل العِلْم، طائفہ کا مصداق اہل علم ہے۔

خطیب بغدادی نے کتاب شرف اصحاب الحدیث میں اپنی سند سے نقل کیا ہے، قال البخاری یعنی أصحاب الحدیث، اور امام ترمذی نے حدیث باب کے بعد امام بخاری سے نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ علی

ابن مدینی فرماتے ہیں هم أصحاب الحدیث، خطیب بغدادی نے عبد اللہ ابن مبارک سے اور اسی طرح حاکم نے علوم الحدیث میں اور خطیب نے شرف اصحاب الحدیث میں یزید ابن ہارون سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے إن لم یکونوا أهل الحدیث فلا أدری من هم؟ حاکم اور خطیب نے اسی طرح امام احمد سے بھی نقل کیا ہے، احمد ابن سنان محدث فرماتے ہیں هم أهل العلم و أصحاب الآثار، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں، اور امام نووی کی رائے یہ ہے کہ ہر طبقہ کے اچھے لوگ مراد ہیں، مفسرین اور زاہدین اور مجاہدین اور محدثین وغیرہ۔

(۷۳۱۱) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ

حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ: یہاں تک کہ اللہ کا حکم یعنی قیامت آجائے اور وہ غالب ہی رہیں گے۔

(۷۳۱۲) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَيُعْطِي اللهُ وَلَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ أَوْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ

وَلَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا: اس سے امام نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس امت کا معاملہ ہمیشہ قائم بالامر رہے گا، یعنی کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں رہے گا۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے کہ زمانہ کا خلو عن المجتہد ممکن ہے یا نہیں؟ حنابلہ تو کہتے ہیں کہ نہیں اور وہ اس روایت کو دلیل میں پیش کرتے ہیں، اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ خلو الزمان عن المجتہد ممکن ہے اور وہ عبد اللہ بن عمرو کی روایت بالا یعنی إن اللہ لا ینزع العلم بعد ان أعطاکموہ انتزاعاً و لکن ینتزعہ عنہم مع قبض العلماء بعلمہم سے استدلال کرتے ہیں۔

(ص ۱۰۸۷) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾

حضرت امام بخاری کے اس ترجمہ کی مناسبت ماقبل کے ساتھ کیا ہے؟ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ بعض امت کا ظہور اپنے دشمنوں اور مخالفین پر نہ کہ دوسرے بعض کا اس بات کو مقتضی ہے کہ ان میں باہم اختلاف ہوگا حتی کہ ایک جماعت غالب ہو جائے گی۔

بعضے علماء کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس سے اختلاف أمتی رحمة کی طرف اشارہ فرمایا ہو، یہ ایک حدیث ہے جو مشہور علی الالسنہ ہے اور نقل کی جاتی ہے، امام خطابی نے غریب الحدیث میں اس کو نقل کیا ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس پر دو آدمیوں نے اعتراض کیا ہے، ایک تو وہ شخص جو اپنے دین میں ماجن ہے یعنی اسحاق موصلی، اس نے اغانی میں ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد محدثین پر اعتراضات کئے، اور دوسرا وہ شخص ہے جو اپنے دین میں ملحد ہے یعنی عمرو ابن بحر جاحظ، یہ دونوں کہتے ہیں کہ جب اختلاف رحمت ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اتفاق عذاب ہوگا۔

امام خطابی نے دونوں کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ اختلاف تین قسم کا ہے، ایک اختلاف اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت کے بارے میں یہ تو ہے کفر، اور دوسرا اختلاف اس کی صفات اور اس کی مشیت کے بارے میں یہ ہے بدعت، اور تیسرا اختلاف فروع میں ہے یہ ہے رحمت، اس لئے کہ یہ وسعت کا سبب ہے۔

حضرت امام مسدد نے اپنی مسند میں عمر بن عبد العزیز سے نقل کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے ما أحب أن أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم يختلفوا، مجھے یہ پسند نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوا ہوتا، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے نقل کیا ہے ما أحب أن العلماء لم يختلفوا، مجھے یہ پسند نہیں کہ علماء میں اختلاف نہ ہوتا، اس لئے کہ اختلاف علماء امت میں وسعت کا سبب بنتا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ اختلاف أمتی رحمة کا لفظ کہیں بھی حدیث میں صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے، البتہ اختلاف أصحابی رحمة امام بیہقی نے المدخل میں اور خطیب بغدادی نے الکفایۃ میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند واہی ہے، اس سلسلہ میں کوئی حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے، مگر علامہ خطابی کا اس روایت کو غریب الحدیث میں لانا اس بات کی طرف ضرور مشیر ہے کہ کچھ نہ کچھ اس کی اصل ہو گی ہی۔

رہا یہ کہنا کہ اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا، یہ مغالطہ ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ اختلاف رحمت ہو تو اس کی ضد عذاب بن جائے، دیکھو لیل ونہار میں اختلاف ہے اور اللہ نے لیل کو سکن بنایا ہے تو کیا نہار عذاب ہے؟ نہیں! رات میں اور کام ہوتا ہے اور دن میں اور کام ہوتا ہے، اختلاف ضرور ہے لیکن اختلاف موجب زحمت نہیں ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے شاید اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا جس میں ہے کہ ستفترق أمتي ثلاثا وسبعين فرقة واحدة في الجنة وثنتان وسبعون في النار تو صحابہ نے سوال کیا من هم یا رسول اللہ؟ فرمایا: ما أنا عليه وأصحابي، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ باب اوّل سے یہ بتلایا ہے کہ اہل علم تو اہل حق ہیں اور وہی لوگ حق پر چلنے والے ہیں، اور باقی جو لوگ اہل علم کے طریقوں سے ہٹے ہوئے ہیں اپنی رائے اور قیاس کو استعمال کرنا چاہتے ہیں وہ حقیقۃً فرق ضالہ میں داخل ہیں۔

لیکن امام بخاری نے اگر واقعۃً یہ اشارہ کیا ہے تو حضرت امام کو جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ فِرَق ہیں جو عقائد میں ضلالت وگمراہی پیدا کرتے ہیں اور نصوص کی مخالفت کرتے ہیں، رہا فروع میں اختلاف تو وہ اپنی ذاتی رائے پر مبنی نہیں ہے بلکہ حضرات مجتہدین کرام، مسائل کا استنباط جب نصوص سے کرتے ہیں تو اس استنباط کرنے میں ان کی رایوں میں اختلاف ہو جاتا ہے، کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس مسئلہ کی یہ علت ہے اور کوئی سمجھتا ہے کہ دوسری علت ہے، کوئی سمجھتا ہے یہ معلول ہے اور کوئی سمجھتا ہے کہ غیر معلول ہے، غرض اس میں اختلاف ہو جاتا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

(۷۳۱۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ لَمَّا نَزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ قَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ قَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ قَالَ هَاتَانِ أَهْوَنُ أَوْ أَيْسَرُ

(ص ۱۰۸۸) بَابُ مَنْ شَبَّهَ أَصْلاً مَعْلُوماً بِأَصْلٍ مُبَيَّنٍ قَدْ بَيَّنَ اللهُ حُكْمَهَا لِيُفْهِمَ السَّائِلَ

عام طور سے شراح یوں کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اب تک جو مذمت بیان کی ہے وہ اس قیاس کی جو صحیح نہیں، فاسد ہے، جو قیاس کے اصول پر استخراج نہیں کیا گیا ہے یا نص کے ہوتے ہوئے کیا گیا ہے، اور یہاں سے امام بخاری قیاس صحیح کو بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی حکم شرعی پر کسی غیر منصوص کو قیاس کیا جائے اور منصوص کے حکم کو غیر منصوص تک منتقل کیا جائے تشبیہ دے کر کہ دونوں میں وجہ جامع یہ ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں جو دونوں روایتیں پیش کی ہیں قائسین نے ان ہی دونوں روایتوں سے قیاس کی حجیت پر استدلال فرمایا ہے۔

علامہ ابن بطال ارشاد فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کا انکار کیا وہ ابراہیم نظام ہے اور اس کے بعد بعض معتزلہ نے اس کا اتباع کیا، اور داؤد بن علی ظاہری نے، لیکن اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہی حجت ہے، صحابہ نے قیاس کیا اور ان کے بعد تابعین نے اور فقہاء امصار نے قیاس کیا۔

مگر ابن بطال کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے قیاس کا انکار کرنے والا ابراہیم نظام ہے یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ حضرات صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قیاس کا انکار کرتے تھے، تابعین میں سے محمد ابن سیرین اور عامر شعبی، فقہاء بصرہ انکار کرتے تھے، حافظ ابن عبدالبر نے ان حضرات سے قیاس کا انکار نقل کیا ہے اور ان سے پہلے دارمی وغیرہ نے نقل فرمایا ہے۔

مذہب معتزلی میں جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وہ ہے جو امام شافعی فرماتے ہیں کہ قیاس مشروع عند الضرورت ہے بذات خود اصل مستقل نہیں ہے۔

اب امام بخاری کی سنئے! عام طور سے شراح کسی نہ کسی مجتہد کے متبع ہیں اس لئے وہ امام بخاری کے کلام کی شرح کرتے ہوئے حضرت امام بخاری کو قائسین میں شمار کرتے ہیں، اور ان کے ابواب کی وہی تشریح کرتے ہیں جو قائسین کے قول کے مطابق ہوتی ہے، مگر میرا اپنا خیال یہ ہے کہ امام بخاری قائسین میں سے نہیں ہیں اور وہ قیاس کا انکار کرتے ہیں، اور اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے قائسین کے احتجاج کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ

فرماتے ہیں کہ جن نصوص سے آپ قیاس کی حجت پر استدلال کرتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو تشبیہ دی تھی وہ تشبیہ احتجاج کے لئے نہیں دی تھی بلکہ تفہیم سائل کے لئے دی تھی اسلئے فرمایا: لیفہم السائل، اثبات حکم کے لئے تشبیہ نہیں دی تھی، لہٰذا میرے نزدیک امام بخاری نے قائسین کے احتجاج کا جواب دیا ہے نہ کہ اس سے قیاس کی حجیت کو ثابت کیا ہے۔

(۷۳۱۴) حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ قَالَ إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا قَالَ فَأَنَّى تُرَى ذَلِكَ جَاءَهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ عِرْقٌ نَزَعَهَا (نَزَعَهُ) قَالَ وَلَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ

امام بخاری تو یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں حکم معلوم تھے لیکن اعرابی کو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں گورا اور لڑکا کالا کیسے پیدا ہو گیا؟ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سمجھا دیا کہ جیسے سرخ اونٹوں میں سے کالا اونٹ نکل آیا کرتا ہے اور علت بتادی، آپ نے فرمادیا: لَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ، قائسین کہتے ہیں کہ یہی تو قیاس ہے اور کیا چیز ہے؟ ٹھیک ہے، حضور نے قیاس نہیں کیا ہے اثبات حکم کے لئے، بہر حال آپ نے قیاس کیا ہے تشبیہ دی ہے، معلوم ہوا کہ مسائل میں تشبیہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، امام مزنی نے ان دونوں حدیثوں (ایک یہ اور ایک اگلی حدیث) سے حجیت قیاس پر استدلال فرمایا ہے۔

(۷۳۱۵) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ أَفَأَحُجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ فَاقْضُوا (اقْضُوا) اللهَ الَّذِي لَهُ فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ

(ص ۱۰۸۸) بَابُ مَا جَاءَ فِي اجْتِهَادِ الْقَضَاءِ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى

لِقَوْلِهِ ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ وَمَدَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ صَاحِبَ

الْحِكْمَةَ حِينَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا لَا يَتَكَلَّفُ مِنْ قِبَلِهِ وَمُشَاوَرَةِ الْخُلَفَاءِ وَسُؤَالِهِمْ أَهْلَ الْعِلْمِ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ مسائل کے استخراج اور فیصلہ میں پورا اجتہاد اور کوشش کرنی چاہئے کتاب وسنت سے مسئلہ کا استخراج کرنا چاہئے، آدمی اپنی طرف سے تکلف کرکے اپنی رائے سے فتویٰ نہ دے بلکہ اہل علم سے مشورہ کرے، ان کے پاس جو علم ہو اس کا استخراج کرے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ قاضی کو یہ جائز ہی نہیں کہ کسی حادثہ کے بارے میں فیصلہ کرے الا یہ کہ اس حادثہ کے حکم کو پہلے کتاب اور سنت سے طلب کرے، کتاب وسنت میں موجود نہ ہو تو اجماع امت کی طرف رجوع کرے، اور اگر وہاں بھی نہ پتہ چلے تو پھر آدمی نظر کرے کہ آیا بعض احکام مقررہ پر اس کو محمول کیا جاسکتا ہے بعلة جامعة بينهما یا نہیں؟ اگر محمول کیا جاسکتا ہے تو لازم ہے کہ حکم منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کرے، اور اگر علت واضح نہ ہوسکے اور تعارض ہو جائے تو پھر ترجیح کی طرف رجوع کرے، ورنہ شواہد اصول سے استدلال کرے، چونکہ ابن بطال قائسین میں سے ہیں مالکی ہیں اس لئے انہوں نے یہ تقریر فرمائی ہے، ورنہ جو اوّل تقریر احقر نے کی ہے وہی بخاری کی رائے ہے چونکہ بخاری قیاس کے قائل نہیں ہیں۔

تم لوگ بھی کہتے ہو گے کہ یہ بھی پندرہویں صدی میں آکر تمام بڑے بڑے علماء کی مخالفت کررہے ہیں لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اس مسئلہ میں ایسا شرح صدر ہے جیسے سورج نکلا ہوا اور اسی لئے میں بہت زور سے یہ مسئلہ بیان کررہا ہوں، میں کبھی مسائل میں یا بخاری کی رائے اور ترجمہ بیان کرنے میں اتباع اور تقلید کرکے بیان نہیں کرتا ہوں، میں خود دلائل پر غور کرتا ہوں اور اس کے بعد کوئی بات کہتا ہوں، اس مسئلہ میں بخاری کے متعلق جو میں نے فیصلہ کیا ہے یہ انور شاہ یا داؤدی کے کلام کو دیکھ کر نہیں بلکہ پہلے احقر نے فیصلہ کیا پھر انور شاہ کی طرف رجوع کیا ہے، پہلے خود بخاری کے سارے ابواب پر نظر ڈالی اور پھر فیصلہ کیا پھر دیکھا کہ کوئی میری موافقت کرنے والا ہے یا میں اکیلا ہوں؟ تو دیکھا کہ ایک بڑا بڈھا مالکی موافقت کرتا ہے اور ایک بہت بڑا بڈھا حنفی موافقت کرتا ہے، میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے ایک اور حنفی تیسرا سہی۔

(۷۳۱۶) حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِطَ (فَسَلَّطَهُ) عَلَى هَلَكَتِهِ

فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا

(۷۳۱۷/۷۳۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ هِيَ الَّتِي يُضْرَبُ بَطْنُهَا فَتُلْقِي جَنِينًا فَقَالَ أَيُّكُمْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ شَيْئًا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ مَا هُوَ قُلْتُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ فَقَالَ لَا تَبْرَحُ حَتَّى تَجِيئَنِي (تجيء) بِالْمَخْرَجِ فِيمَا (مِمَّا) قُلْتَ فَخَرَجْتُ فَوَجَدْتُ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ فَجِئْتُ بِهِ فَشَهِدَ مَعِي أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ * تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ

فَقَالَ لَا تَبْرَحُ حَتَّى تَجِيئَنِي بِالْمَخْرَجِ: تم نے یہ کہہ دیا ہے میں نے سنا ہے گواہ لاؤ! حضرت عمرؓ اس طرح کی سختیاں اس لئے اختیار کرتے تھے تاکہ کسی آدمی کو حضور ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرنے کی جرأت نہ ہو جان بچانے کے لئے، لاؤ مخرج فیما قلت۔

(ص ۱۰۸۸) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

تم لوگ متقدمین کے طریقوں کا اتباع کروگے، یعنی جیسے یہود و نصاریٰ اور فارس و روم وغیرہ نے اپنی اپنی رائیں اختیار کرلیں اور اصل دین کو چھوڑ دیا ایسے ہی بہت سے لوگ اپنی رائے اختیار کرلیں گے اور محدثاتِ امور اور بدعات کو اختیار کرلیں گے، غالباً اس سے امام بخاری نے ابتداع کی تردید کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۷۳۱۹) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخْذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ (شِبْرًا شِبْرًا) وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ (وَذِرَاعًا ذِرَاعًا) فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ كَفَارِسَ وَالرُّومِ فَقَالَ وَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولَئِكَ

(۷۳۲۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ الصَّنْعَانِيُّ مِنَ الْيَمَنِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ؟ پہلی روایت میں ہے روم اور فارس اور اس میں ہے یہود و نصاریٰ، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ بہت سے فارسی لوگ یہودی المسلک تھے۔

(ص ۱۰۸۸) بَابُ إِثْمِ مَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ أَوْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ الْآيَةَ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی بری سنت ایجاد کرتا ہے یا ضلالت و گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو گنہگار ہے اور بعد میں جتنے لوگ اس کا اقتداء کریں گے سب کا بار اس کے سر ہو گا، علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ یہ باب اور اس سے پہلے والے باب کو امام بخاری نے اس لئے منعقد کیا ہے تا کہ بدع، ضلالت اور محدثات امور سے تحذیر فرمائیں اور ڈرائیں۔

(۷۳۲۱) حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْهَا وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ أَوَّلًا

(ص ۱۰۸۹) بَابُ مَا ذَكَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَحَضَّ عَلَى اتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ

وَمَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْحَرَمَانِ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ وَمَا كَانَ بِهَا مِنْ مَشَاهِدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالْمِنْبَرِ وَالْقَبْرِ

غور سے سنئے! اس ترجمہ کی غرض کیا ہے؟ اس میں کئی قول ہیں۔

(۱) حضرت امام بخاری نے ترجمہ میں لفظ اتفاق اہل علم اور ما أجمع عليه الحرمان کہہ دیا ہے اس لئے بہت سے شراح کرام نے یہاں پر مسئلہ اجماع کو ذکر فرمادیا ہے، اس سے بظاہر یہ نکلتا ہے کہ بہت سے شراح کرام کے نزدیک امام بخاری نے حجیت اجماع کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

اجماع کی حجیت کا مسئلہ تھوڑا سا مختلف فیہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کس کا اجماع حجت ہے؟ داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ صرف صحابہ کا اجماع حجت ہے، امام احمد سے بھی اسی طرح کی ایک روایت نقل کی گئی ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اجماع اہل مدینہ حجت ہے، امام مصنف کی ظاہر عبارت ما أجمع عليه الحرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حرمین کا اجماع حجت ہے، لیکن جمہور علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرات مجتہدین کرام کا کسی مسئلہ پر

ہر زمانے میں اتفاق کر لینا حجت ہے۔

آیا اجماع میں ایک مجتہد کا اختلاف مخل ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے، جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ایک مجتہد کا اختلاف بھی مخل فی الاجماع ہے، لیکن ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ ایک دو آدمی کی مخالفت مخل فی الاجماع نہیں ہے، اور امام احمد سے ایک روایت میں اسی طرح کی بات نقل کی جاتی ہے۔

(۲) علامہ مہلب بن ابی صفرہ شارح بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری اس ترجمۃ الباب اور اس کی احادیث سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مدینہ کو دوسرے بلاد پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے اس کو معالم دین کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ دارالوحی ہے، مہبط الملائکہ ہے، وہاں ہدیٰ اور رحمت کا نزول ہوتا تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آرام فرمارہے ہیں، آپ کی قبر انور وہیں ہے، آپ کا منبر وہیں ہے، روضۃ من ریاض الجنۃ وہیں ہے، مسجد نبوی وہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مدینہ کی فضیلت تو ثابت ہے وہ کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے اور امام بخاری نے فضائل مدینہ کو کتاب الحج کے آخر میں مستقل طور پر مستقل احادیث سے ثابت فرمایا ہے اس لئے حافظ صاحب مہلب کی اس غرض کو تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ ایک اور غرض بیان کرتے ہیں جو ترجمہ کی تیسری غرض ہوگی۔

(۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل مدینہ علم وغیرہ میں دوسرے حضرات پر مقدم سمجھے جائیں گے اور ان کا اتفاق حجت ہوگا، لیکن پھر اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ اگر امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ بعض اعصار میں اہل مدینہ کو دوسروں پر تقدیم حاصل ہے عصر صحابہ میں، حضور کے زمانے میں، خلفاء راشدین کے زمانے میں تب تو بات ٹھیک ہے، اور اگر ہر زمانے میں اہل مدینہ کو دوسروں پر فضیلت دی جائے تو یہ بات صحیح نہیں، اس لئے کہ مدینہ منورہ میں بہت سے ایسے لوگ سکونت پذیر ہوگئے ہیں جو بدعت شنعاء کے حامل ہیں یعنی روافض۔

(۴) حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں مسئلۂ اجماع بیان نہیں کیا ہے، اس کے لئے تو حضرت امام بخاری نے ایک مستقل ترجمہ ۱۰۹۲ صفحہ پر باب قولہ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ

أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ منعقد فرمایا ہے، یہاں حضرت امام بخاری وجوہ ترجیح کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب روایات میں اختلاف ہو جائے اور نصوص میں تعارض تو ایسے وقت میں ترجیح کی ضرورت پیش آتی ہے، علماء نے بہت سے مرجحات بیان کئے ہیں، جن میں سے ایک مرجح یہ۔ہے کہ اہل علم کسی چیز کو معمول بہا بنالیں، انہی میں سے ایک مرجح یہ ہے کہ سند حجازی ہو، اس کو عام طور سے شافعیہ ذکر کرتے ہیں اور امام شافعی ابتداءً اسی بات کے قائل تھے، لیکن جب امام احمد وغیرہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت امام شافعی نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا اور یہ فرمایا أنتم أعلم بالحديث منا فإذا صح الحديث فأخبروني أذهب إليه حجازيا كان أو شاميا أو نحو ذالک۔

علامہ حازمی نے کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار میں بہت سے مرجحات بیان کئے ہیں، حافظ عراقی نے نکت ابن صلاح میں بہت سے مرجحات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۵) میرا اپنا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل مدینہ کو اہل عراق پر ترجیح حاصل ہے، اور جب مکتبِ مدنی اور مکتبِ عراقی میں تعارض ہوگا تو مکتبِ مدنی اور اہل مدینہ کو مکتبِ عراقی اور اہل عراق پر ترجیح حاصل ہوگی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ میں حضور اکرم ﷺ کے مشاہد ہیں، وہاں مہاجرین وانصار رہتے تھے، وہیں حضور ﷺ کا مصلیٰ تھا، وہیں آپ کا منبر اور قبر اطہر ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کا ذکر فرمایا اور اہل علم کے اتفاق پر ترغیب دی، اور بعض نسخوں میں ہے وحضّ عليه، حرمین کے لوگ جس بات پر اجماع کرلیں ظاہر بات ہے کہ دوسرے لوگوں سے ان کی بات راجح ہوگی۔

میں نے جو یہ بات اختیار کی ہے اس کی دلیل میرے پاس یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس باب میں تقریباً ڈھائی صفحہ میں روایات جمع کی ہیں اور تمام روایات سے یہ ثابت کیا ہے کہ مدینہ میں فلاں مشہد ہے اور فلاں چیز ہے، منبر ہے، قبر ہے اور فلاں چیز ہے، فلاں چیز ہے، وہاں کے مد کے بارے میں فرمایا، اور فلاں اور فلاں جگہ پر نماز پڑھی وغیرہ وغیرہ، تو مطلب یہ ہے امام بخاری کا کہ اہل مدینہ کو جو خبر ہو سکتی ہے حضور ﷺ کے اعمال واقوال وافعال کی وہ دوسروں کو نہیں ہو سکتی ہے، اور آخر میں ایک روایت ذکر فرمائی کہ حضور ﷺ نے مواقیت مقرر کئے، قرن اہل نجد کے لئے، جحفہ اہل شام کے لئے، اور ذوالحلیفہ اہل مدینہ کے لئے، اور

حضرت ابن عمرؓ کہنے لگے کہ یہ تو میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ اہل یمن کے لئے آپ نے یلملم مقرر کیا ہے، اتفاق سے عراق کا تذکرہ آگیا تو ابن عمرؓ نے فرمایا: لم تکن عراق یومئذ، اس وقت عراق کہاں تھا؟ بخاری نے آخر میں چل کر عراق کا ذکر فرمادیا اور یہ بتلادیا کہ لم تکن عراق یومئذ، لہٰذا عراقیوں کو کیا پتہ ہو سکتا ہے، اب اگر مکتبِ اہل مدینہ اور مکتبِ اہل عراق میں اختلاف ہوگا تو اہل مدینہ کو ترجیح حاصل ہوگی اہل عراق ۔

امام بخاری نے اس سے صاف صاف طور پر احناف کا رد کیا ہے اور غالباً امام محمد کی کتاب الحجج علی أهل المدينة کی تردید کی طرف اشارہ فرمایا۔ ہے اور یہ غرض بھی ان ہی اغراض میں سے ہے جس کو میں کالشمس فی رابعة النهار سمجھتا ہوں اور مجھے اس میں کوئی تأمل نہیں ہے۔

مگر احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین منتشر ہوئے اور ان کے علوم منتقل ہوئے اور کوفہ جو مرکز علماء تھا جہاں عجلی فرماتے ہیں کہ ایک ہزار سے زیادہ صحابہ تشریف لے آئے ہیں، اب اگر وہاں کے لوگوں نے ان صحابہ کرام کے علوم کو حاصل کرکے ایک مکتب فکر کی بنیاد رکھی تو ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اپنی رائے پر نہیں رکھا ہے بلکہ صحابہ سے لیکر رکھا ہے۔

مگر بخاری کا کہنا یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کے علوم ہی کو دوسرے حضرات نقل کرتے ہیں لیکن تعارض کے وقت میں اہل مدینہ کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہاں مشاہد نبویہ ہیں تو جتنی اطلاع وہاں کے سکّان کو ہو سکتی ہے دوسرے حضرات کو اطلاع نہیں ہو سکتی ہے، اس کی مثال ایسی سمجھو کہ سہارنپور کے ساکن کو مظاہر علوم کے متعلق جو معلومات ہو سکتی ہیں وہ باہر کے رہنے والے کو جو کبھی سہارنپور نہ آیا ہو اتنی معلومات نہیں ہو سکتی ہیں۔

(۷۳۲۲) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ السَّلَمِيِّ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ فَجَاءَ الْأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا (وَتَنْصَعُ طِيبَهَا)

المدينة كالكير: مدینہ کی مثال بھٹی کی سی ہے میل کچیل کو باہر نکال دیتی ہے اور صاف ستھرے کو

اندر رکھتی ہے۔

(۷۳۲۳) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أُقْرِئُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ فَلَمَّا كَانَ آخِرَ حَجَّةٍ حَجَّهَا عُمَرُ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بِمِنًى لَوْ شَهِدْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يَقُولُ لَوْ مَاتَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لَبَايَعْنَا فُلَانًا فَقَالَ عُمَرُ لَأَقُومَنَّ الْعَشِيَّةَ فَأُحَذِّرَ هَؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَغْصِبُوهُمْ قُلْتُ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ يَغْلِبُونَ عَلَى مَجْلِسِكَ فَأَخَافُ أَنْ لَا يُنْزِلُوهَا (يَنْزِلُوهَا) عَلَى وَجْهِهَا فَيُطِيرُ بِهَا كُلُّ مُطِيرٍ (فَيَطِيرُ هَا كُلُّ مُطَيِّرٍ) فَأَمْهِلْ حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ دَارَ الْهِجْرَةِ وَدَارَ السُّنَّةِ فَتَخْلُصَ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَيَحْفَظُوا مَقَالَتَكَ وَيُنْزِلُوهَا (وَيَنْزِلُوهَا) عَلَى وَجْهِهَا فَقَالَ وَاللهِ لَأَقُومَنَّ بِهِ فِي أَوَّلِ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ فِيمَا أُنْزِلَ آيَةُ الرَّجْمِ

حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ دَارَ الْهِجْرَةِ وَدَارَ السُّنَّةِ: یہ ہے مقصود بالترجمہ کہ مدینہ دارالھجرت اور دارالسنہ ہے لہٰذا وہاں والوں کو سنت کا زیادہ علم ہوگا۔

فَتَخْلُصَ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ: وہاں مہاجرین وانصار رہتے ہیں جو حضور ﷺ کے صحابہ تھے۔

وينزلوها على وجهها: اور وہ لوگ بات کو سنتے اور اس کے موقع میں استعمال کرتے ہیں۔

(۷۳۲۴) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فَقَالَ بَخٍ بَخٍ أَبُو هُرَيْرَةَ يَتَمَخَّطُ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي وَيُرَى أَنِّي مَجْنُونٌ وَمَا بِي مِنْ جُنُونٍ مَا بِي إِلَّا الْجُوعُ

فَقَالَ بَخٍ بَخٍ أَبُو هُرَيْرَةَ يَتَمَخَّطُ فِي الْكَتَّانِ: ابوہریرہ کے بھی مزے ہیں کہ کتان کے کپڑے سے تو ناک پوچھ رہا ہے، ابوہریرہ کو یہ رتبہ کیوں ملا تھا؟ مہلب یوں کہتے ہیں کہ وہ طلب علم میں مشقت برداشت کرتے رہے اور مدینہ منورہ میں پڑے رہے، اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے

اگلے جملہ إني لأخرّ فيما بين منبر رسول الله ﷺ إلى حجرة عائشة سے استدلال کیا ہو کہ حضور کے منبر اور حجرۂ عائشہ سے آپ کے مقبرہ کا ذکر کیا ہے اور اسے ثابت کیا ہے۔

(۷۳۲۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَنْزِلَتِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ فَأَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَ النِّسَاءُ يُشِرْنَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَتَاهُنَّ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَلَوْلَا مَنْزِلَتِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ: مہلب فرماتے ہیں کہ لولا منزلتی منه سے ترجمہ ثابت کیا ہے کہ صغیرِ اہل مدینہ نے بھی علم کو محفوظ رکھا اور فأتى العَلَمَ الذی عند دار كثير بن الصلت اس سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ کے مشاہد کا ذکر ہے۔

(۷۳۲۶) حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبَاءً رَاكِبًا وَمَاشِيًا

كَانَ يَأْتِي قُبَاءً رَاكِبًا وَمَاشِيًا: قباء، آپ ﷺ کے مشاہد میں سے ہے کہ آپ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۷۳۲۷) حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ادْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي وَلَا تَدْفِنِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَيْتِ فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُزَكَّى

(۷۳۲۸) وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ ائْذَنِي لِي أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ فَقَالَتْ إِي وَاللهِ قَالَ وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَرْسَلَ إِلَيْهَا مِنَ الصَّحَابَةِ قَالَتْ لَا وَاللهِ لَا أُوثِرُهُمْ بِأَحَدٍ أَبَدًا

أن أدفن مع صاحبي: یہ ہے مقصود بالترجمہ کہ مدینہ میں آپ ﷺ کا اور آپ کے صاحب ابو بکرؓ کا مدفن ہے۔

قَالَتْ لَا وَاللهِ لَا أُوثِرُهُمْ بِأَحَدٍ أَبَدًا: بعض کہتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے، اصل میں ہے لَا أُوثِرُ أَحَدًا بِهِم أَبَدًا، اور بعض کہتے ہیں کہ لا أوثرهم معنی میں ہے لا أثيرهم کے۔

(۷۳۲۹) حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ صَالِحٍ

بْنِ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَيَأْتِي الْعَوَالِيَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ* وَزَادَ اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ وَبُعْدُ الْعَوَالِي أَرْبَعَةُ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةٌ

(۷۳۳۰) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْجُعَيْدِ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ كَانَ الصَّاعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدًّا وَثُلُثًا بِمُدِّكُمُ الْيَوْمَ وَقَدْ زِيدَ فِيهِ* سَمِعَ الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْجُعَيْدَ

یہ روایت گزر چکی ہے کفارات ایمان میں اور میں وہاں اسکی وضاحت کر چکا ہوں، اور مقصود یہ ہے کہ اس میں صاع اور مد کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ اہل حرمین جس صاع اور مد پر مجتمع ہیں اسکا اعتبار کیا جائے گا۔

(۷۳۳۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ يَعْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ

حضور ﷺ نے اہل مدینہ کے صاع اور مکیال میں دعا فرمائی ہے لہذا ان کے صاع کا اعتبار ہو گا، یہ حدیث اسی سند سے کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔

(۷۳۳۲) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيبًا مِنْ حَيْثُ تُوضَعُ الْجَنَائِزُ (مَوْضِعُ الْجَنَائِزِ) عِنْدَ الْمَسْجِدِ

تُوضَعُ الْجَنَائِزُ عِنْدَ الْمَسْجِدِ: مسجد کے پاس جنائز رکھے جاتے تھے لہذا جنائز کے متعلق جو علم اہل مدینہ کو ہو گا دوسروں کو نہیں ہو گا۔

(۷۳۳۳) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا* تَابَعَهُ سَهْلٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُحُدٍ

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ: اس میں مشہد نبوی کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ احد کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے مدینہ کو حرم قرار دیا جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو۔

(۷۳۳۴) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ أَنَّهُ كَانَ بَيْنَ جِدَارِ

الْمَسْجِدِ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ وَبَيْنَ الْمِنبَرِ مَمَرُّ الشَّاةِ

(۷۳۳۵) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي: یہ روایت ترجمۃ الباب کے ساتھ کھلی مطابقت رکھتی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو مؤطا کے رواۃ میں سے سوائے معن ابن عیسیٰ کے اور کوئی بھی نقل نہیں کرتا ہے، عبد ضعیف کہتا ہے کہ حافظ کے کلام میں نظر ہے، یہ روایت تو مؤطا امام مالک میں بروایت یحیٰ بن یحیٰ مصمودی منقول ہے، مگر فرق اتنا ہے کہ اصل میں امام مالک کے تلامذہ میں اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں عن أبی هريرة أو عن أبی سعيد شک کے ساتھ جیسے یحیٰ المصمودی فرماتے ہیں، اور معن ابن عیسیٰ اور روح ابن عبادہ کہتے ہیں عن أبی هريرة و عن أبی سعيد جمع کرتے ہیں بغیر شک کے، اور عبد الرحمن ابن مہدی فرماتے ہیں عن أبی هريرة اور ابو سعید کا کوئی تذکرہ نہیں فرماتے ہیں۔

(۷۳۳۶) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَابَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْخَيْلِ فَأُرْسِلَتِ (فَأَرْسَلَ) الَّتِي ضُمِّرَتْ مِنْهَا وَأَمَدُهَا إِلَى الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَالَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ أَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ كَانَ فِيمَنْ سَابَقَ

سَابَقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَيْنَ الْخَيْلِ الخ: اس حدیث پاک میں مسابقت فی الخیول کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ مدینہ منورہ میں واقع ہوا تھا، اور خیول مضمّرہ اور غیر مضمّرہ کے درمیان جو مسافتِ مسابقت رکھی گئی تھی وہ مدینہ ہی میں ہے، لہٰذا اہل مدینہ کو اسکا جتنا علم ہوگا اتنا دوسروں کو نہیں ہوگا۔

علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے مسابقت فی الخیول کے بارے میں حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک سنت کا پتہ چلتا ہے جسکا اتباع کیا جاتا ہے۔

(۷۳۳۷) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ح وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عِيسَى وَابْنُ إِدْرِيسَ وَابْنُ أَبِي غَنِيَّةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ روایت ماقبل میں گزر چکی ہے یہاں تو صرف یہ بتلانا ہے کہ نبیؐ پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا منبر مدینہ منورہ میں ہے اور حضرت عمرؓ نے منبر پر خطبہ دیا تھا۔

(۷۳۳۸)حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ خَطِيبًا عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۷۳۳۹)حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ أَنَّ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدْ كَانَ يُوضَعُ لِي وَلِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الْمِرْكَنُ فَنَشْرَعُ فِيهِ جَمِيعًا

قَدْ كَانَ يُوضَعُ لِي وَلِرَسُولِ اللهِ ﷺ هَذَا الْمِرْكَنُ فَنَشْرَعُ فِيهِ جَمِيعًا: اس حدیث پاک سے یہ ترجمہ ثابت ہوتا ہے، غسل کا مسئلہ مدینہ منورہ میں پیش آیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مرکن (برتن) رکھا جاتا تھا اور اس میں ہم دونوں یعنی میں اور رسول پاک ﷺ ساتھ ہی پانی لے لیکر غسل کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مابین الزوجین غسل کے لئے کتنا پانی کافی ہو جائے گا۔

(۷۳۴۰)حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حَالَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْأَنْصَارِ وَقُرَيْشٍ فِي دَارِي الَّتِي بِالْمَدِينَةِ وَقَنَتَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ

حَالَفَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْأَنْصَارِ وَقُرَيْشٍ الخ: عقد مخالفت کا مسئلہ مدینہ منورہ میں پیش آیا حضرت انسؓ کے مکان میں، اس میں بھی حضور ﷺ کی ایک سنت کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔

(۷۳۴۱/۷۳۴۲)حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا بُرَيْدٌ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالَ لِي انْطَلِقْ إِلَى الْمَنْزِلِ فَأَسْقِيَكَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُصَلِّي فِي مَسْجِدٍ صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَسَقَانِي (فَأَسْقَانِي) سَوِيقًا وَأَطْعَمَنِي تَمْرًا وَصَلَّيْتُ فِي مَسْجِدِهِ

فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الخ: حضور ﷺ نے عبد اللہ ابن سلامؓ کی مسجد میں نماز پڑھی اور عبد اللہ ابن سلامؓ کے قدح میں پانی پیا، لہذا اہل مدینہ کو نماز کے مسائل کا زیادہ علم ہو گا اور اکل وشرب

کے آداب سے بھی ان کو زیادہ واقفیت ہو گی۔

(۷۳۴۳) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيقِ أَنْ صَلِّ فِي هَذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ (عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ) * وَقَالَ هَارُونُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ

أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيقِ أَنْ صَلِّ فِي هَذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ: اس حدیث پاک میں وادیٔ مبارک عقیق کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ کے اودیہ میں سے ہے، حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آکر کہتا ہے صلّ فی ھذا الوادی المبارک وقل عمرۃ و حجّۃ یہ حضور ﷺ کے مشاہد میں سے ہے۔

(۷۳۴۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَّتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْنًا لِأَهْلِ نَجْدٍ وَالْجُحْفَةَ لِأَهْلِ الشَّأْمِ وَذَا الْحُلَيْفَةِ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ سَمِعْتُ هَذَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ وَذُكِرَ الْعِرَاقُ فَقَالَ لَمْ يَكُنْ عِرَاقٌ يَوْمَئِذٍ

فَقَالَ لَمْ يَكُنْ عِرَاقٌ يَوْمَئِذٍ: عراق کا وجود ہی نہ تھا تو اسکے لئے مواقیت کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مگر یہ تعلیل ضعیف ہے، اس واسطے کہ حضور پاک ﷺ نے شام کے لئے میقات مقرر فرمائی حالانکہ اس وقت شام کہاں اسلام کی حکومت میں داخل ہوا تھا؟

(۷۳۴۵) حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُرِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ

وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ: ذوالحلیفہ حضور ﷺ کا معرس اور آپ کا مشہد ہے، اور وہاں حضور ﷺ نے احرام باندھا ہے اور آپ کے صحابہ نے احرام باندھا ہے، لہٰذا حج کے مسائل کے متعلق جتنی واقفیت وہاں والوں کو ہو سکتی ہے دوسروں کو نہیں ہو سکتی ہے۔

بہر حال حضرت امام بخاری نے ان تمام روایات سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا روضہ

اور آپ کے مشاہد اور آپ کی چیزیں مدینہ منورہ میں ہیں، لہذا اہل مدینہ کو جس قدر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے متعلق معلومات ہو سکتی ہیں غیر اہل مدینہ اور اہل عراق کو نہیں ہو سکتی ہے، لہذا جب اہل مدینہ اور اہل عراق میں تعارض ہو گا تو مکتبِ مدنی کو مکتبِ عراقی پر تفوق اور ترجیح حاصل ہو گی۔

(ص ۱۰۹۱) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾

حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ اہل مدینہ دوسروں کے مقابل میں اولیٰ بالاحتجاج ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب ان کا قول کتاب وسنت کے مطابق ہو ورنہ اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، حضرت رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کچھ لوگوں کے لئے بددعا کی تو آپ کو منع کر دیا گیا لیس لک من الأمر شيئ، آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار کلی حاصل نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ حکم خداوندی کے تابع ہیں لہذا ہر شخص حکم خداوندی کا تابع ہے، جو حکم خداوندی کے تابع رہے اور کتاب وسنت پر عمل کرے تو اسکا قول معتبر ہو گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ارشاد فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہو کہ آیا رسول پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اجتہاد کا حق حاصل تھا یا نہیں؟ یہ مسئلہ میں کل سبق میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔

اس ترجمۃ الباب کو کتاب الاعتصام کے ساتھ مناسبت ومطابقت یہ ہے کہ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جو کچھ لوگوں کے لئے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بددعا سے روک دیا اور یہ فرمایا: لیس لک من الأمر شيئ، آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ خود مختار نہیں بلکہ آپ وحی خداوندی کے تابع ہیں حتی کہ لعنت علی الکفار میں بھی خدا کے حکم کے تابع ہیں، لہذا اس ترجمۃ الباب کی کتاب الاعتصام کے ساتھ مناسبت ظاہر ہو گئی۔

(۷۳۴۶) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ

الْحَمْدُ فِي الْأَخِيرَةِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

(ص ۱۰۹۱) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾

وَقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ آدمی کو مجادلہ سے پرہیز کرنا چاہئے، کتاب وسنت کے سامنے اپنی گردن جھکا دینی چاہئے، احکام خداوندی کو سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے، مجادلہ کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے ناپسندیدہ ہے، حق تعالیٰ نے مقام ناپسندیدگی میں فرمایا ہے ﴿وكان الإنسان أكثر شيئ جدلا﴾، انسان بڑا مجادلہ کرنے والا ہے، اور فرمایا ﴿ولا تجادلوا أهل الكتاب﴾، اس سے معلوم ہوا کہ مجادلہ تو اہل کتاب کا شیوہ ہے وہ خواہ مخواہ ہٹ دھرمی اور ضدبازی کرتے رہتے ہیں، امام بخاری نے بڑے لطیف طریقہ سے اس ترجمۃ الباب سے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو بعض وقت احادیث کے سامنے آجانے کے بعد پھر بھی ان کی تاویل کرتے رہتے ہیں۔

(۷۳۴۷) حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ أَلَا تُصَلُّونَ فَقَالَ عَلِيٌّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ لَهُ ذَلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيْهِ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعَهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ (مُنْصَرِفٌ) يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُولُ ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ * قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يُقَالُ مَا أَتَاكَ لَيْلًا فَهُوَ طَارِقٌ وَيُقَالُ ﴿الطَّارِقُ﴾ النَّجْمُ وَ ﴿الثَّاقِبُ﴾ الْمُضِيءُ يُقَالُ أَثْقِبْ نَارَكَ لِلْمُوقِدِ

(۷۳۴۸) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ قَالَ

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ أُرِيدُ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ أُرِيدُ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ اعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ

أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا: مصنف نے اس سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے اسلئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مجادلہ بطریق احسن کرنا چاہئے اور اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ نہیں کرنا چاہئے، طریق احسن سے ان کے سامنے شریعت کی صاف بات پیش کر دی جائے جیسے حضور اکرم ﷺ نے یہود سے فرمایا تھا: أسلموا تسلموا مسلمان ہو جاؤ سالم رہو گے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت نے مجادلہ کی اجازت دی ہے لیکن ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجادلہ ناپسندیدہ ہے، اصل میں مجادلہ دو طرح سے ہوا کرتا ہے کبھی تو مجادلہ ہوتا ہے ہٹ دھرمی کے طور پر کہ دلیل کتاب وسنت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آدمی اپنی بات پر اڑا رہتا ہے اور کبھی مجادلہ ہوا کرتا ہے ایراد الدلیل کے طور پر، مطلب یہ ہے کہ ایک بات واضح طور پر صاف کہہ دیجائے اور اسکے بعد خواہ مخواہ ہٹ دھرمی اور جھگڑا نہ کیا جائے، شریعت نے صورت اولیٰ کو تو ناپسندیدہ اور مذموم قرار دیا ہے اور صورت ثانیہ کی ﴿وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ سے اجازت دی ہے۔

(ص ۱۰۹۲) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ الآية وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ

اللہ تعالیٰ شانہ نے تم کو امت عادلہ بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے اعتصام بالجماعت کی ترغیب دینی ہے، اس واسطے کہ جب یہ جماعت لوگوں پر شہید اور گواہ بنائی گئی ہے تو اسکی شرط یہ ہے کہ اسکی شہادت کو قبول کیا جائے، اور جماعت سے مراد ہر زمانے کے اہل حل وعقد ہیں۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ لزوم جماعت کے ساتھ مامور ہونے کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جو شخص مکلف ہے

اسکے ذمہ یہ لازم ہے کہ جس چیز پر مجتہدین کا اجماع ہو جائے وہ اسکو اختیار کرے، امام بخاری نے آگے وماأمر النبی ﷺ بلزوم الجماعة وهم أهل العلم کہہ کر اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، بہر حال یہ آیت شریفہ ان آیات میں سے ہے جس سے اہل اصول نے اجماع کی حجیت پر استدلال فرمایا ہے۔

حضرت امام بخاری نے اصلاً وبالذات اس ترجمۃ الباب سے حجیت اجماع کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

اجماعِ امت، دلائل شریعت میں سے ایک مستقل دلیل ہے، پہلے نمبر پر کتاب اللہ ہے دوسرے نمبر پر سنت ہے اور پھر اجماعِ امت ہے، بلکہ اجماعِ امت کے ہوتے ہوئے بعض وقت اخبار آحاد کو چھوڑ دیا گیا ہے، اسلئے کہ امت کا کسی بات پر اتفاق کر لینا اور جس پر امت کے مجتہدین متفق ہو گئے ہوں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحیح ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس امت کے متعلق فرمایا ہے لاتجتمع أمتي على الضلالة، یہ روایت اگرچہ اپنے طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن اسکے طرق بہت کثیر ہیں، امام حاکم نے المستدرک میں اسکے بہت سے طرق جمع کئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فی الجملہ حدیث کی اصل ضرور موجود ہے۔

بعض علماء نے آیت باب سے استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے امت کو وسط عادل قرار دیا ہے اور لوگوں پر اسکو شہید اور گواہ بنایا ہے، مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے خلاف اسکی بات معتبر ہے اور بات معتبر اسی وقت ہوگی جب اتفاق معتبر مانا جائے ورنہ پھر اسکی بات لوگوں کے خلاف کیسے معتبر ہو سکتی ہے اور اسکی شہادت لوگوں کے اوپر کس طرح مانی جاسکتی ہے، باقی اس سے مراد امت کے مخصوص افراد ہیں اسلئے کہ یہ تو قطعی اور بدیہی چیز ہے کہ اس امت میں ہر طرح کے لوگ ہیں اخیار بھی ہیں اور اشرار بھی ہیں۔

حضرت امام شافعی نے ایک دوسری آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور وہ ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ہے، یہاں ارشاد فرمایا: و من يشاقق الرسول، الخ، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ان کی ہدایت آجانے کے بعد جائز نہیں ہے، یعنی حضور ﷺ جو ہدایت کے انوار لیکر آئے ہیں اور جسکو آپ نے عالم میں پھیلایا ہے ان کے معلوم ہو جانے کے بعد اسکی مخالفت اور اسی طرح مسلمانوں کے طریق کی مخالفت جائز نہیں ہے، کیوں؟ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ﴾ جو آدمی رسول کی مخالفت کرے گا اور

سبیل مؤمنین کے طریق کے خلاف طریق اختیار کریگا اسکو اسکے کام کا ذمہ دار بنا دیں گے اور جہنم میں داخل کرینگے، معلوم ہوا کہ سبیل مؤمنین کی مخالفت جائز نہیں ہے، لہذا اجماع امت حجت ہے کہ جس چیز پر مؤمنین کا اتفاق ہو جائے اسکی مخالفت کو گناہ اور ناجائز قرار دیا جارہا ہے اور اس پر وعید اور دھمکی دی جارہی ہے۔

وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ: میں ابھی اشارہ کر آیا ہوں کہ یہاں اس جماعت سے مراد جماعت خاصہ ہے جو مجتہدین ہیں، علماء ہیں، عادلین ہیں، عامۃ الناس فساق وفجار مراد نہیں ہیں اسلئے مصنف نے آگے کہہ دیا وهم أهل العلم یعنی اہل علم کی جماعت مراد ہے عوام الناس مراد نہیں ہیں۔

(۷۳۴۹) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُولُ نَعَمْ يَا رَبِّ فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُولُونَ مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ فَيَقُولُ (فَيُقَالُ) مَنْ شُهُودُكَ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ قَالَ عَدْلًا ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ * وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَوْنٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا

(ص ۱۰۹۲) بَابُ إِذَا اجْتَهَدَ الْعَامِلُ (الْعَالِمُ) أَوِ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ
خِلَافَ الرَّسُولِ ﷺ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ فَحُكْمُهُ مَرْدُودٌ
لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ

حاشیہ کا نسخہ ہے إذا اجتهد العالم، چاہے عامل ہو چاہے عالم ہو، دونوں صحیح ہیں، عامل سے مراد وہ شخص ہے جو بیت المال کی طرف سے صدقات وصول کرنے کے لئے جاتا ہے یا دار الخلافہ کی طرف سے شہر کا حاکم مقرر ہو کر بطور گورنر کے بھیجا جاتا ہے، اور اگر عالم ہو تو ظاہر ہے، بہر حال حضرت امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ عالم اور قاضی کا اجتہاد اگر نصوصِ منقولہ نبویہ کے خلاف ہو تو اس صورت میں اسکا حکم مردود ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس باب میں اور جو باب کتاب الاحکام میں ۱۰۶۶ صفحہ پر گزرا ہے باب إذا قضی

الحاکم بجور أو خلاف أهل العلم فهو رد میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام بخاری ترجمہ گزشتہ سے تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ اجماع کی مخالفت مردود ہے اور اِس ترجمہ سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

لیکن میرے نزدیک دونوں ترجموں کی غرض بالکل الگ ہے، وہ ترجمہ کتاب الاحکام میں ہے وہاں تو امام بخاری۔نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر قاضی کا فیصلہ ظلم پر مبنی ہو یا اہل علم کے بیان کے خلاف ہو جو وہ اپنے علم کی روشنی میں بیان کرتے ہیں تو اسکا وہ فیصلہ معتبر نہیں، اور یہاں امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر مجتہد کا اجتہاد نص کے خلاف ہو تو اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، نص کا اعتبار کرنا ضروری ہے، مجتہد کی رائے اور اسکے اجتہاد کا اعتبار کرنا ضروری نہیں ہے، حضرت امام بخاری نے اِس ترجمۃ الباب سے بہت لطیف طور پر مقلدین پر ایک اعتراض کیا ہے کہ یہ مقلدین حضرات اپنے ائمۂ مجتہدین کی باتیں لے لیتے ہیں اور اسکے خلاف اگر کوئی حدیث یا نص پیش کی جاتی ہے تو اسکی تاویل کرنے لگتے ہیں، مصنف فرماتے ہیں کہ کسی مجتہد کا اجتہاد اگر نص نبوی کے خلاف ہو تو اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

لیکن تمام مجتہدین کے متبعین کی طرف سے اجمالی طور پر یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حضرات مجتہدین کرام نے جن مسائل کو اختیار کیا ہے ظاہر ہے کہ وہ اپنی رائے سے اختیار نہیں کیا ہے بلکہ کتاب وسنت ہی سے استنباط کیا ہے، اسی لئے بعد میں جو مقلدین آتے ہیں وہ اگر مجتہد کے قول کے خلاف کوئی آیت یا روایت پاتے ہیں تو وہ اِس وجہ سے اسکی تاویل کرتے ہیں کہ ہمارے امام نے جو قول اختیار کیا ہے ظاہر ہے کہ وہ اپنی ذاتی رائے کو شریعت بنا کر اختیار نہیں کیا بلکہ قرآن وسنت سے استنباط کرکے ہی اختیار کیا ہے، اب لامحالہ جو آیت یا روایت اسکے خلاف پڑیگی اسکی کوئی نہ کوئی تاویل اور محل تلاش کیا جائے گا، یہ اور بات ہے کہ بعض جگہ پر بعض تاویلات رکیک ہوتی ہیں اور بعض جگہ تاویل صحیح ہوتی ہے، بعض جگہ تاویل کرنا ناممکن اور دشوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہیکہ ائمۂ مجتہدین کے متبعین کو جگہ جگہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ شاید فلاں امام کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہے۔

مسئلۂ سجدہ شکر میں امام اعظم ابو حنیفہ سے انکار نقل کیا جاتا ہے مگر علماء احناف نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور وہاں یہی کہنا پڑتا ہے کہ حضرت امام کو سجدہ شکر کی روایات نہیں پہنچی ہیں، اسی طرح اِشعار کے مسئلہ میں

بھی بعض علماء نے امام اعظم کی طرف سے یہی توجیہ اور تاویل کی ہے۔

اسی طرح لبس معصفر کے بارے میں حضرت امام شافعی نے اجازت دی ہے اور کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مجھے کوئی روایت نہیں پہنچی ہے، صرف حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نهاني ولاأقول نهاكم، امام بیہقی نے لبس معصفر کے سلسلہ میں متعدد روایات ایسی ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا استعمال جائز نہیں ہے اور اسکے بعد لکھا ہے کہ حضرت امام ابوعبداللہ الشافعی کو اگر یہ رویات پہنچی ہوتیں تو یقیناً وہ اسکو اختیار فرماتے، اور بھی ائمہ کے متبعین اپنے اپنے ائمہ کے اقوال کو حدیث کے خلاف پاتے ہیں تو مجبور ہو کر ان کو کہنا پڑتا ہے کہ امام کو فلاں روایت نہیں پہنچی اسلئے اسکے خلاف یہ قول اختیار کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے رفع الملام عن الائمۃ الاعلام اور اس میں انہوں نے حضرات ائمہ کرام کی طرف سے مدافعت کی ہے اور ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ فلاں امام نے فلاں نص کی مخالفت کی اور فلاں نے فلاں حدیث کی مخالفت کی علامہ نے ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، ان ہی جوابات میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ بعض وقت امام کو کوئی روایت یا نص نہیں پہنچتی ہے اور اس نص کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی قول اختیار کرلیتا ہے اور وہ اس سلسلہ میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

بہر حال نص نہ پہنچنے کی صورت میں امام تو معذور ہوگا مگر اسکا مقلد معذور نہیں کہلائے گا، یہی وجہ ہے کہ علماء محققین اپنے اپنے ائمہ کے بعض اقوال کے سلسلہ میں جب ان کو روایات کے خلاف پاتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہیں اور احادیث کا اتباع کرلیتے ہیں، مسئلہ اشارہ بالسبابہ میں ملا علی قاری نے دو رسالے لکھے ہیں ایک کا نام ہے تزيين العبارة لتحسين الإشاره، اور دونوں میں علامہ نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور آخر میں انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ اگر بالفرض امام اعظم اور ان کے متبعین سے اشارہ بالسبابہ منقول نہ ہوتا جب بھی بہر حال اسی کو اختیار کرنا پڑتا لورود الأحاديث الصحيحة في ذلك۔

(۷۳۵۰/۷۳۵۱) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يُحَدِّثُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَخَا بَنِي عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ وَاسْتَعْمَلَهُ عَلَى خَيْبَرَ فَقَدِمَ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ فَقَالَ

لَہٗ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَکُلُّ تَمْرِ خَیْبَرَ ھٰکَذَا قَالَ لَا وَاللہِ یَا رَسُولَ اللہِ إِنَّا لَنَشْتَرِي الصَّاعَ بِالصَّاعَیْنِ مِنَ الْجَمْعِ فَقَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلُوا وَلٰکِنْ مِثْلًا بِمِثْلٍ أَوْ بِیعُوا ھٰذَا وَاشْتَرُوا بِثَمَنِہٖ مِنْ ھٰذَا وَکَذٰلِکَ الْمِیزَانُ

(ص ۱۰۹۲) بَابُ أَجْرِ الْحَاکِمِ إِذَا اجْتَھَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجتہد کا اجتہاد اگر رسول کی نص کے خلاف ہو تو ہے تو وہ مردود لیکن مجتہد کو بہر حال ثواب ملے گا، چاہے وہ اپنے اجتہاد میں مصیب ہو یا مخطی، البتہ مصیب کو دو اجر ملیں گے اور مخطی کو ایک، جیسا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے وہ فرماتے ہیں کہ مصیب کو دو اجر ملتے ہیں ایک اسکے اجتہاد کی وجہ سے اور دوسرے اسکے اصابت کی وجہ سے، اور مخطی کو ایک اجر اسکے اجتہاد کی وجہ سے ملتا ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مخطی کا ماجور ہونا ہی مختار ہے، اور ایک جماعت کہتی ہے لا أجر و لا إثم نہ اسکو اجر ملے گا نہ اثم۔

مصنف کا یہ ترجمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے المجتھد یخطیٔ ویصیب، مجتہد کبھی تو اپنے اجتہاد میں مصیب ہوتا ہے اور کبھی مخطئ ہوتا ہے، یہ مسئلہ مشہور مسائل اختلافیہ میں سے ہے کہ آیا المجتھد یخطیٔ ویصیب یا کل مجتھد یصیب، اور دونوں اقوال مذاہب اربعہ میں نقل کئے جاتے ہیں۔

منشأ اختلاف یہ ہے کہ آیا ہر مسئلہ میں ایک حکم معین ہوتا ہے یا نہیں؟ بعضے حضرات تو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہر مسئلہ میں ایک حکم معین ہوتا ہے، جو مجتہد اپنے اجتہاد سے اس حکم معین تک پہنچ جاتا ہے وہ مصیب ہوتا ہے اور جو اس حکم معین تک نہیں پہنچتا ہے وہ مخطئ کہلاتا ہے، اور بعضے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اصل میں جو مسائل غیر منصوص ہیں جنکو حضرات مجتہدین اپنے اجتہاد سے ثابت کرتے ہیں وہاں پر اللہ کی طرف سے کوئی معین حکم نہیں ہوتا ہے بلکہ اس قضیہ میں وہی حکم شرعی ہوتا ہے جہاں مجتہد کا اجتہاد منتہی ہوتا ہے، جو اول کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں المجتھد یخطیٔ ویصیب اور جو ثانی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کل مجتھد مصیب۔

علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں نقل کیا ہے کہ ہر مسئلہ میں اللہ کا ایک حکم معین ہے جس کی طلب واجب ہے، جو اس کو پاجاتا ہے وہ مصیب ہے اور جو نہیں پاتا ہے وہ مخطئ ہے، اور یہ قول انہوں نے ائمہ اربعہ سے نقل کیا ہے، صاحب ہدایہ نے بھی ایک مقام پر تصریح فرمائی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے المجتهد يخطئ و يصيب، لا كما ظنه البعض، اور اس کی شرح صاحب کفایہ کرتے ہیں فنسبوا القول بأن كل مجتهد مصيب إلى أبي حنيفة، بہر حال دونوں قول مذاہب اربعہ میں نقل کئے جاتے ہیں۔

امام مازری نے لکھا ہے کہ اہل تحقیق فقہاء کا قول یہ ہے کل مجتهد مصيب اور انہوں نے حضرات ائمہ اربعہ سے نقل فرمایا ہے لیکن امام شافعی کا منصوص قول وہی ہے المجتهد يخطئ و يصيب اور یہی حضرت امام ابو حنیفہ کے متعلق ابھی تم کو معلوم ہو چکا ہے، قراطی نے حضرت امام مالک سے یہی نقل فرمایا ہے اور یہ ساری بحث مسائل فرعیہ میں ہے، اصول میں مصیب باجماع من یعتد بہ ایک ہی ہوتا ہے، اور اس مسئلہ میں عبید اللہ ابن حسن حنبلی اور داؤد ظاہری نے مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جیسے مسائل فرعیہ میں اختلاف ہے ایسے ہی مسائل اصلیہ میں بھی اختلاف ہے، اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مسئلۂ اصولیہ میں بھی مصیب ہوتا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ اس سے انہوں نے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جو اہل اسلام میں سے ہیں اور کفار کی تصویب کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

اس مسئلہ کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ حق آیا معین ہوتا ہے یا دائر ہوتا ہے؟ اعتقادیات میں تو اہل حق کی رائے یہ ہے کہ حق معین ہوتا ہے اور اس میں مصیب ایک ہی ہوتا ہے اور دوسرا مخطئ ہوتا ہے، اور فرعیات میں حق دائر ہوتا ہے، اسی لئے مذاہب اربعہ کی ایک جماعت نے کہہ دیا کل مجتهد مصيب، لیکن صحیح یہ ہے کہ فرعیات میں بھی حق متعین ہوتا ہے، اسی لئے مذاہب اربعہ کا راجح مسلک اور راجح قول یہی ہے المجتهد يخطئ و يصيب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷۳۵۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ

أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ هَكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ * وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

(ص ۱۰۹۲) بَابُ الْحُجَّةِ عَلَى مَنْ قَالَ إِنَّ أَحْكَامَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَتْ ظَاهِرَةً وَمَا كَانَ يَغِيبُ بَعْضُهُمْ مِنْ مَشَاهِدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَأُمُورِ الْإِسْلَامِ

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری کی غرض کیا ہے؟ اس میں کئی قول ہیں۔

(۱) علامہ ابن بطال اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود خوارج اور روافض کا رد کرنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ظاہر اور متواتر تھے، لہٰذا جو غیر متواتر طور پر نقل ہوں گے ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ سارے احکام کے متواتر ہونے کا دعویٰ صحیح ہو ہی نہیں سکتا ہے اسلئے کہ ہر موقع پر سارے صحابہ موجود نہیں ہوا کرتے تھے، بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہ ہوتے تھے اور بعض نہیں ہوتے تھے، بعض صحابہ کو آپ کے بعض افعال و اقوال کا علم ہوتا تھا اور بعض دوسروں کو نہیں ہوتا تھا، پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سارے احکام نبویہ متواتر طور پر منقول تھے۔

(۲) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اس سے مصنف نے باطنیہ کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اصل چیز باطن ہے ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، مگر شاہ صاحب سے جو کچھ اس باب کی شرح میں نقل کیا گیا ہے گستاخی معاف ہو صحیح نہیں ہے، اس میں تو صاف کہا جا رہا ہے الحجة على من قال إن أحكام النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كانت ظاهرة، اس شخص کے خلاف دلیل پیش کی جا رہی ہے جو یہ کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے احکام ظاہر تھے، معلوم ہوا کہ بعض احکام آپ کے ظاہر نہیں تھے یعنی بعض کو پتہ چلتا تھا اور بعض کو نہیں، اس سے باطنیہ کی تردید کیسے نکل سکتی ہے؟

(۳) بعض علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے اس سے مسئلۂ تقلید صحابی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہ مسئلہ مسائل مختلف فیہا میں سے ہے کہ آیا صحابی کی تقلید کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ حضرت امام مالک،

امام ابو حنیفہ اور امام احمد ایک روایت میں اور شافعی قول قدیم میں تقلید صحابی کے قائل ہیں یعنی یہ کہ صحابی کا قول و فعل حجت بنا کر اسکا اتباع کیا جاسکتا ہے، لیکن حضرت امام شافعی کا قول جدید اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ قول صحابی اور فعل صحابی حجت نہیں ہے، حضرات حنفیہ میں سے امام ابوالحسن کرخی نے اس میں تفصیل کی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابی سے جو موقوف آثار نقل کئے جاتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، مدرک بالرائے اور غیر مدرک بالرائے، جو مدرک بارائے ہیں وہ تو حجت نہیں ہیں اسلئے کہ اس میں احتمال ہے کہ صحابی نے اپنی رائے اور عقل کو استعمال کیا ہو، اور غیر مدرک بالرائے حجت ہیں، اسلئے کہ ظاہر ہے کہ جس چیز تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے صحابی جب وہ بات بیان کریگا تو یقیناً حضور ﷺ سے سن کر ہی بیان کریگا۔

(۴) احقر کا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ان بعض غلاۃ مقلدین پر رد کیا ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے امام کو حضور اکرم ﷺ کی ساری حدیثیں اور سارے احکام پہنچ گئے اور جب ان کے خلاف کوئی حدیث یا روایت پیش کی جاتی ہے تو وہ فوراً اسکی تاویل کرتے ہیں اسکو رد کرتے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ حضرات صحابہ کرام جو حضور ﷺ سے سب سے قریب ترین رہنے والے تھے انہی کو ساری باتوں کا علم نہیں ہوتا تھا، بعض مشاہد میں وہ موجود ہوتے تھے اور بعض وقت غائب ہوا کرتے تھے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور میں انصاف کے ساتھ کہتا ہوں اگرچہ میں حنفی المسلک ہوں کہ دنیا میں کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے کہ جسکے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ رسول اکرم ﷺ کی ساری حدیثوں کا اس نے احاطہ کرلیا ہے اسکے علم سے باہر کوئی حدیث نہیں ہے چاہے وہ حضرت امام احمد ہوں یا امام بخاری ہوں، میں نے ان دونوں کا نام اسلئے لیا کہ علم حدیث میں ان دونوں کا پایہ ایک ایسی مسلم حقیقت رکھتا ہے جیسے سارے پہاڑوں میں کوہ ہمالہ، بس یہیں سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب اکابر صحابہ کو بہت سے احکام کا علم نہیں ہوتا تھا تو بعد کے ائمہ کو بھی اگر بعض احکام کا علم نہ ہو اور بعض روایات نہ پہنچی ہوں تو اس میں کوئی استعجاب و استبعاد نہیں ہے، بعض اوقات ہمارے ائمہ صاحبین سے بعض الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ اگر یہ بات حضرت امام ابو حنیفہ کو پہنچی ہوتی، یہ حدیث پہنچی ہوتی تو حضرت امام اسکے خلاف کا قول اختیار نہ فرماتے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

یہی شافعیہ، امام شافعی کے متعلق اور مالکیہ، امام مالک کے متعلق کہتے ہیں، جو معتدل لوگ ہیں وہ سب یہی بات کہتے ہیں، مگر یہ چیز علماء کے درمیان کہنے کی ہوتی ہے عوام کے سامنے ایسی بات کہنے سے انتشار ہوتا ہے ان کو تو ایک آسان راستہ کے ساتھ لے چلنا چاہئے، غلاۃ اہل حدیث کی طرح غلو نہیں کرنا چاہئے اور فتنہ نہیں پھیلانا چاہئے۔

(۷۳۵۳) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ أَبُو مُوسَى عَلَى عُمَرَ فَكَأَنَّهُ وَجَدَهُ مَشْغُولًا فَرَجَعَ فَقَالَ عُمَرُ أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ائْذَنُوا لَهُ فَدُعِيَ لَهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ فَقَالَ إِنَّا كُنَّا نُؤْمَرُ بِهَذَا قَالَ فَأْتِنِي عَلَى هَذَا بِبَيِّنَةٍ أَوْ لَأَفْعَلَنَّ بِكَ فَانْطَلَقَ إِلَى مَجْلِسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالُوا لَا يَشْهَدُ إِلَّا أَصَاغِرُنَا (أَصْغَرُنَا) فَقَامَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَقَالَ قَدْ كُنَّا نُؤْمَرُ بِهَذَا فَقَالَ عُمَرُ خَفِيَ عَلَيَّ هَذَا مِنْ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ

(۷۳۵۴) حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنَ الْأَعْرَجِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهُ الْمَوْعِدُ إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ فَشَهِدْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَالَ مَنْ يَبْسُطْ رِدَاءَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي ثُمَّ يَقْبِضْهُ فَلَنْ يَنْسَى شَيْئًا سَمِعَهُ مِنِّي فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيتُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ

(ص ۱۰۹۳) بَابُ مَنْ رَأَى تَرْكَ النَّكِيرِ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حُجَّةً لَا مِنْ غَيْرِ الرَّسُولِ

حضرت امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس سے مسئلہ تقریر کو بیان فرمایا ہے اور حاصل یہ ہے کہ صاحب شریعت کی تقریر حجت ہے اور غیر صاحب شریعت کی تقریر حجت نہیں ہے، لہٰذا اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی کام کرتے ہوئے دیکھیں یا کسی کو کوئی بات کہتے ہوئے سنیں اور دین و شریعت سے اسکا تعلق ہو اور آپ اس

پر نکیر نہ فرمائیں تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حجت ہے اور صحیح ہے، لیکن اگر غیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے فعل وقول پر نکیر نہ کریں تو یہ اسکے حجت ہونے کی دلیل نہیں ہے، اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ غیر رسول نے سکوت کیا ہو اس وجہ سے کہ اسکو مسئلہ کا علم نہ ہو یا علم ہو مگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ دوسرے کے پاس شاید کوئی دلیل ہے جسکی بناء پر وہ میری معلومات کے خلاف کہہ سن رہا ہے۔

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اجماع سکوتی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، یہ مسئلہ مسائل خلافیات میں سے ہے کہ آیا اجماع سکوتی حجت ہے یا حجت نہیں ہے؟ امام ابوحنیفہ، امام احمد ابن حنبل اور امام شافعی ایک قول میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اجماع سکوتی حجت ہے، اکثر مالکیہ اور اکثر شافعیہ کہتے ہیں کہ اجماع سکوتی حجت نہیں ہے، پھر اسکے بعد جو حضرات اجماع سکوتی کو حجت مانتے ہیں ان میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حجت قطعیہ ہے یا ظنیہ؟ احناف تو کہتے ہیں کہ اجماع سکوتی اجماع قطعی ہے اور حجت ہے، اور دوسرے حضرات، شافعیہ وغیرہ جو اسکو حجت مانتے ہیں وہ اسکو حجت بھی مانتے ہیں مگر قطعی نہیں مانتے ہیں، ویسے شافعیہ کے یہاں اس مسئلہ میں پانچ قول ہیں جو ان کی اصول کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ اجماع سکوتی حجت نہیں ہے، امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کو سن کر یا کسی قول یا کسی فعل کو جان کر اس پر نکیر نہ کرنا تو حجت ہے لیکن غیر رسول کا کسی بات پر سکوت کر لینا اسکے حجیت کی دلیل نہیں ہے، اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ غیر رسول کو صورت واقعہ ہی معلوم نہ ہو یا مسئلہ کی دلیل معلوم نہ ہو یا وہ یہ سمجھتا ہو کہ میرے پاس جو دلیل ہے دوسرے نے اسکے خلاف کہا ہے ہوسکتا ہے کہ اسکے پاس مجھ سے اقویٰ دلیل ہو، غرض کہ غیر رسول کا سکوت حجت نہیں ہے، یہی شافعیہ کے یہاں ایک دوسرا قول ہے، تو گویا امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے شافعیہ کے اس دوسرے قول کی تائید کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجماع سکوتی حجت نہیں ہے اور نہ وہ اجماع ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۷۳۵۵) حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَحْلِفُ بِاللهِ أَنَّ ابْنَ الصَّائِدِ (الصَّيَّادِ) الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللهِ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ يَحْلِفُ عَلَى ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُنْكِرْهُ النَّبِيُّ

صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رَأَیْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ یَحْلِفُ بِاللّٰہِ أَنَّ ابْنَ الصَّائِدِ (الصَّیَّادِ) الدَّجَّالُ: حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ کے عدم انکار سے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ حضور کا عدم انکار حجت ہے، باقی جو حضرات اجماع سکوتی کو حجت کہتے ہیں وہ اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مجتہدین کا کسی مجتہد کے قول کا معلوم ہونا اور اسکے بعد اسکی مخالفت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مجتہد نے موافقت کی ہے، اسلئے کہ اگر مجتہد کو موافقت منظور نہ ہوتی تو کم از کم وہ یہ تو کہہ سکتا تھا کہ مجھے اس مسئلہ میں کوئی دلیل معلوم نہیں ہو سکی ہے، میں توقف کرتا ہوں، اور اگر اسکے پاس اسکے خلاف کوئی دلیل ہوتی تو وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ میرے پاس اس مسئلہ میں اس قول کے خلاف دلیل موجود ہے لہذا میں اس قول کو تسلیم نہیں کرتا ہوں، لہذا مجتہدین کا اقوال مجتہد کو سن کر اس پر سکوت کر لینا دلیل ہے اس بات کی کہ وہ اسکو مستند مانتے ہیں، اور اگر غیر مستند مانتے تو اپنی رائے ظاہر کرتے تاکہ دوسروں کو دھوکہ نہ لگے۔

حضرت امام بخاری اس روایت کو عن حماد بن حمید عن عبیداللہ بن معاذ نقل کرتے ہیں اور امام مسلم نقل کرتے ہیں عن عبیداللہ بن معاذ، امام مسلم اس روایت میں امام بخاری سے ایک درجہ اونچے ہیں، اور یہ چوتھی روایت ہے، صرف چار ہی روایتوں میں مسلم کا درجہ بخاری سے اونچا ہوا ہے، اور حضرت امام بخاری کو اس طرح کا تفوق امام مسلم پر بہت سی روایات میں حاصل ہے حتی کہ بعض علماء نے مستقل ایک اربعینہ لکھا جس میں یہ دکھلایا ہے کہ بخاری تو استاذ الاساتذہ سے نقل کرتے ہیں اور امام مسلم نیچے کے تلمیذ سے نقل کرتے ہیں۔

(ص ۱۰۹۳) بَابُ الْأَحْکَامِ الَّتِي تُعْرَفُ بِالدَّلَائِلِ وَ کَیْفَ مَعْنَی الدِّلَالَةِ وَتَفْسِیرُهَا

وَقَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْرَ الْخَیْلِ وَغَیْرِهَا ثُمَّ سُئِلَ عَنِ الْحُمُرِ فَدَلَّهُمْ عَلَی قَوْلِهِ تَعَالَی ﴿فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَرَهُ﴾ وَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ لَا آکُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ وَأُکِلَ عَلَی مَائِدَةِ النَّبِيِّ ﷺ الضَّبُّ فَاسْتَدَلَّ ابْنُ عَبَّاسٍ بِأَنَّهُ لَیْسَ بِحَرَامٍ

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے استدلال کی تقسیموں کی طرف

اشارہ فرمایا ہے یعنی عبارۃ النص، دلالت النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص کی طرف۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہاں پر دلائل سے مراد کتاب وسنت، اجماع امت اور قیاس ہے اور مقصد یہ ہے کہ احکام، دلائل یعنی کتاب وسنت، اجماع امت اور قیاس سے مستنبط ہوتے ہیں، ان کے علاوہ کسی اور چیز سے احکام شرعیہ کا استنباط نہیں کیا جاتا ہے۔

اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ سیدنا امام بخاری چونکہ قیاس کے منکر ہیں جیسا کہ داؤد ظاہری کی رائے ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں جو منصوص طور پر احادیث سے نکلتے نہیں ہیں تو آخر ان مسائل کے جوابات کیسے معلوم ہوں گے اور کہاں سے ان کا استخراج کیا جائے گا اور کیسے اسکا حکم معلوم کیا جائے گا؟ حضرت امام بخاری داؤد ظاہری کی طرح یہ فرماتے ہیں کہ احکام کے استخراج کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ وہ حکم، کتاب وسنت میں منصوص ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ منصوص تو نہ ہو لیکن کتاب وسنت اس پر دلالت کرتے ہوں اور دلالۃً اسکا ثبوت ہوتا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ دلالت کسے کہتے ہیں؟ دلالت کہتے ہیں کسی مطلوب تک رہنمائی کر دینا، اسی لئے دلیل کی تعریف کی جاتی ہے **الدلیل مایرشد إلی المطلوب**، اور بعضوں نے کہا ہے: **الدلیل مایلزم من العلم به العلم بوجود المدلول**، دلیل وہ چیز کہلاتی ہے جس سے علم حاصل ہو جانے کے بعد مدلول کا علم حاصل ہو جاتا ہے، تو دلالت کے معنی ہوئے جسکے ذریعہ سے مطلوب تک رسائی ہو سکے، مدلول تک آدمی پہنچ سکے۔

اب مطلوب و مدلول تک پہنچنے کی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ نص عام ہو اور اس کے عموم سے استدلال کیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نص میں اطلاق ہو اور اسکے اطلاق سے استدلال کیا جائے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نص محتمل ہو تو استدلال بکل المحتمل کیا جائے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ نص کوئی ایسے حکم کو رکھتی ہو جسکے لئے کوئی دوسرا حکم لازم ہو تو استدلال بالالتزام کیا جائے۔

کبھی کبھی نص سے کوئی مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور غیر منصوص اس میں بدرجۂ اولیٰ داخل ہوتا ہے، مثلاً

ایک گڑھے میں پانی جمع ہے اور نجاست کی کوئی دلیل نہیں ہے تو وہ پاک ہے، اب اگر آسمان سے پانی گرتا ہے تو بدرجہ اولیٰ پاک ہوگا اسلئے کہ وہاں تو کسی بھی نجاست کے اختلاط کا احتمال نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح کبھی استدلال باستصحاب الحال ہوتا ہے یعنی ماضی میں یہ حکم تھا اور اس حکم کا نافی موجود نہیں ہے تو مستقبل اور حال میں بھی یہی حکم ہوگا۔

کبھی امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت بناتے ہیں اس لئے کہ شارع نے اس کو نقل کیا ہے اور کوئی نکیر نہیں کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ شرائع من قبلنا ہمارے لئے حجت ہے۔

بہر حال حضرت امام بخاری قیاس کے تو قائل نہیں ہیں البتہ دلالت کے قائل ہیں اور دلالت سے اپنا مدعا ثابت فرماتے ہیں جس کی طرف ابھی میں اشارہ کر چکا ہوں، اسی طرح میں نے پوری کتاب میں بارہا یہ بات بیان کی ہے کہ فلاں چیز کو مصنف نے قیاساً ثابت کیا ہے اور فلاں چیز کو مصنف نے قیاساً ثابت کیا ہے اور میں نے وہاں پر یہ کہا ہے کہ حضرت امام قیاس کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ اپنا مدعا استدلالی طور پر ثابت کرتے ہیں اس لئے کہ وہ دلیل کے قائل ہیں اور دلالت کے قائل ہیں اور دلالت کی وضاحت وہی ہے جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے۔

وَقَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْرَ الْخَيْلِ وَغَيْرِهَا ثُمَّ سُئِلَ عَنِ الْحُمُرِ الخ: حضرت امام بخاری اس سے استدلال بالعموم کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے گھوڑے کے مسائل بیان کئے اور اسکے اقسام بیان کئے آپ سے پوچھا گیا یارسول اللہ! حمر کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرے اوپر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے إلا هذه الآية الجامعة الفاذة ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۞ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾، تو اس آیت کی جامعیت اور عموم سے حضور اکرم ﷺ نے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنا حمار اللہ کے راستہ میں دیتا ہے تو وہ بھی مستحق اجر وثواب ہوگا۔

وَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الضَّبِّ الخ: آپ سے ضب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں اس کو نہ حرام کہتا ہوں نہ حلال کہتا ہوں، لیکن آپ کے دستر خوان پر کھائی گئی اور آپ نے کوئی نکیر نہیں کی، تو ابن عباسؓ نے اس سے یہ اخذ کر لیا کہ ضب حلال ہے کیونکہ حضور ﷺ محلّل و محرّم بنا کر بھیجے گئے تھے، اگر ضب

حرام ہوتی تو حضرت رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام یقیناً اپنے دستر خوان پر اسکو نہ کھانے دیتے اور اٹھوا دیتے، آپ کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مباح ہے، لہٰذا امام بخاری اس سے اس بات کی طرف کی اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ شارع علیہ السلاۃ والسلام نے جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے اور اسکی تحلیل و تحریم نہیں فرمائی تو وہ بالبراءۃ الأصلیۃ مباح ہوں گی، یا یہ کہ جس پر نبی اکرم ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی ہے اس سے اسکی اباحت پر استدلال کیا جائے گا۔

(۷۳۵۶) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذَلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ كَانَ ذَلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ وَهِيَ لِذَلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً فَهِيَ عَلَى ذَلِكَ وِزْرٌ وَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمُرِ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

(۷۳۵۷) حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ النُّمَيْرِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ شَيْبَةَ حَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَيْضِ كَيْفَ تَغْتَسِلُ (يُغْتَسَلُ) مِنْهُ قَالَ تَأْخُذِينَ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِينَ (فَتَوَضَّئِي) بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَوَضَّأُ بِهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّئِي قَالَتْ كَيْفَ أَتَوَضَّأُ بِهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّئِينَ (تَوَضَّئِي) بِهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَعَرَفْتُ الَّذِي يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَعَلَّمْتُهَا

قال النبي ﷺ توضئين بها: حضور ﷺ توضئین، توضئین فرماتے رہے اور وہ عورت نہیں سمجھی، حضرت عائشہؓ مراد نبوی کو سمجھ گئیں، معلوم ہوا کہ اگر آنحضور ﷺ کوئی ایسا لفظ استعمال فرمائیں جس

کے عموم میں کوئی چیز داخل ہوتی ہو تو اس عموم سے اسکو اخذ کیا جاسکتا ہے، مثلاً توضئین ماخوذ ہے وضوء سے اور وضو کے معنیٰ نظافت کے ہیں، لہذا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فرصہ مسکہ لیکر اس سے نظافت حاصل کرو، اب ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ وضوء سے مراد وضوء متعارف ہے، حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ اس سے مراد نظافت حاصل کرنا ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ مقام مخصوص میں اسکو استعمال کرو اور وہاں خون وغیرہ کے آنے کی وجہ سے جو ایک خاص بو اور عفونت پیدا ہوگئی ہے اسکو دور کرو اور زائل کرو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت امام بخاری اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ بعض وقت کسی نص سے کوئی خاص معنیٰ قرائن کے ذریعہ سے متعین ہوجاتے ہیں، لفظ وضوا گرچہ عام طور سے وضوء شرعی اور وضوء متعارف کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں قرائن مقام سے معلوم ہوا کہ توضئین کا لفظ وضوء متعارف کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ تنظیف کے واسطے استعمال کیا گیا ہے۔

(۷۳۵۸) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَزْنٍ أَهْدَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمْنًا وَأَقِطًا وَأَضُبًّا (وَضَبًّا) فَدَعَا بِهِنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُكِلْنَ عَلَى مَائِدَتِهِ فَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالْمُتَقَذِّرِ لَهُ (لَهُنَّ) وَلَوْ كُنَّ حَرَامًا مَا أُكِلْنَ (وَلَوْ كَانَ حَرَامًا مَا أُكِلَ) عَلَى مَائِدَتِهِ وَلَا أَمَرَ بِأَكْلِهِنَّ

(۷۳۵۹) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَإِنَّهُ أُتِيَ بِبَدْرٍ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ (خُضَرَاتٌ) مِنْ بُقُولٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا فَسَأَلَ عَنْهَا فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ فَقَالَ قَرِّبُوهَا فَقَرَّبُوهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا قَالَ كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي * وَقَالَ ابْنُ عُفَيْرٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ (خُضَرَاتٌ) وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ

یہ حدیث کتاب الصلاۃ کے اواخر میں گزر چکی ہے اور وہاں بقدرٍ کا لفظ گزرا ہے۔

بَدْرٌ اور قِدر کے لفظ میں اختلاف ہے کہ آیا کون سا لفظ راجح ہے؟ حضرت امام بخاری نے بَدْرٌ کے لفظ کو راجح قرار دیا ہے اس واسطے کہ طبق میں جو سبزی ہوگی اسی میں بو ہو سکتی ہے اور جب پک جائے تو پھر لہسن اور

پیاز میں بو کہاں باقی رہے گی، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ قِدر کا لفظ راجح ہے اسلئے کہ ابن وہب کے اکثر تلامذہ یہی نقل کرتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ پکانے کے باوجود جو بو باقی رہی وہ اسلئے کہ لہسن اور پیاز پوری طرح سے پک نہیں پائی تھی، جب پوری طرح پک جاتی ہے تب جا کر ان کی بو دور ہوتی ہے۔

قال ابن عفير عن ابن وهب بقدر فيه خضرات: سعید بن عفیر کی روایت ص ۱۱۸ پر گزر چکی۔

فَلاأَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ: یہ حضرت امام بخاری کا مقولہ ہے، فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں جانتا ہوں کہ آیا یہ زہری کا قول ہے یا حدیث کا ٹکڑا ہے؟ یعنی بیچ میں أُتِيَ بِقِدْرٍ کا لفظ لانا۔

(۷۳۶۰) حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي وَعَمِّي قَالَا حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ أَنَّ أَبَاهُ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا بِأَمْرٍ فَقَالَتْ أَرَأَيْتَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ أَجِدْكَ قَالَ إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ * زَادَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ كَأَنَّهَا تَعْنِي الْمَوْتَ

أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا: ایک عورت آئی حضور ﷺ نے کوئی بات فرمائی یعنی یہ کہ پھر آنا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں اور مراد یہ تھی کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: إن لم تجديني فأتي أبابكر مجھے نہ پانا تو ابو بکر کے پاس آنا، اس سے آنحضور ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ابو بکر صدیقؓ میرے نائب، میرے خلیفہ اور میرے کام کو انجام دینے والے ہوں گے، اب اس عورت نے کہا تھا إن لم أجدك اور اس سے کنایہ لیا تھا موت کو، اسی طرح آنحضور ﷺ نے فأتي أبابكر کہہ کر اشارہ کیا تھا کہ ابو بکرؓ میرے نائب اور خلیفہ ہوں گے، تو امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بعض وقت کسی نص سے اشارہ کے طور پر مسئلہ مستنبط ہو جاتا ہے اور نکل آتا ہے، بہر حال نص کے ہوتے ہوئے غیر نص کی طرف رجوع کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔

احقر نے اس ترجمہ کی جو غرض بیان کی ہے اگرچہ شارحین میں سے کسی نے بھی اسکے متعلق المام و اشارہ تک نہیں کیا ہے لیکن بندہ کو اس مسئلہ میں انتہائی شرح صدر بحمد اللہ تعالیٰ حاصل ہے اور کوئی تأمل نہیں ہے کہ بخاری کی غرض یہی ہے، والعلم الحقيقي مفوض إلى علام الغيوب وإلى العليم الخبير۔

(ص ۱۰۹۴) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس سے شرائع من قبلنا کی طرف اشارہ فرمایا ہو، لیکن اس صورت میں مطلب یہ نکلے گا کہ امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت نہیں مانتے ہیں کیونکہ اللہ کے نبی فرماتے ہیں لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ، اور بخاری یہ ترجمہ منعقد کر رہے ہیں، حالانکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جگہ جگہ پر یہ تصریح فرمائی ہے کہ امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت مانتے ہیں، اسرائیلی کا وہ قصہ جس میں ہزار دینار ادھار مانگنے کا ذکر ہے حضرت امام بخاری نے باب الزکاۃ اور کفالت اور کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے اور اس سے مختلف مسائل مستنبط فرمائے ہیں، سب جگہ شراح کرام کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت مانتے ہیں، اسی طرح اغتسال موسی عریاناً سے اغتسال عریاناً پر استدلال کیا ہے اور اغتسال ایوب عریاناً سے اغتسال عریاناً پر استدلال فرمایا ہے، شارحین کو کہنا پڑتا ہے کہ امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت مانتے ہیں، اب اگر اس ترجمۃ الباب کی یہی غرض بیان کی جائے تو مطلب یہ نکلے گا کہ امام بخاری شرائع من قبلنا کو حجت نہیں مانتے ہیں حالانکہ یہ امام بخاری کے عمل کے خلاف ہے، انہوں نے اب تک جو کچھ عمل کیا ہے اسکے خلاف پڑ جائے گا اسلئے ترجمہ کی یہ غرض قرار دینا بعید معلوم ہوتا ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے خاص طور سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ شرائع من قبلنا حجت ہیں لیکن وہی جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کریں اور اسکے بعد اس پر سکوت فرمائیں، باقی اہل کتاب سے کوئی چیز معلوم کی جائے اور آدمی اس پر عمل کرے اسکی گنجائش نہیں ہے، اس صورت میں امام بخاری نے اسی سے مسئلہ شرائع من قبلنا إذا قصّها الله و رسوله علينا من غير تعقيب بإنكار، ثابت کیا ہے، یعنی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر متقدمین انبیاء کی شریعتوں کو نقل کریں اور نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی نکیر نہ کریں تو وہ ہمارے حق میں حجت ہے۔

باقی یہ کہ ان کی کتابوں سے مسائل تلاش کئے جائیں اور نکالے جائیں یا ان کے علماء اور احبار سے مسئلہ معلوم کیا جائے تو ہمارے فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ یہ حجت نہیں ہے، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے لا تسئلوا أهل الكتاب عن شيء، اہل کتاب سے سوال نہ کرو، کیوں؟ اس واسطے

کہ معلوم نہیں کہ جو بات وہ کہہ رہے ہیں وہ واقعۃً کتاب اللہ کی بات ہے یا اپنی طرف سے بات کہہ رہے ہیں، اب اگر تم نے اہل کتاب کی بات کو مان لیا اور اسکو حکم خداوندی سمجھ لیا تو غیر حکم خدا کو حکم خدا ماننا لازم آتا ہے، اور اگر تم نے تکذیب کر دی اور واقعۃً وہ صحیح کہہ رہے ہیں تو خواہ مخواہ کے لئے تم اللہ کے کلام کے مکذّب بنو گے اسلئے فرمایا: لَاتُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَاتُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاأُنْزِلَ إِلَيْنَا، ہم تو اللہ اور ما انزل الینا پر ایمان لاتے ہیں لہٰذا شرائع من قبلنا ہمارے لئے بس وہیں تک شریعت ہے جہاں ہمارے اللہ اور ہمارے رسول ﷺ نقل فرما کر کچھ نکیر نہ فرمائیں۔

علامہ ابن بطال نے اپنے استاذ علامہ مہلب سے یہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کو اہل کتاب سے باتیں پوچھنے کے متعلق اسلئے منع فرمایا ہے کہ ہماری شریعت، ہماری ضروریات کی متکفل اور ہمارے مسائل کے سلسلہ میں کافی ووافی ہے لہٰذا ہمیں ان کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی نص موجود ہو تب تو کہنا ہی کیا اور اگر نص موجود نہ ہو تو پھر مسئلہ کو استدلال سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

یہاں پر علماء نے دو چیزوں کا استثناء کیا ہے، ایک تو وہ عجائب وغرائب واقعات ہیں جو ان میں پیش آئے اگر ان کو معلوم کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس سے منع نہیں کیا گیا ہے، یا اسی طرح ایسی چیزوں کو معلوم کیا جائے جس سے ہماری شریعت کی تصدیق ہوتی ہے ہمارے رسول ﷺ کی جن میں علامات موجود ہیں ان میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اب غور سے سنو! حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام تو فرماتے ہیں لَاتَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ، اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو اور اللہ فرماتے ہیں ﴿فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے سوال کرلو، ان دونوں میں تعارض ہو گیا، اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ غیر مؤمنین اہل کتاب سے حضور ﷺ نے سوال کرنے سے منع کیا ہے اور اللہ پاک نے مؤمنین اہل کتاب سے سوال کرنے کی اجازت دی ہے، یا یوں کہئے کہ اجازت صرف ان چیزوں سے متعلق ہے جس کا تعلق توحید و رسالت سے ہے یا ان جیسے مسائل مثلاً معاد کا مسئلہ ہے، اور جو اس کے ماسوا ہے جیسے فرعی مسائل تو اس کے متعلق سوال کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(۷۳۶۱) وَقَالَ أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يُحَدِّثُ رَهْطًا مِنْ قُرَيْشٍ بِالْمَدِينَةِ وَذَكَرَ كَعْبَ الْأَحْبَارِ فَقَالَ إِنْ كَانَ مِنْ أَصْدَقِ هٰؤُلَاءِ الْمُحَدِّثِينَ الَّذِينَ يُحَدِّثُونَ عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَإِنْ كُنَّا مَعَ ذٰلِكَ لَنَبْلُو عَلَيْهِ الْكَذِبَ

إِنْ كَانَ مِنْ أَصْدَقِ هٰؤُلَاءِ الْمُحَدِّثِينَ الَّذِينَ يُحَدِّثُونَ عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ: کعب احبار ان لوگوں میں سب سے اچھے تھے جو اہل کتاب کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں مگر بعض وقت ہم ان کے اوپر بھی دروغ گوئی کا تجربہ کرتے تھے، اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض وقت کعب احبار غلط بیانی کرتے تھے حالانکہ یہ مستند علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، اسلئے علماء جیسے ابن حبان وغیرہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ لَنَبْلُو عَلَيْهِ الْكَذِبَ میں کذب بمعنی خطاء ہے، اس واسطے کہ اہل حجاز کی یہ لغت ہے کہ وہ کذب کو خطاء کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، موطا اور ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں ہے كذب أبو محمد اور اس کی شرح کی گئی ہے أخطأ أبو محمد ابو محمد کو خطاء واقع ہوئی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ کتاب کے جو مضامین نقل کرتے تھے کہ وہ خود اس بات کی شہادت دیتے تھے کہ یہ غلط ہے، مگر یہ سیاق سے بعید ہے، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ عمداً تو وہ غلط بیانی کرتے نہیں تھے لیکن بعض وقت انہیں سہو اور نقل کرنے میں خطاء واقع ہو جاتی تھی قالہ القاضی عیاض۔

(۷۳۶۲) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَأُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ الْآيَةَ

یہ حدیث اسی سند کے ساتھ کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے اور آئندہ اسی سند سے کتاب التوحید میں صفحہ نمبر ۱۱۲۵ پر آرہی ہے، اور میں یہ بتا چکا ہوں کہ ایک سند و متن کے ساتھ بخاری میں کل چار روایتیں ہیں جو تین جگہ ایک ہی سند و متن کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں، ویسے ہو سکتا ہے کہ اور بھی ہوں لیکن مجھے صرف چار ہی روایتیں یاد ہیں۔

(۷۳۶۳) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْدَثُ تَقْرَءُونَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا كِتَابَ اللهِ وَغَيَّرُوهُ وَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ وَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ (مُسَاءَلَتِهِمْ) لَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ

قَالَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ: ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو کسی بات کے متعلق حالانکہ تمہاری کتاب جو اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کی گئی سب سے نئی کتاب ہے؟

أَحْدَثُ: سب سے نئی کتاب ہے، **تَقْرَءُونَهُ مَحضاً:** تم پڑھتے ہو اسکو خالص ہے، **لم يشب:** اس میں خلط ملط نہیں کیا گیا جیسا کہ کتب سابقہ میں ہوا۔

یہاں قرآن کو احدث کہا گیا ہے، اور کتاب الشہادات میں یہی روایت گزری ہے اس میں ہے احدث الاخبار باللہ، اور کتاب التوحید میں آرہی ہے أقرب الکتب عهداً بالله، یہاں جو حدوث کی اضافت کتاب اللہ کی طرف کی گئی ہے اس حدوث سے مراد ظہور ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی کتابوں میں جو ظاہر ہوئی ہیں ان میں سب سے بعد میں ظاہر ہونے والی آخری کتاب قرآن پاک ہے۔

اور ویسے میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ کر آیا ہوں کہ آیا حدوث کی نسبت اللہ کی طرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کلام اللہ کو مخلوق تو نہیں کہہ سکتے ہیں اس پر تو اہل حق کا اجماع اور اتفاق ہے لیکن کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلام اللہ حادث ہے؟ علامہ انور شاہ کشمیری نے کتاب التوحید میں بخاری کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ حادث کہہ سکتے ہیں اور یہی بعض دیگر شراح کی بھی رائے ہے، اور حادث و مخلوق میں فرق یہ ہے کہ مخلوق تو اسے کہتے ہیں جو منفصل اور جدا ہو جیسے سارا عالم، اور حادث اسے کہتے ہیں جو منفصل اور جدا نہ ہو بلکہ اسکا اس سے ظہور ہو رہا ہو، دیکھو تم بات کرتے ہو، بات تمہارے منہ سے ظاہر ہوتی ہے لیکن یہ بات منہ سے الگ اور منفصل ہو کر کہیں خارج میں موجود نہیں ہوتی ہے، تو گویا یہاں حدوث سے مراد ظہور ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جس وقت چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں اور نیا نیا کلام اللہ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے، یہ مسئلہ بڑا ہی گنجلک ہے اس میں اقوم

المسالک یہ ہے کہ بس آدمی جو کتاب وسنت میں آیا ہو اسکو مان لے، اور رہا متکلمین کی تدقیقات اور ان کی تحقیقات میں زیادہ نہ پڑے، مجبوری کا درجہ ہو تو امر آخر ہے، ویسے متکلمین کے مسائل ودلائل میں زیادہ گھسنا مناسب نہیں ہے۔

وَقَدْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا كِتَابَ اللهِ: اور اللہ نے بیان کیا کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتب کو یعنی تورات اور انجیل کو تبدیل کر ڈالا۔

وَغَيَّرُوهُ وَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ: اس تغییر کر دینے میں چار قول ہیں، میں کتاب الشہادات میں اسکی وضاحت کر چکا ہوں اور اگر توفیق خداوندی نے یاوری کی تو میں کتاب التوحید میں مزید دوبارہ اسکا تذکرہ مناسب جگہ میں کر دوں گا۔

أَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ: حضرت ابن عباسؓ غیرت دلاتے ہیں کہ ارے لوگو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم تو ان سے پوچھنے جاتے ہو اور ہم نے ان میں سے کسی آدمی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ تمہارے قرآن کے متعلق پوچھے کہ تمہارے قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے۔

یہ بہت غیرت کی بات ہے کہ ہم مسلمان، غیر مسلمین کے طریقوں کو اور ان کے شعار کو اختیار کریں اور وہ ہمارے شعار سے گریز کریں اور پرہیز کریں، کوٹ اور پینٹ پہننے کے لئے تم تو تیار ہو جاؤ اور کوئی بھی تمہارے جیسا کھلا سادہ لباس پہننے کو تیار نہ ہو، غیرت کی بات نہیں ہے؟ بہت بڑی غیرت کی بات ہے۔

(ص ۱۰۹۴) بَابُ نَهْيِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى التَّحْرِيمِ إِلَّا مَا تُعْرَفُ إِبَاحَتُهُ

وَكَذَلِكَ أَمْرُهُ نَحْوَ قَوْلِهِ حِينَ أَحَلُّوا أَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ جَابِرٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْنَا

حضرت امام بخاری فرماتے ہیں نهی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن التحریم أی ینبئ عن التحریم اور بعض نسخوں میں ہے نَهْيِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلَى التَّحْرِيمِ أی محمول علی التحریم۔

إِلَّا مَا تُعْرَفُ إِبَاحَتُهُ: الا یہ کہ کسی کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نہی تنزیہی ہے اور اصل فعل

جس سے منع کیا گیا وہ مباح ہے۔

وَ كَذٰلِکَ أَمْرُهُ: یعنی حضور ﷺ کا امر اصل وجوب کے لئے ہے الا یہ کہ کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں وجوب مراد نہیں ہے، حضرات ائمہ اربعہ کا اصل مسلک یہی ہے کہ **الأمر للوجوب إلا مادلّ الدليل على خلافه، والنهي على التحريم إلا مادلّ الدليل على خلافه،** یعنی امر وجوب کے لئے ہوتا ہے الا یہ کہ دلیل سے ندب اور استحباب معلوم ہو جائے یا اباحت، اور نہی تحریم کے لئے آتی ہے الا یہ کہ دلیل سے کراہت کا پتہ چل جائے۔

امام شافعی ایک روایت میں ارشاد فرماتے ہیں **الأمر للندب والنهي للكراهة،** اور بعض اشاعرہ کہتے ہیں کہ امر نہ وجوب کا مقتضی ہے اور نہ ندب کا بلکہ دلیل پر دارومدار ہے، اگر دلیل وجوب پر دلالت کرے تو وجوب اور اگر تحریم پر دلالت کرے تو تحریم، اور کراہت وندب پر دلالت کرے تو کراہت وندب مراد ہوگا۔

نَحْوَ قَوْلِهٖ حِيْنَ أَحَلُّوا: أَصِيْبُوا مِنَ النِّسَاءِ: صحابہ جب حلال ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب عورتوں سے تمتع اور انتفاع حاصل کرو، ظاہر ہے کہ یہ حکم ایجابی نہیں تھا بلکہ حضور ﷺ نے اجازت و اباحت کے طور پر فرمایا تھا، **قال جابر: ولم يعزم عليهم** حضور ﷺ نے حتمی طور پر اصابتِ نساء کو ضروری قرار نہیں دیا تھا **ولكن أحلهن لهم،** صحابی نے قرینہ سے یہ سمجھ لیا ہے کہ امر ایجابی نہیں ہے۔

وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: نُهِيْنَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا: اتباع جنائز سے ہم کو منع کیا گیا تھا لیکن حکم حتمی نہیں دیا گیا تھا، اور باقی جو حضرت فاطمہؓ کے بارے میں وارد ہے کہ وہ اتفاق سے آرہی تھی حضور اکرم ﷺ نے دیکھا تو پوچھا **أبلغتِ معهم بالكدى،** کیا تم ان کے ساتھ قبرستان گئی تھی؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! آپ کے منع کر دینے کے بعد میں کیسے جاتی؟ میں تو **رحمتُ ميّتهم فعزّيتهم** ان کی میت پر رحمت کی وجہ سے تعزیت کے لئے گئی تھی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: **لو بلغت معهم الكدى لما دخلت الجنة حتى يدخل فيها جدأبي** یہ لفظ نسائی میں واقع ہوا ہے امام ابو داؤد نے ادباً اسکو حذف فرمادیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ فاطمہؓ کے قصہ میں اتنی تشدید کیوں ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت سیدنا فاطمہؓ کی خصوصیت ہو عام عورتوں کے لئے نہی حتمی نہیں ہے، لیکن حضرت فاطمہؓ جگر گوشۂ رسول

ہیں اسلئے ان کی یہ خصوصیت ہے کہ انہیں جانے کی اجازت نہیں۔

(۷۳۶۷) حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فِي أُنَاسٍ مَعَهُ قَالَ أَهْلَلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجِّ خَالِصًا لَيْسَ مَعَهُ عُمْرَةٌ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحِلَّ وَقَالَ أَحِلُّوا وَأَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَبَلَغَهُ أَنَّا نَقُولُ لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا خَمْسٌ أَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ إِلَى نِسَائِنَا فَنَأْتِي عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيرُنَا الْمَذْيَ (الْمَنِيَّ) قَالَ وَيَقُولُ جَابِرٌ بِيَدِهِ هَكَذَا وَحَرَّكَهَا فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَتْقَاكُمْ لِلَّهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّونَ فَحِلُّوا فَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

قال جابر: ولم يعزم عليهم: أی فی وطئ النساء وأباحهن لهم، اس سے مراد احلال نہیں ہے، احلال تو آپ نے ان پر واجب قرار دے دیا تھا اس لئے کہ جو سائق الهدیٰ نہ ہو ان کے لئے حلال ہونا ضروری تھا۔

(۷۳۶۸) حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً

حضرت علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مغفل مزنیؓ کی یہ آخری حدیث ہے جس کو امام بخاری نے جامع بخاری میں اصول فقہ کے مسائل کے سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے، گویا اگلے جو ابواب آرہے ہیں امام بخاری نے وہ تبعاً و استطراداً ذکر کئے ہیں، اصول فقہ کے مسائل ختم ہو گئے۔

(ص ۱۰۹۵) بَابُ كَرَاهِيَةِ الْاِخْتِلَافِ

یہ باب اختلاف کے مکروہ ہونے کے بیان میں ہے، بہت ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری نے اختلاف أمتی رحمة کی تردید کی طرف اشارہ فرمایا ہو اور یہ بتلایا ہو کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اختلاف تو شریعت میں

مکروہ ہے پھر وہ رحمت کیسے بن سکتا ہے؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اختلاف مکروہ ہے جو مفضی الی المراء والجدال ہو یا مفضی الی التکذیب ہو، اور اگر اختلاف صرف اجتہاد کے درجہ کا ہو، تاویل کے درجہ کا ہو تو وہ اختلاف مذموم نہیں ہے، حضرات مجتہدین ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں لیکن کوئی کسی کی تکذیب نہیں کرتا ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں نص کے یہ معنیٰ نہیں ہیں بلکہ یہ معنیٰ ہیں، فلاں نص کی مراد یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے، تو صرف مراد کی تعیین میں ہر ایک، ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی دلیل کی تاویل کرتے ہیں، اس تقریر کے پیش نظر یہ ترجمہ بھی اصول فقہ کے مسئلہ سے مربوط ہو جائے گا، اسلئے کہ جب ما قبل میں اجماع کا ذکر کیا گیا ہے اور اسکی حجیت بتائی گئی ہے تو یہ بھی بتلا دیا گیا کہ امت میں اختلاف پسندیدہ نہیں ہے۔

(۷۳۶۹) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سَلَّامِ بْنِ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ سَمِعَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ سَلَّامًا

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ: جب تک تمہارے دل مجتمع رہیں تب تک قرآن پڑھو اور جب تمہارے دلوں میں اختلاف ہو جائے یعنی طبیعت مجتمع نہ ہو تو اٹھ جاؤ، ایک مطلب یہ ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب اجتماعی طور پر قرآن پڑھا جا رہا ہو اور مسائل استنباط اور استخراج کئے جا رہے ہوں تو جب تک قلوب مجتمع ہوں ایک دوسرے کی تردید و تکذیب نہ ہو رہی ہو تب تک تم بیٹھ کر اجتماعی طور پر قرآن پڑھتے رہو، مگر جب یہ حالت ہو جائے کہ استنباط مسائل میں ایک دوسرے کی تکذیب شروع ہو جائے اور قلوب میں اختلاف ہو تو فوراً اٹھ جاؤ اسلئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اختلاف سبب بن جائے تکذیب قرآن کا۔

(۷۳۷۰) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ * قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَارُونَ الْأَعْوَرِ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ عَنْ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۷۳۷۱) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ هَلُمَّ

أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ (بَعْدَهُ أَبَدًا) قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ فَحَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُومُوا عَنِّي * قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذَلِكَ الْكِتَابَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ

یہ روایت بار بار گزرتی رہی اور اسکے متفرق اجزاء پر کلام ہوتا رہا، ویسے کتاب العلم میں تفصیل سے اس پر کلام ہو چکا۔

(ص ۱۰۹۵) باب قول الله تعالى ﴿وأمرهم شورى بينهم﴾ ﴿وشاورهم فى الأمر﴾

وَأَنَّ الْمُشَاوَرَةَ قَبْلَ الْعَزْمِ وَالتَّبْيِينِ لِقَوْلِهِ ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾ فَإِذَا عَزَمَ الرَّسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ لِبَشَرٍ التَّقَدُّمُ عَلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَشَاوَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْمُقَامِ وَالْخُرُوجِ فَرَأَوْا لَهُ الْخُرُوجَ فَلَمَّا لَبِسَ لَأْمَتَهُ وَعَزَمَ قَالُوا أَقِمْ فَلَمْ يَمِلْ إِلَيْهِمْ بَعْدَ الْعَزْمِ وَقَالَ لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ يَلْبَسُ لَأْمَتَهُ فَيَضَعُهَا حَتَّى يَحْكُمَ اللهُ، وَشَاوَرَ عَلِيًّا وَأُسَامَةَ فِيمَا رَمَى بِهِ أَهْلُ الْإِفْكِ عَائِشَةَ فَسَمِعَ مِنْهُمَا حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ فَجَلَدَ الرَّامِينَ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَى تَنَازُعِهِمْ وَلَكِنْ حَكَمَ بِمَا أَمَرَهُ اللهُ، وَكَانَتِ الْأَئِمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَشِيرُونَ الْأُمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْأُمُورِ الْمُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا فَإِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ أَوِ السُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ اقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَأَى أَبُو بَكْرٍ قِتَالَ مَنْ مَنَعَ الزَّكَاةَ فَقَالَ عُمَرُ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَإِذَا قَالُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ مَا جَمَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَابَعَهُ بَعْدُ عُمَرُ فَلَمْ يَلْتَفِتْ أَبُو بَكْرٍ إِلَى مَشُورَةٍ (مَشُورَتِهِ) إِذْ كَانَ عِنْدَهُ حُكْمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِينَ فَرَّقُوا بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَأَرَادُوا تَبْدِيلَ الدِّينِ وَأَحْكَامِهِ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ، وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَشُورَةِ عُمَرَ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا معاملہ باہم مشورہ سے طے ہوتا ہے اور اللہ نے اپنے رسول کو فرمایا ﴿وشاورهم فى الأمر﴾ آپ ان سے معاملات میں مشورہ کیا کیجئے، اس آیت شریفہ میں دو باتیں ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے اس میں اختلاف ہے کہ آیا آپ پر مشورہ واجب تھا یا مستحب تھا؟ امام نووی نے اپنے اصحاب کے دونوں قول نقل کئے ہیں اور وجوب کے قول کو راجح قرار دیا ہے، لیکن حضرت امام بیہقی نے حضرت امام شافعی کے نص سے نقل کیا ہے کہ مستحب ہے اور ابو نصر قشیری نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو کن چیزوں میں مشورہ کا حکم دیا گیا تھا؟ بعضے حضرات تو کہتے ہیں کہ امور دنیویہ میں، اور بعضے حضرات کہتے ہیں کہ ان امور میں جس میں آپ پر کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو، علامہ داؤدی وغیرہ کی رائے ہے کہ امور حربیہ میں حضور اکرم ﷺ کو استشارہ کا حکم دیا گیا تھا، جب جنگ ہو تو صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں کہ آیا انسب کیا ہے اور کیا صورت اختیار کرنی زیادہ مفید ثابت ہوگی؟ بعض علماء یوں فرماتے ہیں کہ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام مسائل واحکام میں مشورہ نہیں کرتے تھے، آپ تو احکام کا مخزن و منبع تھے پھر آپ ان سے کیا مشورہ فرماتے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدى نجواكم صدقة ذلك خير لكم وأطهر﴾ تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا کہ آیا کتنا صدقہ مقرر کیا جائے، حضرت علیؓ کہنے لگے کہ ایک جو (شعیرہ)، آپ ﷺ نے فرمایا: إنک لزهيد، تم تو بہت عجیب ہو، ایک جو! پھر حق تعالیٰ شانہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور فرمایا: ﴿أأشفقتم ان تقدموا﴾ الآیۃ، اس آیت سے جو تقديم الصدقة على النجوىٰ منسوخ ہوا ہے اس سے نسخ الوجوب مراد ہے نسخ استحباب مراد نہیں ہے۔

ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم جب بھی تشریف لے جاتے ہیں سینکڑوں ریال مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وہاں کے مستحقین کو تقسیم کراتے تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم کے متعلق بھی یہی سنا ہے، جب میں حاضر ہوا تو میں نے بھی سوچا کہ بڑھیا بھی خریداران یوسف میں ہو جائے مگر جیب میں کچھ بھی نہیں تھا، پھر ایک سے پانچ ریال ادھار لیا اور صدقہ کیا تو وہ بھی عالم تھا، اور میرا شاگرد تھا کہنے لگا کہ یہ تو منسوخ ہے، میں نے کہا کہ احمق! وجوب منسوخ ہوا ہے ندب تھوڑے منسوخ ہوا ہے، تو پھر اس نے صدقہ

کیا، ایک اور ساتھی تھے انہوں نے بھی صدقہ کیا، بہر حال مجھے تو خوشی یہ ہوئی کہ میں ذریعہ اور سبب بن گیا ان کے بھی خرچ کرنے کا، اور یہ تم لوگوں کو اسلئے کہتا ہوں کہ اللہ اگر کبھی پہنچنا نصیب فرمائے تو اس طرح بھی کرنا چاہئے۔

تیسری بات! حضرت امام بخاری کا اس ترجمۃ الباب سے مقصد کیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ امام بخاری اس سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آجائے تو مجتہد کو یہ چاہئے کہ مسائل کی تحقیق کے لئے کتاب وسنت پر نظر ڈالے، اگر دلیل مستحضر نہ ہو تو وہ علماء سے مشورہ کرے، مگر مشورہ میں صرف یہ مقصود ہوگا کہ دلائل کا استخراج کریں لیکن حکم اپنے اجتہاد کے مطابق لگائے گا۔

علامہ موفق نے جمہور علماء امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد سے نقل کیا ہے کہ مجتہد استخراج ادلہ کے لئے مشورہ کریگا، اب اگر اسکو کوئی حکم معلوم ہو جائے اور دوسرا اسکی مخالفت کرے تو اسکی پرواہ نہ کرے، اور اگر کوئی حکم اسے معلوم نہ ہو جب بھی وہ کسی کی تقلید نہیں کریگا۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مجتہد اپنی رائے کو اپنے سے افقہ کی وجہ سے چھوڑ سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہو اور یہ فرمایا ہو أن المشاورة قبل العزم و التبیین لقوله تعالی ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾ الخ، مشورہ، عزم و تبیین سے پہلے پہلے ہے جب تک حکم واضح نہ ہو اور عزم پایا نہ جائے، اور جب حکم واضح ہو جائے اور عزم پایا جائے تو اسکے بعد کسی کی مخالفت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا، رسول اکرم ﷺ کو اللہ نے فرمایا ﴿فإذا عزمت فتوكل على الله﴾، آپ عزم کرلیں تو اللہ کے بھروسہ پر کام شروع کر دیں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں اور کسی بشر کو آپ کے سامنے تقدم کی گنجائش نہیں ہے، واللہ اعلم۔

اگرچہ پورے طور پر ترجمہ اس مسئلہ کے پورے گوشے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے لیکن تاہم جو مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہ ترجمہ سے بعید بھی نہیں ہے، اور ہم نے جو اس ترجمہ کی تقریر کی ہے اسکے پیش نظر اس ترجمہ کا اصول فقہ کے مسائل سے مناسب ہو جانا اور داخل ہو جانا ظاہر ہوتا ہے۔

وشاور النبی ﷺ أصحابه یوم أحد: پہلے آپ ﷺ نے مشورہ کیا اور جب صحابہ کا مشورہ ہوا کہ

نکلنا چاہئے تو آپ نے زرہ مبارک زیب تن فرمالی، اور جب باہر تشریف لائے تو صحابہ کی رائے بدل گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کے لئے زیبا نہیں ہے کہ لباس جنگ پہن کر اسکو اتار دے، ہتھیار باندھ کر اتار دے حتی یحکم اللہ۔

وشاور علیًا وأسامة فیما رمی بہ: اسی طرح امام بخاری یہ فرماتے ہیں کہ مجتہد مشورہ کریگا اور جب مسئلہ کا ایضاح ہو جائے اور بات سامنے آجائے تو پھر کسی کے اختلاف کی کچھ پرواہ نہیں کریگا، جو مسئلہ اسکی سمجھ میں آئے گا وہ صاف صاف بیان کریگا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اشارہ کرتے ہیں کہ میں نے بھی پوری کتاب میں اسی پر عمل کیا ہے، دلائل کی روشنی میں جو بات سمجھ میں آئی ہے وہ صاف صاف بیان کر دی ہے، کسی کے اختلاف اور مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے، اور واقعۃً نہیں کی ہے، نہ ابو حنیفہ کی اور نہ شافعی کی اور نہ مالک کی نہ احمد کی، اسی لئے کہیں تو ابو حنیفہ پر رد کرتے ہیں اور کہیں شافعی کی مخالفت کرتے ہیں، کہیں مالک کی تردید کرتے ہیں اور کہیں احمد کی تردید کرتے ہیں، اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ حضرت امام بخاری مستقل مجتہد ہیں، نرے مقلد نہیں ہیں اور نہ اہل حدیث کے مسلک پر ہیں کہ صرف ظاہری حدیث کا اتباع کرتے رہیں، بلکہ ان کی ایک اجتہادی شان ہے، مگر ظاہریت کا مسلک لئے ہوئے ہیں یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے، لیکن داؤد ظاہری جیسا جمود نہیں ہے، امام بخاری کی رائے میں جمود نہیں ہے مگر ہیں تو اس راستہ کے آدمی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وکانت الأئمة بعد النبی ﷺ: حضرات ائمہ کرام کا دستور یہ تھا کہ وہ امین علماء سے امور مباحہ میں مشورہ لیتے تھے، امور مباحہ کی قید اسلئے لگادی کہ واجبہ اور مستحبہ میں مشورہ نہیں لیا جاتا ہے، واجب پر عمل واجب اور مندوب پر عمل مستحب، اسی طرح امور محرمہ اور مکروہہ میں مشورہ نہیں لیا جاتا ہے دونوں سے اجتناب کیا جاتا ہے، حرام سے تو اجتناب واجب ہے اور مکروہ سے اجتناب مندوب ہے۔

وکان القرّاء أصحاب مشورة عمر: معلوم ہوا کہ ارباب مشاورہ علماء ہونے چاہئیں، ایرے غیرے نتھو خیرے نہ ہونے چاہئیں کہ جس سے چاہا بس مشورہ شروع کر دیا۔

کھولًا کانوا أو شبانًا: علماء چاہے سن رسیدہ ہوں چاہے نوعمر ہوں۔

وکان وقافاعند کتاب اللہ: معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے حکم کے سامنے آدمی کو اپنی گردن جھکا دینی چاہیے، وہاں تاویل وغیرہ نہیں کرنی چاہیے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

(۷۳۶۹) حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا قَالَتْ وَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْأَلُهُمَا وَهُوَ يَسْتَشِيرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَشَارَ بِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِهِ وَأَمَّا عَلِيٌّ فَقَالَ لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ فَقَالَ هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَمْرًا أَكْثَرَ مِنْ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِي وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا فَذَكَرَ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ

(۷۳۷۰) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي زَكَرِيَّاءَ الْغَسَّانِيُّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ مَا تُشِيرُونَ عَلَيَّ فِي قَوْمٍ يَسُبُّونَ أَهْلِي مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ لَمَّا أُخْبِرَتْ عَائِشَةُ بِالْأَمْرِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَنْطَلِقَ إِلَى أَهْلِي فَأَذِنَ لَهَا وَأَرْسَلَ مَعَهَا الْغُلَامَ وَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ ﴿سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الرّدّ علی الجھمیّۃ وغیرھم التوحید

اختلافِ نسخ

ہمارے ہندی نسخوں میں جو عنوان ہے وہ شراح میں سے کسی نے نقل نہیں کیا ہے، شراح کرام نے جو نسخے نقل کئے ہیں وہ پانچ ہیں جسکو میں علی الترتیب بیان کرتا ہوں۔

(۱) اکثر نسخ میں کتاب التوحید ہے

(۲) مستملی سے علامہ قسطلانی نے کتاب الردعلی الجھمیۃ کا عنوان نقل کیا ہے۔

(۳) علامہ زین زکریا نے کتاب التوحیدو الردّعلی الجھمیۃ نقل کیا ہے

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی نے مستملی سے کتاب التوحید، الردعلی الجھمیۃ وغیرھم نقل کیا ہے۔

مستملی سے علامہ قسطلانی کے اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے نقل میں فرق ہے، علامہ قسطلانی نے تو صرف کتاب الردعلی الجھمیۃ نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر اور عینی نے جو نقل کیا وہ ہے کتاب التوحید، اور پھر الردعلی الجھمیۃ وغیرھم، یعنی توحید اور الردّ کے درمیان واوعاطفہ ذکر نہیں کیا، دوسرے یہ کہ الردعلی الجھمیۃ کے بعد وغیرھم کا اضافہ نقل کرتے ہیں۔

(۵) علامہ ابن بطال اور ابن التین نے کتاب ردّ الجھمیة وغیرھم التوحیدَ نقل کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نسخہ میں دو نسخے ملا دیئے گئے۔ ایک تو مشہور نسخہ یعنی کتاب التوحید اور دوسرا نسخہ جو مستملی کے حوالہ سے حافظ ابن حجر وغیرہ نے نقل کیا ہے یعنی الردّ علی الجھمیة وغیرھم، مگر کیا یہ کہ تقدیم وتاخیر کردی، ہونا یوں چاہئے تھا کتاب التوحید، والردّ علی الجھمیة وغیرھم۔

دوسری بات یہ سمجھئے کہ کتاب التوحید یا کتاب الردعلی الجھمیة کا یہ عنوان ایسا ہی ہے جیسا حضرات متکلمین الٰہیات کا عنوان منعقد کرتے ہیں اور اسکے تحت ذات، صفات، نبوات، خلق اعمال، میزان وغیرہ کا ذکر فرماتے ہیں اسی لئے امام بخاری نے کتاب التوحید میں ذات وصفات اور خلق اعمال اور نبوات اور میزان کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اب یہ سوال نہیں ہوتا کہ صاحب! ترجمہ تو منعقد کیا ہے کتاب التوحید کا، یا کتاب الرد علی الجہمیۃ کا، اس میں مسئلہ رسالت اور مسئلہ خلق افعال عباد کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

توحید کی تعریف

تیسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری کے مشہور نسخوں میں کتاب التوحید ہے، توحید کہتے ہیں کسی کو وحدت کی طرف منسوب کرنا، اللہ تعالیٰ شانہ اپنی ذات کے اعتبار سے واحد ہے اور اپنی صفات میں واحد یعنی یگانہ ہے، اسکی توحید کا مطلب یہ ہے کہ اسکو اس کی ذات وصفات کے اندر یگانہ اور یکتا اور فرد اور بے مثال سمجھا جائے، جنید بغدادی سے توحید کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا: إفراد القدیم من المحدَث، قدیم کو محدث سے الگ کردو یہ ہے توحید، یعنی اللہ کی ذاتِ قدیم محدثات ومخلوقات سے بالکل جدا اور الگ ہے، نہ اسکی ذات میں کسی کو مماثلت اور مشابہت ہے اور نہ اسکی صفات میں، وہ اپنی ذات وصفات دونوں میں بے مثال ہے، لیس کمثلہ شئی، وھو السمیع البصیر۔

جہمیہ کا بانی کون اور کیا؟

اور بہت سے نسخوں میں چونکہ الردّ علی الجھمیة کا عنوان ہے اسلئے جہمیہ کے متعلق بھی کچھ معلومات حاصل کر لینی چاہئے، جہمیہ ایک فرقہ ہے جو جہم بن صفوان کا متبع تھا، یہ شخص کوفہ کا رہنے والا بڑا فصیح

وبلیغ اور چرب لسان تھا، ترمذ کے پل کے قریب اسکا قیام تھا، اسکو شریعت کا علم وغیرہ تھا نہیں حتی کہ اس سے ایک مرتبہ یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر غیر مدخول بہا کو طلاق دے دی جائے تو کیا حکم ہے؟ کہا کہ عدت گذارےگی (جبکہ غیر مدخولہ کیلئے عدت بنص قرآن نہیں ہے)، اس سے کسی نے یہ پوچھا صف لنا ربک اپنے رب کی تعریف کرو، تو گھر میں گھس گیا کئی دن تک نکلا نہیں، جب باہر نکلا تو کہنے لگا ھو ھذا الھواء، یہ ہوا ہی خدا ہے جو ہر جگہ پائی جاتی ہے، جہاں دیکھو ہوا ہی ہوا ہے۔

یہ شخص جعد بن درہم کا تلمیذ تھا جس نے سب سے پہلے صفات کا انکار کیا اور یہ کہتا تھا: إن اللہ لم یکلّم موسیٰ تکلیما ولم یتخذ إبراھیم خلیلا، خالد بن عبد اللہ القسری نے جو بنی امیہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا جعد بن درہم کو قتل کیا اور یہ کہا: ضحّوا أیھا الناس! تقبل اللہ ضحایا کم، فإنی مضحّ بالجعد بن درھم فإنہ زعم أن اللہ لم یتخذ إبراھیم خلیلا ولم یکلّم موسیٰ تکلیما، فنزل عن دابتہ فذبحہ، سواری سے اتر کر جعد بن درہم کو قتل کر دیا۔

اسکا یہ تلمیذ جہم بن صفوان بھی اسی طرح قتل ہوا، صورت یہ ہوئی کہ بنو امیہ کی طرف سے خراسان میں ایک نائب سلطنت نصر بن سیار مقرر تھا، حارث بن سریج نے اسکے خلاف بغاوت کی، جہم بن صفوان اسکا میر منشی تھا، فریقین میں صلح کی بات چیت ہوئی اور یہ طے ہوا کہ اہل خراسان جسکو چاہیں اپنا امیر منتخب کرلیں لیکن نصر بن سیار تیار نہیں ہوا اس نے جنگ جاری رکھی حتی کہ حارث بن سریج مغلوب ہوا اور جہم بن صفوان قتل کیا گیا، اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا میدان جنگ میں مارا گیا یا پکڑا گیا پھر مارا گیا، دونوں ہی قول ہیں مشہور یہی ہے کہ یہ پکڑا گیا اور نصر بن سیار کے شرطی سلم بن احوز نے اسکو قتل کیا، وہ بلبلانے لگا، سلم بن احوز نے کہا کہ مجھ کو تجھ سے اس وجہ سے عداوت نہیں کہ تو نے مجھ سے قتال کیا بلکہ تو نے ایسی بات کہی ہے جسکی وجہ سے میں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر مجھ کو تجھ پر قدرت ہو جائیگی تو میں تجھ کو قتل کرونگا اور اگر تو میرے پیٹ میں ہوتا تو میں اپنے پیٹ کو چاک کر کے تجھ کو نکالتا اور قتل کر دیتا اور پھر سلم بن احوز نے جہم بن صفوان کو قتل کر دیا، اسکے قتل کا واقعہ کس سنہ میں پیش آیا، اس میں تین قول ہیں ابن جریر طبری نے سن ۱۲۸ھ ابن ابی حاتم نے سن ۱۳۰ھ اور ابو القاسم لالکائی نے سن ۱۳۲ھ میں ذکر کیا ہے، سن ۱۲۸ھ کا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔

یہ جہم بن صفوان خاص عقیدہ رکھتا تھا، بندہ کو مجبور محض مانتا تھا اور اسی کا قائل تھا، صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں تو میں ایک خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ ننانوے خداؤں کو مانتا ہوں، نعوذ باللہ من ذالک، یہ اسکی جہالات و غباوات میں سے تھا، اس نے گویا صفات سے بھی منفرد باری تعالیٰ کو تسلیم کرلیا حالانکہ صفات کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ذرني ومن خلقت وحيداً﴾، چھوڑدو مجھ کو اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اکیلا پیدا کیا، تو کیا اسکو تنہا پیدا کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اسکے دو آنکھیں نہیں دو کان نہیں منھ نہیں دو ہاتھ نہیں دو پاؤں نہیں؟

اسی طرح حق تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ معریٰ عن الصفات ہے بلکہ صفات کیساتھ متصف ہے، اور صفات باری تعالیٰ کا ذکر قرآن وحدیث میں بھرا پڑا ہے اسلئے کسی مسلمان کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فلاسفہ کا انکار صفات

فلاسفہ خدا تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے تھے، روافض نے ان کی موافقت کی اور معتزلہ نے بھی بہت سی صفات کا انکار کرکے ان کی موافقت کی اور ان کو شبہ یہ پیش آیا کہ اگر صفات کو مانا جائے تو تعدد قدماء لازم آتا ہے، اور اگر حادث مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آتا ہے، لیکن وہ سمجھے ہی نہیں کہ صفات کے تعدد سے تعددِ قدماء اس وقت لازم آتا ہے جب صفات اللہ تعالیٰ سے منفرد اور منفصل ہوتیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کیساتھ متصف ہے تو تعدد قدماء کیسے لازم آئیگا، ذات ایک ہے اور صفات متعدد ہیں مگر اس سے جدا اور منفصل نہیں ہیں اسلئے تعددِ قدماء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں ایسی قدیم ذات کا ثبوت ہوتا ہے جو قدیم صفات کو لئے ہوئے ہو اور یہ صفاتِ کمالات ہیں جن کا اللہ کیلئے ان صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان صفات کا ظہور کیسے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کو علم کیسے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کلام کیسے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیسے پیدا کیا، وہ کہتے ہیں کہ ان صفات کا مظہر خود اسکی ذات ہے لیکن اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ جب صفات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ بذات خود کمال ہے تو یقینی بات ہے کہ وہ

ذات جو محلّٰی بالصفات ہو اس سے زیادہ اکمل ہوگی جو معریٰ عن الصفات ہو تولا محالہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان صفات کو تسلیم کرنا ضروری ہوا، اسلئے جیسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یگانہ اور یکتا ہے ایسے ہی اپنی صفات میں بھی وہ یگانہ اور یکتا ہے اور بہت سی صفات سے وہ متصف ہے۔

اہل سنت کے عقائد

پھر اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کی ان بہت سی صفات میں کچھ صفاتِ ذاتیہ کہلاتی ہیں اور کچھ صفاتِ افعال کہلاتی ہیں، اوران سب کا تذکرہ قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ میں وارد ہوا ہے، صفاتِ ذاتیہ کی دو قسمیں ہیں، صفاتِ عقلیہ اور صفاتِ سمعیہ۔

صفاتِ عقلیہ سات صفات ہیں (۱) حیاۃ (۲) علم (۳) قدرت (۴) ارادہ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام، اور صفات سمعیہ وہ صفات کہلاتی ہیں جن کے اثبات کو عقل تو مقتضی نہیں لیکن سمع یعنی دلائل سمعیہ قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے وہ ثابت ہیں جیسے ید، عین، بصر، قدم، ساق وغیرہ ان سب کا ثبوت نصوص سے ہے۔

پھر جو صفات ذاتیہ کہلاتی ہیں یعنی عقل ان کے وجود کو ضروری تسلیم کرتی ہے اس میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ایک اختلاف ہے کہ آیا یہ صفات ذاتیہ عقلیہ انہی سات میں منحصر ہیں یا اسکے علاوہ بھی ہیں۔

ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اسکے علاوہ ایک اور صفت تکوین ہے وہ آٹھویں صفت ہے اور صفات سبعہ کی طرح قدیم ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ جسکو آپ صفت تکوین کہتے ہیں وہ در حقیقت صفاتِ افعال ہیں اور صفاتِ افعال مستقل صفات نہیں ہے بلکہ وہ قدرت وارادہ کے تعلق کا نام ہے، اگر قدرت وارادہ کا تعلق رزق سے ہو جائے تو اللہ کو رازق کہتے ہیں، خلق سے ہو تو خالق کہتے ہیں، اماتت سے ہو جائے تو ممیت کہتے ہیں، احیاء سے ہو تو اللہ کو محی کہا جاتا ہے اور یہ تعلق حادث ہے۔

پھر یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات کہلاتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ لم یزل اور لایزال میں متصف ہے یعنی ازل سے ابد تک، اور صفات افعال وہ صفات کہلاتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ لم یزل میں تو متصف نہیں مگر لایزال میں متصف ہے، تو حقیقۃً اشاعرہ کے نزدیک صفاتِ افعال اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات نہیں

بلکہ اضافی صفات ہیں جو تعلق بالحدث کی وجہ سے اللہ کے لئے ایک صفہ ظاہر ہوئی۔

مگر ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف دخالق ہونا وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور اللہ کی صفت اللہ کی ذات کی طرح قدیم ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صفات بھی قدیم ہیں، اور اشاعرہ کی تقریر پر صفات کا حادث ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے، اور قرآن چاہتا ہے کہ یہ صفات قدیم ہوں تو لامحالہ صفات افعال کو بھی قدیم ماننا پڑے گا۔

صفات افعال حقیقۃً مختلف شئون ہیں آٹھویں صفت صفتِ تکوین کے جسکو صفتِ ایجاد بھی کہا جاتا ہے یعنی بنانا، اور بنانے میں یہ بھی داخل ہے کہ ایک کو زندہ کیا جارہا ہے ایک کو مارا جارہا ہے، ایک کو پیدا کیا جارہا ہے، غرض تکوین کے یہ شئونات ہیں۔

امام بخاری نے صفت تکوین کے سلسلہ میں امام ابو منصور ماتریدی کی موافقت فرمائی ہے اور باب ماجاء فی تخلیق السموات والأرض میں اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے اور صفت تکوین کو خدا تعالیٰ کی صفت قدیمہ تسلیم کیا ہے، حافظ ابن حجر نے یہاں تو کچھ نہیں کہا لیکن وہاں پہونچ کر یہ اعتراف کیا ہے کہ اس صفت کو تسلیم کر لینے کے بعد حوادث لااول لہا کے قول سے آدمی بچ جاتا ہے جو ان مسائل مستثنیہ میں سے ہے جو علامہ ابن تیمیہ کی طرف منسوب ہیں، حوادث لاأول لھا کی وضاحت سن لو۔

حوادث لاأول لھا کا مطلب

حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ازلی وابدی ہیں، مخلوقات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان کی کوئی بدایت ہے اور آخر میں جاکر ان کی کوئی نہایت ہے؟ یا نہ ان کی کوئی بدایت ہے نہ نہایت ہے؟ یا بدایت ہے نہایت نہیں ہے؟ تین قول ہیں جیسا کہ علامہ ابن ابی العز حنفی نے شرح عقیدۂ طحاویہ میں نقل کیا ہے۔

جہمیہ کا تو خیال یہ ہے کہ جتنے حوادث ہیں ان کی بدایت بھی ہے نہایت بھی ہے، یعنی یہ محدثات ایک زمانہ میں نہیں تھے پھر اللہ نے انہیں پیدا کیا اور ایک زمانہ آئیگا کہ جب یہ فنا ہو جائینگے حتی کہ یہ لوگ جنت و جہنم کے بھی فنا کے قائل ہیں۔

دوسرا فریق اسکے بالمقابل یہ کہتا ہے کہ ازل میں تو ان کا وجود نہیں تھا لیکن ابد میں ان کا وجود رہے گا تو ان کی بدایت تو ہے نہایت نہیں، چنانچہ جنت اور جہنم خالد ہوں گی اور اسکے رہنے والے سب باقی رہیں گے، یہ متکلمین کا مسلک اور بہت سے فقہاء کا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان حوادث کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے، چونکہ حق تعالیٰ ازل سے ہیں ابد تک، اور چونکہ اسکی صفات بھی قدیم ہیں تو لا محالہ اللہ تعالیٰ ان صفات کا ظہور فرماتا رہتا ہے، علامہ ابن ابی العز نے یہ قول ائمہ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اسکے سب سے پہلے تمویہ کرنے والے علامہ ابن تیمیہ ہیں انہوں نے حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث کی جس میں کان اللہ ولم یکن شیئ غیرہ وارد ہوا ہے مستقل شرح لکھی ہے اور اس میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، مگر جب ان پر یہ اشکال پڑا کہ پھر تو لازم آتا ہے کہ مخلوقات کو قدیم مانا جائے اور عرش کو قدیم مانا جائے تو انہوں نے اسکا یہ حل پیش کیا کہ اگر حق تعالیٰ شانہ کیساتھ مخلوقات کو تسلیم کیا جائے تو قِدم المخلوقات لازم نہیں آتا ہے، اسلئے کہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ چیزیں قدیم بالنوع ہیں یعنی افراد تو بدلتے رہے لیکن نوع اپنی جگہ قائم رہی، مثلاً عرش خدائے پاک نے پیدا کیا وہ گیا دوسرا آیا تیسرا آیا وھکذا۔

مگر علامہ ابن تیمیہ کی اس بات سے دل کو تسلی نہیں ہوئی، اس سے افراد کا تو غیر قدیم ہونا ثابت ہوا لیکن نوع کا قِدم تو پھر بھی ثابت ہو گیا، اور وہ نوع کیا ہے وہ نوع مخلوق ہے، لہذا نوع مخلوق کا قدم لازم آیا اور یہ بڑا ثقیل مسئلہ ہے، ظاہر نصوص خلق کل شئی وغیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب مخلوق ہیں اور حادث ہیں، مگر علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اسکا تعلق عالم شہود سے ہے واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر صفت تکوین کو قدیم مان لیا جائے تو آدمی حوادث لا اول لہا کے جنجال سے نجات پا جاتا ہے اسلئے کہ مطلب یہ ہو گا کہ حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ ازل سے ان صفات کمالیہ رازقیت و خالقیت سے متصف ہے، لیکن جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان صفات کا اظہار فرمائے تو حق تعالیٰ نے اظہار فرمایا اور اس موجود کو جو پہلے نابود تھا بود وہست کا جامہ پہنایا اور عدم سے ظہور کے تخت پر جلوہ گر فرمایا، بہر حال یہ بات صفات کے ضمن میں آگئی تھی اسلئے بیان کر دی گئی، کہنا تو یہ ہے کہ حضرات اہل سنت اللہ تعالیٰ شانہ کیلئے صفات

ذاتیہ اور صفات فعلیہ ثابت کرتے ہیں اور پھر صفات ذاتیہ کی طرح صفات فعلیہ میں بھی اختلاف ہے کہ وہ قدیم ہیں یا نہیں، اشاعرہ صفات ذاتیہ سبعہ کو قدیم مانتے ہیں اور صفات فعلیہ کو قدیم نہیں مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ مستقل صفات نہیں ہیں بلکہ قدرت وارادہ کے تعلق کے مختلف شئونات ہیں، اور حضرات ماتریدیہ اسکو قدیم مانتے ہیں۔

جو لوگ صفات ذات کو قدیم اور صفات افعال کو غیر قدیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے حق تعالیٰ لم یزل ولایزال میں متصف ہیں اور صفات افعال وہ صفات ہیں جن سے حق تعالیٰ لم یزل میں تو متصف نہیں لایزال میں متصف ہیں، ازل میں تو متصف نہیں ابد میں متصف ہے، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ صفاتِ ذات وافعال سب قدیم ہیں وہ ان میں یہ فرق کرتے ہیں کہ صفات ذات وہ صفات ہیں جن سے حق تعالیٰ متصف ہوتا ہے اوران کی اضداد سے متصف نہیں، اور صفات افعال وہ صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ متصف ہوتا ہے اور ان کی اضداد سے بھی، جیسا کہ میں کتاب الأیمان والنذور میں بیان کر آیا ہوں جہاں مصنف نے باب الحلف بعزۃ اللہ و کبریائہ وجلالہ کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔

امام بیہقی کا کلام

اب میں وضاحتِ کلام کیلئے امام بیہقی کے کلام سے اسکا خلاصہ بیان کرتا ہوں جو حقیقۃً بہت سے ائمہ کے کلام کا خلاصہ ہے، امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں فرماتے ہیں کہ قرآن اور احادیث ثابتہ میں جتنی صفات ذکر کی گئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں، صفاتِ ذات، صفاتِ افعال۔ اللہ تعالیٰ شانہ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرنا جائز نہیں ہے جس پر کتاب اور سنت صحیحہ اور اجماع امت دلالت نہ کرتا ہو، پھر بعض صفات ایسی ہیں جن پر عقل بھی دلالت کرتی ہے جیسے حیاۃ، علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ اسکی صفاتِ ذات میں سے، یا خلق، رزق، احیاء، اماتہ اسکی صفاتِ افعال میں سے، اور بعض ایسی ہیں جسکا ثبوت کتاب وسنت سے ہے جیسے ید، عین، ساق، وجہ صفاتِ ذات میں سے اور استواء ونزول صفاتِ افعال میں سے، ان صفات کا اثبات اسلئے کیا جائیگا کہ خبرِ صحیح اور قرآن پاک میں اسکا تذکرہ ہے، مگر ساتھ ساتھ تشبیہ سے اجتناب کیا جائیگا، اللہ کے لئے ید ثابت کیا

جائیگا، اسلئے کہ قرآن میں ہے یداللہ فوق أیدیھم، اور لما خلقت بیدیّ، مگر تشبیہ نہیں دی جائیگی، یہ نہیں کہا جائیگا کہ اللہ کا ہاتھ انسان کے ہاتھ جیسا ہے، حق تعالیٰ کیلئے عین کا اثبات کیا جائیگا لیکن تشبیہ نہیں دی جائیگی، وھکذا۔

پھر یہ سمجھئے کہ صفاتِ افعال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ افعال کے صادر کرنے میں کسی چیز کا محتاج ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کن فرمادیتے ہیں وہ چیز موجود ہو جاتی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عطائی کلام، عذابی کلام، کن کہہ دیا، ہوگیا، اسی کے متعلق حضرت جی مولانا یوسف صاحب فرمایا کرتے تھے اللہ کا چاہنا وجود ہے اور انسان کا چاہنا طلب وجود ہے یعنی اللہ کسی چیز کو چاہتے ہیں فوراً موجود ہو جاتی ہے إنا إذا أردنا شیئاً أن نقول له كن فیكون، اور انسان کا چاہنا وجود کو طلب کرنا ہے، اللہ کا چاہا ہو کر رہے گا، ماشاء اللہ کان، اور انسان جو چاہتا ہے اسکا ہونا ضروری نہیں وہ طالب وجود ہے۔

اب اتنی بات سمجھ لینے کے بعد ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ صفات کے مسئلہ میں اہل سنت والجماعت اثبات کے قائل ہیں، معتزلہ اور فلاسفہ اور شیعہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں، کرامیہ کہتے ہیں کہ صفات تو اللہ کے لئے ثابت ہیں مگر وہ قدیم نہیں ہیں، اور اشاعرہ کہتے ہیں لا عین ولا غیر، لا عین ولا غیر کا جھگڑا تو شرح عقائد میں پڑھ لینا انہوں نے ہی یہ بحث کی ہے، یہاں تو جب فرق ضالّہ کا ذکر آیا تو اب فرقِ اسلامیہ کا اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے۔

فِرق اسلامیہ کتنے ہیں؟

علامہ ابو محمد ابن حزم ظاہری اپنی کتاب الفِصَلُ فی الملل والأھواء والنِحَلُ میں فرماتے ہیں کہ فِرق اسلامیہ پانچ ہیں (۱) اہلسنت (۲) معتزلہ اور اسی میں قدریہ بھی داخل ہیں (۳) مرجیہ اور اسی میں جہمیہ اور کرامیہ بھی داخل ہیں (۴) روافض اسی میں امامیہ اور شیعہ داخل ہیں (۵) خوارج اور اسی میں ازارقہ اور اباضیہ بھی داخل ہیں، پھر اہل سنت تو ایک ہی فریق ہیں اور باقی فِرق بڑھتے گھٹتے نہ معلوم کتنے فِرق بن گئے ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں یہ لکھا ہے کہ کل اصول فِرق چھ ہیں اہلسنت کو چھوڑ کر،

(۱)خوارج (۲) روافض (۳) جبریہ (۴) قدریہ (۵) جہمیہ (۶) مرجیہ، اور پھر ایک کے بارہ بارہ فرقے ہوگئے، مجموعہ بہتّر ۷۲ ہوگیا، صاحب مواقف نے آٹھ فِرق لکھے ہیں، شیخ عبد القادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں اصولِ فِرَق دس لکھے ہیں پھر ہر ایک کی تفصیل لکھی، تفصیلات کا محل کتب کلامیہ ہیں ان میں دیکھ لیں، اور میں نے ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

جہمیہ کے عقائد کے رد کی وجہ

امام بخاری نے خاص طور سے الرّد علی الجہمیہ کا جو عنوان قائم کیا وہ اسلئے کہ عقیدہ کے باب میں ان کا مسلک انتہائی فاسد ہے کیونکہ وہ اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں حتی کہ ان کے قول کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ ہے ہی نہیں، اگر ان سے پوچھو اللہ بصیر ہے؟ نہیں، سمیع ہے؟ نہیں، متکلم ہے؟ نہیں، مُرید ہے؟ نہیں، حیّ ہے؟ نہیں، ہر چیز کی نفی کرتے چلے جارہے ہیں تو گویا وہ اللہ کو مانتے ہی نہیں، اسی لئے عبد اللہ بن مبارک سے منقول ہے کہ ہم یہود ونصاریٰ کا کلام نقل کرلیتے ہیں لیکن جہم بن صفوان کا قول نقل کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے، امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ صفوان نے نفیِ تشبیہ میں اتنا مبالغہ کیا کہ صفات ہی کا انکار کر دیا، اور یہ بھی منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ایک گفتگو میں یہ فرمایا تھا کہ اخرج عنی یا کافر! او کافر نکل یہاں سے، بہت سے علماء نے اسکی توجیہ کی ہے لیکن علامہ انورشاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، امام ابو حنیفہ سے جو حق کی گفتگو کر رہے ہیں ایسی بات نہیں نکل سکتی کہ جسکو اللہ اور اسکا رسول پسند نہ کرے۔

امام بخاری نے ضمنی طور پر اس کتاب (الرد علی الجہمیہ) میں قدریہ مرجیہ کا بھی رد کیا ہے لیکن خاص طور سے خوارج وروافض وغیرہ کی تردید نہیں کی ہے، اسلئے کہ ان کی تردید ماقبل کی کتب میں گذر چکی، باب الاستخلاف کا ترجمہ منعقد کرکے شیعہ پر رد فرمادیا، اسیطرح مسح علی الخفین کا ترجمہ منعقد کرکے شیعہ کی تردید کی ہے، اسیطرح المصاحف بین الدفتین ثابت کرکے شیعہ پر رد کیا، نکاح میں چار کی تحدید کرکے شیعہ پر رد کر دیا، اور ماقبل میں امام بخاری نے ملحدین اور خوارج سے متعلق مستقل عنوان مقرر فرماکر ان کی تردید فرمائی ہے، اور مصنف نے کتاب الایمان میں مرجیہ پر رد کیا ہے۔

یہاں چونکہ خاص طور سے ذات وصفات کا مسئلہ ذکر کرنا تھا اور ذات وصفات میں جہمیہ نے بہت غلو کیا اسلئے ان کی تردید فرمائی اور صفات کو ثابت کیا۔

پھر امام بخاری نے صفات کے اثبات میں تمام صفات کو ثابت کیا، صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال کو بھی، اور چاہے صفاتِ ذات صفاتِ سمعیہ ہوں چاہے صفاتِ عقلیہ ہوں سبکو ہی ثابت فرمایا، چنانچہ امام بخاری نے ہر ایک کیلئے تراجم منعقد کئے، سمع کیلئے، بصر کیلئے، قدرت کیلئے، ارادہ کیلئے، کلام کیلئے، اور میں انشاء اللہ جہاں جہاں وہ ابواب آتے رہیں گے تنبیہ کرتا رہونگا، اور چونکہ ان سب سے حیاۃ کی صفت خود ہی لازم آتی ہے اسلئے اسکے لئے مستقل ترجمہ منعقد کرنے کی ضرورت ہے ہی نہیں، اسی طرح ید اور عین کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ صفاتِ سمعیہ کو بھی ثابت فرمادیں۔

اور آگے چل کر خاص طور سے کلام کو اہتمام سے ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں معتزلہ نے بہت گڑبڑ مچائی تھی اور وہ کلام کو مخلوق کہتے تھے، پھر کلام کے مسئلہ میں بڑا اختلاف ہوا کہ وہ صفتِ واحدہ لازمہ للذات ہے یا انواع متعددہ ہیں کہ اللہ جب چاہے کلام فرماتے ہیں، اس میں امام بخاری کے نزدیک جو چیز راجح تھی یعنی حنابلہ کا مسلک إن كلامه ليس نوعاً واحداً يتكلّم متى شاء و يتكلّم بصوت، امام بخاری نے اسی کو ثابت فرمایا ہے، جہاں باب آیگا اسوقت تنبیہ کرونگا۔

اس وقت میں نے کتاب کے سارے خلاصہ پر روشنی ڈالی ہے، کلام کے بارہ میں ایک اور بات بھی امام بخاری نے خاص طور سے ملحوظ رکھی وہ یہ ہے کہ کلام میں اختلاف ہے کہ آیا تلاوت و متلو ایک ہیں یا دو ہیں؟ چونکہ بخاری کی رائے میں دو ہیں اسلئے انہوں نے صاف صاف تو اسکو نہیں کہا مگر اس مسئلہ میں اتنے ابواب قائم فرمادئے ہیں کہ بات بالکل صاف ہوگئی اور بخاری کا مدعیٰ واضح ہو کر سامنے آگیا کہ تلاوت و متلو میں فرق ہے، امام نے اخیری کتاب میں مسئلہ کلام ہی پر زور دیا ہے اور دمادم پہلے تو اللہ کا کلام ہونا ثابت کیا ہے اور پھر کلام کے اندر جو مسئلہ اختلافیہ تھا کہ تلاوت و متلو ایک ہیں یا دو ہیں، اسکی تصریح کو ثابت فرمایا اور غلاۃ حنابلہ پر رد کیا ہے۔

اب کتاب (کی عبارت) بھی پڑھ لو، فرماتے ہیں۔

كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد: یہ کتاب رد علی الجہمیہ کے بیان میں ہے اور

آگے اسکی تفصیل کرتے ہیں کہ التوحید۔ یعنی کتاب سے مقصد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرنا ہے اور وہ یہ کہ اللہ اپنی ذات وصفات میں یگانہ ہے اور اسکا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے، لہذا جہمیہ کا صفات میں گڑبڑ کرنا اور اسکا انکار کرنا من باب قیاس الغائب علی الشاھد اور من قیاس الخالق علی المخلوق کی وجہ سے رونما ہوا، وہ یہ سمجھے کہ جیسے مخلوقات کی صفات ہیں ایسے ہی خالق کی بھی صفات ہیں، حالانکہ جسطرح خالق اپنی ذات کی اعتبار سے بے شگون و بے چگوں ہے ایسے ہی وہ اپنی صفات کے اعتبار سے بھی بے مثل اور بے چگوں ہے، ﴿لیس کمثله شیئ وهوالسمیع البصیر﴾۔

اور ابن بطال نے جو ترجمہ اختیار کیا ہے کتاب ردّالجهمية وغيرهم التوحيد یہ مشکل ترجمہ ہے اسلئے کہ جہمیہ وغیرہم توحید کے منکر نہیں بلکہ وہ تو درپئے اثباتِ توحید ہیں، اسی لئے انہوں نے صفات کا انکار کردیا کہ اگر صفات مانوگے تو ان کے نزدیک توحید ثابت نہیں ہوگی، کئی قدماء کا ثبوت ہو جائیگا، لیکن علامہ عینی نے یوں فرمادیا کہ نہیں! بلکہ جہمیہ توحید کا بھی انکار کرتے ہیں، اللہ اعلم کوئی فرقہ ہوگا جو توحید کا انکار کرتا ہوگا، غالباً جو صفات کا انکار کرتا ہوگا ان کے کلام کا خلاصہ یہی نکلتا ہوگا کہ وہ اللہ کو مانتے ہی نہیں۔

امام بخاری نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم کیا، باب بدء الوحی تو تمہید تھی، اصل کتاب الایمان ہے، تو ایمان ہی سے ابتداء کی اور ایمانیات پر ہی انتہاء فرمائی، یہ ہے حسن مبدأ اور حسن مقطع، جہاں سے ابتدا وہیں پر انتہاء، اور یہی ہے صوفیاء کی اصطلاح میں الرجوع من النهاية إلى البداية۔

ایک اور مناسبت بھی ہے جو کتاب کے آخر میں بیان کرونگا کہ وحی سے ابتدا ہوئی جو کلام کی ابتدا ہے اور مسائل کلام ہی پر کتاب کو ختم کردیا، اور بھی مناسبات ہیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم۔

(ص۱۰۹۶) باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ أمته إلیٰ توحید الله

تبارکت أسمائه وتعالیٰ جدّه

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کو اللہ کی توحید کی دعوت دی ہے، اسکے اسماء بابرکت ہیں اور اسکی بزرگی بہت بلند ہے۔

إلی توحید اللہ تبارک وتعالیٰ: یعنی اللہ کی توحید کی طرف، اللہ تعالیٰ کو واحد جاننے کی طرف، واحد ماننے کی طرف، ورنہ وہ ہے تو اپنی جگہ واحد، یہاں پر توحید نسبت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کرّمت زیداً أی نسبته إلی الکرم، تو وحدّت اللہ کے معنی ہوئے نسبته إلی الوحدانیة، لہٰذا توحید اللہ کے معنی ہوئے اللہ کو وحدانیت کی طرف منسوب کرنا اور اللہ کو واحد جاننا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حقائق الٰہیہ کی معرفت سلب سے حاصل ہوتی ہے، اللہ کے سامع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اصم نہیں، اسلئے کہ حقیقی سامع ہونے کی کیفیت کوئی جان نہیں سکتا، ﴿لیس کمثله شیئ وهوالسمیع البصیر﴾، اللہ کے بصیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمیٰ نہیں ہے، اسلئے کہ حقیقی بصر کی کیفیت کو کوئی کچھ نہیں جانتا ہے، بہر حال علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ إن الحقائق الإلٰهية لاتدرک إلا بالسلب، یاد یہ پڑتا ہے کہ ابن حجر عسقلانی نے اسکا تذکرہ بعض جگہ پر کیا ہے، اور حضرت شیخ الہند بھی اپنی تقریروں میں یہی فرمایا کرتے تھے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

۷۳۷۱- **حدثنا أبو عاصم، حدثنا زکریاء بن إسحاق، عن یحیی بن محمد بن عبد الله بن صیفي، عن أبي معبد، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي صلی الله علیه وسلم بعث معاذا إلی الیمن.**

حدثنا أبو عاصم: امام بخاری نے یہ حدیث دوسندوں سے ذکر کی ہے اور الفاظ سند ثانی کے ہیں، سند اول کے الفاظ کتاب الزکوٰۃ ص۱۸۷ پر گذر چکے ہیں اور وہاں یہ بتادیا کہ حضرت معاذ کو یمن کب روانہ کیا، ۸ھ یا ۹ھ یا ۱۰ھ میں تینوں قول ہیں۔

۷۳۷۲- **وحدثني عبد الله بن أبي الأسود، حدثنا الفضل بن العلاء، حدثنا إسماعیل بن أمیة، عن یحیی بن محمد بن عبد الله بن صیفي، أنه سمع أبا معبد، مولی ابن عباس، یقول: سمعت ابن عباس یقول: لما بعث**

النبي صلى الله عليه وسلم معاذ بن جبل إلى نحو أهل اليمن قال له: إنك تقدم على قوم من أهل الكتاب، فليكن أول ما تدعوهم إلى أن يوحدوا الله تعالى، فإذا عرفوا ذلك، فأخبرهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم، فإذا صلوا، فأخبرهم أن الله افترض عليهم زكاة في أموالهم، تؤخذ من غنيهم فترد على فقيرهم، فإذا أقروا بذلك فخذ منهم، وتوق كرائم أموال الناس.

فليكن أول ماتدعوهم إلى توحيد الله: پہلے اللہ کی توحید کی دعوت دو جب اسکا اعتراف کر لیں تو انہیں یہ خبر دو کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھیں دن رات میں۔

آیا ایمان لانے کیلئے صرف تقلید کافی ہے یا دلائل کلامیہ سے ثابت کیا جانا ضروری ہے؟ یہ مستقل جھگڑا ہے، غلاۃِ حنابلہ اور ظاہر یہ تو کہتے ہیں کہ محض تقلید کافی ہے، اور غلاۃِ متکلمین کہتے ہیں کہ دلائل کلامیہ کے ذریعہ خدا کی معرفت ضروری ہے اور اگر اس سے نہیں پہچانا تو مسلمان نہیں ہے، ابواسحٰق اسفرائینی کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ قول انتہائی غلو پر مبنی ہے، جب تو چند مٹھی بھر کے مسلمان متکلمین کے مسلمان ہوں گے ورنہ سارے ہی غیر مسلم ہوں گے۔

صحیح اور معتدل مسلک یہ ہے کہ اصل تو توحید پر ایمان ہے، اگر کسی کو تقلیدی طور پر یہ ایمان نصیب ہو جائے تو اسے دلائل سیکھنے کی ضرورت نہیں اور اگر کسی کو کچھ دلیلوں کی ضرورت پڑے تو ان دلائل کا علم ضروری ہے، اگر آدمی کو مختصر سی دلیل کافی ہے تو مختصر دلیل معلوم کرے، دلائل کلامیہ اور صغریٰ کبریٰ ملانے کی ضرورت نہیں، چنانچہ ایک اعرابی کہتا ہے البعرة تدل على البعير وآثار الأقدام تدل على المسير، فالسماء ذات أبراج والأرض ذات فجاج كيف لاتدل على اللطيف الخبير، جب مینگنی سے اونٹ کا پتہ چلتا ہے اور آثار اقدام سے لوگوں کے جانے کا پتہ چلتا ہے، تو برجوں والا آسمان اور راستوں والی زمین خدائے وحدہ لاشریک لہ پر جو لطیف وخبیر ہے کیسے دلالت نہیں کرے گی، اعرابی کیلئے یہی چیز دلیل بن گئی، اور اگر کسی کو کسی اور طرح تسلی حاصل ہو جائے تو اسکو اسکا حاصل کرنا ضروری ہو جائیگا۔ اشخاص کے اعتبار سے حکم الگ الگ ہو گا، اور اگر کوئی شخص واقعۃً عقلی ہے اور اسکو کسی طرح تشفی حاصل نہیں تو اسکو دلائل کلامیہ کے ذریعہ تشفی حاصل کرنا ضروری ہے، اور بھئی ہم جیسے اندھوں کو تو انشاء اللہ (اور انشاء اللہ تبریک کیلئے کہہ رہا ہوں) کتاب

وسنت کی باتیں کافی ہیں، جو اللہ کے رسول نے کہہ دیا وہ حق ہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اور جو ہماری عقل اسکے خلاف کہے تو وہ ہماری عقل کی غلطی ہے۔

۷۳۷۳- حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن أبي حصين، والأشعث بن سليم، سمعا الأسود بن هلال، عن معاذ بن جبل قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا معاذ أتدري ما حق الله على العباد؟، قال: الله ورسوله أعلم، قال: أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا، أتدري ما حقهم عليه؟، قال: الله ورسوله أعلم، قال: أن لا يعذبهم.

ان يعبدوه: أى أن يوحدوه، فطابق الحديث الترجمة، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولا یشرکوا به شیئاً سے ترجمہ ثابت کیا ہو اسلئے کہ نفی شرک کے معنی توحید کے ہیں قالہ ابن حجر۔

۷۳۷٤- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن عبد الرحمن بن أبي صعصعة، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري، أن رجلا سمع رجلا يقرأ قل هو الله أحد يرددها، فلما أصبح جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر له ذلك، وكأن الرجل يتقالها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده، إنها لتعدل ثلث القرآن زاد إسماعيل بن جعفر، عن مالك، عن عبد الرحمن، عن أبيه، عن أبي سعيد، أخبرني أخي قتادة بن النعمان عن النبي صلى الله عليه وسلم

قل هو الله أحد: اللہ یکتا ہے، اس سے ترجمہ ثابت ہے۔

۷۳۷٥- حدثنا أحمد بن صالح، حدثنا ابن وهب، حدثنا عمرو، عن ابن أبي هلال، أن أبا الرجال محمد بن عبد الرحمن، حدثه عن أمه عمرة بنت عبد الرحمن، وكانت في حجر عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، عن عائشة: أن النبي صلى الله عليه وسلم بعث رجلا على سرية، وكان يقرأ لأصحابه في صلاتهم فيختم بقل هو الله أحد، فلما رجعوا ذكروا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال: سلوه لأي شيء يصنع ذلك؟، فسألوه، فقال: لأنها صفة الرحمن، وأنا أحب أن أقرأ بها، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أخبروه أن الله يحبه.

لأنها صفة الرحمن: اس سے معلوم ہوا کہ لفظ صفت کی اضافت اللہ کی طرف جائز ہے یہی جمہور علماء کا قول ہے، ابن حزم اس میں منفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ اصطلاح اہل کلام من المعتزلہ ہے، صفت کی نسبت اللہ کی طرف نہ ہونی چاہیے۔

(ص۱۰۹۷)باب قول الله﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾

امام بخاری نے صفات باری تعالیٰ کے اثبات میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ اولاً ترجمہ میں آیت شریفہ لاتے ہیں تاکہ یہ ثابت فرمائیں کہ صفات الٰہیہ کا ثبوت صرف اخبار آحاد سے نہیں ہے بلکہ آیات قرآنیہ سے ہے جو قطعی ہیں۔

اسکے بعد یہ سمجھو کہ امام بخاری نے دعوۃ الی التوحید کے بعد اس ترجمہ کو قائم کیا ہے، اسکا منشا یہ ہے کہ آیت میں دو چیزیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ اس میں اجمالی طور سے تمام اسماء حسنٰی کا ذکر ہے،﴿أيًّا مّا تدعو فله الأسماء الحسنى﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں اور وہ صفات حسنہ ہیں (۲) دوسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ پاک کے نام کے بعد سب سے پہلے رحمٰن کا ذکر واقع ہوا ہے اور اس آیت شریفہ میں بھی سب سے پہلے اللہ کا ذکر ہے اور اسکے بعد صفت رحمٰن کا، فرماتے ہیں کہ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾، اللہ سے دعاء کرو یا رحمٰن سے دعاء کرو دونوں صحیح ہے، اسلئے کہ یہ سب اسماء حسنٰی ہیں۔

اللہ : اللہ اس ذات گرامی واجب الوجود کا علَم ہے جو متصف بجمیع صفات الکمال ہے، اس لفظ میں اختلاف ہے کہ عربی ہے یا عجمی؟ صحیح یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ صفت ہے یا علَم ہے، ابن مالک ابن ہشام اور اعلم نحوی کی رائے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا علَم ہے، لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ صفت ہے، حق تعالیٰ شانہ کیساتھ مختص ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کا اسم مبارک تو بنی اسماعیل کے اندر مستعمل تھا اور دوسرے اسم مبارک رحمٰن کا استعمال بنی اسرائیل میں تھا، اسی لئے جب حضور اکرم ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صلح حدیبیہ میں لکھوایا تھا تو کہنے لگے کہ ہم رحمٰن جانتے ہی نہیں، عبد الرحمٰن بن عوف نے جب امیہ سے کتابت کی تو اس نے کہا کہ ہم رحمٰن جانتے ہی نہیں کہ تمہارا جاہلیت میں یہ نام تھا، اسی اللہ کے نام کیساتھ تحریر لکھو، اللہ نے یہ چاہا کہ اس شریعت کو دونوں نام عطا فرمادئے جائیں تاکہ دونوں اسماء کیساتھ اللہ کو پکاریں، لہٰذا اللہ نے فرمادیا﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أيًّا مّا تدعو فله الأسماء الحسنى﴾، بہر حال اس ترجمۃ الباب سے اللہ کیلئے

صفت رحمت کو ثابت کرنا ہے جو لفظ رحمٰن سے ثابت ہوتی ہے۔

رحمت اللہ کی صفاتِ ذات میں سے ہے یا صفاتِ فعل میں سے؟ یہ چیز رحمت کی تفسیر پر موقوف ہے، اگر رحمت کے معنی یہ لئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ بندوں کیساتھ ارادۂ خیر و رحمت فرماتے ہیں تو یہ اللہ کی صفاتِ ذات میں سے ہو جائیگا اور اگر اسکے معنی یہ مراد لئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ بندوں پر اپنا انعام نازل فرماتے ہیں تو اس لحاظ سے یہ صفاتِ افعال میں سے ہو جائیگا، مگر مشہور یہی ہے کہ یہ صفات ذات میں سے ہے، اور رحمت جو صفاتِ ذات میں سے ہے وہ رحمت ہے جو اللہ کی صفت ہے، اور حق تعالیٰ نے جس رحمت کو تقسیم فرمایا جسکے ننانوے حصے آخرت کیلئے رکھ لئے اور ایک حصہ دنیا میں اتارا جسکے سبب سے بندے اپنے چھوٹوں پر ماں اپنی اولاد پر جانور اپنے بچہ پر رحمت و شفقت کرتا ہے وہ رحمت صفاتِ افعال میں سے ہے۔

۷۳۷۶- حدثنا محمد بن سلام، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن زيد بن وهب، وأبي ظبيان، عن جرير بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يرحم الله من لا يرحم الناس.

لا يرحم الله من لا يرحم الناس: جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اسپر رحم نہیں کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں جزا من جنس العمل ہے، ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء، رواه أصحاب السنن، ایک روایت میں وارد ہوا ہے ارحموا ترحموا رواه أحمد۔

۷۳۷۷- حدثنا أبو النعمان، حدثنا حماد بن زيد، عن عاصم الأحول، عن أبي عثمان النهدي، عن أسامة بن زيد، قال: كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ جاءه رسول إحدى بناته، يدعوه إلى ابنها في الموت، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ارجع إليها فأخبرها أن لله ما أخذ وله ما أعطى، وكل شيء عنده بأجل مسمى، فمرها فلتصبر ولتحتسب، فأعادت الرسول أنها قد أقسمت لتأتينها، فقام النبي صلى الله عليه وسلم وقام معه سعد بن عبادة، ومعاذ بن جبل، فدفع الصبي إليه ونفسه تقعقع كأنها في شن، ففاضت عيناه، فقال له سعد: يا رسول الله، ما هذا؟ قال: هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده، وإنما يرحم الله من عباده الرحماء.

(ص۱۰۹۷) باب قول الله ﴿إِنِّي أنا الرَّزَّاق ذُو الْقُوَّةِ المَتِين﴾

مشہور قراءۃ ہے ﴿إِنَّ الله هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ المَتِين﴾۔ چنانچہ ابو محمد اصیلی اور ابو الوقت کے نسخہ میں اسی طرح واقع ہوا ہے اور یہی قراءۃ متواترہ ہے اور نسفی کی روایت میں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے، مگر ابو الحسن قابسی کی روایت میں ﴿إِنِّي أنا الرَّزَّاق ذُو الْقُوَّةِ المَتِين﴾ واقع ہوا ہے، یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے، اصحاب سنن نے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں أقرأني رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿إِنِّي أنا الرَّزَّاق ذُو الْقُوَّةِ المَتِين﴾، اسکی سند قوی ہے لیکن اسکی قراۃ کی نماز میں اجازت نہیں دی جائیگی قاله الذهبی، اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ قراۃ پہلے آئی ہو بعد میں منسوخ ہوگئی ہو اور عبد اللہ بن مسعود کو اسکا پتہ نہ چلا ہو۔

امام بخاری نے اس ترجمہ میں جو آیت ذکر کی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ثبوت ہوتا ہے، رزق، قوۃ، اور صفت متانت، اللہ تعالیٰ رزق دینے والا قوت والا اور مضبوط ہے، لیکن جو روایت ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا مقصد اللہ کی صفت رزق کو ثابت کرنا ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس باب میں اللہ کی دو صفتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک صفتِ ذات ہے اور ایک صفتِ افعال ہے، رزق تو اللہ کی صفتِ افعال میں سے ہے اسلئے کہ رزق مرزوق کو چاہتی ہے اور جو صفت ایسی ہو کہ متعلَق کیساتھ متعلِق ہونے پر وجود پذیر ہوتی ہو وہ اشاعرہ کے یہاں صفاتِ افعال میں شمار کی جاتی ہے اور دوسری صفت قوۃ ہے یہ صفت صفاتِ ذات میں سے ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم کی رائے ہے کہ اس باب سے امام بخاری نے صفت رازقیت ہی کو بیان کیا ہے اسلئے کہ صفت قوۃ کیلئے مستقل ترجمہ ص۱۰۹۹ پر باب ﴿قل هو القادر على أن يبعث عليكم عذابا﴾ الآیۃ قائم کیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ قوۃ اور قدرۃ ہم معنی ہیں، بات تو یہی ہے کہ قوۃ اور قدرۃ ہم معنی ہے اسلئے کہ قوی کی تعریف القادر البليغ الاقتدار ہے، وہ قادر جو بالغ القدرۃ ہو، اعلیٰ درجہ کی قدرت رکھتا ہو، اور امام بیہقی فرماتے ہیں قوی کی تعریف ہے التام القدرة الذي لاينفذ عليه عجز في حال۔

مگر اندازہ یہ ہے میں نے جہاں تک تراجم بخاری پر غور کیا ہے کہ امام بخاری ایک ہی صفت کو کئی کئی

عنوانوں سے ثابت فرمایا کرتے ہیں اسلئے کہ آیات میں مختلف عناوین کے ذریعہ ان صفات کو ذکر کیا گیا ہے، گو روایت بعض صفات ہی کو ثابت کرتی ہو اور بعض دیگر صفات سے تعرض نہیں کرتی ہو لیکن امام بخاری آیات میں جو صفات مذکور ہوتی ہیں سکو ہی ذکر فرمادیتے ہیں، یہاں امام بخاری نے ﴿إِنِّي أَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ پوری آیت ذکر فرمادی ہے اگرچہ روایت صرف رزق سے متعلق ذکر فرمائی ہے تو اب بہت ممکن ہے کہ امام نے آیت اور روایت سے تو صرف صفتِ رازقیت کو ثابت کیا اور قوۃ کی صفت کو آیت سے ثابت کیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صفتِ قوۃ کو حدیث پاک سے ثابت کیا ہو اسلئے کہ حدیث میں **ما أحد أصبر علی أذی یسمعه من اللہ** میں اذی پر صبر کر جانا، تحمل سے کام لینا، حلم سے کام لینا اسی سے ممکن ہے جسکو قوت حاصل ہو، کمزور آدمی کو کہاں برداشت ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب سے بڑی اذیت کو سنتے ہیں کہ لوگ خدائے پاک کے شرکاء ٹھہراتے ہیں اسکے لئے ولد کے مدعی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ شانہ کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے، ڈھیل دیتا ہے **یعافیهم ویرزقهم** عافیت دیتا ہے رزق دیتا ہے اور اسی سے صفت متانت کا بھی ثبوت ہوتا ہے واللہ اعلم۔

۷۳۷۸- حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن سعيد بن جبير، عن أبي عبد الرحمن السلمي، عن أبي موسى الأشعري، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما أحد أصبر على أذى سمعه من الله، يدعون له الولد، ثم يعافيهم ويرزقهم.

ما أحد أصبر علی أذی یسمعه: صبر نام ہے کفّ النفس کا، یہ چیز چاہتی ہے تغیر کو اور مطلب یہ ہے کہ انسان میں ایک بات سن کر تغیر پیدا ہوتا ہے، انسان اس تغیر کے مطابق اپنی قوت استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے نفس پر کنٹرول کرتا ہے، حق تعالیٰ میں یہ چیز ناممکن اور محال ہے کہ حق تعالیٰ تغیر سے بالاوبرتر اور پاک ہے، لامحالہ صبر کے معنی یہ ہوں گے کہ حق تعالیٰ فوری طور پر گرفت نہیں فرماتے، انتقام نہیں لیتے، حلم فرماتے ہیں۔

یدعون له الولد: اسکے لئے ولد کا دعویٰ کرتے ہیں اسکا مطلب کیا؟ یعنی اسکا مثیل ٹھہراتے ہیں جیسے بیٹا باپ کا مثیل ہوتا ہے، مثل مشہور ہے الولد سرّ أبیه، مگر اس تشبیہ دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ حلم استعمال کرتے ہیں۔

(ص١٠٩٧) باب قول الله ﴿عَالِمُ الغَيْبِ فَلاَ يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾

و﴿إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ و﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلاَ تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾ ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾.

قَالَ يَحْيَى: ﴿الظَّاهِرُ﴾ على كل شيء علما، ﴿وَالبَاطِنُ﴾ على كل شيء علما.

حق تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفتِ علم کو ثابت کرنا ہے اور معتزلہ وغیرہ پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ علیم بلاعلم، وسمیع بلاسمع، فلاسفہ اور معتزلہ وغیرہ نے علم الٰہی کا انکار کیا اور وہ یہ کہتے ہیں کہ علم کا متعلق اللہ کی ذات ہے یعنی ذات باری تعالیٰ سے ہی وہ بات ظاہر ہوتی ہے جو صفت علم سے ظاہر ہونی چاہئے، لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ صفتِ علم کمال ہے اور اللہ تمام کمالات سے متصف ہے، اگر اللہ کے لئے صفتِ علم ثابت نہ کی جائے تو اس صورت میں یہ لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ اس صفت مبارک سے خالی ہو اور یہ کمال اس میں نہ ہو اور اس کمال کا نہ ہونا اس میں کمی کا ہونا ہے اور حق تعالیٰ ہر کمی سے بلند وبالا وبرتر ہے، علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی اپنے شیخ ابن الہمام کی کتاب مسایرہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جمہور عقلاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ عالم ہے، قدماء فلاسفہ کی ایک جماعت اسکا انکار کرتی ہے اسی طرح معتزلہ بھی اسکا انکار کرتے ہیں۔

پھر اس آیت سے اللہ کا عالم الغیب ہونا بھی ثابت کیا جارہا ہے۔

یمن کے ایک صوفی تھے انہوں نے ایک مرتبہ کہہ دیا خدائے پاک غیب نداند، اور دلیل اسکی یہ پیش کی کہ عالم کے اندر جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اسکے خفی و مضمر سے اور اسکے ظاہر وواضح سے واقف ہے، اس کیلئے کوئی چیز مخفی ہے ہی نہیں، تو پھر اسکے لئے غیب کہاں ہوا، حضرت مجدد الف ثانی کے سامنے جس وقت یہ کلام پیش کیا گیا تو جوش میں آگئے اور فرمایا: ایں فقیر را تابِ استماعِ امثالِ ایں سخناں اصلاً نیست، بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت می آید وفرصتِ تاویل وتوجیہ آں نمی دہد، قائل آں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام درکار است نہ کلامِ محی الدین ابن عربی وصدر الدین قونوی وعبد الرزاق کاشی، مارابنص

کار است نہ بفص، فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است، الیٰ آخرہ (مکتوبات مجدد الف ثانی نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی بالکل طاقت نہیں ہے، میری رگ فاروقیت (ایسی باتوں سے) بے اختیار جوش میں آجاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی، چاہے ایسی باتیں شیخ کبیر یمنی کی ہوں یا شیخ اکبر شامی کی، ہمیں تو کلام محمد عربی ﷺ درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا کلام، ہم کو نص (قرآن وحدیث) چاہئے نہ کہ فص (فصوص الحکم ابن عربی کی)، فتوحات مدنیہ (احادیث نبویہ) نے ہم کو فتوحات مکیہ (تصنیف شیخ اکبر ابن عربی) سے بے نیاز کر دیا ہے، جو بات اللہ نے اپنے لئے ثابت کی ہے ہم اسکے لئے ثابت کرینگے۔

صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر چیز واضح ہے مگر وہ اپنے کو عالم الغیب کہتے ہیں تو یہ صفت اسکے لئے ثابت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو چیز تم سے پردۂ غیب میں ہے، آسمان سے اوپر کی چیزیں تمہیں معلوم نہیں، اندر کی چیزیں تمہیں معلوم نہیں، سمندر کی چیزیں تمہیں معلوم نہیں، ستاروں میں کیا رکھا ہے وہ تمہیں معلوم نہیں، اور بہت سی چیزیں تمہاری آنکھوں سے غائب ہیں وہ تمہیں معلوم نہیں، حق تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے، تو ہمارے لحاظ سے جو چیزیں غیب ہیں اللہ انہیں جانتا ہے تو اللہ عالم الغیب ہے، گو اللہ کی ذات کے اعتبار سے کوئی چیز غیب نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے اور ساری دنیا کے علوم کے اعتبار سے بہت سے علوم غیب ہیں اللہ تعالیٰ ان سے واقف ہے۔

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾: اللہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہے، یہ نہیں فرمایا فلایظھر غیبه علی أحد، اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا، غیب تو اسکا ایک خزانہ ہے اسپر کہاں کسی کو اطلاع کی جاسکتی ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس خزانہ میں سے کوئی چیز کسی کو دے دی جائے، اطلاع کر دی جائے۔

قال یحیی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿هو الأول والآخر والظاهر والباطن﴾، یحی فراء فرماتے ہیں کہ ظاہر وباطن باعتبار علم کے ہے، اللہ تعالیٰ شانہ علم کے اعتبار سے ہر چیز پر ظاہر ہے یعنی اسکو اپنے علم کے اندر لئے ہوئے ہے اور اپنے علم کے اعتبار سے ہر چیز کے اندروں تک سے باخبر اور واقف ہے، یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ ہر چیز کے اندر داخل ہے جیسا کہ حلولیہ کا خیال ہے۔

٧٣٧٩- حدثنا خالد بن مخلد، حدثنا سليمان بن بلال، حدثني عبد الله بن دينار، عن ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: مفاتيح الغيب خمس، لا يعلمها إلا الله: لا يعلم ما تغيض الأرحام إلا الله، ولا يعلم ما في غد إلا الله، ولا يعلم متى يأتي المطر أحد إلا الله، ولا تدري نفس بأي أرض تموت إلا الله، ولا يعلم متى تقوم الساعة إلا الله.

مفاتيح الغيب خمس: یہ پانچ چیزیں خصائص باری تعالیٰ سے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں اور یہ جو بعض لوگوں کو حمل کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ بچہ ہے یا بچی، یہ اندازہ کی بات ہوتی ہے اور بعض وقت اندازہ غلط ہو جاتا ہے۔

یہیں ایک صاحب رہتے اور پڑھتے تھے، ان کی بیوی بھی یہیں رہتی تھیں، ڈاکٹر نے بتایا کہ حمل ہے پھر ایک مدت کے بعد کچھ بھی نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ حبس دم رحم ہو گیا تھا، اسکے بعد ادرار ہو گیا سارا دم خارج ہو گیا، اور بعض وقت سمجھتے ہیں کہ اندر بیماری ہے کچھ بھی نہیں ہے اور پھر بچہ ہوتا ہے، منظور صاحب مرحوم کی بیوی کو یہی پیش آیا کلکتہ لیکر گئے ان کے بیٹے ڈاکٹر انصاری مشہور ڈاکٹر نے دیکھا بتایا کہ ہاں پیٹ میں بیماری ہے آپریشن ہوگا، اور جیسے ہی نشتر لگایا گیا بچہ کے پیشانی پر بھنوؤں کے پاس نشتر لگا پھر وہ بچہ نکالا گیا، میں نے خود اس بچہ کو دیکھا ہے، اسکے والد اسے نشتر ہی کہتے تھے نام پتہ نہیں کیا رکھا تھا مگر نشتر نشتر کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

اور یہ جو میں نے زور دیکر کہا وہ اسلئے کہ یہ بدعتی لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آخر میں وہ پانچ علوم حضور ﷺ کو دیدئے تھے اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہارے پاس کوئی روایت بھی ہے؟ تو کہتے ہیں ہاں اور گھڑ کر کوئی روایت پیش کر دیتے ہیں اور ایسی عجیب و غریب کتاب کا نام پیش کئے دیتے ہیں کہ تلاش کرتے رہو نہ کتاب ملے نہ روایت ملے۔

٧٣٨٠- حدثنا محمد بن يوسف، حدثنا سفيان، عن إسماعيل، عن الشعبي، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها، قالت: من حدثك أن محمدا صلى الله عليه وسلم رأى ربه، فقد كذب، وهو يقول: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ ومن حدثك أنه يعلم الغيب، فقد كذب، وهو يقول: لا يعلم الغيب إلا الله.

(ص۱۰۹۸) باب قول الله تعالیٰ ﴿السَّلَامُ المُؤْمِنُ﴾

حق تعالیٰ سلامتی عطا فرمانے والا ہے امن دینے والا ہے، یہ سورۂ حشر کی آیت ہے جسکی طرف مصنف نے اشارہ کیا، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم کی تو رائے یہ ہے کہ مقصود اللہ کے اسم سلام کو ثابت کرنا ہے کیونکہ روایت اسی کی تائید کرتی ہے، لیکن حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اولاً اللہ کی صفتِ قدرت اور صفتِ علم کو ثابت کرنے کے بعد سورۂ حشر کی آیات ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ صفاتِ سمعیہ صرف دو میں منحصر نہیں، کسی معین صفت میں منحصر نہیں بلکہ اور بھی ہیں اور اسکی دلیل سورۂ حشر کی آیات ہیں جسکی طرف مصنف نے ترجمہ میں اشارہ فرمایا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری اس باب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان اسماء کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، اہل سنت تو کہتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن جہم بن صفوان کہتا ہے کہ بھلا جس وصف کیساتھ غیر اللہ کو موصوف کیا جائے میں اس وصف کیساتھ اللہ کو کیسے موصوف کرسکتا ہوں؟ اللہ تو کہتا ہے ﴿لیس کمثله شیئ﴾، مگر جاہل ہے جہم بن صفوان، یہ صرف اشتراک اسمی ہوگا اشتراک حقیقی نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ پر اگر سلام و مومن کا اطلاق کیا جائے گا تو اسکے معنی اور ہوں گے، اللہ کو مومن کہیں گے کہ وہ امن دینے والا ہے اور بندہ پر اطلاق کیا جائے تو وہ معنی ہی مراد نہیں ہے بلکہ مراد ہے امن والا۔

۷۳۸۱- حدثنا أحمد بن يونس، حدثنا زهير، حدثنا مغيرة، حدثنا شقيق بن سلمة، قال: قال عبد الله: كنا نصلي خلف النبي صلى الله عليه وسلم فنقول: السلام على الله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله هو السلام، ولكن قولوا: التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

(ص۱۰۹۸) باب قول الله ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾

فيه ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم

اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کا بادشاہ ہے، امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ مَلِک اسے کہتے ہیں جو امر و نہی کیساتھ متصف ہوتا ہے اور یہ ناطقین ہی کیساتھ خاص ہے اسی لئے مَلِک الناس فرمایا مَلِک الأشیاء نہیں فرمایا، لیکن قرآنِ پاک میں جو مَلِک یوم الدین فرمایا گیا ہے جیسا کہ ایک قرأۃ میں ہے وہ اس لحاظ سے فرمایا گیا مَلِک فی یوم الدین یعنی اس دن اللہ ہی بادشاہ ہوگا سب بادشاہوں کی بادشاہت ختم ہوگی، خود ہی اعلان کریگا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ اور کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا تو خود ہی جواب دیگا ﴿لله الواحد القهار﴾۔

محقق ابن حجر عسقلانی نے مَلِک الناس کہنے کی ایک عجیب وغریب حکمت بیان کی ہے کہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں، جماد اور نامی، پھر نامی کی دو قسمیں ہیں صامت اور ناطق، اور ناطق کی دو قسمیں ہیں متکلم اور غیر متکلم، اور سب میں اشرف متکلم ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں انسان، جنات اور ملائکہ اور باقی سب ان کے تحت آسکتے ہیں، اب جو ان تین قسموں پر مالک ہوگا تو جو ان کے ماتحت آسکتے ہیں ان کا بھی مالک ہوگا، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ تمام چیزوں کا مالک ہے، گویا انس بولکر ناطق مراد لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناطقین کا مالک ہے اور ناطقین ہر چیز پر کنٹرول کئے رہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے۔

٧٣٨٢- حدثنا أحمد بن صالح، حدثنا ابن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شهاب، عن سعيد هو ابن المسيب، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يقبض الله الأرض يوم القيامة، ويطوي السماء بيمينه، ثم يقول: أنا الملك أين ملوك الأرض. وقال شعيب، والزبيدي، وابن مسافر، وإسحاق بن يحيى، عن الزهري، عن أبي سلمة مثله

(ص١٠٩٨) باب قول الله ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾، ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ﴾، ومن حلف بعزة الله وصفاته

اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے، اس سے مقصود کیا ہے؟ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں بظاہر امام بخاری اس ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزۃ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور ان لوگوں پر رد کر رہے ہیں جو کہتے ہیں عزیز بلا عزۃ، عزت والا ہے لیکن عزۃ اسکے پاس نہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ

فلاں آدمی دیکھ رہا ہے مگر آنکھیں نہیں ہے، بول رہا ہے اور زبان نہیں ہے، اصل میں ان لوگوں کو دھوکہ لگ گیا ہے، سوچنے لگے کہ اللہ کیلئے متعدد صفات کا اثبات کیا گیا تو وہ محلِ حوادث ہو گا یا تعددِ قدماء لازم آیگا لیکن یہ سمجھے ہی نہیں کہ تعددِ قدماء محال نہیں ہے، محال تعددِ ذواتِ قدیمہ ہے، صفاتِ قدیمہ کا تعدد محال نہیں ہے، ذات ایک ہے صفات متعدد ہیں، قِدَم تو ایک ہی ذات کیساتھ خاص ہے اور اسکے ساتھ صفات متعدد اور قدیم ہو سکتی ہیں۔

ومن حلف بعزة الله وصفاته: یہ ترجمہ ص ۹۸۵ پر گذر چکا ہے باب الحلف بعزة الله وصفاته میں اور وہاں اسپر کلام کر چکا ہوں۔

وقال أنس: قال النبي صلى الله عليه وسلم: تقول جهنم: قط قط وعزتك وقال أبو هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم: يبقى رجل بين الجنة والنار، آخر أهل النار دخولا الجنة، فيقول: يا رب اصرف وجهي عن النار، لا وعزتك لا أسألك غيرها، قال أبو سعيد: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال الله عز وجل: لك ذلك وعشرة أمثاله، وقال أيوب: وعزتك لا غنى بي عن بركتك.

٧٣٨٣- حدثنا أبو معمر، حدثنا عبد الوارث، حدثنا حسين المعلم، حدثني عبد الله بن بريدة، عن يحيى بن يعمر، عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان يقول: أعوذ بعزتك، الذي لا إله إلا أنت الذي لا يموت، والجن والإنس يموتون.

٧٣٨٤- حدثنا ابن أبي الأسود، حدثنا حرمي، حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يزال يلقى في النار ح وقال لي خليفة، حدثنا يزيد بن زريع، حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس، وعن معتمر سمعت أبي، عن قتادة، عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يزال يلقى فيها وتقول: هل من مزيد، حتى يضع فيها رب العالمين قدمه، فينزوي بعضها إلى بعض، ثم تقول: قد، قد، بعزتك وكرمك، ولا تزال الجنة تفضل، حتى ينشئ الله لها خلقا، فيسكنهم فضل الجنة.

(ص۱۰۹۸) باب قول الله عزوجل

﴿وَهُوَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾

اللہ ہی نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کیساتھ پیدا فرمایا ہے، ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس سے اللہ کیلئے صفتِ حق کو ثابت فرما رہے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس آیت کو ترجمہ میں لاکر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بالحق کے معنی بکلمة الحق ہے اور مراد کلمۂ کن ہے، اور مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے آسمانوں اور زمین کو قولِ کن سے پیدا فرمایا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حق مقابل ہے باطل کا اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے وہ حق ہے باطل نہیں ہے، یعنی حق تعالیٰ ہی فی الحقیقت ان کا خالق ہے، اور بعض جیسے داودی وغیرہ کہتے ہیں کہ با یہاں لام کے معنی میں ہے أی لأجل الحق یعنی اللہ تعالیٰ نے حق کے لئے پیدا فرمایا۔

اسکے بعد یہ سمجھو کہ امام بخاری نے ترجمہ یہاں ﴿وهو الذی خلق السموٰت والأرض بالحق﴾ کا قائم کیا اور اسکے بعد ص ۱۱۰۰ پر ترجمہ قائم فرمایا باب ماجاء فی تخلیق السموات و الأرض اور ص ۱۱۰۱ پر ترجمہ قائم کیا ﴿وهو الخالق البارئ﴾ کا، ان تینوں ترجموں کو اگر دیکھا جائے تو سب غرض میں متفق معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ کی صفت خلق کو ثابت کرنا مقصود ہے لیکن باب ماجاء فی تخلیق السموات و الأرض میں تو غرض کو بالکل واضح کر دیا کہ صفتِ تکوین کو ثابت کرنا ہے، رہ جاتے ہیں دو ترجمے، ایک یہ اور دوسرا وهو الخالق البارئ جو ص ۱۱۰۱ پر آرہا ہے وہاں تو غرض اللہ کی صفت خلق کو ثابت کرنا ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت حق کو ثابت کرنا ہے کما قالہ شیخنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۳۸۵- حدثنا قبيصة، حدثنا سفيان، عن ابن جريج، عن سليمان، عن طاوس، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يدعو من الليل: اللهم لك الحمد، أنت رب السموات والأرض، لك الحمد أنت قيم السموات والأرض ومن فيهن، لك الحمد أنت نور السموات والأرض، قولك الحق، ووعدك الحق، ولقاؤك حق، والجنة حق، والنار حق، والساعة حق، اللهم لك أسلمت، وبك آمنت، وعليك توكلت، وإليك أنبت، وبك خاصمت، وإليك حاكمت، فاغفر لي ماقدمت وما أخرت، وأسررت وأعلنت، أنت إلهي لا إله لي غيرك.

حدثنا ثابت بن محمد، حدثنا سفيان بهذا، وقال: أنت الحق وقولك الحق

أنت الحق: تو حق ہے، یعنی اللہ حق ہے، اللہ ثابت اور متحقق ہے، اسکا وجود ذاتی ہے اور دوسروں کا

وجود عطائی ہے۔

اللہ کے حق ہونے اور دوسری چیزوں کے حق ہونے میں بہت فرق ہے، بہت سی چیزوں کو حق کہا گیا ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، فلاں چیز حق ہے، لیکن اللہ کو بھی حق کہا گیا ہے، حق کے معنی الثابت المتحقق کے آتے ہیں مگر جب ذوالجلال والاکرام کے لئے لفظ حق بولا جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکا ثبوت ذاتی ہے اور بقیہ چیزوں کا ثبوت عطائی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ شانہ نے چیزوں کو ثبوت اور قرار دے رکھا ہے۔

(ص۱۰۹۹) باب قوله ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے، اس ترجمۃ الباب کی غرض تو بالکل کھلی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع و بصر کو ثابت فرمایا ہے، اور ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں اللہ سمیع بلا سمع وبصیر بلا بصر، یہ قول معتزلہ اور ان کے موافقین کا ہے، یہ لوگ اللہ کی صفتِ سمع وبصر کا انکار کرتے ہیں اور وہی شبہ پیش کرتے ہیں جسکا تذکرہ بار بار کیا جا چکا ہے، اسکا جواب یہی ہے کہ اللہ پاک نے قرآن میں جگہ جگہ اپنے لئے سمیع وبصیر ہونا ثابت فرمایا ہے پھر آخر اسکے کیا معنی ہوں گے؟

معتزلہ وغیرہ نے کہا کہ اسکے معنی علیم کے ہیں، مطلب یہ کہ حق تعالیٰ عالم ہے، سمع وبصر کی ضرورت تو اسے پیش آتی ہے جسکا ذریعۂ علم ناقص ہو، اللہ کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے اسے سمع وبصر کی کیا ضرورت ہے، اب سمیع وبصیر کا مطلب سوائے اسکے کچھ نہیں کہ اللہ مسموعات کو جانتا ہے مبصرات کو جانتا ہے۔

اہل سنت یہ فرماتے ہیں کہ صفتِ سمع وبصر صفاتِ کمال ہیں، قرآن نے اللہ کیلئے صفتِ سمع وبصر کو ثابت فرمایا ہے لہذا یہ اللہ کی صفات میں سے ہے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو پھر سمع وبصر سے اللہ کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ تکررِ علم ہو جائیگا، اللہ کو علم محیط کے ذریعہ مسموعات ومبصرات کا علم حاصل ہے اور سمع کے ذریعہ مسموعات کو سنتے ہیں بصر کے ذریعہ مبصرات کو دیکھتے ہیں۔

مثلاً ایک چیز میرے سامنے رکھی ہے ہاتھ سے مس کے ذریعہ اسکا علم حاصل ہو گیا، آنکھ سے دیکھنے کے بعد دیکھنے سے اسکا علم ہو گیا، کسی شخص نے بتادیا کہ یہ فلاں چیز ہے تو اسکا علم اور طرح سے بھی ہو گیا تو علم مختلف چیزوں سے ہوا اور ایک ہی چیز کا ہوا، یہ ٹیپ ریکارڈر رکھا ہے میں اسے جانتا ہوں کہ یہ ٹیپ ریکارڈر ہے آنکھوں سے اسکو دیکھ رہا ہوں کہ یہ ٹیپ ریکارڈر ہے، میں نے اس پر ہاتھ رکھا ہے تو ہاتھ سے بھی احساس کر رہا ہوں کہ یہ ٹیپ ریکارڈر ہے، اس پر کیا تعجب ہے کہ جس چیز کا علم ہو وہ متعدد راستوں سے معلوم ہو جائے، اسطرح اللہ تعالیٰ علم محیط کے ذریعہ چیزوں کو جانتے ہیں پھر مسموعات کا علم صفتِ سمع سے بھی ہوتا ہے اور مبصرات کا علم صفتِ بصر سے بھی ہوتا ہے۔

امام غزالی نے لکھا ہے بصیر بلا حدقة سمیع بلا أذن، بصر ہے مگر حدقہ (یعنی آنکھ کا گول حصہ) نہیں، سمیع ہے مگر کان نہیں، صماخ نہیں، گہرائی نہیں، جیسے عام طور سے انسانوں اور حیوانات کے کانوں میں ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ مشابہتِ مخلوقات سے بالاوبرتر ہے، آگے امام غزالی فرماتے ہیں مگر اسکے باوجود لایعزب عن رؤیته حوادث الضمیر و لاخفایا الوهم و التفکیر, و لا یشذ عن سمعه صوت دبیب النملة السوداء فی اللیلة الظلماء علی الصخرة الصمّاء، و کیف لایکون سمیعا بصیرا و هما کمالان لامحالة۔

یہ غزالی کی عبارت ہے اور اس پوری عبارت سے فیض الباری کے کلام کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے غزالی کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو مبصرات کا بھی علم ہے اور مسموعات کا بھی علم ہے۔

محقق ابن ہمام نے المسایرہ میں صفتِ سمع وبصر کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ سمیع بصیر أی سمیع بسمع و بصیر بصفة تسمّی بصرا، علیم بعلم، قدیر بقدرة، مرید بإرادة، علامہ کمال الدین ابن الشریف اسکی شرح میں آگے فرماتے ہیں حیّ بحیاة، فرماتے ہیں کہ فلاسفہ اور شیعہ صفات کا انکار کرتے ہیں ظاہر ہے اسکی تردید مقصود ہے وہ کہتے ہیں کہ ذات کی صفات ذات کی طرف عائد ہوتے ہیں، اور معتزلہ نے صفتِ علم کی نفی کی، صفتِ سمع وبصر کی نفی کی، حق تعالیٰ کیلئے جب صفتِ علم کے ثابت کرنے کا نمبر آیا تو کہا عالم بذاته، ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ان سب پر تردید کا قلم کھینچا ہو۔ فلاسفہ پر رد کیا ہو اور شیعہ کو

بھی دھکے دیئے ہوں، معتزلہ کے بھی کان کھینچے ہوں اور یہ بتلایا ہو کہ باری تعالیٰ نے اپنے لئے سمع و بصر کو ثابت فرمایا ہے اور حدیث میں اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت کیا ہے۔

وقال الأعمش، عن تميم، عن عروة، عن عائشة قالت: الحمد لله الذي وسع سمعه الأصوات، فأنزل الله تعالى على النبي صلى الله عليه وسلم ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾

عن عائشة قالت: الحمدلله الذی وسع سمعه الأصوات: معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ صفتِ سمع کے ذریعہ اصوات کو سنتا ہے۔

۷۳۸۶- حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن أبي عثمان، عن أبي موسى، قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر، فكنا إذا علونا كبرنا، فقال: اربعوا على أنفسكم، فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا، تدعون سميعا بصيرا قريبا، ثم أتى علي وأنا أقول في نفسي: لا حول ولا قوة إلا بالله، فقال لي: يا عبد الله بن قيس، قل لا حول ولا قوة إلا بالله، فإنها كنز من كنوز الجنة، أو قال: ألا أدلك به.

۷۳۸۷- حدثنا يحيى بن سليمان، حدثني ابن وهب، أخبرني عمرو، عن يزيد، عن أبي الخير، سمع عبد الله بن عمرو، أن أبا بكر الصديق رضي الله عنه، قال للنبي صلى الله عليه وسلم: يا رسول الله، علمني دعاء أدعو به في صلاتي، قال: قل اللهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا، ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي من عندك مغفرة إنك أنت الغفور الرحيم.

علّمنی دعاء أدعو به فی صلوٰتی: مجھے ایک دعاء سکھا دیجئے جو نماز میں پڑھا کروں، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سنتے ہیں کیونکہ دعاء اسی لئے کی جاتی ہے تا کہ اللہ سن لیں۔

ظلما کثیرا: یہاں دو روایتیں ہیں، کثیرا ثاء مثلثہ سے اور کبیرا باء موحدہ سے، مسلم شریف میں بھی دونوں روایت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رواۃ کا اختلاف ہے، بعض نے کثیرا اور بعض نے کبیرا نقل کیا ہے، اصل میں یزید کے تلامذہ میں اختلاف ہوا ہے، بہر حال امام نووی کہتے ہیں دونوں پڑھ لیا جائے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ اسطرح کے اذکار میں جمع کہیں بھی وارد نہیں ہوا، اذکار تخییری ہیں، کبھی یہ پڑھ لے کبھی وہ پڑھ لے۔

۷۳۸۹- حدثنا عبد الله بن يوسف، أخبرنا ابن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شهاب، حدثني عروة، أن عائشة رضي الله عنها، حدثته، قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن جبريل عليه السلام ناداني قال: إن الله قد سمع قول قومک وما ردوا علیک.

(ص۱۰۹۹) باب قوله ﴿قُلْ هُوَ القَادِرُ﴾

حق تعالیٰ شانہ قادر ہے، اس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفتِ قدرت کو ثابت کرنا ہے، اور ما قبل میں ص۱۰۹۷ پر ترجمہ گذرا ہے باب قولہ تعالیٰ ﴿إِنِّي أنا الرَّزَّاق ذُو الْقُوَّةِ المَتِين﴾، علماء نے لکھا ہے کہ قوۃ اور قدرۃ ایک ہی معنی میں ہے، امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں اسکی تصریح فرمائی ہے، اب اس صورت میں یہ ترجمہ مکرر ہو جائیگا لیکن علامہ کرمانی کی رائے یہ ہے اور یہی حضرت شیخ کی رائے ہے کہ وہاں تو صفتِ رزق کو ثابت کرنا ہے اور یہاں صفتِ قدرت کو۔

اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری نے وہاں بھی قدرت کو ثابت کیا اور یہاں بھی تو میں کہونگا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے کو قادر فرمایا تو امام بخاری نے اللہ کی ایک ہی صفت کو دو ترجموں میں ذکر فرما کر یہ بتلادیا کہ اللہ نے اس صفت کو الفاظ کے اختلاف سے مکرر ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ اللہ قوت وقدرت کی صفت سے متصف ہے۔

القادر کے معنی ہیں ذو الاقتدار البلیغ الذی لا یشذّ عن قدرته شئ کوئی چیز اسکی قدرت اور اسکی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی ہے، واللہ اعلم۔

۷۳۹۰- حدثني إبراهيم بن المنذر، حدثنا معن بن عيسى، حدثني عبد الرحمن بن أبي الموالي، قال: سمعت محمد بن المنكدر، يحدث عبد الله بن الحسن يقول: أخبرني جابر بن عبد الله السلمي، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم أصحابه الاستخارة في الأمور كلها، كما يعلمهم السورة من القرآن يقول: "إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة، ثم ليقل: اللهم إني أستخيرک بعلمک وأستقدرک بقدرتک، وأسألک من فضلک فإنک تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغيوب، اللهم فإن كنت تعلم هذا الأمر - ثم تسميه بعينه - خيرا لي في عاجل

أمري وآجله، قال: أو في ديني ومعاشي وعاقبة أمري فاقدره لي ويسره لي، ثم بارك لي فيه، اللهم وإن كنت تعلم أنه شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري، أو قال: في عاجل أمري وآجله فاصرفني عنه، واقدر لي الخير حيث كان ثم رضني به.

(ص۱۰۹۹) باب مقلّب القلوب

وقول الله تعالی ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ﴾

اس سے اللہ تعالیٰ کے مقلّب القلوب ہونے کو ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ افعال میں سے ہے، اسکا مرجع قدرت ہے حق تعالیٰ شانہ کو قدرت حاصل ہے اس قدرت کے ذریعہ سے قلوب کو پلٹ دیتا ہے، بعض قلوب کو خیر کی طرف پلٹ دیتا ہے اور خدا کی پناہ بعض قلوب کو شر کی طرف پلٹ دیتا ہے۔

یہاں ایک صاحب تھے وہ مندر چلے گئے وہاں سادھو نے توجہ ڈال دی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا دل کافر ہونے کو چاہنے لگا، حضرت شیخ دامت برکاتہم سے ذکر کیا حضرت نے فرمایا انکو رائپور لیجاؤ، مولوی عبدالمنان صاحب ان کو لیکر گئے، رات کو پہونچے حضرت (مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری) نے فرمایا کہ صبح ملیں گے، صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت کی عادت تھی تفریح کو جانے کی، مولوی عبدالمنان صاحب سے فرمایا کہ مولوی صاحب آؤ مل لو میں تو تفریح کے لئے جارہا ہوں، اور تم لوگ جاؤ، پھر فرمایا کہ میں تو کچھ نہیں لیکن اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ یوں اشارہ فرمادیں تو دل پلٹ جائے اور حضرت تشریف لیگئے، مولوی عبدالمنان نے کہا کہ افسوس، میں جس کام کو آیا تھا وہ تو نہیں ہوا، ان صاحب نے کہا کہ بس جس وقت حضرت نے یوں فرمایا اور میرا دل پلٹ گیا۔

جب اللہ نے اپنے بندوں کو یہ طاقت دے رکھی کہ دل پلٹ جائیں تو اللہ کی طاقت کا کیا عالم ہوگا، کسی انسان کی طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی قدرت کا اندازہ لگا سکے، سارا عالم اور سارے انبیاء بلکہ سید الانبیاء ﷺ جمع ہو جائیں تب بھی اسکی قدرت کا اندازہ نہیں لگا سکتے، وہ بڑی قدرت والا ہے اسی سے دعاء کرنی چاہئے یا مقلّب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔

ونقلّب أفئدتهم وأبصارهم: ہم ان کے دل اور نگاہ کو پلٹ دیتے ہیں، دیکھتے نہیں ایک آدمی کو دوسرے سے تعلق ہے محبت ہے پھر ایکدم سے دل بدل جاتا ہے نگاہ بدل جاتی ہے اسکو دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

۷۳۹۱- حدثني سعيد بن سليمان، عن ابن المبارك، عن موسى بن عقبة، عن سالم، عن عبد الله، قال: أكثر ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يحلف: لا ومقلب القلوب.

لا ومقلّب القلوب کہہ کر اکثر قسم کھاتے تھے: نہیں نہیں! مقلّب القلوب کی ذات کی قسم۔

(ص۱۰۹۹) باب إن لله مائة اسم إلّا واحدًا

قال ابن عباس: ﴿ذو الجلال﴾ العظمة، ﴿البرّ﴾ اللطيف

اللہ کے سو نام ہیں سوائے ایک کے یعنی ننانوے نام ہیں، حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس سے بتارہے ہیں کہ لفظ اللہ کا اسم الجلالۃ ہے اور باقی سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس باب سے خاص طور سے جہم بن صفوان اور اسکے متبعین پر رد کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں تو گویا میں ننانوے خداؤں کی پرستش کرتا ہوں۔

حاصلِ رد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والے ہیں اور انہوں نے یہ خبر دی کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں لہذا ہم حضور کے فرمان پر اعتقاد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول کو پیغمبر بنا کر مبلغ بنا کر بھیجا تھا، آپ صادق ومصدوق ہیں، اور قرآن سے خود اسکی تائید ہوتی ہے فرمایا ﴿ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها﴾، اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں اسکے ذریعہ دعاء کیا کرو۔

اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں اسماء جمع ہے اور اقل جمع تین ہے، تو اللہ کے لئے تین اور ننانوے ہونے میں کیا فرق ہے، تعدد میں دونوں برابر ہوگئے، اور جب اللہ کے لئے قرآن کے نص سے تعددِ اسماء کا ثبوت ہوگیا تو اب ننانوے کے ماننے میں کہاں اشکال باقی رہ جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کتاب السنۃ میں فرماتے ہیں کہ جہمیہ کا یہ اعتراض ہے کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ اللہ ہمیشہ سے اپنے اسماء وصفات کیساتھ ہے اور تم اللہ کے لئے ان اسماء وصفات کو ثابت کرتے ہو تو تم نصاریٰ کے مشابہ ہو گئے ہو جیسے وہ تین خداؤں کو مانتے ہیں تم بھی متعدد خداؤں کو مانتے ہو۔

امام احمد بن حنبل نے اسکا جواب دیا کہ اللہ واحد بأسمائه وصفاته، لہٰذا ہم ایک ہی ذات کے لئے متعدد اسماء اور متعدد صفات ثابت کرتے ہیں اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ذرني ومن خلقت وحيدا﴾، چھوڑو مجھ کو اور جسکو میں نے تنہا پیدا کیا، کیا مطلب تنہا پیدا کرنے کا؟ کیا بغیر ہاتھ پاؤں ناک کان کے پیدا کر دیا؟ سب کچھ موجود ہے پھر اللہ اسکو وحید فرمارہے ہیں معلوم ہوا کہ وحدتِ ذاتیہ مراد ہے، اسی طرح حق تعالیٰ شانہ وحید ہے، واحد ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، اور تعددِ قدماء صفات کے اعتبار سے ہے، تعددِ قدماء وہاں محال ہے جہاں ذواتِ قدیمہ کا تعدد لازم آئے، صفات کا قِدم اور اسکا تعدد کمالات سے ہے۔

بہر حال اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے جہم بن صفوان کی کھل کر تردید کر دی ہے۔

۷۳۹۲- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن لله تسعة وتسعين اسما، مائة إلا واحدا، من أحصاها دخل الجنة. أحصيناه حفظناه

أحصيناه، حفظناه: أحصيناه کی تفسیر حفظناه سے کر دی ہے اور اس کے متعلق کلام گذر چکا ہے جلد اول میں بھی اور جلد ثانی میں کتاب الدعوات کے آخر میں۔

(ص۱۰۹۹) باب السؤال بأسماء الله والاستعاذة بها

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مشہور مسئلہ اختلافیہ الاسم هو المسمیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ ایک عجیب وغریب مسئلہ ہے، سلف میں تو تھا نہیں بعد میں اس مسئلہ نے شہرت پائی کہ الاسم عين المسمىٰ والتسمية، أوغيرهما، أوعين المسمىٰ وغير التسمية، أو عين التسمية وغير المسمىٰ، ایک جماعت تو کہتی ہے الاسم عين المسمىٰ والتسمية، معتزلہ کرامیہ جہمیہ کہتے

ہیں الاسم غیر المسمی و التسمیة، اہل سنت میں سے علامہ عزالدین ابن جماعہ فرماتے ہیں وھو الحق، امام غزالی کی بھی رائے یہی ہے کہ تینوں امور متباینہ ہیں، اسم اور ہے مسمیٰ اور ہے تسمیہ اور ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اگر اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے ذات پر اور مسمیٰ سے مراد ذات ہے تو یہ کھلی بات ہے کہ اسم اور ہے مسمیٰ اور ہے، اور تسمیہ کے معنی ہیں اسم متعین کرنا یہ ایک اور چیز ہوگئی، بعض حنفیہ فرماتے ہیں الاسم عین المسمی وغیر التسمیة، فخر الدین رازی نے یہی متکلمین سے نقل کیا ہے، لیکن معتزلہ کہتے ہیں الاسم عین التسمیة وغیر المسمی اسم عین تسمیہ ہے اور غیر مسمیٰ ہے، مطلب ہے الاسم غیر المسمی۔

امام ابوالحسن اشعری کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اسماء الٰہیہ تین طرح کے ہیں، بعض تو عین مسمیٰ ہیں بعض غیر مسمیٰ، بعض نہ عین ہیں نہ غیر، عین مسمی جیسے اللہ کا اسم موجود، اور غیر مسمی جیسے خالق و رازق، اور لا عین ولا غیر جیسے علیم و خبیر۔

اور ایک جماعت کی رائے ہے الاسم عین المسمی حنابلہ میں سے ابو بکر عبد العزیز اور ابو القاسم طبری لالکائی اور شافعیہ میں سے ابو محمد بغوی اور ابو بکر بن فورک یہ سب کہتے ہیں الاسم ھو المسمی۔

سلف میں یہ اختلاف نہیں تھا، خلال نے ابراہیم حربی سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں اطلاقات کو بدعت قرار دیتے تھے، الاسم ھو المسمی کو بھی اور الاسم غیر المسمی کو بھی، اسیطرح امام ابن جریر طبری نے اس مسئلہ میں مستقل رسالہ لکھا اسکا نام صریح السنة رکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ اختلاف حماقات مبتدعہ میں سے ہے، بس انسان کیلئے یہ کافی ہے کہ اللہ کے قول ﴿ولله الأسماء الحسنى﴾ پر جاکر ٹھہر جائے، یعنی الاسم للمسمی، اسم مسمی کیلئے ہے، قرآن نے یہ نہیں کہا کہ الاسم ھو المسمی بلکہ بعض علماء جیسے امام رازی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کا کوئی ثمرہ ظاہر نہیں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے ایک بات کہیں حتی کہ بعض مرتبہ اکابر علماء کہ جن کا نام لینا بے ادبی ہے جن کی علوم ابن تیمیہ پر استیعابی نظر تسلیم کی جاتی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس اختلاف کا کوئی ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا تعجب خیز امر ہے۔

امام بخاری نے خلق افعال العباد میں اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے جس سے اس اختلاف کا منشا ظاہر ہوتا ہے اور اسکا فائدہ معلوم ہوتا ہے، اصل بات یہ تھی کہ معتزلہ کلام خداوندی کو مخلوق

مانتے تھے اسکے بعد وہ اسکے لئے طرح طرح سے استدلالات پیش کرتے تھے، انہی دلائل میں سے ایک دلیل وہ یہ پیش کرتے تھے کہ الاسم غیر المسمی اور اللہ کے اسماء اللہ کا کلام ہیں، اور جب اسم مسمی کا غیر ہے تو لا محالہ وہ مخلوق ہو گا، اور اسم ہے کلام لہذا کلام کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا۔

حضرات اہلسنت نے اس پر رد کیا، اب بعضوں نے تو کہہ دیا الاسم ھو المسمّی اور کہتے ہیں کہ اللہ فرماتے ہیں ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾، اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح پڑھ یعنی اللہ کی تسبیح پڑھ، اور بعض حضرات نے اس پر بڑی ناراضگی کا اظہار کیا چنانچہ امام شافعی اور اصمعی سے منقول ہے کہ جب تم کسی آدمی کو الاسم غیر المسمّی کہتے ہوئے سنو فاشھد علیہ بالزندقۃ، زندیق ہونے کا فیصلہ کرو اسلئے کہ وہ اس ضمن میں کتاب اللہ کو مخلوق ثابت کرتا ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے انہی جہمیہ اور معتزلہ پر رد کیا ہے اور ثابت فرمایا ہے کہ اسماء الٰہیہ اللہ کی صفات ہیں، اللہ کی ذات کی طرح وہ بھی قدیم ہیں مخلوق نہیں ہیں، اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اسماء الٰہیہ کے ذریعہ سوال کرنا اور استعاذہ کرنا وارد ہوا ہے، اور مخلوق سے استعاذہ کرنا اور سوال کرنا جائز نہیں ہے، لایستعاذ بمخلوق، نعیم بن حماد خزاعی نے بھی اسی طرح سے استدلال کیا ہے کہ اسماء الٰہیہ مخلوق نہیں ہیں اسلئے کہ کلام اللہ کے اندر استعاذہ کیا گیا ہے اور لا یستعاذ بمخلوق۔

امام احمد بن حنبل اور نعیم بن حماد خزاعی نے اسماء الٰہیہ اور کلام الٰہی کے غیر مخلوق ہونے پر دلیل پیش فرمائی ہے کہ کلام اللہ اور اسماء الٰہیہ سے استعاذہ کیا گیا ہے و لا یستعاذ بمخلوق، معلوم ہو گیا کہ اسماء الٰہیہ اور کلام خداوندی مخلوق نہیں ہے، لہذا معتزلہ اور جہمیہ کا اسکو مخلوق کہنا غلط ہے، بہر حال اس ترجمۃ الباب سے جہمیہ اور معتزلہ پر رد بھی ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ الاسم عین المسمّی اور غیر المسمّی کا جھگڑا اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے، معتزلہ بڑے چالاک تھے طرح طرح کی باتیں کہا کرتے تھے مگر اس وقت کے ائمۂ سنت اس سے خوب واقف تھے اور خوب تردید کرتے تھے۔

جب لامع الدراری (تقریر بخاری حضرت گنگوہیؒ) لکھی جارہی تھی تو میں اسکے اجزاء دیکھا کرتا تھا، اس وقت یہ غرض میں نے ایجاد کرکے حضرت کو پیش کی تھی کہ حضرت مجھے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام بخاری

نے اس ترجمۃ الباب سے یہ بات بیان کی ہے تو حضرت نے اسکو بھی اپنے حواشی میں لکھوا دیا۔

۷۳۹۳- حدثنا عبد العزيز بن عبد الله، حدثني مالك، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إذا جاء أحدكم فراشه فلينفضه بصنفة ثوبه ثلاث مرات، وليقل: باسمك رب وضعت جنبي، وبك أرفعه، إن أمسكت نفسي فاغفر لها، وإن أرسلتها فاحفظها بما تحفظ به عبادك الصالحين، تابعه يحيى، وبشر بن المفضل، عن عبيد الله، عن سعيد، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وزاد زهير، وأبو ضمرة، وإسماعيل بن زكرياء، عن عبيد الله، عن سعيد عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، ورواه ابن عجلان، عن سعيد، عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم.

بصنفة ثوبه: کپڑے کا کنارہ۔

۷۳۹٤- حدثنا مسلم، حدثنا شعبة، عن عبد الملك، عن ربعي، عن حذيفة، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أوى إلى فراشه قال: اللهم باسمك أحيا وأموت، وإذا أصبح قال: الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا، وإليه النشور.

اللهم باسمك أموت وأحيىٰ: اے اللہ تیرے ہی نام سے مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ رہتا ہوں، یہ سوال اسماء الٰہیہ کے ذریعہ کیا گیا ہے۔

۷۳۹٥- حدثنا سعد بن حفص، حدثنا شيبان، عن منصور، عن ربعي بن حراش، عن خرشة بن الحر، عن أبي ذر، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أخذ مضجعه من الليل، قال: باسمك نموت ونحيا، فإذا استيقظ قال: الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا، وإليه النشور

۷۳۹٦- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا جرير، عن منصور، عن سالم، عن كريب، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو أن أحدكم إذا أراد أن يأتي أهله، فقال: باسم الله، اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا، فإنه إن يقدر بينهما ولد في ذلك لم يضره شيطان أبدا.

۷۳۹۷- حدثنا عبد الله بن مسلمة، حدثنا فضيل، عن منصور، عن إبراهيم، عن همام، عن عدي بن حاتم، قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم قلت: أرسل كلابي المعلمة؟ قال: إذا أرسلت كلابك المعلمة، وذكرت اسم الله، فأمسكن فكل، وإذا رميت بالمعراض فخزق فكل.

فخزق: یعنی شکار کو زخمی کر دے۔

۷۳۹۸- حدثنا يوسف بن موسى، حدثنا أبو خالد الأحمر، قال: سمعت هشام بن عروة، يحدث عن أبيه، عن عائشة، قالت: قالوا: يا رسول الله، إن ها هنا أقواما حديث عهدهم بشرك، يأتونا بلحمان لا ندري يذكرون اسم الله عليها أم لا، قال: اذكروا أنتم اسم الله، وكلوا تابعه محمد بن عبد الرحمن، والدراوردي، وأسامة بن حفص.

۷۳۹۹- حدثنا حفص بن عمر، حدثنا هشام، عن قتادة، عن أنس قال: ضحى النبي صلى الله عليه وسلم بكبشين يسمي ويكبر.

۷۴۰۰- حدثنا حفص بن عمر، حدثنا شعبة، عن الأسود بن قيس، عن جندب، أنه شهد النبي صلى الله عليه وسلم يوم النحر صلى، ثم خطب فقال: من ذبح قبل أن يصلي فليذبح مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح باسم الله.

۷۴۰۱- حدثنا أبو نعيم، حدثنا ورقاء، عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تحلفوا بآبائكم، ومن كان حالفا فليحلف بالله.

مصنف نے اس باب میں جتنی روایات ذکر کی ہیں اس میں استعاذہ باسماء اللہ تعالیٰ تو ہے نہیں، ہاں اللہ کا نام پڑھ کر لیٹنا اور جاگنا بیوی کے پاس جانا وغیرہ منقول ہے، مصنف نے ان سب کو سوال باسماء اللہ کے معنی میں لے لیا، جب سوال باسماء اللہ جائز ہے تو استعاذہ بھی ایک نوع کا سوال ہے وہ بھی جائز ہوگا۔

(ص ۱۱۰۰) باب ما يذكر في الذات والنعوت وأسامي الله تعالیٰ

وقال خبيب: وذلك في ذات الإله فذكر الذات باسمه تعالى

یہ باب ذات اور نعوت اور اللہ کے اسامی کے بیان میں ہے۔

لفظ ذات کلام عرب میں ذو کا مؤنث ہے جو اسم جنس کی صفت بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اسم جنس کو مضاف الیہ بنادیتے ہیں اور ذو کو اس کا مضاف، اسی طرح ذات کو اس کا مضاف بنادیتے ہیں اور پھر اس کو کسی موصوف کی صفت بناتے ہیں جیسے کہتے ہیں اللہ ذو علم، اللہ ذو قدرۃ۔

اس میں اختلاف ہے کہ اللہ عزوجل پر ذات کا اطلاق کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

ایک بہت بڑی جماعت کی رائے ہے کہ اللہ پر لفظ ذات کا اطلاق متکلمین کی اغلاط میں سے ہے، کیونکہ

ذات مؤنث ہے اور حق تعالیٰ شانہ لحوق تانیث سے منزہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ اگرچہ سب سے اعلم ہے لیکن اس کو علامہ نہیں کہا جاتا ہے، ابن برہان، ابن الدہّان، علامہ تاج الدین کندی وغیرہ نے انکار کیا ہے، لیکن حضرات متکلمین نے جو اللہ تعالیٰ پر لفظ ذات کا اطلاق کیا ہے وہ اس معنی کے لحاظ سے نہیں جس کو اہل لغت استعمال کرتے ہیں، یعنی صاحبہ کے معنی میں انہوں نے استعمال نہیں کیا بلکہ ذات کو نفس کے معنی میں استعمال کیا ہے، مصنف کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے امام نے اس ترجمہ کے بعد نفس کا ترجمہ منعقد کیا ہے۔

آگے فرماتے ہیں "نعوت": نعوت جمع ہے نعت کی، نعت سے مراد صفات ہیں اور مقصود اس سے وہ اسماء مشتقہ نہیں ہیں جو صفات سے مشتق کئے جاتے ہیں بلکہ عینِ صفات مراد ہیں، مثال کے طور پر لفظ عزت، قدرت، کبریاء، عظمت، یہ اللہ کی نعوت ہیں، تو یہاں پر نعت سے مراد خاص یہ صفات ہیں اور جو الفاظ ان صفات سے مشتق ہوتے ہیں جیسے عزت سے عزیز، قدرت سے قادر و قدیر، اور عظمت سے عظیم یہ مراد نہیں ہیں۔

آگے فرماتے ہیں "أسامي الله": اس سے مراد وہ اسماء ہیں جو اللہ تعالیٰ شانہ پر نام کے طور پر بولے جاتے ہیں اور وہ کسی صفت سے مشتق ہوتے ہیں جیسے رحیم، قابض، علیم، حکیم، وغیرہ۔

تو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں، اول تو یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ پر ذات کا اطلاق کیا جا سکتا ہے، دوسرے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نعوت ثابت ہیں جیسے عزۃ، جلال، قدرۃ وغیرہ، تیسرے یہ بتلایا کہ اللہ پر اسماء کا اطلاق کیا جا سکتا ہے جیسے علیم، قدیر، حکیم وغیرہ۔

اور یہ جو فرق میں نے ذکر کیا گیا ہے امام بغوی کے ایک کلام سے مجھے سمجھ میں آیا، انہوں نے شرح السنۃ میں یہ لکھا ہے: اليمين لا تنعقد إلا بالله تعالىٰ أو باسم من أسمائه أو بصفة من صفاته، ولا تنعقد بشئ من المخلوقات اور پھر اس کے بعد ہر ایک کی مثال دی، فرماتے ہیں یمین باللہ یہ ہے کہ آدمی یوں کہے والذی نفسي بيده، والذي أعبده یہ گویا ذات اللہ کی قسم ہوئی، اور یمین باسمائہ کی مثال دی جیسے والله، والرحمن والخالق، اور یمین بصفاتہ کی مثال دی وعزة الله وجلال الله وكلام الله ونحو ذالک، اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے تو اس پر ذات کا اطلاق جائز ہے

بمعنی النفس، دوسرے اس کے نعوت ہیں جو اس کے لئے ثابت ہیں یعنی اس کی صفات، اور تیسرے وہ اسماء ہیں جو ان صفات سے ماخوذ و مشتق ہیں اس کا اس پر اطلاق کیا جائیگا۔

باری تعالیٰ کی صفات پر مصنف نے نعوت کا اطلاق کیا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ صفات اور نعوت میں اگرچہ بظاہر فرق معلوم نہیں ہوتا ہے لیکن نفس الامر میں فرق ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ صفت کا اطلاق تو ایسے امر پر ہوتا ہے جو خارج سے لاحق ہو جائے جیسے کوئی طب پڑھ لے تو طبیب بن جاتا ہے، اور نعت کا اطلاق ان صفات پر ہوتا ہے جو حلیہ کے طور پر ہوتے ہیں اور ذات کے ساتھ لگے ہوتے ہیں جیسے (طالب علم) عزیز کی ایک شکل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اس کی مونچھ اور داڑھی لمبی ہے، بعض وقت اس کا منہ نظر نہیں آتا، معلوم ہوتا ہے کہ مونچھ داڑھی ایک ہے، اور (طالب علم) مختار کا ایک خاص حلیہ ہے کہ جیسے یہ چلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہوا سے بات ہو رہی ہے اور جھنڈا چلا جا رہا ہے، ہر ایک کا ایک خاص حلیہ ہوتا ہے مطلب یہ کہ نعت کا اطلاق اس وصف پر ہوا ہے جو حلیہ ہو اور لازم ہو، اور صفت کا اطلاق ایسے اوصاف پر ہوتا ہے جو عارض اور خارج ہوں۔

اس لئے صفاتِ الٰہیہ کے لئے نعت کا لفظ استعمال کرنا بنسبت صفت کے زیادہ اولیٰ ہے، مگر حدیث پاک میں اللہ کے لئے صفت کا اطلاق کیا گیا ہے، میں بتا چکا ہوں لأنہا صفة الرحمن یہ لفظ ص ۱۰۹۷ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابی کے الفاظ سے گذرا فقال: لأنها صفة الرحمن وأنا أحب أن أقرأبها، لہٰذا صفاتِ خداوندی پر صفات کا اطلاق کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وقال خبيب: وذالك في ذات الإله فذكر الذات بأسمه امام بخاری کا مقصد اس سے یہ بتانا ہے کہ اللہ پر ذات کا اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن علامہ تقی الدین سبکی اور کرمانی وغیرہ نے ان پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہاں ذات الالٰہ سے مصنف کا مدعی ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ یہاں ذات نفس کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ ذات اللہ کے معنی یہاں ہیں فی رضاء اللہ، فی طاعۃ اللہ، فی سبیل اللہ، کرمانی نے اس کے بعد اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ بہر حال فی الجملہ اللہ کے ساتھ ذات کا استعمال ہوا ہے، بس مصنف کے ترجمہ کے اثبات کے لئے یہ کافی ہے۔

۷۴۰۲- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، أخبرني عمرو بن أبي سفيان بن أسيد بن جارية الثقفي، حليف لبني زهرة وكان من أصحاب أبي هريرة أن أبا هريرة قال: «بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرة»، منهم خبيب الأنصاري، فأخبرني عبيد الله بن عياض، أن ابنة الحارث، أخبرته، أنهم حين إجتمعوا استعار منها موسى يستحد بها، فلما خرجوا من الحرم ليقتلوه، قال خبيب الأنصاري:

ولست أبالي حين أقتل مسلما... على أي شق كان لله مصرعي،
وذلك في ذات الإله وإن يشأ... يبارك على أوصال شلو ممزع،

فقتله ابن الحارث، فأخبر النبي صلى الله عليه وسلم أصحابه خبرهم يوم أصيبوا.

حدثنا أبو اليمان: بھائی کتاب التوحید عجیب وغریب ہے، امام بخاری نے انداز یہ ہے کہ اپنی پوری قوت علمیہ کو اس میں نچوڑ دیا ہے اس لئے ہم جیسے کم علم لوگوں کی امام بخاری کے علم کے تمام مدارک تک رسائی ہو جائے یہ تو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن میں اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کرونگا کہ امام بخاری کے تراجم کی صحیح غرض سامنے آجائے، اور اس میں میری کوشش کیا ہے؟ حضرات شراح کرام کا احسان ہے ان کی باتیں دیکھتے ہیں، حضرات محدثین کا احسان ہے ان کے علوم پر نظر رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے کوئی کوئی بات بیان کرتے ہیں اور بہت سی جگہ شراح کرام سے الگ ہو کر بھی تقریر کرتے ہیں اور اس کا منشا یہ نہیں کہ ہم حضرات شراح کرام کے دستر خوان کے ریزہ چین نہیں اور ان سے بڑھ گئے ہیں، بلکہ ہر ایک انسان کو کچھ نہ کچھ ذہنی وفکری خاص رخ عطا کیا جاتا ہے، اسی کے اعتبار سے وہ کہتا اور کرتا ہے، اسی لئے بہت سی جگہ ترجموں کے ذیل میں میں کہیں کچھ تقریر کرتا ہوں کہیں کچھ، اگر شروح میں نہ ملے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ جو یونس نے کہا وہ غلط ہی ہو یا جو یونس نے کہا وہ بالکل صحیح ہی ہو، باقی کوشش یہی کی جاتی ہے کہ صحیح صحیح بات کہی جائے، اور بھئی اپنے نفس پر کوئی اعتبار اور اعتماد نہیں ہے۔

(ص ۱۱۰۱) باب قول الله ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾

وقوله جل ذكره ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلاَ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾

حق تعالیٰ شانہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے، یہاں اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر نفس کا اطلاق کیا ہے اور یہ نفس ذات کے معنی میں استعمال کیا گیا، معلوم ہوا کہ اللہ پر نفس کا اطلاق کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، احادیث میں اللہ پر نفس کا اطلاق وارد ہوا ہے۔

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے جہمیہ پر رد کیا ہے وہ لوگ اللہ کے لئے نفس کے اثبات کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نفس کی اضافت اللہ کی طرف اضافتِ تشریف و تکریم ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں، وہ کہتے ہیں کہ نفس اللہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔

بعض جہمیہ نے اس کے اثبات کے لئے ایک دلیل بھی پیش کی جس کو حاکم نے اپنی تاریخ میں بطریق حماد بن سلمہ عن ابی المھزم عن ابی ھریرۃ نقل کیا ہے: قیل یا رسول اللہ مم ربنا؟ قال: من ماء مرور لا من أرض ولا من سماء خلق خیلا فأجراها فعرقت فخلق من ذالک العرق نفسه، یعنی پوچھا گیا ہمارا رب کس چیز کا ہے تو جواب دیا گیا من ماء مرور، اللہ جانے من ماء مرور کیا چیز ہے؟ نہ آسمان سے ہے نہ زمین سے، اللہ نے گھوڑا پیدا کیا اور اس کو چلایا جب اسے پسینہ آگیا تو اس پسینہ سے اللہ نے اپنا نفس پیدا کر دیا۔

نعوذ باللہ من ذالک، یہ حدیث باطل ہے، علامہ جوزقانی نے اسکو کتاب الاباطیل میں اور ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں ذکر کیا ہے، حافظ ابن عدی، حافظ شمس الدین ذہبی، سیوطی، ابن عراق سب قاطبۃ اس کے موضوع ہونے پر متفق ہیں، اور سب کا خیال یہ ہے کہ یہ محمد بن شجاع ثلجی فقیہ حنفی کے مخترعات میں سے ہے، وہ شخص جہمی المسلک تھا اور اسی نے یہ حدیث ایجاد کی ہے، مگر محمد بن شجاع ثلجی کے بارے میں اسطرح کا توہم کچھ سمجھ میں آتا نہیں ہے، اور اگر یہ غلطی ہوئی ہو تو ہمیں معلوم نہیں۔

بہر حال حافظ ذہبی فرماتے ہیں یہ حدیث من ابین الکذب ہے اور جہمیہ کے موضوعات میں سے ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ ثابت کر دیں کہ اللہ کا نفس اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ کی طرف اضافت من قبیل اضافۃ التشریف والتکریم ہے، جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور یہ کہتے ہیں کہ جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں اضافت اضافۃ الملک ہے ایسے ہی نفس کی اضافت اللہ کی طرف من قبیل اضافۃ الملک ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت غلط ہے، کذب ہے، اور جھمیہ کا استدلال باطل ہے، اللہ کے نفس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ پر نفس کا اطلاق کرنا جائز ہے یا نہیں، شیخ عبد القادر جیلانی غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کو نفس اور ذات اور عین کے ساتھ موصوف کرنا جائز ہے من غیر تشبیہ بجارحۃ، عضو کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جائیگی۔

غنیۃ الطالبین شیخ موصوف کی تالیف ہے، بعض متاخرین نے ان کی تالیف ہونے کا انکار فرمایا ہے لیکن یہ انکار بے حقیقت اور غلط ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم، حافظ ابن کثیر اور حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے غنیۃ الطالبین کو شیخ موصوف کی تالیف میں شمار فرمایا ہے جیسا کہ میں کتاب الایمان میں اس پر تنبیہ کر آیا ہوں، یہاں دوبارہ تکرار اس لئے کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غنیہ غیر معتبر کتاب ہے، ہاں اس میں بعض جگہ احناف پر رد بھی موجود ہے لیکن اس سے مراد احناف کا مخصوص طبقہ ہے سارے احناف مراد نہیں، اور بالفرض سارے ہی احناف مراد ہوں تو ہم شیخ موصوف کو ولی کامل اور قطب عالم مانتے ہیں لیکن معصوم نہیں مانتے، عصمت تو خصیصۂ انبیاء علیہم السلام ہے۔

۷۴۰۳- حدثنا عمر بن حفص بن غياث، حدثنا أبي، حدثنا الأعمش، عن شقيق، عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ما من أحد أغير من الله، من أجل ذلك حرم الفواحش، وما أحد أحب إليه المدح من الله.

ما من أحد أغير من الله: حق تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی باغیرت نہیں اور اسی لئے اللہ نے فواحش کو حرام قرار دیا ہے کیوں؟ اس لئے کہ فواحش کے ارتکاب پر اسے غیرت آتی ہے یعنی وہ ناراض ہوتا ہے۔

وما أحد أحب إليه المدح من الله: اور اللہ سے بڑھ کر کسی کو مدح پسند نہیں ہے۔

اس حدیث پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں، بعضوں نے کہا کہ احب کا لفظ اس میں بولا گیا ہے اور وہ نفس کی جگہ ہے اور دونوں متلازم ہیں اور جب احب سے اطلاق باری تعالیٰ پر ہو سکتا ہے تو نفس کا اطلاق کرنے میں کیا مضائقہ ہے لیکن یہ بہت دور از کار توجیہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

اصل میں امام بخاری نے اپنی عادت پر عمل کیا ہے، یہ حدیث سورۂ انعام کی تفسیر میں گذر چکی ہے اس میں ہے ولا شيء أحب إليه المدح من الله فلذلك مدح نفسه اس لفظ کی طرف اشارہ کر کے اپنا مدعی ثابت کیا۔

۷۴۰٤- حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لما خلق الله الخلق كتب في كتابه وهو يكتب على نفسه وهو وضع عنده على العرش إن رحمتي تغلب غضبي.

لما خلق الله الخلق: اللہ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا۔

وهو يكتب على نفسه: اللہ نے اپنے نفس پر لکھ رکھا ہے یعنی اللہ نے لازم کر لیا ہے کہ فلاں فلاں چیز واقع ہونے والی ہے۔

وهو وَضعَ عنده على العرش: اور وہ اس کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے، یہ عنده ظرف مکانیہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے بلکہ عندیت علمیہ مراد ہے، علامہ ابن التین فرماتے ہیں عند یہاں علم کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو جانتے ہیں، باقی اللہ نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے اس کا مقصود یہ نہیں کہ کہیں اللہ کو نسیان طاری ہو جائے، حق تعالیٰ کو نسیان طاری نہیں ہوتا بلکہ اس نے ملائکہ کے لئے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے تاکہ ملائکہ کو جب امر فرمایا جائے تو فرما دیا جائے کہ فلاں کے متعلق لوح محفوظ میں جو لکھا ہوا ہے اس کے مطابق عمل کرو۔

إن رحمتي تغلب غضبي: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور بعض الفاظ میں "إن رحمتي سبقت غضبي" اس سبقت اور غلبہ سے مراد تعلق کے اعتبار سے سبقت اور غلبہ ہے، اس لئے کہ پہلے رحمت کی صفت ہی میں جوش آیا جب اللہ نے عالم ممکنات کو عدم سے نکال کر وجود کا جامہ پہنایا، ورنہ اگر صفتِ رحمت کا ظہور نہ ہوتا تو آج عالم موجود نہ ہوتا، اور اب بھی صفتِ رحمت ہی کا ظہور ہے، لاکھوں اور کروڑوں آدمی خدا کے منکر ہیں، اللہ کے ساتھ غیر کو شریک کرتے ہیں پھر بھی اللہ جل شانہ وہ ہیں جو روزی دے رہا ہے، حیات دے رہا ہے، راحت کے اسباب فراہم کر رہا ہے، اگر رحمت کا تعلق سابق نہیں اور اس میں وسعت نہیں ہے تو پھر کفار کو راحت کیوں پہونچ رہی ہے، اور آخرت میں بھی رحمت کا خوب خوب ظہور ہوگا، گنہگاروں کی

مغفرت ہوگی یہ رحمت نہیں تو اور کیا ہے، اور پھر جہنمیوں کو جو لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچایا جائیگا جو دار الخلد ہے اور ہمیشہ کے لئے راحت دیدی جائیگی اور ایک ایک آدمی کو دنیا کا دس دس گنا بلکہ ادنی جنتی کو دنیا کا دس گنا دیا جائیگا یہ وسعت رحمت نہیں تو کیا چیز ہے۔

٧٤٠٥- حدثنا عمر بن حفص، حدثنا أبي، حدثنا الأعمش، سمعت أبا صالح، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: يقول الله تعالى: أنا عند ظن عبدي بي، وأنا معه إذا ذكرني، فإن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي، وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم، وإن تقرب إلي بشبر تقربت إليه ذراعا، وإن تقرب إلي ذراعا تقربت إليه باعا، وإن أتاني يمشي أتيته هرولة.

وأنا معه إذا ذكرني: میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اس معیت سے مراد معیتِ مکانیہ نہیں بلکہ معیتِ علمیہ ہے، یعنی میں اس کے ذکر کے وقت اس سے پوری طرح واقف ہوتا ہوں، یا معیت بالانعام والرحمۃ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ذکر کے وقت اپنے الطاف وانعامات کو اس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں اپنی عنایات اس کی طرف بھیج دیتے ہیں۔

فإن ذكرني في نفسه: پس اگر وہ اپنے جی میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کا اپنے جی میں ذکر کرتا ہوں یعنی بندے کو اللہ تعالیٰ یاد کرتے ہیں بغیر اس کے کہ مخلوق کو اس کے ذکر کرنے کا پتہ چلے، اور اگر جماعت میں ذکر کرتا ہے تو اللہ اس سے بہتر جماعت میں ذکر کرتے ہیں، اس سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ ملائکہ انسانوں سے افضل ہیں، اس لئے کہ جس ملأ خیر کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا اس سے مراد ملائکہ ہیں، علامہ ابن بطال نے اسی کو جمہور علماء کا قول قرار دیا ہے لیکن مشہور عند الجمہور یہ ہے کہ صالحین بنی آدم ملائکہ سے افضل ہیں، شرح عقائد میں لکھا ہے کہ رسل البشر رسل الملائکہ سے افضل ہیں، اور رسل الملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں، اور عامۃ البشر عامۃ الملائکہ سے افضل ہیں، اور عامۃ البشر سے مراد مومنین اتقیاء ہیں نہ کہ عام انسان، کفار کا یہاں سوال نہیں بلکہ بقول بعض اکابر احناف کے جو آدمی معصیت کرتا ہو وہ اور بہیمہ برابر ہے بلکہ بہیمہ سے بھی زیادہ بدتر ہے۔

وإن أتاني يمشي: جو میری طرف چل کر آئیگا تو میں اس کی طرف دوڑ کر آؤنگا، وہاں دوڑنا دوڑنا

نہیں ہے بلکہ یہ کلام استعارہ کے طور پر ہے اور مقصد یہ ہے کہ بندہ جتنی کوشش کریگا میری عنایات اس سے زیادہ اسکی طرف متوجہ ہوں گی، دیکھتے نہیں آدمی ہزار گناہ کرے اور ایک مرتبہ سر جھکا کر اور اللہ کے سامنے ندامت سے اپنی گردن نیچی کرلے تو اللہ تعالیٰ شانہ لاکھوں گناہوں پر ایک قلم پھیر دیتے ہیں سبکو معاف کردیتے ہیں اور یہ نہیں کہ بعد میں اس کا انتقام لیں، جس کا کھاتا ختم کردیا گیا لوٹ کر پھر اس کا مطالبہ نہیں ہوگا، انسانوں والا معاملہ نہیں وہاں ایک مرتبہ معاف کردینے کے بعد پھر عود نہیں ہے۔

(ص۱۱۰۱) باب قوله تعالىٰ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾

اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

مصنف نے یہاں اللہ کے لئے صفت وجہ کو ثابت فرمایا ہے، وجہ بول کر ذات مراد لی جاتی ہے، اہل عرب کی عادت ہے کہ بعض وقت معروف عضو کو ذکر کرکے سارے کو مراد لیا کرتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ سب چیزیں ہلاک ہوجائیں گی، اور ہوسکتا ہے کہ مصنف نے اللہ کے لئے صفت وجہ کو ثابت کیا ہو تو اس صورت میں یہ صفاتِ ذات میں سے ہوگی اور اس کو صفاتِ سمعیہ میں شمار کیا جائیگا۔

میرے نزدیک یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ وجہ کی تاویل اگرچہ ذات کے ساتھ ہوسکتی ہے، لیکن بہتر ہے کہ وجہ کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور اس کو صفات ذات میں شمار کیا جائے۔

٧٤٠٦- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا حماد بن زيد، عن عمرو، عن جابر بن عبد الله، قال: لما نزلت هذه الآية: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾، قال النبي صلى الله عليه وسلم: أعوذ بوجهك، فقال: ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أعوذ بوجهك، قال: ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هذا أيسر.

(ص۱۱۰۱) باب قوله تعالىٰ ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾ تُغَذّٰى

وقوله جل ذكره: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾

تغذی: یہ ولتصنع کی تفسیر ہے، میری نگرانی میں اور میرے سامنے تمہاری پرورش کی جائے۔

علی عینی: اس میں اللہ پر عین کا اطلاق کیا گیا ہے، عین اللہ کی صفاتِ ذاتیہ سمعیہ میں سے ہے، صفاتِ عقلیہ میں سے نہیں ہے مگر یہ تمہیں معلوم ہو چکا کہ غزالی وغیرہ فرماتے ہیں بصیر بلا حدقۃ بصیر ہے مگر وہاں حدقہ نہیں، آنکھ کی گولائی نہیں، اس لئے کہ یہ تو اجسام کے خواص میں سے ہے، اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی نہیں چاہئے، بس اللہ نے جو صفات اپنے لئے ثابت فرمائی ہے ان کا اقرار کرنا چاہئے۔

زبان تازہ کردن با قرار تو — نینگیختن علت از کار تو

۷۴۰۷- حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا جويرية، عن نافع، عن عبد الله، قال: ذكر الدجال عند النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن الله لا يخفى عليكم، إن الله ليس بأعور - وأشار بيده إلى عينه - وإن المسيح الدجال أعور العين اليمنى، كأن عينه عنبة طافية.

إن الله ليس بأعور، وأشار بيده إلى عينه: آپ نے اپنی آنکھ کی طرف اشارہ کیا، اشارہ کا مقصود یہ تھا کہ حق تعالیٰ شانہ بصیر ہے، صفتِ بصر کے ساتھ متصف ہے، اس سے اثبات حدقہ مقصود نہیں ہے، اور اصل میں یہ بتلانا ہے کہ وہ دجال کانا ہوگا۔

۷۴۰۸- حدثنا حفص بن عمر، حدثنا شعبة، أخبرنا قتادة، قال: سمعت أنسا رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ما بعث الله من نبي إلا أنذر قومه الأعور الكذاب، إنه أعور وإن ربكم ليس بأعور، مكتوب بين عينيه كافر.

(ص ۱۱۰۱) باب قول الله ﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾

اللہ تعالیٰ خالق ہے، پیدا کرنے والا ہے، باری ہے، ایجاد کرنے والا ہے، مصوّر ہے، تصویر بنانے والا ہے۔

الخالق: خلق سے ماخوذ ہے، خلق کے معنی تقدیر مستقیم کے ہیں، اور خلق کا اطلاق ابداع پر ہوتا ہے، یعنی إيجاد الشيئ على مثال سابق۔

البارئ: اللہ تعالیٰ شانہ باری ہے، باری کا اطلاق اللہ پر انشاء کے لحاظ سے کیا گیا ہے کیوں کہ حق تعالیٰ منشیٔ الخلائق ہے، اس کو پیدا کرنے والا ہے، اور بعض کہتے ہیں باری یعنی بریٔ من التفاوت و التنافر، مطلب یہ کہ اس کے نظام میں کوئی تفاوت و تنافر نہیں ہے، سب چیزیں ترتیب اور خاص نظام کے تحت چل رہی ہیں۔

المصوِّر: یعنی صورت عطا کرنے والا ہے۔

۷۴۰۹- حدثني إسحاق، حدثنا عفان، حدثنا وهيب، حدثنا موسى هو ابن عقبة، حدثني محمد بن يحيى بن حبان، عن ابن محيريز، عن أبي سعيد الخدري، في غزوة بني المصطلق أنهم أصابوا سبايا، فأرادوا أن يستمتعوا بهن، ولا يحملن، فسألوا النبي صلى الله عليه وسلم عن العزل، فقال: ما عليكم أن لا تفعلوا، فإن الله قد كتب من هو خالق إلى يوم القيامة، وقال مجاهد، عن قزعة، سمعت أبا سعيد فقال قال النبي صلى الله عليه وسلم: ليست نفس مخلوقة إلا الله خالقها.

حدثني إسحق: یہ اسحاق کون ہے؟ حافظ ابو علی غسانی جیانی فرماتے ہیں یہ یا تو اسحاق بن منصور کوسج ہیں یا اسحاق بن راہویہ ہیں، بعض محققین کی رائے ہے کہ یہ اسحاق بن منصور ہیں اس لئے کہ اسحاق بن راہویہ کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ اخبرنا کہتے ہیں اور یہاں حدیث میں حدثنا ہے۔

(ص ۱۱۰۱) باب قول الله ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾

امام بخاری نے اس باب سے اللہ کے لئے صفت ید کو ثابت کیا ہے، ید کا اطلاق ہاتھ کے لئے اور قدرت کے لئے اور نعمت کے لئے ہوتا ہے، اور ید کا اطلاق بہت سے معانی کے لئے ہوتا ہے، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے اس کے پچیس معانی ذکر کئے ہیں مگر حق تعالیٰ کی جناب میں ایسے معانی مراد نہیں ہوسکتے ہیں جس سے جارحہ اور عضو اور جزئیت وغیرہ مستفاد ہوتی ہو، عام طور سے علماء یوں فرماتے ہیں کہ جب لفظ ید اللہ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس سے صفت قدرت مراد ہوتی ہے اور مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ قدرت والا ہے، اس نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔

مگر علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہاں یہ معنی مراد لینے صحیح نہیں ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے

جب فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سارے فرشتے سجدے میں چلے گئے، ابلیس لعین نے انکار کر دیا اور کہہ دیا تھا ﴿خلقتنی من نار وخلقته من طین﴾ اللہ تعالیٰ شانہ نے اس پر نکیر کی اور فرمایا ﴿لما خلقت بیدیّ﴾، جسکو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، اب اگر ید سے مراد قدرت تھی تو ابلیس کہہ سکتا تھا کہ اس کو مجھ پر کیا فوقیت حاصل ہے، آپ نے مجھ کو بھی تو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، لہذا یہاں ید بمعنی القدرۃ نہیں، اسی طرح نعمت کے معنی میں بھی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں لازم آئیگا کہ مخلوق کے ذریعہ آدم کو پیدا کیا گیا بلکہ ید اللہ تعالیٰ شانہ کی صفاتِ ذات میں سے ہے اور یہ صفاتِ سمعیہ میں سے ہے جو دلائلِ سمع سے ثابت ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ کلام تمثیلی ہے اور مقصود اس سے اعتناء بالشان ہے، قاعدہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے اعتناء ہوتا ہے اس میں اپنے دونوں ہاتھوں کو استعمال کرتا ہے، تو مقصد یہ کہ میں نے آدم کو بڑے اعتناء واہتمام کے ساتھ پیدا کیا ہے جو اعتناء واہتمام تیرے اندر موجود نہیں ہے پھر تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

اور بھئی میں اس سلسلہ میں سلف صالحین کا ہم خیال ہوں، میرا خیال صفات کے بارے میں یہی ہے کہ جو صفات قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں اور جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں وہاں ہمیں اعتراف کرنا چاہئے، آگے اس کی تاویل وتوجیہ کچھ بھی نہ کرنی چاہئے، نہ تشبیہ سے کام لیا جائے نہ تعطیل سے، تشبیہ مجسمہ کا قاعدہ ہے اور تعطیل نفاۃ معطلہ کا قاعدہ ہے، دونوں کے قاعدے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۷٤١۰- حدثني معاذ بن فضالة، حدثنا هشام، عن قتادة، عن أنس: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يجمع الله المؤمنين يوم القيامة كذلك، فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا حتى يريحنا من مكاننا هذا، فيأتون آدم، فيقولون: يا آدم، أما ترى الناس خلقك الله بيده، وأسجد لك ملائكته، وعلمك أسماء كل شيء، اشفع لنا إلى ربنا حتى يريحنا من مكاننا هذا، فيقول: لست هناك، ويذكر لهم خطيئته التي أصابها، ولكن ائتوا نوحا، فإنه أول رسول بعثه الله إلى أهل الأرض، فيأتون نوحا، فيقول: لست هناكم، ويذكر خطيئته التي أصاب، ولكن ائتوا إبراهيم خليل الرحمن، فيأتون إبراهيم فيقول: لست هناكم، ويذكر لهم خطاياه التي أصابها، ولكن ائتوا موسى، عبدا آتاه الله التوراة، وكلمه تكليما،

فيأتون موسى فيقول: لست هناكم، ويذكر لهم خطيئته التي أصاب، ولكن ائتوا عيسى عبد الله ورسوله، وكلمته وروحه، فيأتون عيسى، فيقول: لست هناكم، ولكن ائتوا محمدا صلى الله عليه وسلم، عبدا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، فيأتوني، فأنطلق، فأستأذن على ربي، فيؤذن لي عليه، فإذا رأيت ربي وقعت له ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقال لي: ارفع محمد وقل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع، فأحمد ربي بمحامد علمنيها، ثم أشفع فيحد لي حدا، فأدخلهم الجنة، ثم أرجع، فإذا رأيت ربي وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقال: ارفع محمد وقل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع، فأحمد ربي بمحامد علمنيها ربي، ثم أشفع فيحد لي حدا، فأدخلهم الجنة، ثم أرجع، فإذا رأيت ربي وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقال: ارفع محمد، قل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع، فأحمد ربي بمحامد علمنيها، ثم أشفع، فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة، ثم أرجع فأقول: يا رب ما بقي في النار إلا من حبسه القرآن، ووجب عليه الخلود، قال النبي صلى الله عليه وسلم: يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن شعيرة، ثم يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن برة، ثم يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وكان في قلبه ما يزن من الخير ذرة.

فإنه أول رسول بعثه الله تعالى إلى أهل الأرض

آپ سب سے پہلے رسول ہیں جو اہل ارض کی طرف مبعوث ہیں، یعنی حضرت نوح کفار کی طرف بھیجے گئے اول رسول ہیں، ان سے پہلے انبیاء کفار کی طرف مبعوث نہیں تھے اور حضرت آدم ان کی اولاد کی طرف مبعوث تھے، یہ ہے اس حدیث کا مطلب، اب یہ اشکال نہیں ہوتا کہ حضرت ابو ذر کی روایت میں تو حضرت آدم کو بھی نبی مرسل بتایا گیا اور یہ تو اس صورت میں ہے جب ہم حضرت ابو ذر کی روایت کو تسلیم کرلیں ورنہ امام ابن جوزی تو اسے موضوعات میں لکھ کر اس پر قلم پھیر کر چلے گئے، مگر ابن حبان بستی نے کتاب الانواع والتقاسیم میں جس کو صحیح ابن حبان کہا جاتا ہے ذکر فرمایا ہے اور میں یہ بات بار بار ذکر کرتا آیا ہوں۔

ما بقی فی النار إلا من حبسه القرآن: یعنی وہی لوگ رہ گئے جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ یہ بات حضور ﷺ اپنے علم کے اعتبار سے فرمائینگے۔

وكان في قلبه من الخير مايزن ذرة: یعنی ایمان کے ساتھ کچھ اعمال بھی ہوں چاہے وہ اعمال جوارح ہوں یا اعمال قلوب ہوں، یا اعمال قلوب کے آثار ہوں، یا ایمان کی وجہ سے یا کلمہ کہنے کی وجہ سے قلب میں جو تاثیر اور رنگینی پیدا ہو جاتی ہے انصباغ ہوتا ہے وہ ہو، پھر اللہ فرمائینگے: **شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون وبقيت شفاعتي**، اس کے بعد اللہ کیا کرینگے، لپیں بھر بھر کر جہنم سے نکالینگے، اللہ میاں کی لپیں کیسی ہوں گی، لاکھوں کروڑوں ایک ہی لپ میں آجائینگے، نہ معلوم کتنوں کو نکال کر دریائے رحمت میں ڈالدینگے، یہی ہے **سبقت رحمتي غضبي**

۷۴۱۱- **حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يد الله ملأى لا يغيضها نفقة، سحاء الليل والنهار، وقال: أرأيتم ما أنفق منذ خلق السموات والأرض، فإنه لم يغض ما في يده، وقال: عرشه على الماء، وبيده الأخرى الميزان، يخفض ويرفع.**

يد الله ملأى: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی خیال کرلے کہ خرچ کرنے سے کمی ہو جائے گی تو فوراً کہا گیا، **لا تغيضها نفقة** خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوگی، ممکن ہے کسی کو تخیل ہو کہ تھوڑا خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوگی، زیادہ خرچ کرنے سے تو کمی ہو ہی جائے گی، اس توہم کا بھی ازالہ کیا گیا۔

سحّاء الليل والنهار: رات ودن خزانہ خداوندی بہتا رہتا ہے اور پھر آگے فرمایا گیا کہ بتاؤ تم جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس سے اس کے خزانہ میں ذرا بھی کمی پیدا نہیں ہوئی۔

وعرشه على الماء: اس پانی سے مراد وہ سمندر اور بحر ہے جو اللہ نے عرش کے نیچے پیدا فرمایا ہے، جس کی مسافت پانچ سو برس ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے یہی بحر الارض مراد ہے، اور اس کے اوپر عرش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حملۃ الملائکۃ کے اقدام اس پر ہیں، **هكذا قيل** ظاہر پہلا قول ہی ہے۔

وبيده الميزان: اس کے ہاتھ میں میزان ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ کسی کی روزی بڑھا دیتے ہیں کسی کی گھٹا دیتے ہیں، کسی کو ترقی دے دیتے ہیں، کسی کو پستی دے دیتے ہیں، کسی کو عزت دے دیتے ہیں کسی کو ذلت دے دیتے ہیں، سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۷۴۱۲- حدثنا مقدم بن محمد بن يحيى، قال: حدثني عمي القاسم بن يحيى، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه قال: إن الله يقبض يوم القيامة الأرض، وتكون السموات بيمينه، ثم يقول: أنا الملك. رواه سعيد، عن مالك، وقال عمر بن حمزة: سمعت سالما، سمعت ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم بهذا.

۷۴۱۳- وقال أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، أخبرني أبو سلمة، أن أبا هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقبض الله الأرض.

یہ حدیث امام بخاری نے بصورت تعلیق ذکر کی ہے، لیکن یہ تعلیق نہیں ہے، ابوالیمان تو بخاری کے استاذ ہیں اور صفحہ ۱۰۹۸ پر یہ روایت موصولاً گذر چکی ہے، البتہ اس سے پہلے جو روایت ذکر کی ہے رواہ سعید عن مالک والی وہ تعلیق ہے، اسے امام دار قطنی نے غرائب مالک میں اور ابوالقاسم طبری لالکائی نے کتاب السنۃ میں موصولاً روایت کیا ہے۔

۷۴۱۴- حدثنا مسدد، سمع يحيى بن سعيد، عن سفيان، حدثني منصور، وسليمان، عن إبراهيم، عن عبيدة، عن عبد الله: أن يهوديا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا محمد، إن الله يمسك السموات على إصبع، والأرضين على إصبع، والجبال على إصبع، والشجر على إصبع، والخلائق على إصبع، ثم يقول: أنا الملك، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه، ثم قرأ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ قال يحيى بن سعيد: وزاد فيه فضيل بن عياض، عن منصور، عن إبراهيم، عن عبيدة، عن عبد الله فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم تعجبا وتصديقا له.

۷۴۱۵- حدثنا عمر بن حفص بن غياث، حدثنا أبي، حدثنا الأعمش، سمعت إبراهيم، قال: سمعت علقمة يقول: قال عبد الله: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم من أهل الكتاب فقال: يا أبا القاسم، إن الله يمسك السموات على إصبع، والأرضين على إصبع، والشجر والثرى على إصبع، والخلائق على إصبع، ثم يقول: أنا الملك أنا الملك، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم ضحك حتى بدت نواجذه، ثم قرأ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾.

حدثنا مسدد: یہودی نے جب حضور اکرم ﷺ کے سامنے یہ آکر بیان کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر زمینوں کو دوسری پر اور جبال کو تیسری پر اور شجر کو چوتھی پر اور خلائق کو پانچویں پر

لپیٹ لینگے تو حضور اکرم ﷺ ہنسے اور اس کی تصدیق فرمائی۔

امام خطابی قاضی عیاض قرطبی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ہنسنا ازراہ تصدیق نہیں تھا اسلئے کہ یہود مشبہہ اور مجسمہ ہیں اللہ کے لئے جسم اور اعضاء کو ثابت کرتے ہیں، اس نے جو کچھ کہا تھا وہ تشنیم کے باب سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کی جہالت پر اظہار تعجب کے طور پر ضحک فرمایا تھا، تصدیق مقصود نہیں تھی اور اسی لئے آپ نے فرمایا: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾، یہ لوگ اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیے تعظیم نہیں کرتے ہیں بلکہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

مگر امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں ان لوگوں پر بڑی شدت کے ساتھ نکیر کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہودی کی جہالت پر اظہار تعجب کیا اور اس کے قول پر نکیر فرمائی، امام نووی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی تھی اور میری بھی اپنی رائے یہی ہے اور اس لئے میں نے حدیث پڑھتے ہوئے پوری آیت پڑھ دی تھی، اگر پوری آیت کو کوئی پڑھے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے تصدیق کی، اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ لوگ حق تعالیٰ کی صحیح توقیر و تعظیم نہیں کرتے، دیکھو ﴿والأرض جميعا قبضته﴾ ساری زمین اس کے قبضہ میں آجائیگی، ﴿والسمٰوات مطويات بيمينه﴾ سماوات سب کے سب اس کے یمین میں لپیٹ دیے جائینگے، ﴿سبحانه وتعالى عما يشركون﴾، اللہ تعالیٰ مشرکین کے شرک سے بلند، منزہ اور پاک ہے، مقصد یہ ہے کہ وہ ذات گرامی تو اتنی طاقتور اور اتنی بھاری ہے کہ اس کے قبضہ قدرت میں یہ آسمان و زمین ہیں، لہذا حضور ﷺ نے یہودی کی تکذیب نہیں کی بلکہ تصدیق فرمائی۔

خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں اصبع کا اطلاق کیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ کے لئے اصبع کا اطلاق کیسے کیا جاسکتا ہے جب تک کسی دلیل قطعی سے وارد نہ ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہی حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے اصبع کا اثبات نہیں کیا گیا ہے بلکہ متعدد احادیث میں خدائے پاک کے لئے اصبع کا اثبات ہے، ایک یہ حدیث ہے، دوسری حدیث مسلم میں ہے **إن قلوب بني آدم بين أصبعين من أصابع الرحمن يقلبها كيف**

یشاء، اسلئے جیسے اور باقی صفاتِ سمعیہ کے متعلق تسلیم و تفویض کو استعمال کیا جاتا ہے یہاں پر بھی تسلیم و تفویض استعمال کرنا چاہئے۔

(ص ۱۱۰۳) باب قول النبی ﷺ لا شخص أغیر من اللہ

وقال عبید اللہ بن عمرو، عن عبد الملك: لا شخص أغیر من اللہ

کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ باغیرت نہیں ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد کیا ہے؟ ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ غیرت کو ثابت کرنا ہے، غیرت انسان میں ایک انقلابی کیفیت کا نام ہے، جب کسی ایسی چیز میں کوئی آدمی ایسی مداخلت کرتا ہے جس میں اس کی مداخلت کو انسان پسند نہیں کرتا تو اس کے قلب میں ایک ہیجان وتغیر پیدا ہوتا ہے، اسی کا نام غیرت ہے، لیکن اس طرح کے انفعالات سے حق تعالیٰ پاک ہیں لہٰذا اگر اللہ کے لئے غیرت کا اثبات کیا جائے تو اس کی ذات گرامی کے اعتبار سے معنی مراد ہوں گے، اور مطلب یہ ہے کہ جیسے کسی غیرت والے انسان کو جس چیز پر غیرت آتی ہے اس کا بقاء پسند نہیں ہوتا ایسے ہی حق تعالیٰ کو جس چیز پر غیرت آتی ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کو بدل دیتے ہیں، تغیر فرمادیتے ہیں۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ امام بخاری کی غرض اس باب سے یہ ہے کہ لفظ شخص کا اطلاق اللہ پر جائز ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شخص کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ دلائل توقیفیہ میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے حتی کہ مجسمہ تک نے اس کا انکار کردیا ہے حالانکہ وہ کہتے ہیں لہ جسم لا کالانسان، لیکن ابن بطال کا یہ قول غلط ہے، انہوں نے مجسمہ سے جو قولِ نقل کیا ہے وہ غلط ہے، مجسمہ تو اس کا اثبات کرتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ اس ترجمہ سے امام بخاری نے شخص کا اثبات کیا ہے، ظاہر یہی ہے، شاہ ولی اللہ اپنے تراجم میں فرماتے ہیں کہ بخاری نے غالباً اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نفس اور شخص اور احد سب ہم معنی ہیں، جیسے نفس کا اطلاق ہو سکتا ہے، احد کا اطلاق ہو سکتا ہے ایسے ہی شخص کا اطلاق بھی

ہو سکتا ہے، پہلے میں آپ کے سامنے مسئلہ بیان کر دوں پھر اس کے بعد روایت، کے متعلق گفتگو کرونگا۔

مسئلہ: اللہ پر شخص کا اطلاق کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، شیخ عبد القادر جیلانی ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو شخص کے ساتھ موسوم کرنے میں اختلاف ہے، بعض حضرات جائز کہتے ہیں اور دلیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو مغیرہ کی حدیث میں وارد ہے: لا شخص أغیر من اللہ و لا شخص أحب إلیه المعاذیر من اللہ پیش کرتے ہیں، اور بعض حضرات منع کرتے ہیں اس لئے کہ لفظ شخص میں احتمال ہے ہو سکتا ہے کہ وہ لا أحد کے معنی میں ہو، چنانچہ بعض روایات میں لا أحد وارد ہوا ہے۔

اب جب یہ اختلاف معلوم ہو گیا تو سمجھ لو کہ عام طور سے متکلمین اللہ تعالیٰ پر شخص کے اطلاق کو پسند نہیں کرتے ہیں کیونکہ شخص شخوص سے ماخوذ ہے اور شخوص کے معنی ہیں ارتفاع اور بلندی کے، نکلے ہوئے ہونے کے اور یہ اجسام کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ خواص اجسام سے بالاوبرتر ہیں، لیکن بخاری کا طرز اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ پر شخص کا اطلاق جائز اور مباح قرار دیتے ہیں، اب اگر اللہ پر شخص کا اطلاق جائز اور مباح ہو تو یہاں پر ہم وہی بات کہیں گے جو ید اور عین وغیرہ صفات کے بارے میں کہہ آئے ہیں کہ یہ صفاتِ سمعیہ ہیں ان میں تسلیم اور تفویض کو اختیار کرنا چاہئے، آگے اپنے گھوڑے کو دوڑانا نہ چاہئے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے شخص کا اطلاق جائز نہ ہو جیسا کہ ایک بڑی جماعت کہتی ہے تو ایسی صورت میں احادیث میں جو وارد ہوا "لا شخص أغیر من اللہ" وغیرہ اس سے تو اطلاق کا جواز معلوم ہوا، اس کا کیا جواب ہو گا، علماء نے اس کے تین جواب دئے ہیں:

(۱) امام اسماعیلی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ محاورہ کی بات ہے اس سے اللہ تعالیٰ پر شخص کا اطلاق مقصود نہیں ہے، دیکھو حدیث پاک میں وارد ہے: ما خلق اللہ أعظم من آیة الکرسی، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آیۃ الکرسی مخلوق ہے، حالانکہ وہ اللہ کا کلام ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آیۃ الکرسی تمام مخلوقات سے اعظم ہے، اس کی ایک اور مثال لو ایک عورت نہایت حسین و جمیل اور اوصاف و کمالات رکھتی ہے، ایک آدمی کہتا ہے لیس أحد من الرجال أجمل منها، تو کیا اس کلام کے ذریعہ اس نے عورت کا رجل ہونا ثابت کیا؟ نہیں، اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ حسین ہے، ایسے ہی لا شخص أغیر من اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخوص جس

میں صفتِ غیرت رکھی ہے حق تعالیٰ شانہ سب غیرت والوں سے سب سے زیادہ باغیرت ہیں۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ استثناء من غیر جنسہ کے قبیل سے ہے، یہ جواب ابن بطال کا ہے جیسے اللہ فرماتے ہیں:﴿ مالهم به من علم إلا اتباع الظن﴾ تو کیا ظن کو علم میں داخل کر دیا؟ نہیں، بلکہ یہ استثناء منقطع ہے، اسی طرح یہاں "لا شخص أغير من الله" میں من غیر جنسہ کلام کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر نے اسی جواب کو معتمد قرار دیا ہے اور سب سے پہلے جس نے یہ تقریر کی ہے وہ امام ابو بکر بن فورک ہیں۔

(۳) تیسرا جواب علامہ خطابی کا ہے کہ یہ راوی کی تخلیطات اور اوہام میں سے ہے، خواہ مخواہ اس نے احد کے لفظ کو شخص سے بدل دیا اور وہ یہ سمجھا کہ دونوں ہم معنی ہیں، حالانکہ دوسرے طرق میں لفظ احد وارد ہوا ہے، مگر علامہ خطابی کی یہ بات غیر مسموع ہے، اس لئے کہ جس راوی پر انہوں نے الزام افراد لگایا ہے وہ راوی منفرد نہیں ہیں بلکہ اس کے متابعین موجود ہیں، اور وہ ہے عبید اللہ بن عمرو جو نقل کرتا ہے عبد الملک سے، اس کی روایت امام بخاری نے ذکر کی ہے اور اسے دارمی اور ابو عوانہ نے موصولاً ذکر کیا ہے، اور وہ بھی منفرد نہیں ابو عوانہ اس کی متابعت کرتے ہیں، ابو عوانہ کی روایت صحیح مستخرج اسماعیلی میں موجود ہے۔

۷۴۱۶- حدثنا موسى بن إسماعيل التبوذكي، حدثنا أبو عوانة، حدثنا عبد الملك، عن وراد، كاتب المغيرة عن المغيرة، قال: قال سعد بن عبادة: لو رأيت رجلا مع امرأتي لضربته بالسيف غير مصفح، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أتعجبون من غيرة سعد، والله لأنا أغير منه، والله أغير مني، ومن أجل غيرة الله حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن، ولا أحد أحب إليه العذر من الله، ومن أجل ذلك بعث المبشرين والمنذرين، ولا أحد أحب إليه المدحة من الله، ومن أجل ذلك وعد الله الجنة.

(ص۱۱۰۳) باب ﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ﴾

فسمى الله تعالى نفسه شيئا، وسمى النبي صلى الله عليه وسلم القرآن شيئا، وهو صفة من صفات الله، وقال: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾.

کہو کونسی چیز اللہ سے بڑھکر شہادت والی ہے، جواب دو، اللہ! اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے اور شہادت

والے ہیں۔

فسمی اللہ نفسہ شیئاً: اللہ نے اپنے نفس کو شیٔ کہا، مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ پر شیٔ کے اطلاق میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اسی طرح صفاتِ باری پر شیٔ کا اطلاق کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

کل شیئ ھالک إلا وجھه: آیت سے استدلال موقوف ہے اس پر کہ استثناء متصل ہو، بہر حال مصنف کی رائے یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات پر شیٔ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، عبد اللہ الناشی ایک متکلم گذرا ہے وہ اس کا انکار کرتا تھا اور کہتا تھا اللہ پر شیٔ کا اطلاق جائز نہیں، عبد العزیز بن یحیی مکی نے اس کی تردید کی اور فرمایا اللہ پر شیٔ کا اطلاق جائز ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، معدوم نہیں، اسی طرح اس کی صفات پر شیٔ کا اطلاق جائز ہے کہ اس کی صفات ثابت ہیں، منفی نہیں ہیں۔

۷۴۱۷- حدثنا عبد اللہ بن یوسف، أخبرنا مالک، عن أبي حازم، عن سھل بن سعد، قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم لرجل: أمعک من القرآن شيء؟ قال: نعم، سورة کذا وسورة کذا، لسور سماھا.

(ص۱۱۰۳) باب ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

قال أبو العالية: ﴿اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ﴾ ارتفع، ﴿فَسَوَّاهُنَّ﴾ خلقهن، وقال مجاهد: ﴿اسْتَوَى﴾ علا ﴿عَلَى الْعَرْشِ﴾، وقال ابن عباس: ﴿الْمَجِيدُ﴾ الكريم و ﴿الْوَدُودُ﴾ الحبيب يقال: حميد مجيد، كأنه فعيل من ماجد، محمود من حمد.

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے دو باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں، اول تو یہ کہ عرش اللہ کی مخلوق ہے، اسی لئے فرمایا: ﴿وھو رب العرش العظیم﴾ اور وہ عرش عظیم کا رب ہے اور اس سے ان لوگوں پر رد کردیا جو عرش کے قِدَم کے قائل ہیں یا جو کہتے ہیں کہ عرش ہی خالق ہے۔

اور دوسری چیز جو ثابت کی ہے وہ اللہ کے لئے صفت استواء علی العرش ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ رحمن عرش پر مستوی ہے، مجسمہ تو اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں لیکن

معتزلہ وغیرہ اسکی توجیہ وتاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استواء یہاں استیلاء کے معنی میں ہے، اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ شاعر کہتا ہے:

قد استوی بشر علی العراق من غیر خوف ودم مهراق

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہاں پر استویٰ کو استیلاء کے معنی میں مراد لینا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ باقاعدہ دونوں طرف سے مقابلہ چل رہا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو استیلاء اور غلبہ حاصل ہو گیا، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہاں استویٰ 'علاَ' کے معنی میں ہے، یعنی علا علی العرش، مگر اس پر دوسری طرف سے یہ اشکال کیا گیا کہ پھر اس کے بھی یہی معنی ہے کہ پہلے عالی نہیں تھا اور اب عالی ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اللہ نے جب تک عرش کو پیدا نہیں کیا تھا تب تک عرش کا وجود نہیں تھا، اور جب اللہ نے ہر چیز سے پہلے اوپر عرش کو پیدا کیا تو حق تعالیٰ شانہ نے اوپر اپنا جلوہ فرمایا اور اپنی خاص تجلی فرمائی، اس تجلی کو استوی سے تعبیر فرمایا گیا، اب یہ سمجھو کہ اس سے زیادہ ہمارے کہنے کی ہمت نہیں، مسئلہ بڑا عجیب وغریب ہے۔

امام ابو القاسم طبری لاکائی نے حضرت حسن بصری سے، انہوں نے اپنی والدہ خیرہ سے نقل کیا اور وہ ام سلمہؓ سے نقل کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: الاستواء غیر مجهول، والکیف غیر معقول، والإقرار به إیمان والجحود به کفر، اور ربیعۃ الرای سے بھی یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کیف الاستواء؟ تو انہوں نے فرمایا: الاستواء غیر مجهول والکیف غیر معقول وعلی اللہ الرسالة وعلی رسوله البلاغ وعلینا التسلیم، اور بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ امام مالک کے سامنے جب یہ بات پوچھی گئی تو کانپ اٹھے اور فرمایا یہ مبتدع ہے اس کو نکال دینا چاہئے، قرآن پاک میں جو چیزیں آگئی ہیں آدمی وہاں بغیر اپنے عقلی گھوڑے کو دوڑائے تسلیم وتفویض سے کام لے اور ایمان لائے، نہ تشبیہ کرے نہ تعطیل کرے۔

اس کے بعد ایک مسئلہ سن لو کہ علامہ ابن تیمیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ استواء علی العرش کے بارے میں بالکل مجسمہ کا مسلک رکھتے تھے اور ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ ابن تیمیہ جامع اموی میں خطبہ دے رہے تھے اور وہ منبر سے نیچے اتر آئے اور کہا کہ نزول باری تعالیٰ ایسے ہوتا

ہے، جیسے میں اوپر سے نیچے اتر آیا ہوں، ابن بطوطہ نے یہ واقعہ ایک چشم دید واقعہ کی حیثیت سے نقل کیا ہے مگر حضرت مولانا علی میاں صاحب نے علامۃ الشام علامہ بہجت البیطار سے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ یا تو ابن بطوطہ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا اسکو غلط فہمی ہوئی، اس لئے کہ ابن بطوطہ شام ۷۲۶ھ میں آیا اور امام ابن تیمیہ اس وقت قلعۂ دمشق میں معتقل ہو چکے تھے اور اس کے بعد وہ کبھی جامع اموی کے خطیب نہیں رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ کا کلام استواء علی العرش کے مسئلہ میں ایہام ضرور پیدا کرتا ہے، وہ جہاں پر نزول اور استواء کا مسئلہ بیان کرتے ہیں تو نفاۃِ صفات کی تردید میں اتنے زور میں آجاتے ہیں کہ ان کا قلم اس طرح چل پڑتا ہے جس سے تجسیم کا شبہ ضرور پیدا ہونے لگتا ہے، مگر وہ خود جگہ جگہ تجسیم کا انکار کرتے ہیں اور جیسے وہ تعطیل کا انکار کرتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ تجسیم سے بھی اجتناب کیا جائے، انہوں نے جہاں نزول رب کا مسئلہ بیان کیا وہاں اس مسئلہ میں اختلاف نقل کیا کہ نزول کے وقت عرشِ الٰہی خالی ہوتا ہے یا نہیں یا کچھ بھی نہ کہنا چاہئے، علامہ ابن تیمیہ نزول کو اس کی حقیقت پر رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ خلو کا قول بالکل غلط ہے، اللہ محیط بکل شيئ۔

باقی بھائی بہت زیادہ غلو نہیں کرنا چاہئے، نزول ہوتا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں مگر کیفیت نزول کیا ہے ہمیں معلوم نہیں، اللہ مستوی علی العرش ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن کیفیت کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے ہیں۔

جب اللہ کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں تو اس کی صفات علو و نزول وغیرہ سے حقیقی واقفیت کسی کو کیسے ہو سکتی ہے، یہاں تو وہی کہنا چاہئے جو سلف صالحین سے منقول ہے: 'أمروها كما جاءت' جیسی آئی ہیں ویسے ہی انہیں گذار دو، اپنی طرف سے کچھ نہ کہو۔

وقال ابن عباس: يقال حميد مجيد كأنه فعيل من ماجد، محمود من حمد

مطلب یہ ہے کہ حمید حَمِدَ سے ماخوذ ہے محمود کے معنی میں، اور مجید ماجد کے معنی میں ہے، گویا ایک لفظ مفعول کے معنی میں ہے اور ایک لفظ فاعل کے معنی میں ہے، اور فعیل دونوں کے معنی میں آتا ہے۔

حدثنا عبدان: حضرت عمران بن حصین کی یہ روایت بدء الخلق میں گذر چکی ہے۔

یہاں پر تو لم یکن شيئ قبله ہے وہاں ولم یکن شيئ غیرہ ہے، اور اسماعیلی کی روایت میں ہے وکان الله قبل کل شيئ، یہ کان الله ولا شيئ معه کے معنی میں ہے، اگرچہ یہ لفظ بایں الفاظ روایت میں کہیں نہیں ملا، گو بہت سے لوگوں نے اس کو روایت قرار دیا۔

علامہ ابن تیمیہ تو ولم یکن شيئ قبله کو راجح قرار دیتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ جب رواۃ نے لم یکن شيئ غیرہ روایت کیا ہے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے لم یکن شيئ قبله کا مطلب لم یکن شيئ غیرہ سمجھا ہے، معلوم ہوا کہ اللہ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔

علامہ ابن تیمیہ اصل میں اس بات کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ حوادث چل رہے ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ متصف ہے، لہذا اپنی ان صفات کا ہمیشہ سے اظہار کرتا چلا آرہا ہے، یہی حوادث لا اول لها کا مطلب ہے، میں اس کو بدء الخلق میں بیان کر چکا ہوں اور صبح کے درس میں بھی، یہ مسئلہ علامہ ابن تیمیہ کا بڑا عجیب وغریب اور شدید ہے، اسلئے کہ اس کے تسلیم کرنے میں حوادث وممکنات کو قدیم ماننا پڑتا ہے اور پھر ابن تیمیہ کی طرف سے قِدم نوعی کی توجیہ وتاویل کرنی پڑتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں میں پڑنا مناسب نہیں ہے، بس جتنا آگیا اس پر ایمان لانا چاہئے۔

۷۴۱۸- حدثنا عبدان، قال: أخبرنا أبو حمزة، عن الأعمش، عن جامع بن شداد، عن صفوان بن محرز، عن عمران بن حصين، قال: إني عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ جاءه قوم من بني تميم، فقال: اقبلوا البشرى يا بني تميم، قالوا: بشرتنا فأعطنا، فدخل ناس من أهل اليمن، فقال: اقبلوا البشرى يا أهل اليمن، إذ لم يقبلها بنو تميم، قالوا: قبلنا، جئناك لنتفقه في الدين، ولنسألك عن أول هذا الأمر ما كان، قال: كان الله ولم يكن شيء قبله، وكان عرشه على الماء، ثم خلق السموات والأرض، وكتب في الذكر كل شيء، ثم أتاني رجل، فقال: يا عمران أدرك ناقتك فقد ذهبت، فانطلقت أطلبها، فإذا السراب ينقطع دونها، وايم الله لوددت أنها قد ذهبت ولم أقم.

عن أول هذا الأمر: اس کی توجیہ علامہ ابن تیمیہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد عالم شہود ہے اور عالم شہود کے عدم سے وجود میں آنے کے معنی یہ نہیں ہے کہ پہلے کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

في الذكر: ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔

۷۴۱۹- حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن همام، حدثنا أبو هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إن يمين الله ملأى لا يغيضها نفقة، سحاء الليل والنهار، أرأيتم ما أنفق منذ خلق السموات والأرض، فإنه لم ينقص ما في يمينه، وعرشه على الماء، وبيده الأخرى الفيض - أو القبض - يرفع ويخفض.

وبيده الفيض: فیض بمعنی الاحسان یا فیض بمعنی الموت، کہا جاتا ہے فاض نفسہ إذا مات۔

القبض: قبض بمعنی قبض الارواح یا روزی کو کم کر دینا۔

یرفع ویخفض: کسی کی روزی بڑھا دیتا ہے، کسی کی روزی کم کر دیتا ہے۔

۷۴۲۰- حدثنا أحمد، حدثنا محمد بن أبي بكر المقدمي، حدثنا حماد بن زيد، عن ثابت، عن أنس، قال: جاء زيد بن حارثة يشكو، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: اتق الله، وأمسك عليك زوجك، قال أنس: لو كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كاتما شيئا لكتم هذه، قال: فكانت زينب تفخر على أزواج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: زوجكن أهاليكن، وزوجني الله تعالى من فوق سبع سموات، وعن ثابت: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ نزلت في شأن زينب وزيد بن حارثة.

قال رسول الله ﷺ لو كان: یہ جملہ بعض نسخوں میں ہے اور یہ صرف ہندی نسخوں میں ہے، قسطلانی کے نسخہ میں ہے، قالت عائشة رضی اللہ عنہا بالسند السابق، ابوذر نے اس نسخہ میں قال أنس نقل کیا ہے قالت عائشة کے بدلہ میں، حضرت عائشہ کی حدیث امام ترمذی نے موصولا تخریج فرمائی ہے۔

۷۴۲۱- حدثنا خلاد بن يحيى، حدثنا عيسى بن طهمان، قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه، يقول: نزلت آية الحجاب في زينب بنت جحش، وأطعم عليها يومئذ خبزا ولحما، وكانت تفخر على نساء النبي صلى الله عليه وسلم، وكانت تقول: إن الله أنكحني في السماء.

قالت فكانت تفخر: زینب فخر کرتی تھی کہ تمہاری شادی تمہارے گھر والوں نے کی اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کی ہے، زینب کے نکاح کے سلسلہ میں جو روایت نقل کی جاتی ہے اس کے متعلق میں کتاب التفسیر میں کلام کر چکا ہوں، امام سدی اور امام زین العابدین فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب میں بنتی نہیں تھی کیوں کہ زینب حرۃ الاصل تھیں اور

حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے، حضرت زینب ان پر تفوق کا اظہار کرتی تھیں، ان کو ناگوار ہوتا تھا اور یہ حضرت کی خدمت میں شکایت کیا کرتے تھے، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بتلایا گیا کہ یہ زینب تمہاری ازواج میں داخل ہونے والی ہیں، حضور ﷺ کو اس کے اظہار میں شرم آتی تھی اس لئے کہ زید آپ کے متبنی تھے، اسی کے متعلق حق تعالیٰ نے جناب رسول اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:﴿وتخفی فی نفسك ماالله مبديه وتخشى الناس والله أحق أن تخشاه﴾ یہ پوری آیت نازل فرمائی۔

اور باقی مسند احمد کی روایت میں جو وارد ہوا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب کے مکان میں داخل ہوئے وہ ثیاب بذلہ میں تھیں ان کے بدن پر نظر پڑی اور حضور کے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی اور اس روایت کو بہت رنگ دیکر مخالفین اسلام پیش کرتے ہیں وہ روایت بہت ضعیف ہے، اس لئے کہ اس کا راوی عبداللہ بن مؤمل اکثر محدثین کی تصریح کے مطابق کثیر الخطاء ہے، اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں اور عقلی طور پر بھی روایت غلط معلوم ہوتی ہے، زینب حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں، بچپن سے ساتھ رہنا ہوا، جب وہ جوان تھیں تو حضور کو ان سے محبت نہیں ہوئی آپ نے ان سے شادی کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ اپنے مولیٰ زید بن حارثہ سے حکماً خود شادی کروائی اور جب وہ شادی شدہ ہوگئیں ایک زمانہ گذر گیا تو اس کے بعد آپ کو ان سے تعلق پیدا ہوگیا، عجیب بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نری محبت پیدا ہوجانا غلط چیز نہیں، محبت غلط جگہ استعمال ہوجائے یہ بری چیز ہے، اگر محبت حضور کو ہوگئی تو آگے کیا چیز ہے؟ کچھ بھی نہیں، یہ کیا عیب کی بات ہے، یہ ہمارا کلام تنزیلی ہے، اصل بات وہ ہے جو ہم نے اولاً بیان کی اور ہم اسے کتاب التفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔

۷۴۲۲- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله لما قضى الخلق، كتب عنده فوق عرشه: إن رحمتي سبقت غضبي.

كتب عنده فوق عرشه: اس عندیت سے مراد ماقبل میں بیان کرچکا ہوں کہ عندیت مکانیہ نہیں بلکہ عندیت علمیہ مراد ہے، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس ایسی ہیں جیسے کوئی چیز کسی کے پاس رکھی ہوئی ہو اور وہ اس سے پوری طرح واقف ہو۔

إن رحمتي سبقت غضبي: یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق غضب کے تعلق سے سابق ہے، یا یہ مطلب ہے کہ رحمت کے متعلقات غضب کے متعلقات سے زیادہ ہیں، دونوں اعتبار سے سبق رحمت علی الغضب کے معنی صحیح ہیں۔

۷۴۲۳- حدثنا إبراهيم بن المنذر، حدثني محمد بن فليح، قال: حدثني أبي، حدثني هلال، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: من آمن بالله ورسوله، وأقام الصلاة، وصام رمضان، كان حقا على الله أن يدخله الجنة، هاجر في سبيل الله، أو جلس في أرضه التي ولد فيها، قالوا: يا رسول الله، أفلا ننبئ الناس بذلك؟ قال: إن في الجنة مائة درجة، أعدها الله للمجاهدين في سبيله، كل درجتين ما بينهما كما بين السماء والأرض، فإذا سألتم الله فسلوه الفردوس، فإنه أوسط الجنة، وأعلى الجنة، وفوقه عرش الرحمن، ومنه تفجر أنهار الجنة.

حدثنا إبراهيم بن المنذر: یہ روایت کتاب الجہاد میں گذر چکی ہے اور میں اس کے متعلق بیان کرچکا ہوں کہ روایت میں ہے: إن فی الجنة مائة درجة اور دوسری روایت میں ہے إن الجنة مائة درجة۔

علامہ ابن تیمیہ نے إن فی الجنة مائة درجة کو إن الجنة مائة درجة پر راجح قرار دیا ہے، کیونکہ جنت کے درجات صرف سو ہی نہیں سو سے زیادہ ہیں، ترمذی وغیرہ میں تم پڑھ چکے ہو: يقال لقارئ القرآن، إقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا، فإن منزلتك عند آخر آية تقرؤها، یعنی پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ، تمہارا آخری درجہ اس آخری آیت پر ہوگا جس کو تم پڑھو گے، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی آیات کی مقدار جنت کے درجات ہیں، آیات قرآنیہ کے چھ ہزار ہونے میں تو اتفاق ہے اور اس سے زائد میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں دو سو چار ہیں بعض اس سے زائد بتاتے ہیں، اور مولانا جامی کی رائے ہے کہ قرآن کریم کی آیات چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہیں، فرماتے ہیں:

آیت قرآں کہ خوب ودل کش است　　　شش ہزار و شش صد و شصت و شش

اب اس روایت میں جن درجات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے وہ مخصوص درجات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لئے جنت میں تیار فرمائے ہیں، اور اگر إن الجنة مائة درجة والی روایت ثابت مانی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ اس سے درجات کبار کو بیان کرنا مقصود ہے۔

مابین الدرجتین الخ: دو درجوں کے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسا کہ آسمان وزمین کے درمیان، آسمان وزمین کے درمیانی فاصلہ میں دو طرح کی روایات ہیں، بعض روایات میں یہ ہے کہ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ترمذی وابوداؤد کی ایک روایت میں جو حضرت عباس سے منقول ہے: إما واحدة وإما اثنتان أوثلث وسبعون سنة وارد ہے، علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے یہ ہے کہ اس روایت میں اقتصار واقع ہوا ہے، راوی نے چار سو اکیس یا چار سو انیتس یا اٹھائیس یا ستائیس کو ساقط کر دیا، میں نے کسی زمانہ میں اس روایت کو دیکھا تھا تو بغوی کی تفسیر معالم التنزیل میں پانچسو سال کا ذکر اسی روایت میں ملا تھا، لیکن اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ بغوی متاخر ہیں اور ایک طریق میں واقع ہوا اور ایک نسخہ میں دیکھا تھا، اب معلوم نہیں کہ اس نسخہ کی کیا نوعیت ہے؟ عام طور سے حضرت عباس کی روایت کے طرق میں وہی عدد وارد ہوا ہے جو میں نے ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی نے ان دونوں روایتوں میں سرعت سیر اور بطوء سیر کے اعتبار سے جمع فرمایا ہے پھر اس میں بھی روایات میں اختلاف ہے کہ جنت کے ہر دو درجوں کے درمیان کیا فاصلہ ہے؟ ترمذی کی ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ سو سال کا فاصلہ ہے، طبرانی کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے اختلافات جیسے بطوء سیر اور اور سرعت سیر پر مبنی رکھے جاسکتے ہیں ایسے ہی بعض وقت رواۃ کے بیانات پر رکھے جاسکتے ہیں، کیونکہ راوی کا بیان مختلف ہو جاتا ہے، انسان پر سہو ونسیان طاری ہو جاتا ہے، عام روایات پر نظر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اس لئے کہ ایک روایت میں پانچ سو سال کا فاصلہ مابین الدرجتین بتایا گیا ہے، اور دوسری روایت میں بتایا گیا جیسے آسمان وزمین کا فاصلہ ہے اور آسمان وزمین کا فاصلہ متعدد روایات میں پانچ سو سال وارد ہوا ہے، تو سب کا خلاصہ اور حاصل ایک ہی نکلتا ہے کہ پانچ سو سال کا فاصلہ مابین الدرجتین ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فوقه عرش الرحمن: فوقه قاف کے نصب کے ساتھ، قاضی عیاض نے فوقُه رفع کی روایت کو ابو محمد اصیلی کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے حضرات کی طرف نصب کی روایت کو منسوب کیا ہے، لیکن علامہ ابراہیم بن قرقول نے مطالع الانوار میں ان پر اعتراض کیا کہ ابو محمد اصیلی کی روایت میں خود نصب کے ساتھ وارد ہوا ہے، اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ضمہ کے انکار کی وجہ ظاہر ہے اس لئے کہ فوق ظروف میں

سے ہے جو تصرف کو قبول نہیں کرتے ہیں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ جس نے اس کو مرفوع پڑھا ہے اس نے اس کو ظرف کے معنی میں نہیں لیا ہے بلکہ معنی اسمی میں رکھا ہے، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن کثیر نے علامہ جمال الدین سے نقل کیا ہے کہ وہ فوقُه عرش الرحمن رفع کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ فوقُه بمعنی سقفه ہے، یعنی جنت الفردوس کی چھت اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔

۷۴۲۴- حدثنا يحيى بن جعفر، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم هو التيمي، عن أبيه، عن أبي ذر، قال: دخلت المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس، فلما غربت الشمس قال: يا أبا ذر، هل تدري أين تذهب هذه؟ قال: قلت: الله ورسوله أعلم، قال: فإنها تذهب تستأذن في السجود فيؤذن لها، وكأنها قد قيل لها: ارجعي من حيث جئت، فتطلع من مغربها، ثم قرأ: ذلك مستقر لها في قراءة عبد الله.

ذالک مستقرّ لها: یہ عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہے اور مشہور قراءت والشمس تجری لمستقرّ لها ہے، ویسے اسکے متعلق میں کلام کرچکا ہوں کہ آیت میں اس سے مستقر زمانی بیان کرنا ہے یا مستقر مکانی؟ مفسرین کے دونوں قول ہیں، بعض مستقر زمانی بیان کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے شمس کے جریان کے لئے ایک زمانہ مقرر فرمایا ہے کہ وہ ایک زمانہ تک چلتا رہے گا اور اس کے بعد اس کی سیر ختم ہوجائیگی، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مستقر مکانی مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ سورج چلتا رہتا ہے اور اس کے بعد جاکر عرش الٰہی کے نیچے سجدہ ریز ہوجاتا ہے، روایۃ الباب دوسرے مطلب کی تائید کرتی ہے۔

لیکن آجکل کی جدید سائنس کی تحقیقات کے پیش نظر اس پر بڑا کھلا ہوا اشکال وارد ہوتا ہے اس لئے کہ سائنس میں یہ بات محقق ہوچکی ہے کہ سورج کی ہر وقت گردش ہوتی رہتی ہے، زمین کے اندر بھی اور آسمانوں کے اندر بھی، اب سورج کے سجدہ ریز ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی حقیقت کا سجدہ ریز ہونا ہے یا مطلب یہ کہ وہ خضوع وانقیاد کا اظہار کرتا ہے یا ملائکہ مؤکلین بالشمس کا سجدہ یا ان کا خضوع وانقیاد مراد ہے۔

بہر حال ہمارے مشاہدات کی کیا حقیقت ہے، فلاسفہ قدیم کا دعوی تھا کہ آسمان حرکت کرتا ہے اور پھر گلیلیو (Galileo) فلاسفر آیا اور اس نے کہا کہ زمین حرکت کرتی ہے تو ساری دنیائے مسیحی میں کہرام مچ گیا اور

اس کو عقیدۂ عیسوی کے خلاف سمجھ کر گلیلیو کو لاحق حبس قرار دیا، لیکن بعد میں جتنے فلاسفر آئے انہوں نے اسی کے نظریہ کو اپنالیا اور اب ایک زمانہ ایسا آیا کہ فلسفیوں نے یہ کہہ دیا کہ زمین میں بھی حرکت ہے اور سورج میں بھی، لیکن اس کی حرکت محوری نہیں بلکہ تعویجی ہے، معوج حرکت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مطالع و مغارب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، کبھی سورج مشرق کے جانب شمال سے طلوع ہوتا ہے کبھی مشرق کی جانب جنوب سے طلوع ہوتا ہے اور یہی حال اس کے غروب کا بھی ہوتا رہتا ہے، بہر حال سائنس کی تحقیقات میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اس کا مبنی صرف اپنے اپنے تجربات اور ظنیات ہیں، مخبر صادق ﷺ کے ارشادات کے مقابلہ میں ان تجربات وظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اگر اس کو معتبر مان بھی لیا جائے تو صاحب نبوت کا ارشاد گرامی اپنی جگہ حق ہے اور اس کی توجیہ و تاویل مناسب ممکن ہے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔

۷۴۲۵- حدثنا موسى، عن إبراهيم، حدثنا ابن شهاب، عن عبيد بن السباق، أن زيد بن ثابت، وقال الليث: حدثني عبد الرحمن بن خالد، عن ابن شهاب، عن ابن السباق، أن زيد بن ثابت، حدثه قال: أرسل إلي أبو بكر فتتبعت القرآن، حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبي خزيمة الأنصاري، لم أجدها مع أحد غيره، ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ حتى خاتمة براءة. حدثنا يحيى بن بكير، حدثنا الليث، عن يونس بهذا، وقال: مع أبي خزيمة الأنصاري.

وقال الليث: میں یہ بیان کر چکا ہوں کہ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ سورۂ براءت کی آیت تو ملی تھی حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس، اور سورۂ احزاب کی آیت ملی تھی صاحب الشہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس۔

۷۴۲۶- حدثنا معلى بن أسد، حدثنا وهيب، عن سعيد، عن قتادة، عن أبي العالية، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول عند الكرب: لا إله إلا الله العليم الحليم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله إلا الله رب السموات ورب الأرض رب العرش الكريم.

حدثنا معلى بن أسد: یہ دعاءِ کرب کہلاتی ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ اس میں تو دعاء کا کوئی کلمہ نہیں ہے، اس کو دعاء کیسے کہا گیا ہے، اس کے دو جواب ہیں، ایک جواب یہ کہ اس میں کریم کی مدح وستائش کی گئی ہے، اور کریم کی مدح وستائش اس سے سوال کرنے کے مترادف ہے، امیہ بن صلت عبد اللہ بن جدعان کی

تعریف میں کہتا ہے:

أأذكر حاجتي أم قد كفاني حباءك إن شيمتك الحباء

إذا أثنى عليك المرء يوما كفاه من تعرضه الثناء

جب ایک انسان کی یہ حالت ہے تو رب العالمین، رب الارباب کی کیا حالت ہوگی، اگر کوئی الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ تو تمام کمالات سے متصف ہے، لہٰذا ہماری بے کسی اور بے نوائی پر رحم فرما، ہماری دستگیری فرما، ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہم پر کرم کا معاملہ فرما، ہماری حفاظت فرما، ہماری نگرانی فرما سب کچھ اسی ایک لفظ میں کہہ دیتا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دعا سے پہلے اس کو پڑھا جائے پھر دعاء کی جائے چنانچہ ترمذی میں صلاۃ الحاجۃ کی دعاء نقل کی جاتی ہے، اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس کے الفاظ ہیں: لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، والحمد لله رب العالمين، أسئلك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر والسلامة من كل إثم، لا تدع لي ذنبا إلا غفرته ولا هما إلا فرجته ولا حاجة هي لك رضا إلا قضيتها يا أرحم الراحمين، تو پہلے ان کلمات کو پڑھ کر دعا کی جائے، یہ کلماتِ کرب مجرب ہیں۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ ابو بکر رازی فرماتے تھے کہ ہم اصفہان میں ابو نعیم کے پاس حدیث سیکھ رہے تھے، وہاں ایک فقیہ ابو بکر بن علی جن پر فتوی کا دارومدار تھا، کسی وجہ سے بادشاہ کے یہاں ان کے خلاف شکایت کی گئی اور ان کو جیل میں ڈال دیا گیا، ایک آدمی نے رسول پاک ﷺ کو خواب میں دیکھا اور یہ کہا کہ تم جا کر ابو بکر رازی سے یہ کہو کہ تم ابو بکر بن علی سے کہیں کہ بخاری شریف میں دعاء کرب مذکور ہے اس کو پڑھیں، چنانچہ انہوں نے یہ دعاء پڑھی اور چند ہی دنوں کے بعد رہائی ہوگئی۔

ویسے جیل سے رہائی کے متعلق مجھے ایک واقعہ یاد آیا علامہ شوکانی نے البدر الطالع میں نقل کیا ہے کہ کسی عالم کو یمن میں جیل میں ڈال دیا گیا تو ان یمنی عالم نے رسول اکرم ﷺ کی مدح وستائش میں ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع تھا

ماذا أقول وما آتي وما أذر في مدح من ضمنت مدحاله السور

شوکانی کہتے ہیں کہ رات نہیں گذری تھی کہ صبح کو ان کی رہائی ہوگئی۔

٧٤٢٧- حدثنا محمد بن يوسف، حدثنا سفيان، عن عمرو بن يحيى، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الناس يصعقون يوم القيامة، فإذا أنا بموسى آخذ بقائمة من قوائم العرش.

٧٤٢٨- وقال الماجشون، عن عبد الله بن الفضل، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: فأكون أول من بعث، فإذا موسى آخذ بالعرش.

(ص ۱۱۰۴) باب قول الله تعالىٰ ﴿تَعْرُجُ المَلاَئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾

وقوله جل ذكره: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾، وقال أبو جمرة، عن ابن عباس، بلغ أبا ذر مبعث النبي صلى الله عليه وسلم، فقال لأخيه: اعلم لي علم هذا الرجل، الذي يزعم أنه يأتيه الخبر من السماء وقال مجاهد: العمل الصالح يرفع الكلم الطيب يقال: ﴿ذِي المَعَارِجِ﴾ الملائكة تعرج إلى الله.

ملائکہ اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں، حضرت اقدس حضرت شیخ دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے اللہ تعالیٰ کی صفت علو کو ثابت کرنا مقصود ہے کہ وہ عالی ہے۔

علامہ ابن بطال ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب سے مجسمہ کی تردید کی ہے کیونکہ مجسمہ ﴿تعرج الملائكة والروح إليه﴾ اور ﴿إليه يصعد الكلم الطيب﴾ وغیرہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے کہ اس کی طرف معارج کے ذریعہ سے وصول ہوتا ہے، امام بخاری نے اس پر رد فرمایا اور بتلایا کہ حق تعالیٰ ذو الجلال والاکرام جسم نہیں ہے تاکہ وہاں تک معارج اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے وصول ہو بلکہ یہاں پر علو رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے، علامہ ابن بطال نے اگرچہ یہ تقریر فرمائی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترجمۃ الباب سے اس تقریر کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا ہے، کیسے امام بخاری نے اس سے جہمیہ مجسمہ پر رد فرمایا ہے اور کس طرح ان کے دعویٰ مکان کی نفی فرمائی ہے، یہ بات غور طلب ہے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ امام بخاری کا ترجمہ ترجمۂ سابق کا تکملہ ہے، چونکہ ترجمۂ سابق میں دو باتیں بیان

کی تھیں اول یہ کہ عرش مخلوق ہے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مستوی علی العرش ہے، لہذا مصنف نے اس کی تائید کی اور اس ترجمہ سے یہ بتلایا کہ چونکہ وہ مستوی علی العرش ہے لہذا ملائکہ وروح اس کی طرف چڑھ کر جاتے ہیں۔

مسئلہ استواء اور مسئلہ عروجِ ملائکہ الی اللہ تعالیٰ! یہ سب مسائلِ صفات اور متشابہات کے قبیل سے ہے، اس کے اندر اسلم یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالح کے مسلک کو اختیار کیا جائے یعنی تسلیم و تفویض سے کام لیا جائے، خلف تاویل کے قائل ہیں مگر میں خلف کے مسلک کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

یہ مسئلہ الگ مستقل جھگڑے کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے یا نہیں! متکلمین جہت کا کلیۃً انکار کرتے ہیں لیکن محدثین کرام کے کلام سے اللہ کے لئے جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور یہی ظواہر نصوص قرآنیہ وحدیثیہ سے ثابت ہوتا ہے، امام ترمذی نے ایک حدیث کے تحت ارشاد فرمایا ہے جس میں یہ وارد ہے کہ ولو ھبط ھبط علی اللّٰہ تعالیٰ أی علی علم اللہ تعالیٰ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی خدائے پاک کے لئے علو کو ثابت کر رہے ہیں اور ابن خزیمہ نے تو اس پر بڑا زور دیا ہے، امام شمس الدین ذہبی کی مستقل کتاب ہے کتاب العرش والعلو، اس میں خدائے پاک کے لئے صفت علو کو ثابت فرمایا ہے، حافظ ابن عبد البر بھی اسی طرف مائل ہیں، میری رائے یہ ہے کہ اس میں اگر گول گول بات رکھے کہ جتنا ثابت ہے اتنا ہی کہے، اپنی طرف سے نہ جہت کا دعویٰ کرے اور نہ کسی بات کا تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں یہ بات نقل فرمائی ہے کہ ہم جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اپنے نفوس میں غیر اختیاری طور پر اللہ کے لئے جہت علو کی طرف توجہ پاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ جہت عالی کی طرف موجود ہے، اور یہ ایک واقعی اور نفس الامری چیز ہے، مگر اس سے اللہ کے لئے ایسی جہت ثابت کرنا جسکا نام جہت مکانی ہے، یہ بہت بعید بات معلوم ہوتی ہے، اس سے علو رتبی بھی تو نکل سکتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اللہ ہیں، خالق العالم ہیں، سب کے معبود ہیں اور سب ان کے مخلوق ہیں، سب ان کے بندے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا نام مبارک آئیگا تو ان کے لئے یقیناً دل میں ایک بلندی اور عظمت آئیگی، پستی آنا تو محالات اور ناممکنات میں سے ہے۔

میں اس مسئلہ میں بہت صفائی کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں متکلمین کے توغل کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتا ہوں، اس لئے کہ انہوں نے عقائد اسلام کو کلام اہل یونان سے خلط کر کے اور کلام اہل یونان کو اصل بنا کر نصوص کو اُس طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے، نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور تسلیم و تفویض سے کام لیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقال مجاهد: العمل الصالح يرفع الكلم الطيب: اللہ کی طرف کلم طیب چڑھتے ہیں اور عمل صالح اس کو اٹھاتا ہے، مجاہد نے بتادیا کہ یرفعہ کی ضمیر الکلم الطیب کی طرف عائد ہے، یعنی نیک اعمال کے ذریعہ کلم طیب حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اٹھتے ہیں۔

۷۴۲۹- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يتعاقبون فيكم: ملائكة بالليل وملائكة بالنهار، ويجتمعون في صلاة العصر وصلاة الفجر، ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسألهم وهو أعلم بكم، فيقول: كيف تركتم عبادي؟ فيقولون: تركناهم وهم يصلون، وأتيناهم وهم يصلون.

۷۴۳۰- وقال خالد بن مخلد، حدثنا سليمان، حدثني عبد الله بن دينار، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يصعد إلى الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل ورواه ورقاء، عن عبد الله بن دينار، عن سعيد بن يسار، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم: ولا يصعد إلى الله إلا الطيب.

يتقبلها بيمينه: اللہ اس کو اپنے یمین سے قبول فرماتے ہیں، یمین اور یسار ہمارے یہاں تو ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں یمین و یسار نہیں، اسی لئے بعض روایات میں وارد ہوا و کلتا یدیہ یمین اللہ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں، یہ حقیقت میں اللہ کی صفاتِ ذات و سمعیہ میں سے ہے، جس کی حقیقت سے انسان کو واقفیت نہیں ہوسکتی ہے اور خالق کو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے، بس تسلیم و تفویض سے کام لینا چاہئے، بعض کہتے ہیں تقبل بالیمین کنایہ ہے اس کی طرف التفات و عنایت سے، شاعر کہتا ہے:

تلقاها عرابة باليمين

۷۴۳۱- حدثنا عبد الأعلى بن حماد، حدثنا يزيد بن زريع، حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أبي

العالية، عن ابن عباس: أن نبي الله صلى الله عليه وسلم، كان يدعو بهن عند الكرب: لا إله إلا الله العظيم الحليم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله إلا الله رب السموات ورب العرش الكريم۔

حدثنا عبد الأعلى: اس حدیث کی اس باب سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی، اسی لئے بعض علماء کہتے ہیں یہ باب سابق کی حدیث تھی، کسی نے غلطی سے درج کر دی ہے، اور بعض حضرات ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ باب اصل میں باب سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوتا، اور اصل میں یہ جواب علامہ کرمانی کا ہے، انہوں نے ہی یہ بات کہی ہے کہ یہ باب باب سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے، ان کے الفاظ ہیں علی أن هذا الباب كأنه من تتمة الباب المتقدم لأنهما متقاربان في المقصد بل متحدان۔

اور بعض علماء جیسے حضرت گنگوہی وغیرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں دعاء کا ذکر ہے اور دعاء اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف چڑھتی ہے، خصوصاً جبکہ کرب اور بے چینی کے وقت دعا کی جاتی ہے تو اس کے عروج اور صعود الی اللہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

عن قتادة عن أبي العالية: اس حدیث پر اشکال ہوتا ہے کہ قتادہ اس حدیث کے راوی ہیں اور قتادہ مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس طریق میں قتادہ کے سماع کا کوئی تذکرہ وارد نہیں ہوا ہے لیکن اسی روایت کے دوسرے طرق میں قتادہ کے سماع کی تصریح وارد ہوئی ہے اور امام نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جس کو قتادہ نے ابو العالیہ سے سنا ہے اور یہ وہاں کہ جہاں شعبہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: لم يسمع قتادة عن أبي العالية إلا أربعة أحاديث تو اس پر امام بیہقی نے اس حدیث کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔

غائر العينين: دھنسی آنکھوں والا، ناتئ الجبين: ابھری پیشانی والا، جبین کہتے ہیں پیشانی کے جانبین کو، اسی لئے جبہہ میں دو جبین ثابت کئے جاتے ہیں ایک داہنی طرف دوسرا بائیں طرف، كث اللحية: گھنی ڈاڑھی والا، مشرف الوجنتين: ابھرے گالوں والا، محلوق الراس: سر منڈا۔

قال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فمن يطيع الله إذا عصيته: یعنی تقوی چھوڑنا خدا کی نافرمانی ہے تو اللہ کی میرے سوا کون اطاعت کر سکتا ہے اگر میں ہی اس کی نافرمانی کرونگا۔

۷۴۳۲- حدثنا قبيصة، حدثنا سفيان، عن أبيه، عن ابن أبي نعم، أو أبي نعم، شك قبيصة، عن أبي سعيد الخدري، قال: بعث إلى النبي صلى الله عليه وسلم بذهيبة، فقسمها بين أربعة وحدثني إسحاق بن نصر، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا سفيان، عن أبيه، عن ابن أبي نعم، عن أبي سعيد الخدري، قال: بعث علي وهو باليمن إلى النبي صلى الله عليه وسلم بذهيبة في تربتها، فقسمها بين الأقرع بن حابس الحنظلي، ثم أحد بني مجاشع، وبين عيينة بن بدر الفزاري وبين علقمة بن علاثة العامري، ثم أحد بني كلاب وبين زيد الخيل الطائي، ثم أحد بني نبهان، فتغيظت قريش والأنصار فقالوا: يعطيه صناديد أهل نجد، ويدعنا قال: إنما أتألفهم، فأقبل رجل غائر العينين، ناتئ الجبين، كث اللحية، مشرف الوجنتين، محلوق الرأس، فقال: يا محمد، اتق الله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: فمن يطيع الله إذا عصيته، فيأمنني على أهل الأرض، ولا تأمنوني، فسأل رجل من القوم قتله، أراه خالد بن الوليد، فمنعه النبي صلى الله عليه وسلم، فلما ولى، قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن من ضئضئ هذا، قوما يقرء ون القرآن، لا يجاوز حناجرهم، يمرقون من الإسلام مروق السهم من الرمية، يقتلون أهل الإسلام، ويدعون أهل الأوثان، لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل عاد.

فيأمنني على أهل الأرض ولا تأمنوني: حق تعالیٰ تو مجھ کو اہل ارض کے بارہ میں امین سمجھ رہا ہے کہ اس نے مجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھ کو امین نہیں سمجھتے؟

لا يجاوز حناجرهم: اس حدیث پاک میں وارد ہوا ہے ان کے چمبر گردن سے تجاوز نہیں کرتا، اسی سے مصنف نے اپنا مدعیٰ ثابت کیا ہے اس لئے کہ عدم مجاوزۃ حناجر کنایہ ہے اس سے کہ اللہ کی طرف صعود نہیں ہوتا اور مقبول نہیں ہوتا، قالہ العلامۃ الکرمانی۔

لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کے دیگر طرق کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ حدیث کتاب المغازی میں گذر چکی ہے اور اس میں ہے "ألا تأمنوني وأنا أمين من في السماء، حافظ فرماتے ہیں اسی لفظ سے روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر ہوتی ہے۔

۷۴۳۳- حدثنا عياش بن الوليد، حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن إبراهيم التيمي، عن أبيه، عن أبي ذر قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن قوله: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ قال: مستقرها تحت العرش.

(ص۱۱۰۵) باب قول الله ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾

امام بخاری نے اس باب سے رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ ثابت کیا ہے یعنی مسلمانوں کو آخرت میں حق تعالیٰ شانہ کی رؤیت حاصل ہوگی، یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے، معتزلہ اور خوارج اور بعض مرجیہ اس کا انکار کرتے ہیں، اہل سنت والجماعت قاطبۃ اسکا اثبات کرتے ہیں۔

منکرین رؤیتِ باری تعالی متعدد دلائل پیش کرتے ہیں جس میں سے ایک دلیل آیت قرآنی ﴿لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار وهو اللطيف الخبير﴾ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ادراک واحاطہ کی نفی کی گئی ہے اور ادراک واحاطہ کی نفی سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی، ہم آسمان کو دیکھتے ہیں لیکن اس کا احاطہ نہیں کرپاتے، زمین کو ہم دیکھتے ہیں لیکن ہماری نظر کے احاطہ سے خارج ہے، تو اللہ تعالیٰ تو خالق الکون والمکان ہیں، لہذا اگر ان کی رؤیت ہو لیکن احاطہ نہ ہوسکے تو کیا استعجاب کی بات ہے۔

دوسری دلیل یہ پیش کی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی ﴿رب أرني أنظر إليك﴾ تو ارشاد ہوا ﴿لن تراني﴾، "لن" نفی تاکید برائے استقبال آتا ہے، استقبال اپنے عموم کی وجہ سے اِس عالم اور اُس عالم دونوں کو شامل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ لن تاکید فی الاستقبال کے لئے آتا ہے مگر اس نص سے کہیں بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا تعلق آخرت سے ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق دنیا سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ﴿ولكن انظر إلى الجبل فإن استقرّ مكانه فسوف تراني﴾ پہاڑ کی طرف نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ ٹھہر گیا تو تم مجھے دیکھ لوگے پھر حق تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، جوں ہی تجلی پڑی ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسی علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے، معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت ممکن ہے جب ہی تو حق تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تھی مگر اس بنیۂ فانیہ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ذات باقی کی تجلی کو برداشت کرسکے، یہ اس دنیا میں ہے مگر جب اس دنیا سے انتقال ہوجائیگا اور اس انسان کی مادیت روحانیت میں تبدیل ہوجائیگی، اس کی کثافت میں لطافت آجائے گی، اس کی فنائیت کو حق تعالیٰ دور فرماکر اس میں بقاء کی صفت پیدا فرمادینگے اور خلود فی الجنۃ کا فیصلہ

ہو جائیگا تو اس کے اندر استعداد پیدا ہو جائیگی کہ اس ذات خالق تعالیٰ شانہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

ایک اشکال یہ کیا گیا کہ رؤیت کے واسطے رائی اور مرئی کا مقابلہ ضروری ہے اور مقابلہ اجسام کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیت سے بالاوبرتر ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ رؤیت کے واسطے مقابلہ شرط عادی ہے، شرط عقلی اور ضروری نہیں ہے، بلا مقابلہ کے بھی بعض وقت رؤیت ہو جاتی ہے اور اولیاء اللہ جو ارباب کشوف گذرے ہیں ان کو پیچھے کی چیزیں نظر آجاتی ہیں، دائیں اور بائیں کیا چیز پڑی ہے وہ ایک ایک جزء کو دیکھ لیتے ہیں، کس چیز سے دیکھتے ہیں؟ ان کی باطنی نظر اتنی وسیع ہو جاتی ہے ان کی طاقت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ سب کچھ وہیں سے دیکھتے رہتے ہیں، مگر ان معتزلہ وخوارج کو کیا جواب دیا جائے انہوں نے اہل یونان کے کلام کا مطالعہ کیا اور پھر اس پر وہ اشکالات شروع کردئے جو یونانیوں کو پیش آئے تھے۔

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنے لگے، آخرت کو دنیا پر قیاس کرنے لگے، اس لئے ان کو سارے اشکالات پیش آئے۔

اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کی رؤیت آخرت میں حق ہے اور ہر جنتی کو اللہ کی رؤیت حسب مرتبہ حاصل ہوگی اور اسکے اثبات کے لئے اہل سنت والجماعت نے دلائل فراہم کئے ہیں۔

(۱) قرآن کی سب سے واضح دلیل ﴿وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة﴾، سے علماء نے قدیماً وحدیثاً اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آخرت میں اور جنت میں اللہ کے بندوں کو رؤیت حاصل ہوگی۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ نظر کی چار قسمیں ہیں (۱) نظر تفکر واعتبار جیسے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أفلا ينظرون إلى الإبل كيف خلقت﴾ (۲) نظر انتظار جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿ما ينظرون إلا صيحة واحدة﴾ (۳) نظر تعطف ورحمت جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لا ينظر الله إليهم (۴) نظر رؤیت جیسے ﴿ينظرون إليك نظر المغشي عليه من الموت﴾۔

امام بیہقی فرماتے ہیں پہلے تینوں احتمالات اور معانی یہاں مراد نہیں، اول تو اس لئے کہ دار آخرت دار استدلال نہیں ہے، وہاں تفکر اور اعتبار غور واستدلال کا کیا موقع ہے، دوسرے معنی نظر انتظار اس لئے مراد نہیں کہ انتظار میں تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ آیت شریفہ مقام امتنان وبشارت کے موقع پر ذکر کی جارہی ہے، گویا

اہل جنت کو خبر دی جارہی ہے ان پر احسان جتلایا جارہا ہے کہ وہ مزے میں ہوں گے، اور جو انتظار میں ہو وہ تو کلفتِ انتظار برداشت کرتا ہے اس کو مزہ کہاں آتا ہے، اور تیسرے معنی یعنی نظر تعطف ورحمت اس لئے مراد نہیں ہوسکتے کہ بندہ میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اپنے رب پر رحمت کرے اور اس پر عنایت وعطوفت کرے، لامحالہ چوتھے معنی یعنی نظر بمعنی رؤیت متعین ہیں۔

(۲) بعض علماء نے ﴿للذين أحسنوا الحسنى وزيادة﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زیادۃ سے مراد النظر الی اللہ سبحانہ مراد ہے، اس لئے کہ جب اعمال صالحہ کا بدلہ حسنیٰ مل گیا اب آگے مزید چیز کیا ملے گی؟ وہ یہی ہے کہ اللہ جل شانہ کی زیارت نصیب ہوگی۔

اسکے علاوہ بعض اور نصوص قرانیہ اور حضور ﷺ کی احادیث سے علماء نے استدلال کیا ہے، روایات کثیرہ میں وارد ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ تعالیٰ کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم لوگ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو، یہ مضمون بکثرت روایات میں وارد ہوا ہے، اور علماء نے رؤیت باری تعالیٰ کے موضوع پر مستقلاً کتابیں لکھی ہیں، جیسے امام دار قطنی، امام آجری، امام ابو نعیم اصفہانی وغیرہم۔

دار قطنی نے کتاب الرؤیۃ میں امام یحیی بن معین سے نقل کیا ہے: عندی فی الرؤیۃ سبعۃ عشر حدیثا صحاح، امام نووی فرماتے ہیں رؤیت باری کے باب میں بیس کے قریب حدیثیں نقل کی گئی ہیں، امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں اس میں تیئیس حدیثیں وارد ہیں، حکیم ترمذی صاحبِ نوادر الاصول نے جو بڑے عارف اور صوفی ہیں رؤیت باری پر مستقل ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے اور اس میں اکیس صحابہ کی روایتیں نقل کی ہیں، علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے مسایرہ کی شرح میں اس پر سات روایات کا اضافہ کرکے تعداد اٹھائیس تک پہونچا دی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حافظ ابن قیم نے حادی الارواح الی بلاد الارواح میں تیس سے زائد روایتیں ذکر کی ہیں۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ حافظ ابن قیم نے حادی الارواح میں ۲۷ صحابہ کی مرفوع اور ۲ موقوف روایت ذکر کی ہے، اور اگر طرق کو دیکھا جائے تو واقعۃً اس سے کہیں زیادہ روایات ہیں، بہر حال اتنی روایات سے تواتر حاصل ہوجاتا ہے، اب رؤیت کے انکار کے کوئی معنی نہیں ہیں، لہٰذا جو رؤیت کا انکار کرے وہ مبتدع ہے، چونکہ

تاویل سے انکار کرتے ہیں اس لئے صرف ان کی تضلیل کی جائے گی نہ کہ تکفیر۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رویت سب سے بڑی نعمت ہوگی اس لئے کہ اگر کسی کو محبت سے پالا پڑا ہو اور کسی سے محبت ہوگئی ہو تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر نعمت سے بڑھ کر اپنے محبوب سے ملاقات، اس کو دیکھنا، اس سے بات چیت کرنا ہوتا ہے، آدمی کو کسی سے ذرا تعلق ہوتا ہے تو اس کی آمد پر کھانا پینا بھول جاتا ہے، راحت وآرام چھوٹ جاتا ہے، نیند اُڑ جاتی ہے، باتوں میں محو ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو مجمع الجمال والکمال بلکہ سارے جمال وکمال کے دینے والے ہیں انکے دیکھنے میں بندوں کو کیا کچھ لذت حاصل ہوگی اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

مختصراً ایک مثال سمجھو کہ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ ہو جس کو دنیا کی اصطلاح میں شہنشاہ کہا جاتا ہے، جس کے ماتحت بہت سی سلطنتیں ہوں اگر وہ کہیں آجائے تو دلوں میں کتنے زور کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کو دیکھا جائے، یہ تقاضا محض اس کی شہنشاہیت کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ اس سے کوئی محبت نہیں ہوتی، کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی، کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور اللہ ذوالجلال والاکرام مالک الملوک ہیں، خود ہی فرمائینگے قیامت میں ﴿لمن الملك اليوم﴾ اور خود ہی جواب دیں گے: ﴿لله الواحد القهار﴾، تو اس میں تو سلطنت کی سب سے بڑی شان ہے، اس کا ملک ملکِ حقیقی ہے اور اس کی مالکیت وملکیت ملکیتِ حقیقیہ ہے، باقی بادشاہوں کا ملک ملکِ مجازی ہے، تو جب ان مالکین مجازی کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے تو جو حقیقی بادشاہ ہے اس کو دیکھنے کی خواہش کیوں نہ کریگا۔

اور جب کہ اس میں جمال وکمال بھی ہے، حالانکہ دنیا کے بادشاہوں میں ظاہری شان وشوکت ہوتی ہے ورنہ بہت سے بادشاہ بدشکل اور بدصورت ہوتے ہیں، تو حق تعالیٰ کے یہاں تو جمال وکمال بھی ہے پھر بندوں سے رشتہ بھی ہے اور وہ خون کا رشتہ نہیں بلکہ تخلیق کا رشتہ ہے، پیدا کرنے کا رشتہ ہے اور یہ رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں زیادہ قوی ہے، تو جب اللہ تعالیٰ سے اتنے تعلقات ہیں کہ وہ ہمارے خالق بھی ہیں مالک بھی ہیں رازق بھی ہیں، ہمیں راحت کے اسباب دیتے ہیں، ضرورت کے موقع پر ہمارے لئے ضرورت کی تمام چیزوں کو مہیا فرمایا، ہم سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی فرمائی، بندے نے گناہ کرنے پر معافی مانگی تو قلم عفو پھیر دیا، کیا ایسے مالک کو دیکھنے کا تقاضا نہیں ہوگا؟ جس مالک میں شان مالکیت بھی ہے اور شان محبوبیت بھی ہے، ایسے محبوب کو دیکھنے کا تقاضا ضرور ہوگا، اس لئے تمام مسلمانوں کو جنت میں اپنے محبوب ومالک کی زیارت ہوگی اور دیکھ کر

لذت وراحت اور فرحت وانبساط حاصل ہوگا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے جنتیوں کے حسن وکمال میں اضافہ ہوجائیگا، جب وہ لوٹ کر اپنے گھر آئینگے تو اہل کہیں گے کیا بات ہے تم تو بہت ہی زیادہ حسین وجمیل معلوم ہوتے ہو اور ادھر ان کے گھر پر گھر والوں کے حسن وجمال میں اضافہ فرمائینگے وہ اپنی بیویوں سے پوچھینگے کہ کیا بات ہے تمہارے اندر حسن وجمال میں اضافہ معلوم ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی زیارت سے قلب کو راحت وسکون لذت اور قرار حاصل ہوگا اسی طرح ایک معنوی قوت وطاقت پیدا ہوگی، جمال وکمال بڑھ جائیگا اور اسکا اندازہ دیکھنے کے بعد ہی ہوگا، اللہ تعالیٰ سبکو اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں (آمین)۔

٧٤٣٤- حدثنا عمرو بن عون، حدثنا خالد، وهشيم، عن إسماعيل، عن قيس، عن جرير، قال: كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ نظر إلى القمر ليلة البدر قال: إنكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر، لا تضامون في رؤيته، فإن استطعتم أن لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس، وصلاة قبل غروب الشمس، فافعلوا.

٧٤٣٥- حدثنا يوسف بن موسى، حدثنا عاصم بن يوسف اليربوعي، حدثنا أبو شهاب، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن قيس بن أبي حازم، عن جرير بن عبد الله، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إنكم سترون ربكم عيانا.

إنكم سترون ربكم عيانا: تم اپنے رب کو آنکھوں سے دیکھوگے، کما ترون هذا، أي البدر۔

٧٤٣٦- حدثنا عبدة بن عبد الله، حدثنا حسين الجعفي، عن زائدة، حدثنا بيان بن بشر، عن قيس بن أبي حازم، حدثنا جرير، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة البدر، فقال: إنكم سترون ربكم يوم القيامة كما ترون هذا، لا تضامون في رؤيته.

لا تضامّون: میم کی تشدید وتخفیف دونوں جائز ہے، اگر تشدید ہے تو ضمّ سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم اس کے دیکھنے میں ازدحام نہیں کرتے ہو اور اگر تخفیف ہے تو ضیم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ظلم کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اس کے دیکھنے میں ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے ہو، ظلم آدمی اس وقت کرتا ہے جب کوئی اسکے دیکھنے میں حائل بن جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ شانہ کی رؤیت ایسے ہوگی جیسے لیلۃ البدر میں

چاند نظر آتا ہے، اس وقت اس کو دیکھنے کے لئے نہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں کہ جمع نہ ہو تو نظر نہ آئے بلکہ ہر شخص کو اپنی جگہ سے نظر آجاتا ہے۔

باقی یہ مسئلہ کہ کفار اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے یا نہیں؟ انشاء اللہ اگلی روایت کے ذیل میں اس پر کلام کرونگا۔

۷۴۳۷- حدثنا عبد العزيز بن عبد الله، حدثنا إبراهيم بن سعد، عن ابن شهاب، عن عطاء بن يزيد الليثي، عن أبي هريرة: أن الناس قالوا: يا رسول الله، هل نرى ربنا يوم القيامة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل تضارون في القمر ليلة البدر؟، قالوا: لا يا رسول الله، قال: فهل تضارون في الشمس، ليس دونها سحاب؟ قالوا: لا يا رسول الله، قال: فإنكم ترونه كذلك، يجمع الله الناس يوم القيامة، فيقول: من كان يعبد شيئا فليتبعه، فيتبع من كان يعبد الشمس الشمس، ويتبع من كان يعبد القمر القمر، ويتبع من كان يعبد الطواغيت الطواغيت، وتبقى هذه الأمة فيها شافعوها أو منافقوها - شك إبراهيم، فيأتيهم الله فيقول: أنا ربكم، فيقولون: هذا مكاننا حتى يأتينا ربنا، فإذا جاءنا ربنا عرفناه، فيأتيهم الله في صورته التي يعرفون، فيقول: أنا ربكم، فيقولون: أنت ربنا فيتبعونه، ويضرب الصراط بين ظهري جهنم، فأكون أنا وأمتي أول من يجيزها، ولا يتكلم يومئذ إلا الرسل، ودعوى الرسل يومئذ: اللهم سلم سلم، وفي جهنم كلاليب مثل شوك السعدان، هل رأيتم السعدان؟ "قالوا: نعم يا رسول الله، قال: " فإنها مثل شوك السعدان، غير أنه لا يعلم ما قدر عظمها إلا الله، تخطف الناس بأعمالهم، فمنهم الموبق بقي بعمله - أو الموثق بعمله -، ومنهم المخردل، أو المجازى، أو نحوه، ثم يتجلى، حتى إذا فرغ الله من القضاء بين العباد، وأراد أن يخرج برحمته من أراد من أهل النار، أمر الملائكة أن يخرجوا من النار، من كان لا يشرك بالله شيئا، ممن أراد الله أن يرحمه، ممن يشهد أن لا إله إلا الله، فيعرفونهم في النار بأثر السجود، تأكل النار ابن آدم إلا أثر السجود، حرم الله على النار أن تأكل أثر السجود، فيخرجون من النار، قد امتحشوا، فيصب عليهم ماء الحياة، فينبتون تحته كما تنبت الحبة في حميل السيل، ثم يفرغ الله من القضاء بين العباد، ويبقى رجل منهم مقبل بوجهه على النار، هو آخر أهل النار دخولا الجنة، فيقول: أي رب اصرف وجهي عن النار، فإنه قد قشبني ريحها، وأحرقني ذكاؤها، فيدعو الله بما شاء أن يدعوه، ثم يقول الله: هل عسيت إن أعطيتك ذلك أن تسألني غيره؟ فيقول: لا، وعزتك لا أسألك غيره، ويعطي ربه من عهود ومواثيق ما شاء، فيصرف الله وجهه عن النار، فإذا أقبل على الجنة ورآها سكت ما شاء الله أن يسكت، ثم يقول: أي رب، قدمني إلى باب الجنة، فيقول الله له: ألست قد أعطيت

عهودک ومواثيقک أن لا تسألني غير الذي أعطيت أبدا؟ ويلک يا ابن آدم ما أغدرک، فيقول: أي رب، ويدعو الله، حتى يقول: هل عسيت إن أعطيت ذلک أن تسأل غيره؟ فيقول: لا وعزتک، لا أسألک غيره، ويعطي ما شاء من عهود ومواثيق، فيقدمه إلى باب الجنة، فإذا قام إلى باب الجنة، انفهقت له الجنة، فرأى ما فيها من الحبرة والسرور، فيسكت ما شاء الله أن يسكت، ثم يقول: أي رب، أدخلني الجنة، فيقول الله: ألست قد أعطيت عهودک ومواثيقک أن لا تسأل غير ما أعطيت؟ فيقول: ويلک يا ابن آدم ما أغدرک، فيقول: أي رب، لا أكونن أشقى خلقک فلا يزال يدعو حتى يضحک الله منه، فإذا ضحک منه، قال له: ادخل الجنة، فإذا دخلها قال الله له: تمنه، فسأل ربه وتمنى، حتى إن الله ليذكره، يقول كذا وكذا، حتى انقطعت به الأماني، قال الله: ذلک لک، ومثله معه.

۷۴۳۸- قال عطاء بن يزيد، وأبو سعيد الخدري، مع أبي هريرة لا يرد عليه من حديثه شيئا حتى إذا حدث أبو هريرة أن الله تبارک وتعالى قال: ذلک لک ومثله معه، قال أبو سعيد الخدري: وعشرة أمثاله معه، يا أبا هريرة، قال أبو هريرة ما حفظت إلا قوله: ذلک لک ومثله معه، قال أبو سعيد الخدري أشهد أني حفظت من رسول الله صلى الله عليه وسلم قوله: ذلک لک وعشرة أمثاله قال أبو هريرة فذلک: الرجل آخر أهل الجنة دخولا الجنة.

ویتبع من کان یعبد الطواغیت الطواغیت: یوں ارشاد ہوگا جو جس چیز کی پرستش کرتا ہے وہ اسکے پیچھے چل پڑے، چنانچہ جو جسکے پرستار ہوں گے وہ اس کے پیچھے چل پڑینگے، آفتاب پرست اسکے پیچھے، ماہتاب پرست اس کے پیچھے، اصنام پرست ان کے پیچھے، یہ ان کا پیچھے چلنا کیسے ہوگا؟ اس میں دو احتمال ہیں (۱) ہو سکتا ہے جیسے اس دنیا میں ان چیزوں کی محبت ان کے دلوں میں تھی آخرت میں بھی ان چیزوں کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی جائیگی، اور جب ان چیزوں کو جہنم میں جھونک دیا جائیگا تو ان کے پرستاروں کو بھی جہنم میں جھونک دیا جائیگا (۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ قسراً وجبراً ان کو جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔

رہی یہ بات کہ اصنام اور آفتاب وماہتاب کا کیا قصور ہے کہ ان کو جہنم میں ڈال دیا جائیگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو تعذیباً نہیں ڈالا جائیگا بلکہ ان کو جہنم میں ڈال دیا جائیگا تاکہ جہنم کی تپش اور بڑھ جائے اور ان کے پرستش کرنے والوں کو حسرت وافسوس ہو کہ ہائے جن کی دنیا میں ہم پرستش کرتے تھے وہ خود ہمارے ساتھ جہنم میں ہیں۔

وتبقى هذه الأمة فيها شافعوها أو منافقوها: اور یہ امت رہ جائیگی اس میں ان کے شافعین یا منافقین ہوں گے، یہ أو شکِ راوی کے لئے ہے، اسی طرح ابراہیم بن سعد کی روایت میں وارد ہوا ہے، لیکن امام بخاری نے یہ روایت بطریق معمر کتاب الرقاق میں اور بطریق شعیب بن ابی حمزہ کتاب الصلاۃ میں روایت کی ہے، دونوں زہری سے نقل کرتے ہیں اس میں شافعوھا و منافقوھا واو سے ہے، لہٰذا ان دو کی روایت ابراہیم بن سعد کی روایت پر ارجح ہے، حافظ فرماتے ہیں وھو المعتمد، ہمارے حضرت گنگوہی فرماتے ہیں ہوسکتا ہے شافعون سے مراد منافقین ہی ہوں، اس لئے کہ دنیا میں ظاہری طور پر منافقین مسلمانوں کے لئے شفع بنے ہوئے تھے، ان کے ساتھ منضم اور جڑے ہوئے رہتے تھے، اس معنی کے لحاظ سے ان کو شافعوھا کہہ دیا گیا ہو، بہر حال روایت کے لحاظ سے منافقوھا کا لفظ ہی راجح ہے۔

فيأتيهم الله عز وجل فيقول أنا ربكم فيقولون: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں منافقین کو مؤمنین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہوگی، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا کفار و منافقین کو اللہ شانہ کی رؤیت حاصل ہوگی یا نہیں ہوگی؟ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سلف میں اس مسئلہ میں کوئی جھگڑا نہیں تھا، پھر فرماتے ہیں ہماری معلومات میں یہ جھگڑا تین صدی گذر جانے کے بعد ہوا ہے، علماء کی ایک جماعت نے تو اس مسئلہ میں کلام ہی نہیں کیا، سکوت کیا ہے، اور دوسرے حضرات نے کلام کیا پھر ان میں اختلاف ہوگیا کہ آیا آخرت میں کفار کو رؤیت و زیارت ہوگی یا نہیں۔

(۱) ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو ہرگز کوئی کافر نہیں دیکھ سکتا ہے، نہ وہ کافر جو کفر کا اظہار کرتا ہو، نہ وہ کافر جو ایمان کا اظہار اور کفر کا اخفاء کرتا ہو، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہی اکثر علماء متاخرین کا خیال ہے اور متقدمین کا عام کلام اسی پر دلالت کرتا ہے، اور عام طور سے امام احمد کے اصحاب اسی کے قائل ہیں۔

(۲) امام نووی نے ایک قول نقل کیا ہے جو حقیقت میں دوسرا قول ہے وہ یہ کہ آخرت میں مؤمنین و منافقین سب کو اللہ کی رؤیت حاصل ہوگی اسی طرح اہل کتاب کے بقایا بھی اللہ کو دیکھیں گے مگر یہ دیکھنا میدان قیامت میں ہوگا، پھر حق تعالیٰ شانہ منافقین سے پردہ فرمالیںگے اور پھر انہیں زیارت نصیب نہ ہوگی، محدث ابن

خزیمہ اسی بات کے قائل ہیں، قاضی ابویعلیٰ حنبلی نے بھی اسی کے قریب قریب ذکر فرمایا ہے لیکن امام نووی حدیث باب کی شرح میں فرماتے ہیں: قد يتوهم منه أن المنافقين يرون الله تعالىٰ مع المؤمنين وقد ذهب إلى هذا طائفة حكاه ابن فورك لقوله صلى الله عليه وسلم وتبقى هذه الأمة فيها منافقوها فياتيهم الله تعالىٰ، وهذا الذى قالوه باطل بل لا يراه المنافقون بإجماع من يعتد به من علماء المسلمين وليس فى الحديث تصريح برؤيتهم الله تعالىٰ وإنما فيه أن الجمع الذين فيهم المومنون والمنافقون يرون الصورة ثم بعد ذلك يرون الله تعالىٰ وهذا لا يقتضى أن يراه جميعهم وقد قامت دلائل الكتاب والسنة على أن المنافق لا يراه سبحانه وتعالىٰ، والله أعلم، (مسلم شریف ۱/۱۰۲ مع شرح نووی)۔

(۳) تیسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی لیکن یہ رؤیت اور زیارت ایسی ہوگی جیسے چور بادشاہ کو دیکھتا ہے، ڈاکو کلکٹر کو دیکھتا ہے، اس دیکھنے سے دل کو کوئی فرحت وخوشی نہیں ہوتی بلکہ ایک خوف اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے، دل گھٹن میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ دیکھنا شدت عذاب کے لئے ہوگا، ابو الحسن ابن سالم اور ان کے اتباع اسی طرح سہل تستری اور محدثین اور اہل تصوف کی ایک جماعت اسی بات کی قائل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فيقول: أنا ربكم فيقولون: أنت ربنا: جب پہلی مرتبہ تجلی ہوگی اور ارشاد ہوگا أنا ربكم تو کہیں گے کہ هذا مكاننا حتى يأتينا ربنا ہم تو یہیں رہیں گے جب ہمارے رب آئینگے تو ہم خود ہی پہچان جائینگے، اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ لوگ کہیں گے نعوذ باللہ منک اور پھر اسکی بعضوں نے توجیہ کی، ہو سکتا ہے یہ منافقین کا قول ہو، فلاں کا ہو، فلاں کا ہو، مگر یہ سب اقوال غلط ہیں۔

اصل میں تجلی ایسی ہوگی جسکی وجہ سے معرفت نا ممکن ہوگی، ڈرینگے اور کہیں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک نے تجلی نہ فرمائی ہو اور کوئی یوں ہی آکر ہمیں دھوکہ دے رہا ہو، اس کے بعد حق تعالیٰ ایسی تجلی فرمائیں گے جس سے سب کو معرفت ہو جائیگی اور ارشاد ہوگا أنا ربكم تو کہیں گے أنت ربنا۔

اس حدیث میں ہے: فيأتيهم الله فى صورته التى يعرفون، اللہ اپنی صورت میں آئیں گے جس سے وہ پہچان لینگے، اس سے ابن قتیبہ نے فرمایا: إن لله تعالىٰ صورة لا كالصور، ابن قتیبہ کچھ تجسیم کی طرف مائل ہے،

اس نے مجسمہ کا مسلک اختیار کر لیا ہے اور اللہ کے لئے صورت کا قائل ہے، مجسمہ اسی طرح کے نصوص سے تمسک کرتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں صورت علامت کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور صفت کے معنی میں بھی، کہا جاتا ہے تمہارے کلام کی صورت تو یہ ہوئی، آپ کی تقریر کی صورت یہ ہوئی، مسئلہ کی صورت یہ ہوئی، اور حساب کی صورت یہ ہوئی، بتاؤ تقریر و کلام اور حساب وغیرہ کی کوئی صورت ہوتی ہے؟ بلکہ اس کی صفت ہوتی ہے، تو مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ خاص صفت کے اندر تجلی فرمائیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ توجیہ جو ہم نے کی ہے حضرت امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں اسی طرف مائل ہیں اور امام نووی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، علامہ ابن التین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صورت اعتقاد ہے، مطلب یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی حقانیت اور الوہیت اور اس کی معبودیت کا اعتقاد تھا وہ اعتقاد جلوہ گر ہوگا اور وہ اپنے معبود کو پہچان لینگے، امام خطابی فرماتے ہیں ہو سکتا ہے یہ کلام علی وجہ المشاکلہ ہو، ماقبل میں شمس و قمر اور طواغیت کا تذکرہ آیا تھا ان کی صورتیں ہوتی ہیں تو یہاں بھی کلام علی وجہ المشاکلہ کیا ہو اور اللہ کی طرف صورت کی اضافت کی گئی ہو۔

مگر میں تو قدماء محدثین کے مسلک کو زیادہ پسند کرتا ہوں، أمرّوھا کما جاءت ولا تقولوا کیف وکم، جب اللہ کی حقیقت سے واقفیت نہیں تو اس کے حق میں صورت کے اطلاق سے واقفیت کیسے ہو سکتی ہے، انسان صورت بول کر اپنی صورت سمجھتا ہے، ان اشیاء کی صورت سمجھتا ہے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اور حواس سے محسوس کرتا ہے اور حق تعالیٰ ادراک حواس سے بالا و برتر ہے تو پھر اس کے بارہ میں اگر صورت کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت کے معنی کیسے مراد ہو سکتے ہیں اور وہاں تک عقل کی رسائی کیسے ہو سکتی ہے، بہتر یہ ہے کہ ان تمام نصوص کے بارے میں آدمی ایمان و یقین رکھے کہ جو اس کی حقیقی مرادات ہیں وہ حق ہیں اور ان کو اسی طرح استعمال کرے مگر اپنی طرف سے نہ تشبیہ اختیار کرے نہ تعطیل۔

ویضرب الصراط بین ظھری جھنم: جہنم پر پل صراط قائم کر دیا جائیگا، مسلم شریف ص ۱۰۳ پر حضرت ابو سعید کا قول منقول ہے بلغنی أن الجسر أدق من الشعر وأحدّ من السیف اور کچے حاشیہ پر مسند

احمد (۶/ ۱۱۰) سے نقل ہوا ہے وحديث عائشة مرفوعاً ولجهنم جسر أدق من الشعر وفيه ابن لهيعة۔

(کچے حاشیہ سے مراد میرا حاشیہ ہے جو قلم سے لکھا ہوا ہے پکا حاشیہ وہ جو چھپا ہوا ہے)۔

فأكون أنا وأمتي أول من يجيز: میں اور میری امت اس پر سب سے پہلے پار ہو جائینگے، اس کے دو مطلب ہیں، یا تو مطلب یہ ہے کہ نبیوں میں سب سے پہلے سید الانبیاء جائینگے اور امتوں میں سب سے پہلے خیر الامم جائے گی، اور یا مطلب یہ ہے کہ پہلے سرکار دوعالم ﷺ اپنے خدام اور متبعین کے ساتھ گذر جائیں گے پھر دیگر انبیاء درجہ بدرجہ اپنے خدام و متعلقین کے ساتھ گذرینگے، اور اس سے امت محمدیہ کی تفضیل دیگر انبیاء پر لازم نہیں آتی ہے، جیسے بادشاہ کے ساتھ اس کے خدام چلتے ہیں اس سے ان خدام کی وزیر پر فضیلت معلوم نہیں ہوتی ایسے ہی اس امت کے افراد حضور اکرم ﷺ کے زیر سایہ سب سے پہلے عبور کر جائینگے، لیکن بہرحال انبیاء تو انبیاء ہیں۔

ولا يتكلم يومئذ إلا الرسل: اس دن رسل کے علاوہ کوئی کلام نہیں کریگا، اس پر اشکال یہ ہے کہ ترمذی میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں وارد ہوا ہے ودعوى المؤمنين يومئذ اللهم سلم اللهم سلم، یا دعاء المؤمنین ہے معنی ایک ہے یعنی مسلمان اس دن اللّٰھم سلّم کہیں گے، اے اللہ سلامت رکھ اے اللہ سلامت رکھ، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات رسل علیہم السلام اس دن زبان سے کلام کر رہے ہوں گے اور مؤمنین دل دل میں اللھم سلم پڑھ رہے ہوں گے، زبان خاموش اور گنگ ہوگی۔

وفي جهنم كلاليب: جہنم میں آنکڑے ہونگے، مثل شوک السعدان جیسے سعدان کے کانٹے ہوتے ہیں، شکل میں اسکے مشابہ ٹیڑھے ٹیڑھے ہوں گے، باقی بڑائی کا اندازہ اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔

تخطف الناس بأعمالهم: لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے اچک لیں گے۔

فمنهم المؤمن بقي بعمله والموبق بعمله: بعض امن والا ہوگا اپنے عمل کی وجہ سے بچ جائیگا اور بعض اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہوگا۔

ومنهم المخردل أو المجازى: اور بعض ایسے ہوں گے جن کو ذراسی خراش آجائیگی، کہیں کٹ جائینگے۔

أمر الملائكة أن يخرجوا: اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اجازت دینگے کہ نکالو جو لا الہ الا اللہ کے قائلین ہیں اور علامت یہ ہے کہ ان کے آثارِ سجود محفوظ ہوں گے، مسلم کی روایت میں ہے **يحترقون فيها إلا دارات وجوههم** سب جل جائینگے سوائے چہروں کی تدویر یعنی گول حصہ کے کہ وہ محفوظ رہیں گے۔

ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے لیکن جمع کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ مخصوص لوگ ہوں گے جن کے پورے چہرے محفوظ رہیں گے ورنہ عام طور سے جہنم میں جانیوالوں کے مواضع سجود تو محفوظ رہیں گے باقی سارا حصہ جل جائیگا اور انہی مواضع سجود سے پہچان لئے جائینگے، اس پیشانی رگڑنے کی بڑی لاج رکھی جائیگی کہ اللہ تعالیٰ ان سجدوں کی جگہوں کو محفوظ فرمادینگے، جہنم ان کو نہیں کھائیگی، اور یہ تو ظاہری سجدہ کا عالم ہے اگر اپنے دل سے اور اپنی روح سے اس مالک کے لئے سجدہ کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ لاج رکھیں گے اور اس روح کو عذاب نہیں دینگے، اور روح کا سجدہ یہ ہے کہ اپنے معاصی کا دل سے اعتراف کرے اور اس مولائے برحق کی بزرگی و برتری کا اعتراف کرے، یہ سوچے کہ ہم تو اپنے اعمال کے سبب ذلیل و خاک ہیں، جہنم کے مستحق ہیں لیکن اگر وہ کرم کردے اور معاف کردے تو وہ اس کا مستحق ہے، اور جس میں جو بات ہوتی ہے اس سے اسی کا ظہور ہوتا ہے، بندہ سے خطا کا ظہور ہوتا ہے، **كلكم خطّاؤن وخير الخطّائين التوابون**، اور اللہ تعالیٰ غفار ہیں **وإني لغفار لمن تاب**۔

حافظ ابن حجر کے والد کا ایک شعر ہے جو پہلے بھی سنا چکا ہوں:

يارب أعضاء السجود عتقتها من عبدك الجاني وأنت الواقي

والعتق يسري بالغنى ياذا الغنى فامنن على الفاني بعتق الباقي

اے اللہ آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے اعضاء سجود کو آزاد کردیا ہے اور عتق کا قاعدہ ہے کہ وہ سرایت کرتا ہے، کوئی یہ کہدے کہ نصف عبدی حر، تو حریت نصف عبد تک نہیں پہونچتی بلکہ پورے عبد میں پہونچ جاتی ہے، لہذا تو تو سب سے بڑا مالک ہے اور ہم تیرے سب سے کم تر غلام ہیں، اور جب تونے اپنے کرم سے ہمارے بعض اعضاء کو آزاد کردیا ہے تو عتق کا قاعدہ تو سرایت کا ہے، لہذا یہ قاعدہ تیرے یہاں تو بدرجۂ اولی استعمال ہونا چاہئے، لہذا جس نے اپنے اوپر جنایت کی ہے اس پر فضل فرماکر اس کے باقی کو بھی آزاد

کردے، (آمین)۔

ثم يفرغ الله من القضاء بين العباد: اس فراغت سے مراد ہماری فراغت نہیں کہ ایک کام میں ہاتھ پھنسا ہوا ہے تو دوسرا کام نہیں کرسکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسری طرف التفات فرمائیں گے۔

قشبني ريحها وأحرقني ذكاءها: اس کی بو نے مجھے تکلیف پہونچادی اور اس کی لپٹوں نے مجھے جلادیا، **انفهقت:** کھل کھلا اٹھیگی، **ما أغدرك:** تو نے وعدہ نہیں کیا تھا، بڑا بے وفا ہے، بڑا بدعہد ہے۔

فلا يزال يدعو حتى يضحك الله: دعا کرتا رہے گا حتی کہ اللہ ہنس پڑینگے۔

حتى انقطعت به الأماني: آرزو یاد نہیں آئیگی، یہ روایت کتاب الصلاۃ باب فضل السجود میں گذر چکی ہے۔

۷۴۳۹- حدثنا يحيى بن بكير، حدثنا الليث بن سعد، عن خالد بن يزيد، عن سعيد بن أبي هلال، عن زيد، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري، قال: قلنا يا رسول الله هل نرى ربنا يوم القيامة؟ قال: هل تضارون في رؤية الشمس والقمر إذا كانت صحوا؟ قلنا: لا، قال: فإنكم لا تضارون في رؤية ربكم يومئذ، إلا كما تضارون في رؤيتهما ثم قال: ينادي مناد: ليذهب كل قوم إلى ما كانوا يعبدون، فيذهب أصحاب الصليب مع صليبهم، وأصحاب الأوثان مع أوثانهم، وأصحاب كل آلهة مع آلهتهم، حتى يبقى من كان يعبد الله، من بر أو فاجر، وغبرات من أهل الكتاب، ثم يؤتى بجهنم تعرض كأنها سراب، فيقال لليهود: ما كنتم تعبدون؟ قالوا: كنا نعبد عزير ابن الله، فيقال: كذبتم، لم يكن لله صاحبة ولا ولد، فما تريدون؟ قالوا: نريد أن تسقينا، فيقال: اشربوا، فيتساقطون في جهنم، ثم يقال للنصارى: ما كنتم تعبدون؟ فيقولون: كنا نعبد المسيح ابن الله، فيقال: كذبتم، لم يكن لله صاحبة، ولا ولد، فما تريدون؟ فيقولون: نريد أن تسقينا، فيقال: اشربوا فيتساقطون في جهنم، حتى يبقى من كان يعبد الله من بر أو فاجر، فيقال لهم: ما يحبسكم وقد ذهب الناس؟ فيقولون: فارقناهم، ونحن أحوج منا إليه اليوم، وإنا سمعنا مناديا ينادي: ليلحق كل قوم بما كانوا يعبدون، وإنما ننتظر ربنا، قال: فيأتيهم الجبار في صورة غير صورته التي رأوه فيها أول مرة، فيقول: أنا ربكم، فيقولون: أنت ربنا، فلا يكلمه إلا الأنبياء، فيقول: هل بينكم وبينه آية تعرفونه؟ فيقولون: الساق، فيكشف عن ساقه، فيسجد له كل مؤمن، ويبقى من كان يسجد لله رياء وسمعة، فيذهب كيما يسجد، فيعود ظهره طبقا واحدا، ثم يؤتى بالجسر فيجعل بين ظهري جهنم، قلنا: يا رسول الله، وما الجسر؟ قال: مدحضة مزلة، عليه خطاطيف وكلاليب، وحسكة

مفلطحة لها شوكة عقيفاء، تكون بنجد، يقال لها: السعدان، المؤمن عليها كالطرف وكالبرق وكالريح، وكأجاويد الخيل والركاب، فناج مسلم، وناج مخدوش، ومكدوس في نار جهنم، حتى يمر آخرهم يسحب سحبا، فما أنتم بأشد لي مناشدة في الحق، قد تبين لكم من المؤمن يومئذ للجبار، وإذا رأوا أنهم قد نجوا، في إخوانهم، يقولون: ربنا إخواننا، كانوا يصلون معنا، ويصومون معنا، ويعملون معنا، فيقول الله تعالى: اذهبوا، فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار من إيمان فأخرجوه، ويحرم الله صورهم على النار، فيأتونهم وبعضهم قد غاب في النار إلى قدمه، وإلى أنصاف ساقيه، فيخرجون من عرفوا، ثم يعودون، فيقول: اذهبوا فمن وجدتم في قلبه مثقال نصف دينار فأخرجوه، فيخرجون من عرفوا، ثم يعودون، فيقول: اذهبوا فمن وجدتم في قلبه مثقال ذرة من إيمان فأخرجوه، فيخرجون من عرفوا" قال أبو سعيد: فإن لم تصدقوني فاقرءوا: ﴿إِنَّ اللهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا﴾، فيشفع النبيون والملائكة والمؤمنون، فيقول الجبار: بقيت شفاعتي، فيقبض قبضة من النار، فيخرج أقواما قد امتحشوا، فيلقون في نهر بأفواه الجنة يقال له: ماء الحياة، فينبتون في حافتيه كما تنبت الحبة في حميل السيل، قد رأيتموها إلى جانب الصخرة، وإلى جانب الشجرة، فما كان إلى الشمس منها كان أخضر، وما كان منها إلى الظل كان أبيض، فيخرجون كأنهم اللؤلؤ، فيجعل في رقابهم الخواتيم، فيدخلون الجنة، فيقول أهل الجنة: هؤلاء عتقاء الرحمن، أدخلهم الجنة بغير عمل عملوه، ولا خير قدموه، فيقال لهم: لكم ما رأيتم ومثله معه.

إذا كانت صحوًا: جب چاشت کا وقت ہو اور بعض الفاظ میں ہے صحوًا جب اس پر بادل نہ ہو۔

غبرات: غابر کی جمع ہے، بقایا اہل الکتاب۔ **سراب:** وہ ریت جو دور سے پانی نظر آئے۔

كنا نعبد عزير ابن الله: اس پر اشکال یہ ہے کہ یہود تو عزیر کی پرستش نہیں کرتے ہیں وہ تو اللہ کی توحید کے قائل ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے جو عزیر کی الوہیت کا قائل ہے اور شام کے بعض اطراف میں آج بھی موجود ہیں۔

فيقولون: فارقناهم ونحن أحوج منا إليه اليوم: وہ کہیں گے کہ ہم ان سے جدا رہے اور آج کے دن ہم اس کی طرف زیادہ محتاج ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم جب دنیا میں ان کے ساتھ نہیں رہے تو آج جب ہماری احتیاج مالک کی طرف زیادہ ہوگئی ہے تو ہم ان کی معیت و موافقت کہاں کر سکتے ہیں۔

اسی حدیث کے دوسرے الفاظ میں وارد ہوا ہے فارقنا الناس فی الدنیا علی أفقر ما كنا إليهم ولم

نصاحبھم، یہ لفظ کتاب التفسیر میں ص ۶۵۹ پر گذر چکا ہے اور مسلم شریف میں بھی یہی لفظ وارد ہوا ہے، حافظ ابن حجر کو کتاب التفسیر کا لفظ مستحضر نہیں تھا اس لئے انہوں نے صرف مسلم کا حوالہ دیا ہے، اس صورت میں اس کے معنی ظاہر ہیں کہ ہم لوگوں سے دنیا میں جدا رہے جب کہ ہم ان کے بہت زیادہ محتاج تھے آج جب کہ ہمیں ان کی کوئی احتیاج نہیں ہے تو ہم کیوں ان کے ساتھ جائینگے۔

فیأتیھم الجبار فی صورۃ غیر صورتہ التی رأوہ فیھا أول مرۃ: پہلی تجلی جو ہوئی تھی اس کے بعد ایک دوسری تجلی ہوگی اور طرح کی۔

فیقولون: الساق: ہمارے اور اسکے درمیان علامت ساق ہے اس سے پہچان لینگے۔

فیکشف عن ساق: اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:﴿یوم یکشف عن ساق﴾، الآیۃ۔

اس ساق کی تفسیر میں بڑا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ایک نور عظیم ظاہر ہوگا، بعض کہتے ہیں کہ اس سے اللہ کے الطاف وانعامات مراد ہیں، بعض کہتے ہیں ساق بعض المخلوقین مراد ہے، اور بعض کہتے ہیں یہ کنایہ ہے شدت سے، کہا جاتا ہے **کشفت الحرب عن ساقھا**، جب جنگ بڑی شدید ہو جائے۔

لیکن میں تو ان نصوص کے بارہ میں اپنا مسلک بتا چکا ہوں کہ سلف صالح کا طرز تسلیم و تفویض مجھے پسند ہے، اس لئے **یکشف عن ساق** کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور کوئی تاویل نہ کی جائے، حضرت اقدس تھانوی نے بیان القرآن میں آیت کریمہ **یوم یکشف عن ساق** کا ترجمہ کیا ہے جس دن تجلی ساق فرمائی جائیگی، حضرت نے بھی اس کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے اور کوئی توجیہ و تاویل نہیں فرمائی۔

بالجسر: جسر بمعنی پل۔ **وما الجسر:** پل کیا ہے؟ **مدحضۃ:** پھسل جانے کی جگہ، قدم کے ڈگمگا جانے کے جگہ۔ **علیہ خطاطیف:** جمع خُطّاف وہ لوہا جسکا سرا مڑا ہوا ہو جس کو آنکڑا کہہ دیتے ہیں۔ **کلالیب:** کُلّوب کی جمع یہ بھی آنکڑا کہلاتا ہے۔ **حسکۃ:** گوکھرو ہوں گے، ایک کانٹا ہے جس کے تین طرف کانٹے نکلے ہوتے ہیں، بعض نے اس کی اور بھی تفسیر کی ہے۔ **مفلطحۃ:** أی واسعۃ، یعنی بہت وسیع وعریض ہوں گے۔ **شوکۃ عقیفۃ:** ٹیڑھے کانٹے ہوں گے، ٹیڑھے کانٹوں کا خاصہ یہ ہے کہ گھسنے کے بعد

نکالنا مشکل ہوتا ہے، سیدھا کانٹا گھس گیا فوراً کھینچ کر نکالدیا۔ **تکون بنجد:** یہ گوکھرو نجد میں ہوتا ہے۔ **کالطرف:** مومن تو ایسے گذریگا جیسے پلک جھپکنے کے برابر ہو۔ **وکالبرق:** جیسے بجلی کوندی۔ **وکالریح:** اور جیسے ہوا گذری۔ **وکأجاویدالخیل:** اور جیسے تیز رفتار گھوڑے۔ **وکالرکاب:** اور جیسے سواریاں۔ **فناج مسلّم:** بعض تو نجات پاجائیگا اور بالکل سالم چلا جائیگا۔ **وناج مخدوش:** بعض نجات پائیگا مگر کچھ خراش آجائیگی۔ **مکدوش:** جہنم میں گر جائیگا۔

فما أنتم بأشدّ لی مناشدة بالحق: مطلب یہ کہ جیسے آدمی دنیا میں حق کے لئے مطالبہ کرتا ہے ایسے ہی جب مومنین جہنم میں جاپڑینگے تو دوسرے مومنین کہیں گے کہ اے اللہ یہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے روزہ بھی رکھتے تھے اعمال صالحہ بھی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائینگے اچھا جاؤ جس کے دل میں دینار برابر ایمان ہو اسکو نکال لاؤ چنانچہ نکال لائینگے۔

ویحرّم اللہ صورھم علی النار: ان کی صورتیں نار پر حرام فرمادینگے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری صورت محفوظ رہے گی، اب جو بعض احادیث میں مواضع سجود کا ذکر ہے تو اس میں تعارض ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ کوئی تعارض نہیں ہے، چہرہ کی تدویر تو پوری محفوظ رکھی جائیگی کیونکہ چہرہ تو پورا اللہ کے سامنے سجدہ میں پڑجاتا ہے، پیشانی ناک رخسار ہونٹ سب ہی تو سجدہ میں گرتے ہیں تو یہ محفوظ رہیں گے باقی جسم میں اعضاء سجود پڑتے ہیں تو وہ محفوظ رہیں گے، سوال یہ ہے کہ مسلم میں ہے کہ سب جل جائینگے إلا دارت وجوھھم، صرف چہرہ کا دائرہ محفوظ رہیگا، قاضی کہتے ہیں کہ یہ کوئی دوسری قوم مخصوص کے بارے میں وارد ہوا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ روایت کو اختصار پر محمول کیا جائے اور کہا جائے کہ تدویر وجہ اور اعضاءِ سجود محفوظ رہیں گے۔

أدخلھم الجنة بغیر عمل عملوہ ولا خیر قدموہ: یہ وہ لفظ آگیا بغیر عمل عملوہ ولا خیر قدموہ، میں نے کہا تھا کہ امام بخاری نے کتاب الایمان میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث پر ترجمہ منعقد کیا ہے باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال کا، وہاں میں نے بتلایا تھا کہ اگرچہ وہاں کی روایت میں تفاضل درجات کا کوئی ذکر نہیں لیکن روایت مفصلہ میں ذکر ہے اور وہ روایت مفصلہ یہ ہے۔

٧٤٤٠- وقال حجاج بن منهال، حدثنا همام بن يحيى، حدثنا قتادة، عن أنس رضي الله عنه: أن

النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يحبس المؤمنون يوم القيامة حتى يهموا بذلك، فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا فيريحنا من مكاننا، فيأتون آدم، فيقولون: أنت آدم أبو الناس، خلقك الله بيده، وأسكنك جنته، وأسجد لك ملائكته، وعلمك أسماء كل شيء، لتشفع لنا عند ربك حتى يريحنا من مكاننا هذا، قال: فيقول: لست هناكم، قال: ويذكر خطيئته التي أصاب: أكله من الشجرة، وقد نهي عنها، ولكن ائتوا نوحا أول نبي بعثه الله إلى أهل الأرض، فيأتون نوحا فيقول: لست هناكم، ويذكر خطيئته التي أصاب: سؤاله ربه بغير علم، ولكن ائتوا إبراهيم خليل الرحمن، قال: فيأتون إبراهيم فيقول: إني لست هناكم، ويذكر ثلاث كلمات كذبهن، ولكن ائتوا موسى: عبدا آتاه الله التوراة، وكلمه، وقربه نجيا، قال: فيأتون موسى، فيقول: إني لست هناكم، ويذكر خطيئته التي أصاب قتله النفس، ولكن ائتوا عيسى عبد الله ورسوله وروح الله وكلمته، قال: فيأتون عيسى، فيقول: لست هناكم، ولكن ائتوا محمدا صلى الله عليه وسلم، عبدا غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، فيأتوني، فأستأذن على ربي في داره فيؤذن لي عليه، فإذا رأيته وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، فيقول: ارفع محمد، وقل يسمع، واشفع تشفع، وسل تعط، قال: فأرفع رأسي، فأثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه، ثم أشفع فيحد لي حدا، فأخرج فأدخلهم الجنة، - قال قتادة: وسمعته أيضا يقول: فأخرج فأخرجهم من النار، وأدخلهم الجنة - ثم أعود الثانية: فأستأذن على ربي في داره، فيؤذن لي عليه، فإذا رأيته وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقول: ارفع محمد، وقل يسمع، واشفع تشفع، وسل تعط، قال: فأرفع رأسي، فأثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه، قال: ثم أشفع فيحد لي حدا، فأخرج، فأدخلهم الجنة، - قال قتادة، وسمعته يقول: فأخرج فأخرجهم من النار وأدخلهم الجنة - ثم أعود الثالثة: فأستأذن على ربي في داره، فيؤذن لي عليه، فإذا رأيته وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني، ثم يقول ارفع محمد، وقل يسمع، واشفع تشفع، وسل تعطه، قال: فأرفع رأسي، فأثني على ربي بثناء وتحميد يعلمنيه، قال: ثم أشفع فيحد لي حدا، فأخرج فأدخلهم الجنة، - قال قتادة وقد سمعته يقول: فأخرج فأخرجهم من النار، وأدخلهم الجنة - حتى ما يبقى في النار إلا من حبسه القرآن"، أي وجب عليه الخلود، قال: ثم تلا هذه الآية: ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ قال: وهذا المقام المحمود الذي وعده نبيكم صلى الله عليه وسلم.

أكله من الشجرة: یہ شجرہ کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں الحنطة، بعض کہتے ہیں العنبة، بعض کہتے ہیں التينه، بعض کہتے ہیں کہ ایک درخت تھا جو اسکو کھاتا حدث لاحق ہو جاتا تھا۔

ویذکر ثلاث کذبات: تین کذبات کا تذکرہ فرمائینگے، ان کا ذکر ترجمۂ ابراہیم میں مع ان کی توجیہات کے گذر چکا، إنی سقیم، بل فعلہ کبیرھم، ھذہ أختی تین کلامات ہیں۔

فیأتون عیسیٰ فیقول: لست ھناکم: بعض روایات میں ہے وہ کہیں گے إنی اتُخِذت إلٰھا من دون اللہ مجھے اللہ کے سوا الٰہ بنالیا گیا، اور بعض روایات میں ہے کہ وہ کسی خطا کا تذکرہ نہیں کرینگے، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ ان کو معبود والٰہ بنانا ان کی خطا نہیں تھی، قوم کی خطا ہے مگر حضرت عیسیٰ کو خوف ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت حق پوچھ بیٹھیں کہ تم نے کیا تبلیغ کی تھی کہ تم کو قوم نے خدا بنالیا، تو میں کیا جواب دے پاؤنگا اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی کے سامنے ہر شخص لرز رہا ہوگا، آخر میں نمبر سید الاولین فخر الانبیاء ﷺ کا آئیگا، حضرت عیسیٰ کہیں گے ولکن ائتوا محمدًا عبدًا غفر اللہ لہ ما تقدم مِن ذنبہ وما تأخر ایسے کے پاس جاؤ جسکے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیے گئے ہیں، اس لفظ کے متعلق کئی جگہ کلام کرچکا ہوں، ایک قول یہ ہے کہ یہ کلام تشریف وتکریم کیلئے ہے، انبیاء کرام سب کی مغفرت ہوچکی ہے لیکن حضور ﷺ کی مغفرت کا اعلان ہوچکا ہے، اس اعلانِ مغفرت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو کوئی خوف نہیں ہوگا، حضرات انبیاء اپنے بارے میں خائف ہوں گے، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس سے گناہ کا صدور نہ ہوا ہو وہ اس سے بہتر ہے جس سے گناہ کا صدور ہوا ہو۔

آیا وہ شخص جو گناہوں سے تائب ہو جائے کیا اس شخص کے درجہ کو پہونچ سکتا ہے جس سے گناہ کا صدور نہ ہوا ہو؟ حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ سے اس مسئلہ کے متعلق سوال ہوا انہوں نے اسکے متعلق یہ جواب دیا کہ بعض وقت پہونچ جاتا ہے اور بعض وقت آگے بڑھ جاتا ہے بعض وقت پیچھے رہ جاتا ہے، اگر آدمی کوشش کرکے مافات کا تدارک کرلے تو اس کے درجہ کو پہونچ جائیگا اگر کوشش نہ کرے تو نہیں پہونچے گا اور اگر کوشش کرکے مافات کا تدارک کرلے اور پھر مجاہدہ کرکے کچھ اور حاصل کرلے تو آگے بڑھ جائیگا اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ کریم کے ساتھ معاملہ ہے اسلئے گنہگار بھی توقع کئے ہوئے ہیں جیسے نیک لوگ توقع کرتے ہیں۔

فاستأذن علی ربی فی دارہ: یہاں دار کی اضافت اللہ کی طرف اضافتِ تشریف وتکریم ہے اور مراد دار جنت ہے، اور اللہ کے دار جنت میں حضور اکرم ﷺ ایک دم سجدہ ریز ہوجائینگے۔

واشفع تشفع وسل تعطہ۔

آہا اجازت ہے تجھے زیبا شفاعت ہے تجھے

هذا المقام المحمود: یعنی شفاعت کبریٰ و عظمیٰ، ویسے اس حدیث پر ایک اشکال ہوتا ہے، میں وہ اشکال مسلم شریف میں کر کے جواب دے چکا ہوں اور آئندہ یہ حدیث پھر مفصلا آنے والی ہے، وہاں محشی نے داودی کے حوالہ سے اعتراض نقل کیا ہے، وہیں محشی کے اتباع میں میں اعتراض بھی نقل کرونگا اور جواب بھی دونگا۔

٧٤٤١- حدثنا عبيد الله بن سعد بن إبراهيم، حدثني عمي، حدثنا أبي، عن صالح، عن ابن شهاب، قال: حدثني أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أرسل إلى الأنصار، فجمعهم في قبة وقال لهم: اصبروا حتى تلقوا الله ورسوله، فإني على الحوض.

٧٤٤٢- حدثني ثابت بن محمد، حدثنا سفيان، عن ابن جريج، عن سليمان الأحول، عن طاوس، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا تهجد من الليل قال: اللهم ربنا لك الحمد أنت قيم السموات والأرض، ولك الحمد أنت رب السموات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد أنت نور السموات والأرض ومن فيهن، أنت الحق، وقولك الحق، ووعدك الحق، ولقاؤك الحق، والجنة حق، والنار حق، والساعة حق، اللهم لك أسلمت، وبك آمنت، وعليك توكلت، وإليك خاصمت، وبك حاكمت، فاغفر لي ما قدمت وما أخرت، وأسررت وأعلنت، وما أنت أعلم به مني، لا إله إلا أنت، قال أبو عبد الله: قال قيس بن سعد، وأبو الزبير، عن طاوس: قيام، وقال مجاهد: القيوم القائم على كل شيء، وقرأ عمر، القيام، وكلاهما مدح.

٧٤٤٣- حدثنا يوسف بن موسى، حدثنا أبو أسامة، حدثني الأعمش، عن خيثمة، عن عدي بن حاتم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما منكم من أحد إلا سيكلمه ربه، ليس بينه وبينه ترجمان، ولا حجاب يحجبه.

ولا حجاب يحجبه: جب کوئی حجاب نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا، رؤیت ثابت ہوگئی۔

٧٤٤٤- حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا عبد العزيز بن عبد الصمد، عن أبي عمران، عن أبي بكر بن عبد الله بن قيس، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنتان من فضة، آنيتهما وما فيهما، وجنتان من ذهب، آنيتهما وما فيهما، وما بين القوم وبين أن ينظروا إلى ربهم إلا رداء الكبر على وجهه في جنة

عدن.

إلا رداء الكبر: بس عظمت کی رداء پڑی ہو گی اسکو ہٹا دینگے اور زیارت ہو جائیگی۔

۷۴٤٥- حدثنا الحميدي، حدثنا سفيان، حدثنا عبد الملك بن أعين، وجامع بن أبي راشد، عن أبي وائل، عن عبد الله رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اقتطع مال امرئ مسلم بيمين كاذبة، لقي الله وهو عليه غضبان قال عبد الله: ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم، مصداقه من كتاب الله جل ذكره: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ الآية.

۷۴٤٦- حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا سفيان، عن عمرو، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر إليهم: رجل حلف على سلعة لقد أعطى بها أكثر مما أعطى وهو كاذب، ورجل حلف على يمين كاذبة بعد العصر ليقتطع بها مال امرئ مسلم، ورجل منع فضل ماء فيقول الله يوم القيامة: اليوم أمنعك فضلي كما منعت فضل ما لم تعمل يداك.

ولا ينظر إليهم: ظاہر ہے جب اللہ نظر نہیں فرمائیگا تو یہ لوگ بھی نہیں دیکھ پائینگے، اور جن میں یہ باتیں نہیں ہوں گی اللہ تعالی ان کی طرف نظر فرمائینگے اور جب اللہ تعالی نظر فرمائینگے تو یہ بھی ان کی طرف نظر فرمائینگے، هذا وجه الاستدلال۔

۷۴٤۷- حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا عبد الوهاب، حدثنا أيوب، عن محمد، عن ابن أبي بكرة، عن أبي بكرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض، السنة اثنا عشر شهرا: منها أربعة حرم، ثلاث متواليات، ذو القعدة، وذو الحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان، أي شهر هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه يسميه بغير اسمه، قال: أليس ذا الحجة؟، قلنا: بلى، قال: أي بلد هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: أليس البلدة؟ قلنا: بلى، قال: فأي يوم هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، قال: أليس يوم النحر؟ قلنا: بلى، قال: فإن دماءكم وأموالكم - قال محمد وأحسبه قال: وأعراضكم - عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا، وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم، ألا فلا ترجعوا بعدي ضلالا،

یضرب بعضکم رقاب بعض، ألا لیبلغ الشاهد الغائب، فلعل بعض من یبلغه أن یکون أوعی له من بعض من سمعه، -فکان محمد إذا ذکره قال: صدق النبي صلی الله علیه وسلم-، ثم قال: ألا هل بلغت ألا هل بلغت.

وستلقون ربکم: تم اپنے رب سے ملاقات کروگے، اس لفظ ملاقات سے مصنف نے رؤیت کو ثابت کیا ہے اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ اگر ملاقی ذوالبصر ہو تو ملاقات کے وقت اسکا مشاہدہ کرتا ہے، ابو عبد اللہ ابن بطہ حنبلی اصبہانی نے لقاء وارد فی کتاب اللہ کی تفسیر رؤیت سے کی ہے کما نقله العلامة ابن تیمیه فی الفتاوی۔

قال: صدق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا فلعل بعض من یبلّغه الخ یہ سچ فرمایا، واقعی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو بلاواسطہ بات پہونچتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو بالواسطہ پہونچتی ہے اور وہ اوعیٰ ہوتے ہیں دوسروں سے۔

اب یہ سمجھو کہ امام بخاری نے رؤیتِ باری کے مسئلہ میں بہت تفصیل سے کام لیا ہے اور چار صفحات میں اسکی روایتیں جمع فرمائی ہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہا تھا اسلئے مصنف نے یہ بتادیا کہ اس میں ایک دو روایتیں نہیں ہیں جن کو آدمی خبر واحد کہہ کر ہاتھ جھاڑ دے بلکہ روایات کثیرہ شہیرہ درجہ تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں اسلئے ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور میں روایات کی تعداد شروع میں ذکر کرچکا ہوں، کوئی سترہ، کوئی بیس سے کم، کوئی اکیس، کوئی تیئیس، کوئی ستائیس، کوئی اٹھائیس ذکر کرتا ہے اور طرق کو دیکھا جائے تو تیس سے زائد روایتیں ہو جائینگی، بھلا اتنے پر بھی اعتماد و یقین حاصل نہ ہو تو کتنے پر حاصل ہوگا۔

(ص۱۱۰۹) باب ماجاء فی قول الله

﴿إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾

اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے، بظاہر اس باب سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کو ثابت کرنا ہے مگر اس صفت کو مصنف ما قبل میں ثابت کر آئے ہیں، اب تکرار کا اشکال ہوتا ہے، مگر اس تکرار کے متعلق میں ما قبل میں جواب دے آیا ہوں کہ امام بخاری بعض وقت ایک ہی صفت عنوان کے بدل جانے کی وجہ سے مکرر

ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ صفت مختلف عنوان کیساتھ نصوص قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے، اور ممکن ہے کہ یہ ترجمہ رؤیت باری تعالی کے بعد منعقد کر کے یہ بات ثابت کی ہو کہ آخرت میں اللہ تعالی کی رؤیت محسنین کو حاصل ہوگی کیونکہ رؤیت ہونا یہ اللہ کی خاص رحمت ہے، وإن رحمة الله قريب من المحسنين۔

۷۴۴۸- حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عبد الواحد، حدثنا عاصم، عن أبي عثمان، عن أسامة قال: كان ابن لبعض بنات النبي صلى الله عليه وسلم يقضي، فأرسلت إليه أن يأتيها، فأرسل إن لله ما أخذ، وله ما أعطى، وكل إلى أجل مسمى، فلتصبر ولتحتسب، فأرسلت إليه فأقسمت عليه، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقمت معه، ومعاذ بن جبل، وأبي بن كعب، وعبادة بن الصامت، فلما دخلنا ناولوا رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبي ونفسه تقلقل في صدره - حسبته قال: كأنها شنة - فبكى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال سعد بن عبادة أتبكي، فقال: إنما يرحم الله من عباده الرحماء.

تقلقل: أی تضطرب۔

۷۴۴۹- حدثنا عبيد الله بن سعد بن إبراهيم، حدثنا يعقوب، حدثنا أبي، عن صالح بن كيسان، عن الأعرج، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: اختصمت الجنة والنار إلى ربهما، فقالت الجنة: يا رب، ما لها لا يدخلها إلا ضعفاء الناس وسقطهم، وقالت النار: - يعني - أوثرت بالمتكبرين، فقال الله تعالى للجنة: أنت رحمتي، وقال للنار: أنت عذابي، أصيب بك من أشاء، ولكل واحدة منكما ملؤها، قال: فأما الجنة، فإن الله لا يظلم من خلقه أحدا، وإنه ينشئ للنار من يشاء، فيلقون فيها، فتقول: هل من مزيد، ثلاثا، حتى يضع فيها قدمه فتمتلئ، ويرد بعضها إلى بعض، وتقول: قط قط قط.

وقالت النار: نار کا مقولہ یہاں حذف کر دیا گیا ہے، وہ ہے إني أوثرت بالمتكبرين والمتجبرين، میرے اندر متکبر لوگ ڈالے گئے ہیں، میں ان کی خوب گھسائی پٹائی کرونگی۔

وأنه ينشئ للنار من يشاء فيلقون فيها: نار کیلئے جس کو چاہے پیدا فرمائینگے اور جہنم میں ڈالے جائینگے، اس روایت شریفہ میں وارد ہے کہ ایک مخلوق کو پیدا کر کے جہنم میں ڈال دینگے، یہ روایت ما قبل میں گذر چکی ہے اس میں وارد ہے فأما الجنة فإن الله ينشئ خلقا، یہ لفظ اسی طرح مسلم شریف میں بھی وارد ہے حضرت انس سے اور صحیحین میں دوسرے صحابہ کی روایت سے بھی وارد ہے، مگر سوائے اس طریق کے کسی اور

طریق میں وارد نہیں کہ جہنم میں ڈالنے کیلئے ایک مخلوق کو پیدا فرمائینگے۔

محققین علماء کی رائے یہ ہے کہ اس مقام میں راوی کو خبط واقع ہو گیا، قلب ہو گیا، اسکو دھوکا لگ گیا، اہل جنت کے متعلق جو صفت تھی وہ اہل جہنم کے متعلق کر دی، حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں **هذا الحديث مما وقع فيه الغلط** اور یہ قول انہوں نے علماء سے نقل کیا ہے، حافظ ابن قیم زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں اپنے شیخ ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ مقلوب ہے، اور حادی الارواح الی بلاد الافراح میں بذات خود یہ تصریح کرتے ہیں کہ اس لفظ میں قلب واقع ہو گیا ہے، ابو الحسن قابسی جو مشہور رواتِ بخاری میں ہیں فرماتے ہیں کہ اس جگہ مشہور یہ ہے کہ **إن الله ينشئ للجنة خلقا و أما النار فيضع فيها قدمه** اور فرماتے ہیں کہ کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ اللہ جہنم کے لئے کوئی مخلوق پیدا فرمائینگے، بہر حال ان سب کلاموں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت شاذ ہے اور مقلوب ہے، اس میں راوی کو غلطی واقع ہو گئی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تو اہل سنت کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں، اگر اللہ چاہے تو بلا کسی معصیت کے عذاب دے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہے تو یہی کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں، اگر اللہ ساری مخلوق کو عذاب دیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں اسلئے کہ وہ مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں تصرف کرے تو کسی شخص کو اعتراض کا حق حاصل نہیں، یہ اعتراض تو اس وقت ہوتا ہے جب آدمی غیر ملکیت میں تصرف کرتا ہے۔

اور بعض نے یہ جواب دیا کہ خلق سے مراد کوئی جاندار مخلوق نہیں بلکہ وہ احجار اور کنکر پتھر ہونگے جو حق تعالی شانہ نے جہنم کو پر کرنے کے لئے رکھ رکھے ہونگے اور وہ جہنم میں ڈالدئے جائینگے جس سے جہنم پر ہو جائے گی اور کنکر پتھر کے جہنم میں جانے کا یہ اثر ہو گا کہ جہنم کی گرمی اور تیز ہو جائے گی اور جہنمیوں کے عذاب میں خدا کی پناہ شدت ہو جائے گی، یہ مختلف اقوال ہیں، مجھے ان میں راجح وہی قول معلوم ہوتا ہے جو علامہ ابن تیمیہ نے علماء سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن قیم نے اپنے استاذ سے نقل کیا اور خود اسی کو اختیار کیا ہے۔

۷۴۵۰- حدثنا حفص بن عمر، حدثنا هشام، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ليصيبن أقواما سفع من النار، بذنوب أصابوها عقوبة، ثم يدخلهم الله الجنة بفضل

رحمته، يقال لهم الجهنميون، وقال همام، حدثنا قتادة، حدثنا أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

(ص ۱۱۱۰) باب قول الله تعالى

﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ أَنْ تَزُولاَ﴾

۷۴۵۱- حدثنا موسى، حدثنا أبو عوانة، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: جاء حبر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا محمد، إن الله يضع السماء على إصبع، والأرض على إصبع، والجبال على إصبع، والشجر والأنهار على إصبع، وسائر الخلق على إصبع، ثم يقول بيده: أنا الملک، فضحک رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾.

اللہ تعالی آسمان وزمین کو تھامے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں، حضرت شیخ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد اس سے صفتِ اصبع کو ثابت کرنا ہے۔

میں ما قبل میں بیان کر چکا ہوں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اصابع سے کیا مراد ہے؟ خطابی، قاضی عیاض اور قرطبی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ رواۃ کی تخلیط اور خبط ہے، اصابع تو جزئیت کو مستلزم ہے حق تعالی کے جسم کہاں جو انگلیاں ہوں؟ خطابی کہتے ہیں کہ کسی نص مقطوع میں اصابع کا لفظ وارد نہیں ہوا ہے، مگر بات یہ ہے کہ یہ احادیث صحیحہ بخاری ومسلم میں وارد ہیں اور ایک ہی حدیث نہیں بلکہ مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے إن قلوب بني آدم بين أصبعين من أصابع الرحمن اور تتبع کرنے والے کو اور بھی روایتیں ملینگی، اسلئے جیسے اور نصوص صفات کے متعلق تسلیم وتفویض کا مسلک یا تاویل کا مسلک اختیار کیا جاتا ہے ایسے ہی اسطرح کی نصوص میں اختیار کرنا چاہئے، اگر تسلیم وتفویض کا مسلک اختیار کیا جائے تو میرے نزدیک اسلم یہی ہے، اور اگر تاویل کرنی ہو تو مطلب یہ ہے کہ انتہائی قدرت مراد ہے، آدمی کہتا ہے یہ تو میری چٹکیوں کے اندر ہے مطلب یہ ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے، اسکے کرنے میں مجھ پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔

(ص ۱۱۱۰) باب ماجاء في تخليق السمٰوات والأرض وغيرها من الخلائق

وهو فعل الرب تبارك وتعالى وأمره، فالرب بصفاته وفعله وأمره وكلامه، وهو الخالق المكوِن غير مخلوق، وماكان بفعله وأمره وتخليقه وتكوينه، فهو مفعول مخلوق مكوَّن.

حضرت امام بخاری نے اس باب میں مسئلہ تکوین کوذکر کیا ہے جسکو اپنی کتاب خلق انعال العباد میں واضح فرمایاہے اورارشاد فرماتے ہیں کہ فاعل اور فعل اور مفعول میں اختلاف ہے، قدریہ کہتے ہیں الأفاعيل كلها من البشر، اور جبریہ کہتے ہیں الأفاعيل كلها من الله تعالىٰ، اور جہمیہ کہتے ہیں کہ فعل ومفعول دونوں ایک ہیں اور مخلوق ہیں، لیکن سلف کہتے ہیں التخليق فعل الله تعالىٰ، وأفاعيلنا مخلوقة، ففعل الله صفة الله، ومن سواه من المخلوقات، یہ جو بخاری نے فرمایا التخليق فعل الله تعالىٰ، وأفاعيلنا مخلوقة، ففعل الله صفة الله اس سے معلوم ہوا کہ تخلیق کوامام بخاری اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ مانتے ہیں اور تخلیق صفت تکوین کا دوسرا نام ہے، لہٰذاامام بخاری نے اس باب سے صفت تکوین کو بیان کیا ہے۔

یہ میں بتاچکاہوں کہ حق تعالیٰ کی صفات کتنی ہیں، اب تھوڑی سی مزید وضاحتِ اور اختصار کیساتھ بیان کرتا ہوں، حق تعالیٰ کی صفات دوطرح کی ہیں (۱) صفاتِ سلبیہ جسکو صفاتِ تنزیہ اور صفاتِ جلال سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی وہ صفات جن سے حق تعالیٰ شانہ منزہ ہیں، اور ان سے نقائص کی نفی کی جاتی ہے (۲) اور دوسری صفاتِ وجودیہ ہیں، پھر صفاتِ وجودیہ دوقسم کی ہیں، صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال، پھر ہر ایک کی دوقسمیں ہیں، صفاتِ عقلیہ، صفاتِ سمعیہ۔

صفاتِ عقلیہ وہ صفات ہیں جن کو عقل مقتضی ہے، اور صفاتِ سمعیہ جو سمع سے ثابت ہیں، حقیقت یہ ہے کہ صفاتِ ذات کے متعلق تودوقسمیں بالکل کھلی ہوئی ملتی ہیں یعنی عقلیہ بھی سمعیہ بھی، صفاتِ عقلیہ وہی صفاتِ سبعہ ہیں جن کا بیان ہو چکا ہے (حیاۃ، ارادہ، علم، قدرۃ، سمع، بصر، کلام)، اور صفاتِ سمعیہ وہ صفات ہیں جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں جہاں تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی ہے جیسے ید، عین، قدم وغیرہ۔

اور صفاتِ افعال اللہ تعالیٰ کی صفات تو ہیں لیکن ان میں اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا وہ قدیم ہیں یا حادث ہیں؟ اشاعرہ کہتے ہیں کہ صفاتِ افعال بذات خود صفات نہیں ہیں وہ حادث ہیں، اصل میں وہ قدرت اور ارادہ ہے جبکا کسی فعل سے تعلق ہوتا ہے تو اس فعل سے ایک اسم مشتق نکل آتا ہے جو اللہ پر بولا جانے لگتا ہے، مثلاً اللہ کی قدرت وارادہ کا تعلق اگر ترزیق سے ہو تو اللہ کیلئے رازق اور رزاق کی صفت نکل آتی ہے، خلق سے تعلق ہو تو اس پر خالق کا اطلاق ہونے لگتا ہے، وھکذا، لیکن امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین میں ابو منصور ماتریدی اور سارے ماتریدیہ اور حنابلہ میں قاضی ابو یعلیٰ صغیر فرماتے ہیں کہ تکوین اللہ کی صفت قدیمہ ہے جیسے صفاتِ سبعہ اسکی صفاتِ قدیمہ ہیں۔

امام بخاری نے یہاں پر اس باب میں اسی کو اختیار کیا ہے، حضرات ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ صفتِ تکوین مستقل صفت ہے اور اسکی مختلف شئونات ہیں، کبھی خلق کی صورت میں اسکا ظہور ہوتا ہے کبھی ترزیق کی شکل میں اسکا ظہور ہوتا ہے کبھی احیاء کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں، اور اسکی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خالق ورازق وغیرہ صفات ذکر فرمائے ہیں اور اللہ کا کلام قدیم ہے تو اللہ کی یہ صفات بھی اللہ تعالیٰ شانہ کیلئے قدیم ہی سے ثابت ہونگی اور حق تعالیٰ ان صفات سے ازل سے متصف ہیں، مگر اتصاف فی الازل کیلئے یہ لازم نہیں ہے کہ ان صفات کو اللہ تعالیٰ ظاہر بھی ازل سے فرمائیں، لہذا مسئلہ حوادث لا اول لہا پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اسکے مان لینے کے بعد بقول حافظ ابن حجر کے آدمی حوادث لا اول لہا کے مسئلہ اور اسکے دلدل سے نکل جاتا ہے، مسئلہ حوادث لا اول لہا کو میں نے ماقبل میں بدء الخلق میں اور جب کتاب الرد علی الجہمیہ کا افتتاح ہوا وہاں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق اسکا فعل اور اسکا امر ہے یعنی اسکے امر سے مخلوقات کا وجود اور ظہور ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی صفات فعل وامر وکلام سے خالق اور مکوِّن غیر مخلوق ہے، اور باقی جو کچھ اسکے فعل سے ظاہر ہوتا ہے اور امر سے رونما ہوتا ہے اور جو اسکی تخلیق کا اثر اور تکوین کا ثمرہ ہے وہ سب مفعول ومخلوق اور مکوَّن ہے، معلوم ہوا کہ جہمیہ کا یہ قول کہ فعل ومفعول ایک ہے جیسے مفعول مخلوق ہے ایسے ہی کن اور امر یہ بھی مخلوق ہے یہ غلط ہے، بلکہ فعل اور مخلوق ومفعول الگ الگ حقائق ہیں، فعل اللہ تعالیٰ کی صفت

ہے جو اللہ کی طرح قدیم ہے اور مخلوق مفعول ومکوّن حادث ہے۔

۷۴۵۲- حدثنا سعید بن أبي مریم، أخبرنا محمد بن جعفر، أخبرني شریک بن عبد الله بن أبي نمر، عن کریب، عن ابن عباس، قال: بت في بیت میمونة لیلة، والنبي صلی الله علیه وسلم عندها، لأنظر کیف صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم باللیل، فتحدث رسول الله صلی الله علیه وسلم مع أهله ساعة ثم رقد، فلما کان ثلث اللیل الآخر، أو بعضه، قعد فنظر إلی السماء فقرأ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ﴾ إلی قوله ﴿لِأُولِي الأَلْبَابِ﴾، ثم قام فتوضأ واستن، ثم صلی إحدی عشرة رکعة، ثم أذن بلال بالصلاة، فصلی رکعتین، ثم خرج فصلی للناس الصبح.

(ص۱۱۱۰) باب قوله ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾

اس ترجمۃ الباب کی غرض کیا ہے؟ ہمارے حضرت اقدس گنگوہی کی رائے ہے کہ امام بخاری اس سے صفت کلام کو ثابت فرمارہے ہیں، صفت کلام کا بالیقین امام بخاری نے ذکر کیا ہے لیکن کہاں سے ابتداء کی ہے؟ ہمارے حضرت شیخ دامت برکاتہم نے اس میں تین قول ذکر کئے ہیں، حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ یہاں سے ابتداء کی ہے، اور علامہ کرمانی اور علامہ عینی کی رائے ہے کہ اس کے بعد ص ۱۱۱۱ پر جو باب آرہا ہے یعنی باب قول اللہ تعالیٰ إنما أمرنا لشیء وہاں سے صفتِ کلام کو شروع فرمایا ہے، اور حافظ ابن حجر کی رائے ہے کہ باب قولہ ﴿ولا تنفع الشفاعة عنده إلا لمن اذن له﴾ سے ابتداء ہورہی ہے جو ص ۱۱۱۴ پر آرہا ہے۔

حضرت دامت برکاتہم نے حافظ سے جو نقل کیا ہے وہ تو بالکل کھلا ہوا ہے حافظ کے کلام میں اسکی تصریح واقع ہوئی ہے لیکن علامہ عینی کی طرف جو نسبت فرمائی ہے اس میں تأمل ہے، علامہ عینی نے خود اس باب کے اندر تصریح فرمائی ہے کہ اسکی غرض اللہ کی صفتِ کلام کو ثابت کرنا ہے لہٰذا راجح یہ ہے کہ اکثر شراح کرام نے یہیں سے صفتِ کلام کی ابتداء مان لی ہے، لیکن حافظ ابن حجر کے نزدیک وہی ص ۱۱۱۴ پر باب قولہ ولا تنفع الشفاعة سے ابتداء ہورہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حافظ کے اعتبار سے یہ ترجمۃ الباب یہاں کیوں ذکر کیا ہے جبکہ اس میں کلمہ رب کا ذکر ہے، حافظ کے کلام سے اسکا جواب نکلتا ہے وہ یہ کہ امام بخاری نے ﴿ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین﴾ ذکر فرمایا ہے اور روایت ذکر کی ہے إنّ رحمتي سبقت غضبي، اس سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات میں سے ہے جیسے کلمہ رب اللہ کی صفاتِ ذات میں سے ہے، اور جو اشکال سبقتِ رحمت پر ہو سکتا ہے وہی اشکال سبقِ کلمہ پر بھی ہوگا اور جو جواب سبقِ کلمہ کی طرف سے دیا جا سکتا ہے وہی سبقِ رحمت کیطرف سے دیا جا سکتا ہے۔ گویا حافظ کے نزدیک یہ ترجمہ ایک ضمنی ترجمہ ہے اور صرف یہ بتلانے کیلئے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات میں سے ہے یہ ترجمہ منعقد فرمایا ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ صفاتِ ذات تو اللہ کی ذات کیساتھ قائم ہیں پھر اسکی سبقت کے کیا معنی ہیں؟ حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اسکے جواب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جیسے کلام اللہ کی صفتِ ذات ہے اور وہ اسکے ساتھ قائم ہے اور اللہ خود فرماتے ہیں ﴿ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین﴾ تو جو سبقتِ کلمہ کے معنی وہاں مراد ہیں وہی سبقتِ رحمت کے مراد ہیں، اور مطلب یہ کہ رحمت کا تعلق بعض چیزوں سے سابق ہے اسی طرح کلام کا تعلق بعض چیزوں سے سابق ہے، یا مطلب یہ کہ اللہ نے مقدر فرما دیا کہ فلاں کے اوپر رحمت کی جائیگی، فلاں سے فلاں وقت کلام کیا جائے گا تو سبقت سے مراد ازل کا فیصلہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۴۵۳- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لما قضى الله الخلق، كتب عنده فوق عرشه: إن رحمتي سبقت غضبي.

۷۴۵٤- حدثنا آدم، حدثنا شعبة، حدثنا الأعمش، سمعت زيد بن وهب، سمعت عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق: أن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوما أو أربعين ليلة، ثم يكون علقة مثله، ثم يكون مضغة مثله، ثم يبعث إليه الملك فيؤذن بأربع كلمات، فيكتب: رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أم سعيد، ثم ينفخ فيه الروح، فإن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى لا يكون بينها وبينه إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار فيدخل النار، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار، حتى ما يكون بينها وبينه إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل عمل أهل الجنة فيدخلها.

۷۴۵۵- حدثنا خلاد بن يحيى، حدثنا عمر بن ذر، سمعت أبي يحدث، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يا جبريل، ما يمنعك أن تزورنا أكثر مما تزورنا، فنزلت: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ إلى آخر الآية، قال: كان هذا الجواب لمحمد صلى الله عليه وسلم.

قال: كان هذا الجواب لمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جبرئیل نے یہ جواب محمد ﷺ کو دیا کہ ہم تو امر خداوندی سے نازل ہوتے ہیں پھر دوسروں کی کیا مجال ہے۔

۷۴۵۶- حدثنا يحيى، حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: كنت أمشي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في حرث بالمدينة وهو متكئ على عسيب، فمر بقوم من اليهود، فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، وقال بعضهم: لا تسألوه عن الروح، فسألوه، فقام متوكئا على العسيب وأنا خلفه فظننت أنه يوحى إليه، فقال: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ فقال بعضهم لبعض: قد قلنا لكم لا تسألوه.

۷۴۵۷- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تكفل الله لمن جاهد في سبيله، لا يخرجه إلا الجهاد في سبيله وتصديق كلماته، بأن يدخله الجنة، أو يرجعه إلى مسكنه الذي خرج منه، مع ما نال من أجر أو غنيمة.

۷۴۵۸- حدثنا محمد بن كثير، حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن أبي موسى، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال الرجل: يقاتل حمية، ويقاتل شجاعة، ويقاتل رياء، فأي ذلك في سبيل الله؟ قال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله.

من قاتل لتكون كلمة الله هی العلياء فهو فی سبیل الله: اس پر تیمور لنگ اور قاضی ابن الشحنہ کا واقعہ بیان کر چکا ہوں۔

(ص ۱۱۱۱) باب قول الله تعالیٰ

﴿إِنَّمَا أَمْرُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾

مصنف کے اس ترجمہ قائم کرنے پر اشکال یہ ہے کہ آیت شریفہ تو إنما قولنا لشيءٍ ہے، إنما أمرنا

لشيء کیوں ترجمہ قائم کیا؟ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری دوسری آیت ﴿وما أمرنا إلا واحدة كلمح بالبصر﴾ لکھنا چاہتے تھے لیکن سبق القلم ہو گیا، بجائے اسکے دوسری آیت لکھدی، اور ابوذر کے نسخہ میں إنما أمرنا کے بجائے إنما قولنا وارد ہوا ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

اس ترجمۃ الباب کی غرض علامہ ابن بطال کے نزدیک معتزلہ پر رد کرنا ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کا امر مخلوق ہے، مصنف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امر اللہ تو اللہ کا قولِ کن ہے اور خلق امر اللہ پر عطف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ألا له الخلق والأمر﴾ اور معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ایک مسلم حقیقت ہے، تو جو خلق ہے جسکا ظہور قول کن سے ہوتا ہے وہ اور ہو گا اور جو امر ہے جسکی وجہ سے خلق کا ظہور ہوتا ہے وہ اور ہو گا، تو جب خلق مخلوق ہے تو لامحالہ جسکی وجہ سے مخلوق کا ظہور ہوتا ہے وہ مخلوق نہیں ہو گا یعنی اللہ کا امر، اللہ کا کلمہ کن۔

علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب میں جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اکثر احادیث امام کے ترجمہ پر دلالت نہیں کرتیں یعنی احادیث میں امر سے مراد وہ معنی نہیں ہیں جو آیت مترجم بہا میں مذکور ہے، انشاء اللہ میں روایات کے ذیل میں ایسی تقریر کرونگا جسکے ذریعہ روایات میں امر وارد ترجمہ کے بالکل مطابق ہو جائے گا۔

یہاں البتہ ایک ضمنی بات بیان کرتا ہوں کہ امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ قرآن پاک میں لفظ امر تیرہ معانی کیلئے استعمال کیا گیا ہے، فلتكونوا على ذكر منه۔

دوسری بات یہ سمجھو کہ امر خداوندی کی دو قسمیں ہیں، امر تکوینی، امر تشریعی، امر تکوینی کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ مامور کے وجود کا مطالبہ کرتے ہیں اور امر تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ مامور سے کسی فعل کا مطالبہ کرتے ہیں یا تو اس فعل کے اصدار کا یا اس فعل سے اعراض اور اجتناب کا، تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ﴿إنما قولنا لشيء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون﴾ میں جو امر ہے وہ امر تکوینی ہے، حق تعالیٰ شانہ جب کسی چیز کا وجود چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام بس کن فرمادیتے ہیں اسکی وجہ سے وہ شئی مکوّن

اور موجود ہو جاتی ہے، اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو احکام دیے ہیں مثلاً ﴿أقم الصلاة طرفي النهار وزلفا من الليل﴾۔﴿ياأيها الذين آمنوا إذاقمتم إلى الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم﴾ الآية۔﴿كتب عليكم الصيام كماكتب على اللذين من قبلكم﴾۔﴿ولله على الناس حجّ البيت﴾۔﴿فإذاقرأت القرآن فاستعذ بالله﴾، وغیرہ وغیرہ یہ سب اوامر تشریعیہ ہیں، ان اوامر سے مقصود مخاطبین سے اسکے مطابق عمل کرانا ہے۔

۷۴۵۹- حدثنا شهاب بن عباد، حدثنا إبراهيم بن حميد، عن إسماعيل، عن قيس، عن المغيرة بن شعبة، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: لا يزال من أمتي قوم ظاهرين على الناس، حتى يأتيهم أمر الله.

حتى يأتي أمر الله: امر اللہ سے مراد یوم قیامت ہے، اب ظاہر ہے کہ لفظ امر اس معنیٰ کو ادا نہیں کررہا ہے جسکو مصنف نے ترجمہ میں مراد لیا ہے، لیکن ترجمہ کیساتھ مطابقت کی تقریر یہ ہے کہ امر اللہ سے مراد حکم اللہ ہے یعنی جب قیامت میں اللہ کا حکم آجائیگا، اب روایت ترجمہ کے بالکل مطابق ہوگئی۔

۷۴۶۰- حدثنا الحميدي، حدثنا الوليد بن مسلم، حدثنا ابن جابر، حدثني عمير بن هانئ، أنه سمع معاوية، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: لا يزال من أمتي أمة قائمة بأمر الله، ما يضر ـ ـم من كذبهم ولا من خالفهم، حتى يأتي أمر الله وهم على ذلك، فقال مالك بن يخامر، سمعت معاذا، ـ ـل: وهم بالشأم، فقال معاوية: هذا مالك يزعم أنه سمع معاذا يقول: وهم بالشأم.

أئمة بأمر الله: میری امت میں سے ایک جماعت اللہ کے حکم سے قائم رہے گی، بعض شراح کہتے ہیں امر اللہ سے مراد علم اللہ ہے یعنی حق تعالیٰ نے ان کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ اسکے مطابق زندگی گذارینگے، لیکن امام بخاری کی رائے ہے کہ امر سے مراد حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان احکام کے مطابق وہ قائم رہیں گے ان کی متابعت کرینگے، حتى يأتي أمر الله، أى أمر الله بقيام الساعة، دونوں لفظوں سے ترجمہ ثابت ہوتا ہے۔

فقال معاوية: یوں کہتے ہیں امیر معاویہ نے کہا کہ مالک بن یخامر فرماتے تھے کہ حضرت معاذ فرماتے تھے کہ وہ شام میں ہوں گے، حضرت معاویہ نے اس سے اپنے حق ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن

حضرت علی کے امیر حق ہونے کی دلیلیں بہت ہیں، سب سے کھلی ہوئی دلیل تو حضرت عمار کے بارہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے ویح ابن سمیة تقتله الفئة الباغية، ويحک تقتلک الفئة الباغية، یہ روایت بہت سے صحابہ کرام سے نقل کی جاتی ہے، علامہ ابن عبد البر نے مستقل کتاب لکھی ہے الاستظهار فی حدیث عمار اوراس میں اس روایت کے طرق کو ذکر فرمایا ہے، ابتداءً امام احمد کو اسکی صحت میں کلام تھا لیکن بعد میں انہوں نے رجوع کیا اور اسکی صحت کے قائل ہو گئے جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے تصریح فرمائی ہے۔

حضور ﷺ نے زبیر سے یوں فرمایا تھا کہ زبیر تمہارا کیا حال ہو گا جب تم علی سے قتال کرو گے اور تم ظالم ہو گے اور زبیر کس طرف تھے؟ جنگ جمل والوں کی طرف تھے، معلوم ہوا کہ حضرت علی امام برحق تھے، حضور ﷺ نے حضرت عمار کے متعلق فرمایا أجاره الله من الشيطان، ظاہر ہے جو شیطان سے محفوظ ہے تو جدھر وہ رہے گا ادھر والے حق پر رہیں گے اور بھی اسطرح کی روایات ہیں۔

رہا اس روایت مذکورہ سے امیر معاویہ کا حق پر ہونے کا استدلال کرنا، اول تو علی الاطلاق ثابت نہیں ہوتا، اور اگر ثابت ہو جائے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علی کے بعد امام حسن خلیفہ ہوئے اور امام حسن نے صلح کی اور خلافت سے دستبردار ہو گئے اور پھر سارے لوگ حضرت معاویہ پر جمع ہو گئے، تو یقینی بات ہے کہ اس وقت امیر معاویہ امیر برحق ہوئے لیکن اس سے پہلے امیر معاویہ باغی تھے اور اس بغاوت میں ان کو غلطی واقع ہوئی تھی، مگر چونکہ غلطی کا منشا یہ تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ حضرت عثمان کے عزیز ہیں اور حضرت عثمان کا خون ناحق ہوا ہے اور قاتلین عثمان حضرت علی کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اس واسطے وہ دم عثمان کا انتقام لینا چاہتے تھے، یہ تھا انکا شبہ، اس شبہ کی وجہ سے وہ معذور سمجھے جاتے ہیں، ورنہ تھے ناحق پر اور باغی تھے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہاں جماعة سے مراد ابدال ہیں، مولانا انور شاہ کشمیری نے بھی یہاں پر یہی اختیار کیا ہے، اور علامات نبوت میں جہاں یہ حدیث اسی سند کیساتھ گذری ہے وہاں بھی یہی اختیار کیا ہے۔

۷۴۶۱- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن عبد الله بن أبي حسين، حدثنا نافع بن جبير، عن ابن عباس، قال: وقف النبي صلى الله عليه وسلم على مسيلمة في أصحابه فقال: لو سألتني هذه القطعة ما أعطيتكها، ولن تعدو أمر الله فيک، ولئن أدبرت ليعقرنک الله.

حتی تعدو أمر الله: حکم خداوندی سے تو ہٹ نہیں سکتا ہے، اللہ کا حکم کیا ہے؟ تیرے اہلاک کا حکم، یہ لفظ ذرا موجب اشکال ہو سکتا ہے اسلئے کہ امر اللہ سے مراد یہاں قضاء اللہ ہے، یعنی اللہ نے تیرے بارہ میں جو ازلی فیصلہ کر دیا ہے اس ازلی فیصلہ سے تو ہٹ نہیں سکتا، اس صورت میں یہ روایت ترجمہ کے مطابق نہیں ہوتی لیکن اسکی تقریر یہ ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ کا جو ازلی فیصلہ ہے وہ اسکے کلام کی شکل میں رونما ہوا ہے اور لکھا ہوا ہے اور اللہ نے فرمادیا فرشتوں کو کہ فلاں وقت اس مردود کو قتل کیا جائے گا اور فلاں شخص قتل کرے گا اور اس مردود کا بے ایمانی پر خاتمہ ہو گا لہٰذا اسکے ساتھ یہ کرنا، اسکی تعذیب کے احکام صادر ہو چکے ہیں۔

۷۴۶۲- حدثنا موسی بن إسماعیل، عن عبد الواحد، عن الأعمش، عن إبراهیم، عن علقمة، عن ابن مسعود، قال: بینا أنا أمشي مع النبي صلی الله علیه وسلم في بعض حرث المدینة وهو یتوکأ علی عسیب معه، فمررنا علی نفر من الیهود، فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، فقال بعضهم: لا تسألوه أن یجيء فیه بشيء تکرهونه، فقال بعضهم: لنسألنه، فقام إلیه رجل منهم فقال: یا أبا القاسم ما الروح؟ فسکت عنه النبي صلی الله علیه وسلم فعلمت أنه یوحی إلیه، فقال: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ العِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ قال الأعمش: هکذا في قراءتنا.

قل الروح من أمر ربی: کہو روح میرے رب کے حکم سے ہے، یعنی اسکا وجود رب کے حکم سے ہوتا ہے، اللہ نے حکم دیا تو موجود ہو گئی، اگر حکم نہ دیتا تو معدوم رہتی، اللہ کے حکم ہی سے اور اسکے کن فرمانے کی وجہ سے ہی موجود ہوئی ہے۔

اب تک احادیث کے باب میں میں نے جو تقریر کی ہے اس سے بالکل یہ بات صاف ہو گئی کہ روایات باب سب اس امر کے مطابق ہیں جو مصنف نے ذکر کیا ہے۔

وما أوتوا من العلم، قال الأعمش: یعنی اعمش کہتے ہیں کہ ہماری قرأت میں وما أوتوا ہے اگرچہ مشہور قرأت وما أوتیتم ہے۔

(ص ۱۱۱۲) باب قول الله ﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي﴾

﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ﴾، ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿سَخَّرَ﴾ ذلل.

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر سمندر سارا کا سارا روشنائی بن جائے اللہ کے کلام کو لکھنے کیلئے تو سمندر ختم ہو جائیگا اگر چہ سمندر کے ساتھ اور سمندر ملا لیا جائے، معلوم ہوا کہ کلمات خدا کی کوئی انتہا نہیں۔

وقوله ولو أن مافي الأرض: اگر زمین کے سارے اشجار اقلام بن جائیں اوران سمندر کیساتھ سات سمندر اور ملا لیا جائے اوران کی روشنائی بن جائے تب بھی کلمات خداوندی کا اختتام نہ ہو گا اور وجہ یہ ہے کہ کلام خدا خدا کی صفت ہے اور خدا کی ذات لامتناہی ہے تو اسکی یہ صفت بھی لامتناہی ہے تو پھر سات سمندر کیا دوسرا سمندر بھی ملا لیا جائے تب بھی کلماتِ خدا اور اسکی صفت کے اختتام کا سوال نہیں ہوتا ہے، ارشاد ہے ﴿إن الله عزیزحکیم﴾۔

قوله ثم استویٰ علی العرش إلیٰ قوله تبارک الله رب العالمین: اس کے بیچ میں جو حصہ محذوف ہے وہ ہے ﴿والنجوم مسخرات بأمره﴾ یہی مقصود ترجمہ ہے، شمس وقمر اور نجوم اللہ کے امر سے مسخر ہیں، اللہ نے انہیں کہہ رکھا ہے کہ چل تو چل رہے ہیں، ایک خاص محور پر گھوم رہے ہیں، اور اگلا کلام ہے ﴿ألا له الخلق والأمر﴾ اللہ ہی کیلئے خلق وامر ہے، اللہ ہی مخلوقات کا خالق ہے، اور اللہ ہی امر والا ہے، حکم صادر فرمانے والا ہے، کن فرمانے والا ہے اور اس امر میں امر تشریعی بھی داخل ہے اور امر تکوینی بھی داخل ہے، کن کے ذریعہ مخلوقات کو وجود بخشتا ہے یہ تکوین ہے، اور امور تشریعیہ کے ذریعہ بندوں کو مکلف فرماتا ہے کہ یہ کرو یہ نہ کرو یہ سب اللہ کا کلام ہے۔

بہر حال اس ترجمۃ الباب سے خدائے پاک کے کلام کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ کا کلام لامتناہی ہے کسی کے حدّ وعدّ اور کسی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ احصاء کر سکے۔

٧٤٦٣- حدثنا عبد الله بن يوسف، أخبرنا مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: تكفل الله لمن جاهد في سبيله، لا يخرجه من بيته إلا الجهاد في سبيله وتصديق كلمته، أن يدخله الجنة، أو يرده إلى مسكنه بما نال من أجر أو غنيمة

(ص ۱۱۱۲) باب فی المشیّة والإرادة

وقول الله تعالى: ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ﴾، ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾، ﴿وَلاَ تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾، ﴿إِنَّكَ لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ قال سعيد بن المسيب، عن أبيه: نزلت في أبي طالب ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾.

حضرت امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے اللہ کی صفت مشیت وارادہ کو بیان کیا ہے، میں نے یہ بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی صفاتِ ذاتیہ عقلیہ سات ہیں، حیات، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، علم، ان میں متعدد صفات کا ماقبل میں تذکرہ آچکا ہے، سمع، بصر، کلام، علم کا ذکر آچکا ہے اور علم کے ضمن میں حیات کا ثبوت ہو چکا ہے، اب یہاں مشیت وارادہ کو بیان کر رہے ہیں۔

ارادہ کی تعریف علماء نے کی ہے صفة مخصصة لأحد طرفي الممكن بما هو جائز عليه من وجود أو عدم أو كونه في زمان دون زمان أو في وقت دون وقت أو في حال دون حال أو في هيئة دون هيئة وغير ذالک، یعنی ارادہ ایک ایسی صفت ہے جو ممکن کو کسی ایک خاص بات کیساتھ مخصوص کر دیتا ہے جو اسکے اوپر جائز ہے، مثلاً ممکن میں اس وقت احتمال ہے کہ موجود ہو اور یہ احتمال ہے کہ اسکے بعد موجود ہو، ارادہ آکر اس میں تخصیص پیدا کر دیتا ہے کہ وجود کب ہوگا، اب ہوگا یا اب کے بعد ہوگا، اسیطرح ممکن میں یہ احتمال ہے کہ اس ہیئت پر ہو یا اس ہیئت پر ہو، ارادہ تخصیص کرتا ہے کسی ایک ہیئت کی، اسیطرح ممکن میں احتمال ہے کہ اس حالت پر ہو یا دوسری حالت پر، ارادہ اس حالت کی تخصیص کرتا ہے، یہ تو ارادہ کی تعریف ہوئی۔

دوسرا لفظ مشیت ہے اس میں اختلاف ہے کہ مشیت وارادہ دونوں ایک ہیں یا دو ہیں، امام شافعی، امام

بیہقی، ابوالحسن ابن بطال مالکی، علامہ نسفی صاحب عقائد نسفیہ، سعد تفتازانی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مشیت و ارادہ ایک ہی صفت کی دو تعبیریں ہیں، لیکن بعض لوگوں نے مشیت وارادہ کی تعریف میں فرق کیا ہے، ارادہ کی تعریف تو وہ ہے جو ماقبل میں گزر چکی اور مشیت اس ارادہ کو کہتے ہیں جسکا تعلق ممکن کے احد الطرفین سے ہو جائے، تو گویا ارادہ جب تک متعلق نہ ہو احد الطرفین کیساتھ اس وقت تک ارادہ کہیں گے اور جب تعلق ہو جائے تو اسکے بعد اسی کو مشیت کہا جائے گا۔

بعضوں نے اسکے علاوہ اور بھی فرق کیا ہے، کرامیہ یہ کہتے ہیں کہ مشیت تو اللہ کی ایک صفتِ واحدہ ازلیہ ہے جسکا تعلق صرف ایجادِ خلق سے ہے، اور ارادہ اللہ کی ایک صفتِ حادثہ ہے جو مرادات کے تعدد کیساتھ متعدد ہوتی رہتی ہے اور اسکا تعلق إیجاد الخلق فی وقت مخصوص سے ہے، لیکن ان لوگوں کا قول غلط ہے، مشیت کے حادث ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے الا یہ کہ حدوث کے معنی وہ لے لئے جائیں جو بعض محدثین مراد لیتے ہیں یعنی ظہور، تو اس صورت میں کچھ گنجائش نکلتی ہے، بہر حال مشیت وارادہ میں اہل سنت والجماعت کے یہاں کوئی فرق نہیں ہے اور وہ دونوں کو اللہ کی صفت مانتے ہیں اور یہ کہ دونوں ایک ہی حقیقت اور ایک ہی معنون کی دو تعبیریں اور دو عنوان ہیں۔

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری اللہ کی صفتِ مشیت وارادہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ یہ دونوں اللہ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ہیں، اور اس باب میں بہت سی آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں، امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں بقول حافظ ابن حجر کے چالیس سے زائد آیتیں مشیت کے باب میں ذکر کی ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ چھپن آیات انہوں نے ذکر کی ہیں۔

مشیت وارادہ اہل سنت کے نزدیک اللہ کی صفتِ قدیمہ ہے اور اللہ اپنی صفات سے متصف ہے بدلیل السمع الوارد فی القرآن والحدیث، اور متصف ہے بدلیل العقل اسلئے کہ خالقِ عالم کیلئے باارادہ وبامشیت ہونا ضروری ہے۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ ارادہ ہے تو اللہ کی صفت لیکن صفتِ ذاتی نہیں بلکہ صفتِ فعلی ہے اور حادث ہے، اہل سنت والجماعت نے ان کی تردید کی ہے کہ اگر تم ان کو حادث مانتے ہو تو کس کے اندر حادث مانتے ہو؟ اللہ

میں یا غیر اللہ میں، یا اللہ اور غیر اللہ دونوں میں، یا کسی میں بھی نہیں بلکہ مستقل مانتے ہو، یہ چار ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، اگر اللہ میں حادث مانتے ہو تو اللہ کا محل حوادث ہونا تمہارے اصول پر باطل ہے، اور اگر تم دونوں میں مانتے ہو تب بھی اللہ کا محل حوادث ہونا لازم آتا ہے، اور اگر یہ کہتے ہو کہ ارادۂ اللہ غیر اللہ میں پیدا ہوا ہے تو حقیقۃً ارادہ کرنے والا وہ ہوا جس میں صفتِ ارادہ موجود ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ، اور اگر چوتھا احتمال مانتے ہو کہ ارادہ خود موجود ہے اللہ نے اسے پیدا کر دیا ہے تو اس پر اشکال یہ ہے کہ ارادہ تو معانی کے قبیل سے ہے اور معانی کا قیام بذات خود محال ہے، بہر حال معتزلہ کا قول دلیل عقلی کی بنا پر غلط ہے اور ارادہ اللہ کی صفتِ ذاتیہ ہے۔

اسکے بعد پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا ارادۂ خداوندی کا تعلق افعالِ عباد سے ہوتا ہے یا نہیں؟ معتزلہ اسکا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے ارادہ کا تعلق بندوں سے نہیں ہوتا بلکہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں، بندوں کے افعال سے بندوں کے ہی ارادہ کا تعلق ہوتا ہے، اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ کے ارادہ کا تعلق بندوں کے ذوات سے بھی ہے اور ان کے افعال سے بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وماتشآءون إلاأن يشاء الله﴾، اللہ اگر نہ چاہیں تو تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے، امام شافعی فرماتے ہیں:

فماشئتَ كان وإن لم أشأ　　　وماشئتُ إن لم تشاء لم يكن

جو تو چاہے وہ ہو جائے اگرچہ میں نہ چاہوں، اور جو میں چاہوں اگر تو نہ چاہے تو وہ ہو نہیں سکتا۔

اس چاہنے اور نہ چاہنے پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا حضرت مولانا صدیق احمد باندوی سے ایک بدعتی نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے کچھ ہو سکتا ہے؟ مولانا نے جواب دیا بہت کچھ ہو سکتا ہے اگر اللہ چاہیں، مطلب یہ کہ اللہ ہی کے چاہنے سے ہو سکتا ہے، اللہ کے چاہے بغیر اگر ساری مخلوق چاہنے لگے تو کچھ نہیں ہو گا۔

آیا ہمارے رسول پاک ﷺ نے ابو طالب کی ہدایت کو نہیں چاہا؟ لیکن کیا ہوا وہ ہوا جو اللہ نے چاہا، کیا حضور ﷺ قوم کی ہدایت نہیں چاہتے تھے؟ کیا آپ سارے عالم کی ہدایت کو نہیں چاہتے تھے؟ لیکن اللہ نے فرمادیا ﴿إنك لاتهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء﴾، اللہ جسکو چاہیں ہدایت دیں جسکو چاہیں ہدایت نہ دیں، حالانکہ حضور ﷺ دوست دشمن سب کی ہدایت چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جو حضور

ﷺ کے قتل کے ارادہ سے آتا ہے وہ اگر لا الہ الا اللہ پڑھ لیتا ہے تو حضور کے خواص میں شمار ہو جاتا ہے، عمر فاروق کس ارادہ سے آئے تھے؟ حضور کو قتل کرنے اور سو اونٹ کی لالچ میں آئے تھے لیکن اللہ کے یہاں ہدایت منظور تھی قتل کا ارادہ بدل گیا اور حضور کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان اس اختلاف کا (کہ بندوں کے افعال سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہوتا ہے یا نہیں اسکا) منشا کیا ہے؟ حرفِ نزاع کیا ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ نزاع یہ ہے کہ اصل میں معتزلہ ارادہ کو امر کا تابع قرار دیتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ قبیح امر کا حکم نہیں دیتا، اب اگر افعالِ عباد کیساتھ ارادۂ خدا کا تعلق ہو تو مطلب یہ نکلے گا کہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے بندوں کو بھلائی اور برائی دونوں باتوں کا حکم دیا ہے، کیونکہ ارادہ امر کے تابع ہے اور اصل امر ہے۔

اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ ارادہ علم کے تابع ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے لہذا بندوں کے جتنے افعال ہوں بھلے یا برے سب ارادۂ خداوندی کے تابع ہو کر چلتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں سے بھلائی کا مطالبہ کرتے ہیں برائی کا مطالبہ نہیں کرتے ﴿ولا یرضی لعبادہ الکفر﴾، اللہ تعالیٰ بندوں سے کفر پر راضی نہیں، واللہ اعلم۔

اب یہ سمجھو کہ جیسا میں نے یہ بتلایا کہ امر کی دو قسمیں ہیں، تکوینی اور تشریعی، ایسے ہی علماء نے لکھا ہے کہ ارادہ کی بھی دو قسمیں ہیں، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا ارادہ دو قسموں پر منقسم ہے، ایک ارادہ و امر تشریعی، دوسرا ارادہ وامر تکوینی، ارادہ امر تشریعی کا تعلق اطاعت سے ہوتا ہے معصیت سے نہیں ہوتا چاہے اسکا وقوع ہو، اور ارادۂ امر تکوینی کا تعلق تمام کائنات کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، معاصی وطاعات سب اس میں داخل ہیں، اسکے ارادۂ تکوینی اور امر تکوینی سے کوئی چیز خارج نہیں ہے، وہ اگر چاہے کہ یہ نہ ہو تو ہو نہیں سکتی، وہ اگر امر نہ فرمائے تو ہو نہیں سکتی، مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بندوں سے ارادہ بھی فرماتے ہیں معصیت کا اور امر بھی فرماتے ہیں مگر امر تکوینی اور ارادۂ تکوینی ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں سے معصیت کا ارادہ اور امر نہیں فرماتا اس سے مراد ارادہ وامر تشریعی ہے، اب اس سے بہت کچھ اشکالات حل ہو جائیں گے۔

٧٤٦٤- حدثنا مسدد، حدثنا عبد الوارث، عن عبد العزیز، عن أنس، قال: قال رسول اللہ صلی

الله عليه وسلم: إذا دعوتم الله فاعزموا في الدعاء، ولا يقولن أحدكم إن شئت فأعطني، فإن الله لا مستكره له.

٧٤٦٥- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، ح وحدثنا إسماعيل، حدثني أخي عبد الحميد، عن سليمان، عن محمد بن أبي عتيق، عن ابن شهاب، عن علي بن حسين، أن حسين بن علي، عليهما السلام أخبره: أن علي بن أبي طالب، أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم طرقه وفاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة، فقال لهم: «ألا تصلون»، قال علي: فقلت: يا رسول الله، إنما أنفسنا بيد الله، فإذا شاء أن يبعثنا بعثنا، فانصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قلت ذلك، ولم يرجع إلي شيئا، ثم سمعته وهو مدبر يضرب فخذه ويقول: ﴿وَكَانَ الإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾.

٧٤٦٦- حدثنا محمد بن سنان، حدثنا فليح، حدثنا هلال بن علي، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: مثل المؤمن كمثل خامة الزرع يفيء ورقه من حيث أتتها الريح تكفئها، فإذا سكنت اعتدلت، وكذلك المؤمن يكفأ بالبلاء، ومثل الكافر كمثل الأرزة صماء معتدلة حتى يقصمها الله إذا شاء.

٧٤٦٧- حدثنا الحكم بن نافع، أخبرنا شعيب، عن الزهري، أخبرني سالم بن عبد الله، أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو قائم على المنبر، يقول: إنما بقاؤكم فيما سلف قبلكم من الأمم، كما بين صلاة العصر إلى غروب الشمس، أعطي أهل التوراة التوراة، فعملوا بها حتى انتصف النهار ثم عجزوا، فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أعطي أهل الإنجيل الإنجيل، فعملوا به حتى صلاة العصر ثم عجزوا، فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أعطيتم القرآن، فعملتم به حتى غروب الشمس، فأعطيتم قيراطين قيراطين، قال أهل التوراة: ربنا هؤلاء أقل عملا وأكثر أجرا؟ قال: هل ظلمتكم من أجركم من شيء؟ قالوا: لا، فقال: فذلك فضلي أوتيه من أشاء.

٧٤٦٨- حدثنا عبد الله المسندي، حدثنا هشام، أخبرنا معمر، عن الزهري، عن أبي [illegible] يس، عن عبادة بن الصامت، قال: بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم في رهط، فقال: أبايع[illegible]، على أن لا تشركوا بالله شيئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادكم، ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم، ولا تعصوني في معروف، فمن وفى منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئا فأخذ به في الدنيا، فهو له كفارة وطهور، ومن ستره الله، فذلك إلى الله: إن شاء عذبه، وإن شاء غفر له.

٧٤٦٩- حدثنا معلى بن أسد، حدثنا وهيب، عن أيوب، عن محمد، عن أبي هريرة: أن نبي الله سليمان عليه السلام كان له ستون امرأة، فقال: لأطوفن الليلة على نسائي فلتحملن كل امرأة، ولتلدن

فارسا يقاتل في سبيل الله، فطاف على نسائه، فما ولدت منهن إلا امرأة ولدت شق غلام"، قال نبي الله صلى الله عليه وسلم: لو كان سليمان استثنى لحملت كل امرأة منهن، فولدت فارسا يقاتل في سبيل الله.

كان له ستون امرأة: میں بتاچکا کہ بعض روایات میں سبعین ہے بعض میں تسعین ہے اور بعض میں مائة أو تسعة وتسعون ہے اور بتاچکا کہ عقد تسعین اور عقد مائة میں زیادہ فرق نہیں ہے، مگر ان روایتوں میں شدید اختلاف ہے، حافظ ابن حجر نے جمع کیا کہ ساٹھ حرائر ہوں گی باقی اماء ہوں گی یا ساٹھ اماء ہوں گی باقی حرائر، اور سبعین کا عدد تکثیر پر محمول کیا ہے، اور مائة اور تسعین کا کوئی زیادہ اختلاف نہیں، اصل میں تسعین سے زائد اور مائة سے کم ہوں گی اسلئے کبھی کسر کو ساقط کر کے تسعین کہدیا کبھی کسر کو پر کر کے مائة کہدیا۔

استثنی: أی قال إنشاءالله۔

۷۴۷۰- حدثنا محمد، حدثنا عبد الوهاب الثقفي، حدثنا خالد الحذاء، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل على أعرابي يعوده فقال: لا بأس عليك طهور إن شاء الله، قال: قال الأعرابي: طهور بل هي حمى تفور على شيخ كبير تزيره القبور، قال النبي صلى الله عليه وسلم: فنعم إذا.

۷۴۷۱- حدثنا ابن سلام، أخبرنا هشيم، عن حصين، عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه، حين ناموا عن الصلاة، قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله قبض أرواحكم حين شاء، وردها حين شاء، فقضوا حوائجهم، وتوضئوا إلى أن طلعت الشمس وابيضت، فقام فصلى.

إن الله قبض أرواحكم الخ: علامہ عزالدین بن عبد السلام فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان میں دو روحیں پیدا کی ہیں، ایک روحِ یقظہ دوسری روح الحیاۃ، قاعدہ یہ ہے کہ روحِ یقظہ جب تک انسان میں رہتی ہے انسان بیدار رہتا ہے جب سو جاتا ہے نکل جاتی ہے، اور روحِ حیاۃ حیات تک باقی رہتی ہے، روحِ یقظہ نکلتے ہی خوابات نظر آتے ہیں اور روحِ حیات نکلنے کے بعد انسان مر جاتا ہے، اسکا مستقر کیا ہے؟ کچھ معلوم نہیں، فرماتے ہیں کوئی بعید نہیں کہ ان دونوں کا مستقر قلب ہو، بعض علماء سے حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ انبیاء وصدیقین میں پانچ ارواح ہوتی ہیں اور کفار میں صرف ایک روح ہوتی ہے، والعلم عند اللہ۔

۷۴۷۲- حدثنا يحيى بن قزعة، حدثنا إبراهيم، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة، والأعرج، ح وحدثنا إسماعيل، حدثني أخي، عن سليمان، عن محمد بن أبي عتيق، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة بن

عبد الرحمن، وسعيد بن المسيب، أن أبا هريرة قال: استب رجل من المسلمين ورجل من اليهود، فقال المسلم: والذي اصطفى محمدا على العالمين في قسم يقسم به، فقال اليهودي: والذي اصطفى موسى على العالمين، فرفع المسلم يده عند ذلك فلطم اليهودي، فذهب اليهودي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبره بالذي كان من أمره، وأمر المسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تخيروني على موسى، فإن الناس يصعقون يوم القيامة، فأكون أول من يفيق، فإذا موسى باطش بجانب العرش، فلا أدري أكان فيمن صعق فأفاق قبلي، أو كان ممن استثنى الله.

أو كان ممن استثنى الله: یا اللہ تعالیٰ نے ان کا استثناء فرمادیا تھا، یعنی یہ ان لوگوں میں داخل ہیں جو فصعق من فی الأرض إلا من شاء اللہ میں مستثنیٰ ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ثبوت ہو گیا ہے۔

۷۴۷۳- حدثنا إسحاق بن أبي عيسى، أخبرنا يزيد بن هارون، أخبرنا شعبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المدينة يأتيها الدجال، فيجد الملائكة يحرسونها فلا يقربها الدجال، ولا الطاعون إن شاء الله.

ولا الطاعون إن شاء الله: ان شاء اللہ کا تعلق طاعون سے ہے اگر یہ لفظ تعلیقیہ ہے، اور اگر تبریک کیلئے ہے تو دونوں سے ہے اسکے متعلق کلام فتن کے اواخر میں ہو چکا ہے۔

۷۴۷۴- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، حدثني أبو سلمة بن عبد الرحمن، أن أبا هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل نبي دعوة، فأريد إن شاء الله أن أختبي دعوتي، شفاعة لأمتي يوم القيامة.

لكل نبي دعوة: ہر نبی کو ایک دعا ایسی دی گئی جو مقطوع الاجابۃ ہے جو اسکی امت کے بارہ میں قبول کی جاتی ہے، ہر نبی نے وہ دعاء دنیا میں مانگ لی لیکن ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوۃ کو مخفی رکھا امت کیلئے شفاعت کرنے کے واسطے۔

۷۴۷۵- حدثنا يسرة بن صفوان بن جميل اللخمي، حدثنا إبراهيم بن سعد، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بينا أنا نائم رأيتني على قليب، فنزعت ما شاء الله أن أنزع، ثم أخذها ابن أبي قحافة فنزع ذنوبا أو ذنوبين وفي نزعه ضعف، والله يغفر له، ثم أخذها عمر فاستحالت غربا، فلم أر عبقريا من الناس يفري فريه حتى ضرب الناس حوله بعطن.

٧٤٧٦- حدثنا محمد بن العلاء، حدثنا أبو أسامة، عن بريد، عن أبي بردة، عن أبي موسى قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أتاه السائل - وربما قال جاءه السائل - أو صاحب الحاجة، قال: اشفعوا فلتؤجروا ويقضي الله على لسان رسوله ما شاء.

٧٤٧٧- حدثنا يحيى، حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن همام، سمع أبا هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يقل أحدكم: اللهم اغفر لي إن شئت، ارحمني إن شئت، ارزقني إن شئت، وليعزم مسألته، إنه يفعل ما يشاء، لا مكره له.

٧٤٧٨- حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا أبو حفص عمرو، حدثنا الأوزاعي، حدثني ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أنه تمارى هو والحر بن قيس بن حصن الفزاري في صاحب موسى أهو خضر؟ فمر بهما أبي بن كعب الأنصاري، فدعاه ابن عباس، فقال: إني تماريت أنا وصاحبي هذا في صاحب موسى الذي سأل السبيل إلى لقيه، هل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر شأنه، قال: نعم، إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بينا موسى في ملإ من بني إسرائيل إذ جاءه رجل فقال: هل تعلم أحدا أعلم منك؟ فقال موسى: لا، فأوحي إلى موسى، بلى عبدنا خضر، فسأل موسى السبيل إلى لقيه، فجعل الله له الحوت آية، وقيل له إذا فقدت الحوت فارجع فإنك ستلقاه، فكان موسى يتبع أثر الحوت في البحر، فقال فتى موسى لموسى: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ قال موسى: ﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾، فوجدا خضرا، وكان من شأنهما ما قص الله.

٧٤٧٩- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، وقال، أحمد بن صالح، حدثنا ابن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ننزل غدا إن شاء الله بخيف بني كنانة، حيث تقاسموا على الكفر يريد المحصب.

٧٤٨٠- حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا ابن عيينة، عن عمرو، عن أبي العباس، عن عبد الله بن عمر، قال: حاصر النبي صلى الله عليه وسلم أهل الطائف فلم يفتحها، فقال: إنا قافلون غدا إن شاء الله»، فقال المسلمون: نقفل ولم نفتح، قال: فاغدوا على القتال، فغدوا فأصابتهم جراحات، قال النبي صلى الله عليه وسلم: إنا قافلون غدا إن شاء الله، فكأن ذلك أعجبهم فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(ص ۱۱۱۴) **باب قوله** ﴿وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الحَقَّ وَهُوَ العَلِيُّ الكَبِيرُ﴾

ولم يقل: ماذا خلق ربكم، وقال جل ذكره: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ وقال مسروق، عن ابن مسعود: إذا تكلم الله بالوحي سمع أهل السموات شيئا، فإذا فزع عن قلوبهم وسكن الصوت، عرفوا أنه الحق ونادوا: ﴿مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الحَقَّ﴾ [سبأ: ۲۳] ويذكر عن جابر، عن عبد الله بن أنيس قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: " يحشر الله العباد، فيناديهم بصوت يسمعه من بعد كما يسمعه من قرب: أنا الملك، أنا الديان.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ پہلا باب ہے جس میں امام بخاری نے مسئلہ کلام کو بیان فرمایا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حافظ کی اس تصریح پر کھلا ہوا اشکال ہے، امام بخاری نے باب المشیۃ والإرادۃ چھوڑ کر ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین سے جتنے تراجم منعقد کئے ہیں سب کا تعلق مسئلہ کلام ہی سے ہے، اور بیچ میں مشیت و ارادہ کا ترجمہ منعقد فرما کر میرا خیال یہ ہے کہ مصنف نے ایک خاص بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ارادہ و مشیت سے کلام فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ کلام میں بڑا طویل و عریض اختلاف ہے، میں یہاں چند مشہور مسالک و مذاہب نقل کرونگا۔

امام احمد بن حنبل اور عام محدثین کی رائے ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بنفس نفیس حقیقۃً کلام فرماتے ہیں اور یہ کلام اسکی صفت ہے اور یہ کلام صوت کے ساتھ ہوتا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے صوت کا قول کرامیہ، معتزلہ، سالمیہ اور اکثر مرجیہ کی طرف منسوب کیا ہے، امام بخاری اسی مسلک کی طرف مائل ہیں جیسا کہ یہ ترجمہ اس پر دلالت کرتا ہے اور کتاب خلق افعال العباد میں تو امام بخاری نے تقریباً صوت کی تصریح فرمادی ہے۔

دوسرا قول ابن کلاب اور ان کے اتباع امام ابوالحسن اشعری، ابو منصور ماتریدی، ابوالعباس قلانسی وغیرہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ فی الحقیقت کلام فرماتا ہے لیکن اپنی مشیت و قدرت سے کلام نہیں کرتا بلکہ اسکا کلام اسکی صفت واحدہ اسکی ذات کیساتھ ہے، قدیمۃ العین ہے اسکی ذات کیساتھ قائم ہے، جیسے حیاۃ اسکی صفتِ ازلیہ لازمہ

قائمہ بذاتہ ہے ایسے ہی یہاں ہے، البتہ اسکے کلام فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے کلام فرمانا چاہتا ہے اس میں اپنے کلام کا ادراک پیدا کر دیتا ہے اور وہ اسکے کلام کو سن لیتا ہے، حضرت موسیٰ سے کلام کرنے اور ان کو ندا کرنے کا ظہور ہمیشہ ہوتا رہا ہے بس اتنی بات ہوئی کہ جب وہ کوہ طور پر جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کے اندر ادراک پیدا فرمادیتے تھے جسکی وجہ سے اللہ کی اس نداء ازلی کو جو ازل سے ہو رہی ہے سن لیا کرتے تھے۔

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ابن کلاب نے فرمایا ٹھیک ہے، کلام اسکی صفت واحدہ حقیقیہ ازلیہ لازمۃ الذات ہے اور حق تعالیٰ سے ہر وقت اس صفت کا ظہور ہوتا ہے لیکن لوگوں کو اسکا ادراک نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اسکے کسی بندہ کو اللہ کا کلام مسموع ہو جائے تو وہ کسی چیز میں آواز پیدا فرمادیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کلام مخلوق کی سماعت کے اندر آجاتا ہے، حضرت موسیٰ سے جب کلام فرمایا تو ایک آواز پیدا فرمادی جس سے حضرت موسیٰ نے اللہ کے کلام کو سن لیا اور سمجھ لیا۔

تیسرا مسلک معتزلہ کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام تو حقیقۃً کرتے ہیں لیکن یہ کلام اسکی صفت ذاتیہ لازمہ نہیں ہے بلکہ اسکی مخلوقات میں سے ہے غیر میں اللہ اسے پیدا کر دیتے ہیں، جہمیہ اور بعض زیدیہ، شیعہ اور بعض خوارج کہتے ہیں کہ اللہ بذات خود کلام نہیں کرتا بلکہ اللہ کا کلام اسکی مخلوقات میں سے ہے، اللہ نے جیسے اور چیزیں پیدا کیں ایسے ہی اپنی مشیت و قدرت سے بعض اجسام میں کلام پیدا کر دیا، جب موسیٰ سے کلام کرنا ہوا تو شجرہ میں کلام کو پیدا فرمادیا، یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کلام کی نسبت واضافت اللہ کی طرف مجازی ہے۔

لیکن ان کا قول ظاہر نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل سماعت ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ بولا جاتا ہے اور جب تک اسکے حقیقی معنی مراد لینے ممکن ہوں تو اسکو مجاز پر محمول نہیں کیا جاسکتا، خدائے پاک کا کلام خدائے پاک کی طرف منسوب کیا گیا ہے لہذا اسکے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور ان لوگوں کو جو اشکالات پیش آئے ہیں کہ اللہ کے کلام کے صدور کے واسطے زبان کا ہونا گلے کا ہونا حنجرہ کا ہونا ضروری ہے اور تموج ہوا کے ذریعہ اصوات پیدا ہوتی ہیں تب کلام مسموع ہوتا ہے، یہ سارا اشکال قیاس الغائب علی الشاہد کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

پھر بقیہ حضرات کہتے ہیں کہ کلام کی اضافت اللہ کی طرف حقیقی ہے، اللہ ہی کلام کرتے ہیں مگر معتزلہ

یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جس وقت کلام کرنا چاہتے ہیں کلام کو پیدا کر دیتے ہیں مگر پھر حقیقۃً اللہ کا کلام اللہ کی صفت کہاں ہوا؟ وہ تو اللہ کی مخلوق ہو گیا، اللہ نے کلام کیا کیا؟ اللہ نے تو خلق کلام کیا۔

اہل سنت والجماعت میں محدثین اور متکلمین میں اختلاف ہے، متکلمین تو یہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی صفت واحدہ قائم بذاتہ تعالیٰ لازمہ ہے قدیمۃ العین ہے اور ہر وقت اللہ سے کلام کا صدور ہوتا ہے بس بندوں کو ادراک نہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا ہے، جب اللہ چاہتے ہیں کہ کسی کو ادراک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ شانہ اس میں قوت پیدا فرما دیتے ہیں یا بقول ابو منصور ماتریدی کے آواز پیدا کر دیتے ہیں اس آواز کے ذریعہ کلام مسموع ہو جاتا ہے، مگر اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کلام پر مدفوع اور مجبور ہیں کہ ہر وقت اس سے اسکا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

اسلئے حضرات محدثین اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ازلیہ قائمہ بذات اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وارادہ اور قدرت سے جب چاہتے ہیں اور جیسا چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں، کلام اللہ کی صفت ہے اسکی ذات میں یہ صفت موجود ہے، جیسے کاتب میں صفت کتابت موجود ہے لیکن جب وہ چاہتا ہے کتابت کرتا ہے جب نہیں چاہتا تو کتابت نہیں کرتا ہے، لیکن نہ کرنے کی صورت میں اسے غیر کاتب نہیں کہا جا سکتا ہے، عالم ہے علم کی صفت اسکے اندر موجود ہے لیکن جب وہ چاہتا ہے صفت علم کا اظہار کرتا ہے اور جب چاہتا ہے نہیں کرتا لیکن اسکو جاہل نہیں کہا جاتا، ایک آدمی گونگا نہیں ہے کلام کی صفت اس میں موجود ہے اسکو ساکت تو کہہ سکتے ہیں لیکن اخرس اور گونگا نہیں کہا جائے گا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ وہ متکلم ہے یعنی کلام پر قادر ہے جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ تو حق تعالیٰ کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت کلام کیساتھ متصف ہے اور اپنے کلام کے اظہار پر قادر ہے جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور جب چاہتا ہے کلام نہیں کرتا۔

میرے نزدیک امام بخاری نے یہی مسلک اختیار کیا ہے اسی لئے ابواب کلام کے ذیل میں انہوں نے مشیت وارادہ کا ترجمہ منعقد کر دیا اور بتلا دیا کہ حق تعالیٰ کا کلام اسکی مشیت اور ارادہ کیساتھ ہوتا ہے، بے ارادہ نہیں ہوتا جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری، ابو منصور ماتریدی، ابوالعباس قلانسی فرماتے ہیں۔

پھر امام بخاری نے امام احمد کی اس مسئلہ میں موافقت کی کہ اللہ کا کلام نوع واحد نہیں بلکہ انواع مختلفہ

ہے اسی سے اللہ نے حضرت ابراہیم سے کلام کیا، اسی سے اللہ نے سریانی میں کلام کیا، کسی سے اللہ نے عربی میں کلام کیا، اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا کلام مشیت کیساتھ ہے یہ نہیں کہ ہر وقت مدفوع الی الکلام ہو بلکہ جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور صوت کیساتھ کلام فرماتا ہے۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا کہ صوت کیساتھ کلام کرنے کیلئے گلا اور زبان ہو اس میں حرکت ہو اور ہوا کا تموّج ہو جس میں آواز پیدا ہو اور یہ چیزیں جزئیت کو متقاضی ہیں اور جزئیت ترکیب کو چاہتی ہے اور ترکیب احتیاج وامکان کو مقتضی ہے اور حق تعالیٰ احتیاج اور امکان سے پاک ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ جیسے دیگر نصوص میں اللہ کی صفاتِ ذاتیہ سمعیہ وارد ہوئی ہیں اور ان کو ہم مانتے ہیں اور تشبیہ و تجسیم سے احتیاط کرتے اور تکییف اور تعطیل سے بچتے ہیں، ایسے ہی اگر یہاں پر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام اسکے ارادہ وقدرت سے ہوتا ہے اور صوت کیساتھ ہوتا ہے اور اسکی صوت انسانوں اور جاندار حیوانوں کی طرح نہیں کہ اسکے ظہور کے واسطے حنجرہ اور تموّج ہوا کی ضرورت ہو، بلکہ جیسے اسکی ذات بے مثل ہے صفات بے مثل ہیں، ایسے ہی ممکن ہے کہ اسکی صوت کا ظہور بغیر ان سب چیزوں کے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ بڑا نازک ہے، اس میں انسان کو بہت زیادہ غلو نہ کرنا چاہئے بس جتنا قرآن و حدیث میں وارد ہوا اسپر ایمان لائے آگے سکوت کرے، اللہ تعالیٰ شانہ کلام فرماتے ہیں، کلام اللہ کی صفت ہے قدیم ہے مخلوق نہیں ہے، القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔

متکلمین نے ایک بحث اور کی ہے کلام لفظی اور کلام نفسی کی، امام بخاری نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، کیونکہ امام بخاری کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ صوت کیساتھ کلام کرتے ہیں اور متکلمین چونکہ صوت کے قائل نہیں اسلئے وہ یہ کہتے ہیں کہ کلام کی دو قسمیں ہیں کلام نفسی، کلام لفظی، کلام نفسی تو قدیم ہے اللہ کی صفت ہے اور کلام لفظی حادث ہے یہ الفاظ و حروف جو قرآن میں ہیں اسکو یہ لوگ حادث مانتے ہیں اور وہ معنی جس پر یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں اسکو کلام نفسی اور اللہ کی صفت اور قدیم مانتے ہیں، کلام نفسی کے اثبات کیلئے انہوں نے حضرت عمرؓ کے ارشاد إني زوّرت في نفسي كلاما اور اخطل کے قول

إن الكلام لفي الفؤاد وإنما جعل اللسان على الفؤاد دليلا

سے استدلال کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری اس طرح کی تدقیقات میں پڑنا پسند نہیں کرتے ہیں، اور ان کی رائے یہ ہے کہ کتاب وسنت سے جتنا ثابت ہو آدمی وہیں جاکر وقوف اختیار کرے، لفظی اور نفسی کے جھگڑے میں نہ پڑے، رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے یہ قرآن ہم کو دیا یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا کلام ہے، آپ نے یہ نہیں کہا کہ الفاظ تو حادث ہیں اور جو معانی ہیں جن پر الفاظ و نقوش دال ہیں وہ حقیقۃً اللہ کا کلام ہے، ہمارے حق میں یہ کلام ابتداء اور انتہاء مبدأ اور مقطع رکھتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں بھی یہی صورت پیش آتی ہو جیسے اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے بے مثل اور بے چوں وبے چگوں ہے اسی طرح اپنی صفات کے اعتبار سے بھی بے چوں اور بے چگوں ہے، واللہ تعالیٰ شانہ أعلم۔

ولم یقل ماذا خلق ربکم: اس سے معتزلہ پر رد کیا ہے، حاصل رد یہ ہے کہ فرشتے پوچھتے ہیں ماذا قال ربکم، تمہارے رب نے کیا کہا یہ نہیں کہا کہ ماذا خلق ربکم، معلوم ہوا کہ کلام خداوندی اللہ تعالیٰ شانہ کا قول ہے اللہ کی مخلوق نہیں ہے، اصل میں معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ قول کا لفظ کنایہ ہے فعل اور تکوین سے، کہا جاتا ہے قالت السماء فأمطرت یہاں قول کلام کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ معنی ہیں ظہرت یعنی بادل ظاہر ہوا اور برسا، لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ قالت السماء فأمطرت میں بغیر فامطرت کے کوئی معنی ادا نہیں کر سکتا، معلوم ہوا کہ لفظ قالت السماء بذات خود ادائے معنی کیلئے کافی نہیں ہے وہ تو فامطرت لگانے سے کلام بن گیا ہے، ان السماء لا قول لھا، بہر حال قول کنایہ تکوین سے نہیں فعل سے نہیں، لفظ قول اگرچہ بعض اوقات میں اپنے معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مگر وہاں قرائن ایسے ہوتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں قول سے مراد کلام نہیں جیسے قالت السماء فأمطرت میں قالت بمعنی ظہرت ہے اور قرینہ فامطرت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وسکن الصوت عرفوا أنہ الحق: اس سے مصنف نے مسئلہ صوت ثابت کیا، مسروق کی روایت جو امام بخاری نے یہاں تعلیقاً ذکر کی ہے خلق افعال العباد میں موصولاً اور ابن ابی حاتم نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں موصولاً روایت کی ہے۔

ویذکر عن جابر: یہ روایت امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں

موصولاً روایت کی ہے، امام بیہقی صوت کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کا مدار ابن عقیل پر ہے اور ابن عقیل سیئ الحفظ ہے، اور صوت کے بارہ میں کوئی صحیح حدیث رسول ﷺ سے ثابت نہیں ہے اسلئے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ صوت کا اعتراف نہیں کیا جائے گا، مگر امام بخاری وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ صوت کا لفظ احادیث میں ثابت ہے، اور حضرت جابرؓ کی روایت میں اس لفظ کے راوی اگرچہ ابن عقیل ہیں اور وہ متکلم فیہ ہیں مگر امام حاکم نے ان کی روایت کو صحیح کہا ہے اور دیگر علماء نے ان کی روایت کی تصحیح فرمائی ہے، اور اسکے لئے مؤید مسروق کی روایت ہے جو پہلے ذکر کی گئے ہے، نیز خود اس حدیث میں ایک لفظ ایسا موجود ہے جو اسکا مؤید ہے کہ یہ کلام کلام خداوندی ہے وہ یسمعه من بعُد کما یسمعه من قرب ہے اسکو بعید وقریب برابر سن لیتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا کلام صوت کیساتھ ہوتا ہے، حضرت موسیٰ کے متعلق وارد ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا کلام جمیع جہات سے سنا کرتے تھے، صوت کا انکار کرنے والوں نے جو سب سے بڑی بنیادی چیز رکھی ہے وہ یہی کہ صوت کے واسطے لسان وحنجرہ شرط ہے اسکا جواب دے چکا کہ یہ قیاس الغائب علی الشاہد ہے۔

٧٤٨١- حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا سفيان، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة، يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إذا قضى الله الأمر في السماء، ضربت الملائكة بأجنحتها خضعانا لقوله، كأنه سلسلة على صفوان قال - علي: وقال غيره: صفوان ينفذهم ذلك - فإذا ﴿فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الحَقَّ وَهُوَ العَلِيُّ الكَبِيرُ﴾، قال علي وحدثنا سفيان حدثنا عمرو عن عكرمة عن أبي هريرة بهذا، قال سفيان: قال عمرو: سمعت عكرمة: حدثنا أبو هريرة، قال علي: قلت لسفيان: قال سمعت عكرمة، قال: سمعت أبا هريرة؟ قال: نعم، قلت لسفيان: إن إنسانا روى عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة، يرفعه: أنه قرأ: (فُرِّغَ)، قال سفيان: هكذا قرأ عمرو، فلا أدري سمعه هكذا أم لا؟ قال سفيان: وهي قراءتنا.

وقال غيره: أی غیر سفیان سفیان اور غیر سفیان کی روایت میں کیا فرق ہے اس میں دو احتمال شارحین نے بیان کئے ہیں، ایک فرق تو یہ ہے کہ مثلاً سفیان نے کہا ھو صَفْوانٌ اور دوسرے نے کہا ھو صَفَوَانٌ، یا سفیان کی روایت میں ینفذھم نہ ہو اور غیر سفیان کی روایت میں ینفذھم کی زیادتی ہو، حافظ ابن حجر نے احتمال اول ہی کو ارجح قرار دیا ہے اسلئے کہ ینفذھم کی زیادتی سفیان کی روایت میں ابن ابی حاتم نے تخریج فرمائی ہے۔

قالوا: ماذا قال ربکم، قالوا: الحق وهو العلی الکبیر: یہ کلام خود اس بات کی دلیل ہے کہ کلام بالصوت ہوتا ہے، فرشتے کلام سنتے ہیں اس کلام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں، لیکن جو لوگ صوت کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آواز ہو، ہو سکتا ہے کہ آسمان کی آواز ہو، ہو سکتا ہے فلاں چیز کی آواز ہو۔

قال علی: یہ کلام سارا کا سارا کتاب التفسیر میں گزر چکا مگر یہاں قال علی ہے اور وہاں حدثنا علی ہے، اور یہ بتانا ہے کہ سفیان نے یہ حدیث علی بن مدینی سے بیان کی ہے اور تحدیث کی ہے۔

قلت لسفیان: یعنی علی بن مدینی نے سفیان سے پوچھا کہ عمرو بن دینار نے عکرمہ سے یہ حدیث سنی ہے؟ اور عکرمہ نے ابو ہریرہ سے سماع کی تصریح کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، عمرو نے عکرمہ سے اور عکرمہ نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا ہے۔

قلت لسفیان: فُزِعَ۔ یہاں دو روایتیں ہیں، ایک ہے متن کی روایت فُزِعَ زاء معجمہ اور عین مہملہ کیساتھ اور دوسری فُرِغَ راء مہملہ اور غین معجمہ کیساتھ، یہی اصل روایت ہے، اور فُزِعَ قرأت مشہورہ کے اندر وارد ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں ہوتا نہ سوال کا موقع ہے، اصل میں علی بن مدینی سفیان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی طرف ایک آدمی نے روایت نقل کی اور اس میں فُرِغَ پڑھا گیا ہے تو سفیان نے فرمایا کہ عمرو نے اسی طرح پڑھا تھا، اب معلوم نہیں انہوں نے اسی طرح سنا ہے یا نہیں، اور فرماتے ہیں کہ ہماری قرأت بھی یہی ہے فُرِغَ یعنی راء مہملہ اور غین معجمہ کیساتھ۔

اب یہاں چند باتیں ہیں، ایک یہ کہ روایتی حیثیت سے فُرِغَ کو فُزِعَ پر ترجیح حاصل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عمرو بن دینار اور سفیان بن عیینہ کی قرأت یہی ہے، اور تیسری بات یہ ہے کہ سفیان یوں کہتے ہیں فلا آدری سمعه هکذا أم لا؟ کرمانی کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ عمرو بن دینار کی رائے یہ ہو کہ اگر قواعد کے مطابق ہو تو بلا سماع من الاستاذ کے بھی قرأت کر سکتے ہیں، لیکن یہ چیز بعید ہے قرآن پاک سارا کا سارا نقل پر موقوف ہے وہاں عقلی تکے نہیں چلتے ہیں اور قواعد کی پابندی نہیں کی جاتی ہے، اسلئے اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ عمرو نے اپنے استاذ عکرمہ سے براہ راست سنا یا نہیں یہ معلوم نہیں، یہ مطلب نہیں کہ عمرو بن دینار کو فُرِغَ کی قرأت پہونچی

نہیں بلکہ عمرو کو فُزِّغَ کی قرأت پہونچی مگر شک صرف اس میں ہے کہ عکرمہ سے سنا ہے یا نہیں۔

اب یہ سمجھو کہ مشہور قرأت تو فُزِّعَ ہے اور ایک قرأت عمرو بن دینار اور ان کے شاگرد سفیان کی فُرِّغَ ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، فُزِّعَ ای أزیل الفزع عنھم اور فُرِّغَ أی أفرغ الخوف الذی ادخل فی قلوبھم یعنی نکال دیا گیا وہ خوف جو ان کے دلوں میں تھا، خلاصہ دونوں کا ایک ہی ہے۔

۷۴۸۲- حدثنا يحيى بن بكير، حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة أنه كان يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أذن الله لشيء ما أذن للنبي صلى الله عليه وسلم يتغنى بالقرآن، وقال صاحب له: يريد: أن يجهر به.

امام بخاری نے اَذِنَ کو اَذَنٌ سے ماخوذ نہیں مانا جس کے معنی استماع کے ہیں حالانکہ یہی اسکی مشہور تفسیر ہے بلکہ انہوں نے اِذْن سے لیا ہے جسکے معنی اجازت کے ہیں یعنی اللہ اجازت نہیں دیتے ہیں، اور اجازت کلام کے ذریعہ ہوتی ہے گویا مصنف نے اس سے کلام ثابت کیا ہے۔

۷۴۸۳- حدثنا عمر بن حفص بن غياث، حدثنا أبي، حدثنا الأعمش، حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: يقول الله: يا آدم، فيقول: لبيك وسعديك، فينادى بصوت إن الله يأمرك أن تخرج من ذريتك بعثا إلى النار.

فینادی بصوت: اس حدیث سے صوت کا ثبوت ہوتا ہے لیکن دوسرے حضرات اسکی تاویل کرتے ہیں کہ یہاں منادی کی صوت مراد ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہوگا، لیکن حنابلہ اور امام بخاری کی رائے ہے کہ یہ صوت باری ہے اور اللہ کی طرف صوت کی اضافت کی گئی ہے، حافظ ابن حجر بھی اس مسئلہ میں امام بخاری کی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں انہوں نے بہت تفصیل سے کلام کر کے اخیر میں صوت کے منکرین کے اشکالات کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور حاصل اشارہ یہ ہے کہ جو کچھ ضرورتیں پیش آتی ہیں وہ اصواتِ مخلوقین میں پیش آتی ہیں، اصواتِ باری تعالیٰ کو اصواتِ مخلوقین پر کیوں قیاس کیا جائے۔

۷۴۸۴- حدثنا عبيد بن إسماعيل، حدثنا أبو أسامة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها، قالت: «ما غرت على امرأة ما غرت على خديجة، ولقد أمره ربه أن يبشرها ببيت في الجنة.

ولقد أمره الله: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت کیا۔

اب غور سے سنو! امام بخاریؒ کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ مختلف فیہا ہوتا ہے تو امام بخاری اسکو مختلف عناوین سے ثابت کرتے ہیں، چونکہ مسئلہ کلام میں معتزلہ نے مخالفت کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی صفت نہیں بلکہ وہ اللہ کی مخلوقات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کے کلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کو پیدا کر دیتے ہیں اسلئے امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ کلام ثابت کرنے کے لئے بہت سے تراجم منعقد فرمائے ہیں، مشیت وارادہ سے پہلے کئی تراجم قائم کر کے اسطرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کلام کی اضافت اللہ کی طرف کی گئی ہے، یہ اضافت اس بات کی دلیل ہے کہ کلام اللہ کی صفت ہے پھر اسکے بعد باب ﴿لا تنفع الشفاعة عنده﴾ الآیۃ کا ترجمہ منعقد کر کے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول کی اپنی طرف اضافت فرمائی ہے اور فرشتوں نے قول کی اللہ کی طرف اضافت فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ قول یعنی کلام اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت ہے اسلئے کہ اگر صفت نہ ہوتی بلکہ اللہ کی مخلوق ہوتی تو فرشتے ماذا قال ربکم کے بجائے ماذا خلق ربکم فرماتے۔

نیز امام بخاری نے ضمناً اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اسکا کلام صوت کیساتھ ہوتا ہے اور مشیت و ارادہ کو بیچ میں داخل کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اسکا کلام مشیت وارادہ کیساتھ ہوتا ہے، اور چونکہ مسئلہ کلام میں معتزلہ نے بڑی مخالفت کی تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کے کلام کو مختلف عناوین سے ثابت کیا۔

پہلے تو یہ ثابت فرمایا نصوص سے کہ اللہ کیلئے کلام کا ثبوت ہوتا ہے پھر یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل کیساتھ کلام فرماتے ہیں اور فرشتوں کو ندا دی جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کلام فرمائینگے قیامت میں انبیاء ورسل سے، اسی طرح اہل جنت سے کلام فرمائینگے، چنانچہ امام بخاری نے ایک ترجمہ منعقد کیا باب کلام الرب مع جبرئیل ونداء اللہ الملائکة کا، دوسرا ترجمہ آگے چل کر منعقد کیا ص ۱۱۱۸ پر باب کلام الرب یوم القیامة مع الانبیاء وغیرهم کا، تیسرا ترجمہ ص ۱۱۲۱ پر باب کلام الرب مع أهل الجنة، گویا امام بخاری نے اس سے اللہ کا کلام ثابت کیا اور یہ ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنی مشیت وارادہ سے کلام فرماتے ہیں، اسلئے ظاہر ہے جبرئیل سے جب کلام کیا وہ اور وقت تھا، اور جب انبیاء وغیرہم سے کلام کیا وہ اور وقت تھا، اور جب اہل جنت سے کلام ہو گا تو وہ جنت میں ہو گا، اور اسکے بیچ بیچ میں بھی بعض تراجم منعقد کر کے مصنف نے اپنی مراد کا ایضاح فرمایا ہے، بس اب عبارت سنتے رہو۔

کلام کے اندر دو باتیں مصنف نے پیش نظر رکھی ہیں ایک تو اللہ کیلئے صفتِ کلام کو ثابت کرنا دوسرے کلامِ خدا میں آیا تلاوت و متلو میں فرق ہے یا نہیں، پہلے تو کلام کو ثابت کیا اور یہ کہ کلام نوع واحد نہیں جیسا کہ کلابیہ اور اشعریہ کہتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مشیت و ارادہ سے کلام فرماتے ہیں اور یہ بھی ثابت فرمایا کہ تلاوت و متلو اور قرآت و مقرو میں فرق ہے دونوں ایک نہیں، یہ خلاصہ بحث ہے جسکا میں نے اشارہ کر دیا، آخر کتاب تک یہ باتیں چلیں گی، اور جب کتاب ختم کرنے لگیں گے تو آخر میں رسالت کا مسئلہ ذکر کرینگے اور اس میں بھی تلاوت و متلو کے فرق کی طرف اشارہ کرینگے اور پھر بالکل آخر میں جا کر میزان کا مسئلہ بیان کرینگے اور کتاب ختم کر دینگے۔

(ص ۱۱۱۵) باب كلام الرب تعالى مع جبرئيل ونداء الله الملائكة

قال معمر: ﴿وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ﴾، أي يلقى عليك وتلقاه أنت، أي تأخذه عنهم، ومثله: ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾.

قال معمر: معمر سے مراد ابوعبیدہ معمر بن مثنی اللغوی ہیں، یہ کلام انہوں نے مجاز القرآن میں ذکر کیا ہے۔

لَتُلَقَّى القرآن: أی یُلقی علیک القرآن وتَلقاہ أنت آپ پر کلام خداوندی کا القاء کیا جاتا ہے اور آپ اسکی تلقی کرتے ہیں یعنی اسکو لیتے ہیں۔

أی تأخذہ عنهم: عنهم اسی طرح ہندی نسخوں میں بصیغہ جمع وارد ہوا ہے اور فتح الباری اور تحفۃ القاری میں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے، لیکن علامہ عینی اور علامہ قسطلانی کے نسخہ میں عنہ بصیغہ مفرد واقع ہوا ہے، قیاس کا تقاضا عنہ ہی ہے اس واسطے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کلام الٰہی کی تلقی حضرت جبرئیل سے کرتے تھے لیکن اگر عنهم کا صیغہ ثابت ہو تو یہ توجیہ کی جائے گی کہ حضرت جبرئیل کیساتھ بعض وقت دوسرے فرشتے بھی ہوتے ہوں گے، مجازاً تلقی کی نسبت ان کی طرف بھی کر دی گئی۔

اور یہ تلقی اللہ کی طرف سے تو تلقی روحانی ہوتی تھی اور حضرت جبرئیل کیطرف سے القاء جسمانی ہوتی تھی، تلقی روحانی کا کلام زین زکریا کا ہے، اصل میں وہ متکلمین کے ہم مسلک ہیں اور حضرات متکلمین کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صفت واحدہ ہے جو اللہ کی ذات کیساتھ قائم ہے اور اللہ جب چاہیں اپنا کلام ظاہر فرمادیتے ہیں تو انہوں نے اسکو تلقی روحانی پر محمول کیا ہے، لیکن حضرات حنابلہ اور محدثین کے مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ جبرئیل کے سامنے اللہ تعالیٰ نے صوت سے کلام فرمایا اور حضرت جبرئیل وہ کلام لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، بہر حال تلقی روحانی میں کوئی اشکال معلوم نہیں ہوتا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے، اب لا محالہ حضرت جبرئیل اللہ تعالیٰ سے جب تلقی فرمائینگے تو گو جبرئیل جسم ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسمانیت کی کیفیت نہیں ہوسکتی ہے، رہی صوت اسکے متعلق وہی بات کہہ چکا ہوں ﴿لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر﴾۔

۷۴۸۵- حدثني إسحاق، حدثنا عبد الصمد، حدثنا عبد الرحمن هو ابن عبد الله بن دينار، عن أبيه، عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله تبارك وتعالى إذا أحب عبدا نادى جبريل: إن الله قد أحب فلانا فأحبه، فيحبه جبريل، ثم ينادي جبريل في السماء: إن الله قد أحب فلانا فأحبوه، فيحبه أهل السماء، ويوضع له القبول في أهل الأرض".

ويوضع له القبول في الأرض: ہمارے حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو مقبولیت بزرگوں کی طرف سے چلتی ہے وہ حقیقۃً دلیل مقبولیت ہے عوام کی طرف سے قبولیت دلیل نہیں۔

۷۴۸۶- حدثنا قتيبة بن سعيد، عن مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار، ويجتمعون في صلاة العصر وصلاة الفجر، ثم يعرج الذين باتوا فيكم، فيسألهم وهو أعلم بهم: كيف تركتم عبادي؟ فيقولون: تركناهم وهم يصلون، وأتيناهم وهم يصلون.

۷۴۸۷- حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن واصل، عن المعرور، قال: سمعت أبا ذر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أتاني جبريل فبشرني أنه من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة، قلت: وإن سرق، وإن زنى، قال: وإن سرق، وإن زنى.

أتاني جبرئيل فبشّرني: اس بشارت سے مصنف نے اپنے مقصد پر استدلال کیا کہ یہ بشارت اللہ

کے حکم سے دی تھی۔

(ص ۱۱۱۴) باب قوله ﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالمَلاَئِكَةُ يَشْهَدُونَ﴾

قال مجاهد: ﴿يَتَنَزَّلُ الأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ بين السماء السابعة والأرض السابعة.

امام بخاری نے اس باب سے معتزلہ پر رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ کلام اللہ مخلوق ہے، حاصل تردید یہ ہے کہ اگر کلام اللہ مخلوق ہوتا تو انزال کی کیا ضرورت تھی اللہ تعالیٰ زمین کے اندر خود اسے پیدا فرمادیتے لیکن اس انزال سے کیا مراد ہے؟ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ انزال سے مراد إلهام العباد معانی الحروف التی فی القرآن ہے، انزالِ اجسامِ مخلوقہ مراد نہیں۔

علامہ ابن بطال کا دوسرا کلام مسلم ہے کہ واقعۃً قرآن پاک کے نازل کرنے کا وہ مطلب نہیں جو جسموں کے نازل کرنے کا مطلب ہوتا ہے، لیکن ان کا پہلا کلام إلهام العباد معانی الحروف التی فی القرآن متأولین کے مسلک پر ہے، اور سلف صالحین سے اس مسئلہ میں جو بات منقول ہے وہ صرف یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے اور حضرت جبرئیل نے اللہ سے لیا ہے اور اسکو حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تک پہونچایا ہے اور محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنی امت تک پہونچایا ہے۔

۷۴۸۸- حدثنا مسدد، حدثنا أبو الأحوص، حدثنا أبو إسحاق الهمداني، عن البراء بن عازب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا فلان إذا أويت إلى فراشك فقل: اللهم أسلمت نفسي إليك، ووجهت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك، وألجأت ظهري إليك، رغبة ورهبة إليك، لا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذي أنزلت، وبنبيك الذي أرسلت، فإنك إن مت في ليلتك مت على الفطرة، وإن أصبحت أصبت أجرا.

۷۴۸۹- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا سفيان، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن عبد الله بن أبي أوفى، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الأحزاب: اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب، اهزم الأحزاب، وزلزل بهم، زاد الحميدي، حدثنا سفيان، حدثنا ابن أبي خالد، سمعت عبد الله، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم.

۷۴۹۰- حدثنا مسدد، عن هشيم، عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾، قال: أنزلت ورسول الله صلى الله عليه وسلم متوار

بمكة، فكان إذا رفع صوته سمع المشركون، فسبوا القرآن ومن أنزله ومن جاء به، فقال الله تعالى:﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ لا تجهر بصلاتك حتى يسمع المشركون،﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عن أصحابك فلا تسمعهم،﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ أسمعهم ولا تجهر، حتى يأخذوا عنك القرآن.

(ص۱۱۱٦) باب قول الله ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ﴾

﴿إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ حق ﴿وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ﴾ باللعب

اس ترجمۃ الباب کی غرض میں اختلاف ہے، حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود وحی غیر متلو یعنی احادیث قدسیہ کا اثبات ہے، اس پر اشکال یہ ہے کہ اسکے لئے امام بخاری نے ص ۱۱۲۵ پر مستقل ترجمہ منعقد فرمایا ہے باب ذکر النبی ﷺ وروایته عن ربه، اسلئے ترجمہ کی یہ غرض یہاں مناسب نہیں، علامہ ابوالحسن ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے بھی وہی مقصود ثابت کیا ہے جو ماقبل کے ابواب میں ثابت کیا ہے کہ اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے جو اسکی ذات کیساتھ قائم ہے اور ہمیشہ سے کلام کرتا ہے اور ہمیشہ کلام کرتا رہیگا۔

علامہ ابن بطال نے یہ تقریر اسپر کی کہ وہ مسلکاً اشعری ہیں اور اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی صفت ہے جو اسکی ذات کیساتھ قائم ہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور جب چاہتا ہے بندوں کو اسکا ادراک پیدا فرمادیتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اگر اشاعرہ کا یہ مسلک ہو تو امام بخاری بھی اسکے تابع ہوں، ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اس مسئلہ میں عام اشاعرہ سے ہٹے ہوئے ہیں اور عامۂ محدثین اور امام احمد کے ہم مسلک ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ اللہ کا کلام قرآن کیساتھ خاص نہیں اسلئے کہ وہ نوع واحد نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں ایک جماعت سے نقل کیا جاچکا ہے، حافظ ابن حجر نے ماقبل میں اشعریہ اور ماتریدیہ اور کلابیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ کلام اللہ نوع واحد ہے جو لازمۂ ذات ہے نیز امام بخاری یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ کلام اللہ اللہ کی صفت ہے مخلوق نہیں ہے اسکی ذات سے قائم ہے اور اللہ جسے چاہتے ہیں بحسب الحاجۃ والمصالح جب چاہتے ہیں نازل فرماتے ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں احادیث باب تقریباً اس مراد کو صاف

طور سے واضح کرتی ہے۔

۷۴۹۱- حدثنا الحميدي، حدثنا سفيان، حدثنا الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: قال الله تعالى: يؤذيني ابن آدم يسب الدهر: وأنا الدهر، بيدي الأمر، أقلب الليل والنهار.

وأنا الدهر: اس کے متعلق کتاب التفسیر اور کتاب الادب میں کلام کر چکا ہوں۔

۷۴۹۲- حدثنا أبو نعيم، حدثنا الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يقول الله عز وجل: الصوم لي وأنا أجزي به، يدع شهوته وأكله وشربه من أجلي، والصوم جنة، وللصائم فرحتان: فرحة حين يفطر، وفرحة حين يلقى ربه، ولخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك.

۷۴۹۳- حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن همام، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: بينما أيوب يغتسل عريانا خر عليه رجل جراد من ذهب، فجعل يحثي في ثوبه، فنادى ربه: يا أيوب ألم أكن أغنيتك عما ترى؟ قال: بلى، يا رب، ولكن لا غنى بي عن بركتك.

حدثنا عبد الله بن محمد: یہ حدیث اسی سند سے کتاب الانبیاء میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا یا أيوب ألم أكن أغنيتك عما ترى یہ کلام کب فرمایا؟ جب حضرت ایوب سونے کی ٹڈیوں کو جمع کرنے لگے تھے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حسب مصالح کلام فرمایا کرتے ہیں۔

۷۴۹۴- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن ابن شهاب، عن أبي عبد الله الأغر، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا، حين يبقى ثلث الليل الآخر فيقول: من يدعوني فأستجيب له، من يسألني فأعطيه، من يستغفرني فأغفر له.

ينزل ربنا: حق تعالیٰ نزول فرماتے ہیں، نزول رب سے کیا مراد ہے اس میں اختلاف ہے، حنابلہ اور عام محدثین تو اسکو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں اور دوسرے حضرات اسکی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں اسکی رحمت اور اسکے اوامر کا نزول مراد ہے، لیکن اسکو اپنے ظاہر پر رکھا جائے بغیر تشبیہ و تمثیل کے تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، پھر حنابلہ کے یہاں یہ جھگڑا ہو رہا ہے کہ آیا جب نزول الٰہی ہوتا ہے تو عرش الٰہی خالی ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ابو القاسم ابن مندہ اصفہانی کہتے ہیں کہ خالی ہو جاتا ہے، عبد الغنی بن سعید مصری کہتے ہیں یخلو، أو

لایخلو سے بحث نہ کرنی چاہئے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ عرش الٰہی خالی نہیں ہوتا، علامہ ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت زیادہ توغل کرنے کی وجہ سے تجسیم کی بو آرہی ہے اسلئے اس مسئلہ میں سکوت اولیٰ معلوم ہوتا ہے، بس جتنا قرآن وحدیث سے معلوم ہو اسے مانے آگے اپنی طرف سے فضول تقریر نہ کرے۔

۷۴۹۵- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، حدثنا أبو الزناد، أن الأعرج، حدثه أنه، سمع أبا هريرة: أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقو: «نحن الآخرون السابقون يوم القيامة.

۷۴۹٦- وبهذا الإسناد قال الله: أنفق أنفق عليك.

۷۴۹۷- حدثنا زهير بن حرب، حدثنا ابن فضيل، عن عمارة، عن أبي زرعة، عن أبي هريرة، فقال: هذه خديجة أتتك بإناء فيه طعام - أو إناء فيه شراب - فأقرئها من ربها السلام، وبشرها ببيت من قصب لا صخب فيه، ولا نصب.

هذه خديجة أتتك: یہ آرہی ہیں خدیجہ انہیں اللہ کی طرف سے سلام کہدیجئے اور ایک مکان کی خبر دیجئے جو لوئو مجوف کا ہے نہ صخب ہے اس میں نہ نصب، حضور ﷺ نے سلام پہونچایا، روایات میں وارد ہے حضرت خدیجہ نے فرمایا إن الله هو السلام وعلى جبرئيل السلام وعليك يا رسول الله السلام ورحمة الله وبركاته وعلى من حضر السلام إلا الشيطان۔

۷۴۹۸- حدثنا معاذ بن أسد، أخبرنا عبد الله، أخبرنا معمر، عن همام بن منبه، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله: أعددت لعبادي الصالحين ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر.

۷۴۹۹- حدثنا محمود، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا ابن جريج، أخبرني سليمان الأحول، أن طاوسا، أخبره أنه سمع ابن عباس، يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا تهجد من الليل، قال: اللهم لك الحمد أنت نور السموات والأرض، ولك الحمد أنت قيم السموات والأرض، ولك الحمد أنت رب السموات والأرض ومن فيهن، أنت الحق، ووعدك الحق، وقولك الحق، ولقاؤك الحق، والجنة حق، والنار حق، والنبيون حق، والساعة حق، اللهم لك أسلمت، وبك آمنت، وعليك توكلت، وإليك أنبت، وبك خاصمت، وإليك حاكمت، فاغفر لي ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت، أنت إلهي لا إله إلا أنت.

وقولک الحق: یہ ہے مقصود بالترجمہ۔

۷۵۰۰- حدثنا حجاج بن منهال، حدثنا عبد الله بن عمر النميري، حدثنا يونس بن يزيد الأيلي، قال: سمعت الزهري، قال: سمعت عروة بن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيد الله بن عبد الله، عن حديث عائشة، زوج النبي صلى الله عليه وسلم، حين قال لها أهل الإفک ما قالوا، فبرأها الله مما قالوا، وكل حدثني طائفة من الحديث الذي حدثني، عن عائشة قالت: ولكني والله ما كنت أظن أن الله ينزل في براءتي وحيا يتلى، ولشأني في نفسي كان أحقر من أن يتكلم الله في بأمر يتلى، ولكني كنت أرجو أن يرى رسول الله صلى الله عليه وسلم في النوم رؤيا يبرئني الله بها، فأنزل الله تعالى ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ﴾ العشر الآيات.

۷۵۰۱- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا المغيرة بن عبد الرحمن، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يقول الله: إذا أراد عبدي أن يعمل سيئة، فلا تكتبوها عليه حتى يعملها، فإن عملها فاكتبوها بمثلها، وإن تركها من أجلي فاكتبوها له حسنة، وإذا أراد أن يعمل حسنة فلم يعملها فاكتبوها له حسنة، فإن عملها فاكتبوها له بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف.

وإن تركها من أجلي: معلوم ہوا کہ اگر سیئہ خدا کے خوف سے چھوڑی جائے تب وہ حسنہ بنتی ہے اور اگر کسی اور وجہ سے سیئہ چھوڑی تو حسنہ نہیں۔

إلى سبع مائة ضعف: سات سو گنا تک، ماوردی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ سات سو پر انتہا ہو جاتی ہے، جمہور فرماتے ہیں اس سے آگے بھی اضافہ ہوتا ہے، دوسری روایات میں وارد ہے إلى أضعاف كثيرة۔

۷۵۰۲- حدثنا إسماعيل بن عبد الله، حدثني سليمان بن بلال، عن معاوية بن أبي مزرد، عن سعيد بن يسار، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "خلق الله الخلق، فلما فرغ منه قامت الرحم، فقال: مه، قالت: هذا مقام العائذ بک من القطيعة، فقال: ألا ترضين أن أصل من وصلک، وأقطع من قطعک، قالت: بلى يا رب، قال: فذلک لک"، ثم قال أبو هريرة: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾

۷۵۰۳- حدثنا مسدد، حدثنا سفيان، عن صالح، عن عبيد الله، عن زيد بن خالد، قال: مطر النبي صلى الله عليه وسلم فقال: قال الله: أصبح من عبادي كافر بي ومؤمن بي.

۷۵۰۴- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال الله: إذا أحب عبدي لقائي أحببت لقاءه، وإذا كره لقائي كرهت لقاءه.

۷۵۰۵- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال الله: أنا عند ظن عبدي بي.

۷۵۰۶- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال رجل لم يعمل خيرا قط: فإذا مات فحرقوه واذروا نصفه في البر، ونصفه في البحر، فو الله لئن قدر الله عليه ليعذبنه عذابا لا يعذبه أحدا من العالمين، فأمر الله البحر فجمع ما فيه، وأمر البر فجمع ما فيه، ثم قال: لم فعلت؟ قال: من خشيتك وأنت أعلم، فغفر له.

لئن قدر الله علیّ: اگر اللہ مجھ پر قادر ہوگئے تو سخت عذاب دینگے، یہ حدیث مشکلات میں شمار کی گئی ہے اسلئے کہ بظاہر یہ شخص قدرت الٰہی کا منکر ہے اور قدرت اللہ کی صفات میں سے ہے اور اللہ کی ذات کا انکار جیسے موجب مقت وعذاب ہے ایسے ہی اسکی صفات کا انکار بھی پھر اس شخص کی مغفرت کیسے ہوئی؟

امام نووی فرماتے ہیں سب سے اظہر تاویل یہ ہے کہ یہ آدمی اسوقت دہشت اور غلبۂ خوف کی حالت میں تھا، عقل مغلوب ہوچکی تھی اسلئے یہ کلام اس سے بغیر سوچ سمجھے ظاہر ہوگیا، جیسے ایک آدمی کی راحلہ کھوگئی پھر اچانک مل گئی تو بے سوچے سمجھے کہنے لگا اللهم أنت عبدی وأنا ربک، کہنا چاہئے اللهم أنت ربی وأنا عبدک لیکن منھ سے الٹا کلام نکل گیا، بعض نے کہا کہ یہ فترت کے زمانہ کا آدمی تھا اور فترت کے زمانہ میں مجرد توحید کافی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ جاہل الصفۃ تھا، ہوسکتا ہے کہ جاہل الصفۃ کی تکفیر نہ کی جائے، لیکن یہ مسئلہ ہے مختلف فیہا، آیا ایسے شخص کی تکفیر کی جائے یا نہیں؟ ابن جریر طبری، امام ابوالحسن اشعری کا قول اول یہ ہے کہ وہ تکفیر کے قائل تھے اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جاہل الصفۃ موجب کفر نہیں ہاں جاحد الصفۃ موجب کفر ہے، امام ابوالحسن اشعری نے اسی قول کی طرف رجوع فرمایا ہے، تو یہ شخص جاہل الصفۃ تھا نہ کہ جاحد الصفۃ، اور بعض حضرات کہتے ہیں ہوسکتا ہے ان کی شریعت میں کفر کی مغفرت ہوجاتی ہو لیکن یہ قول غلط ہے، محض احتمال کا درجہ رکھتا ہے، بعض نے کہا اصل میں اس نے وصیت کی اپنی تحقیر وتذلیل کیلئے تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ کو رحم

آجائے، یہ ایسا ہی ہے جیسا مسلمانوں میں بعض مرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے جب قبر میں لٹاؤ تو میرا منھ کھول کر زمین پر رکھدینا، اور مقصد یہ ہے تاکہ میری ذلت کی کیفیت اللہ کے سامنے ظاہر ہو تو اللہ کو رحم آجائے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ اصل میں اس نے جو کچھ کیا تھا وہ یہ سوچ کر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عذاب اس وقت دینگے جب مجھے مجموعاً اور مجتمعۃً پائینگے اور جب میں جل بھن کر خاک اور راکھ ہو جاؤنگا اور ادھر ادھر منتشر ہو جاؤنگا تو خواہ مخواہ اللہ میاں مجھے عذاب دینے کیلئے اتنے سب کام کیا کرینگے کہ تمام اجزاء کو جمع کریں اور پھر پیدا کریں اور پھر پٹائی کٹائی کریں، اس نے اپنی جان بچانے کیلئے حیلہ کیا تھا اور سمجھا تھا کہ اسطرح جان بچ جائیگی مگر قدرت حق کے سامنے ہر چیز عاجز ہے، سمندر سے کہا کہ سب کچھ جمع کردے وہ حاضر، خشکی سے کہا جمع کرے وہ حاضر، اور فرمادیا کن، ہوگیا، پھر سوال کیا کہ کیوں ایسا کیا؟ کہنے لگا خوفاًمنک تیرے خوف سے کیا ہے، بس اسی پر مغفرت ہوگئی۔

علامہ ابن تیمیہ نے اور حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی نے توجیہ کی ہے دونوں کی توجیہ ایک ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ آدمی نہ قدرت کا منکر تھا نہ بعث کا منکر، لیکن اسکے ذہن میں قدرت کا کوئی خاص معیار مقرر نہ تھا اسلئے اس نے کہا کہ اگر اللہ میاں قادر ہوگئے تو پٹائی کرینگے وہ یہ سمجھتا تھا کہ اللہ کی قدرت کا تعلق موجودات سے ہے اور جب بالکل راکھ وخاک ہو جاؤنگا تو پھر اللہ میاں کیسے پکڑینگے، مگر چونکہ اصل قدرت پر ایمان تھا اسلئے اسکی مغفرت کردی گئی، غرض مختلف توجیہات کی گئی ہیں اور میں اس پر باب ماذکر عن بني إسرائيل میں کلام کر بھی چکا ہوں۔

۷۵۰۷- حدثنا أحمد بن إسحاق، حدثنا عمرو بن عاصم، حدثنا همام، حدثنا إسحاق بن عبد الله، سمعت عبد الرحمن بن أبي عمرة، قال: سمعت أبا هريرة، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن عبدا أصاب ذنبا - وربما قال أذنب ذنبا - فقال: رب أذنبت - وربما قال: أصبت - فاغفر لي، فقال ربه: أعلم عبدي أن له ربا يغفر الذنب ويأخذ به؟ غفرت لعبدي، ثم مكث ما شاء الله ثم أصاب ذنبا، أو أذنب ذنبا، فقال: رب أذنبت - أو أصبت - آخر، فاغفره؟ فقال: أعلم عبدي أن له ربا يغفر الذنب ويأخذ به؟ غفرت لعبدي، ثم مكث ما شاء الله، ثم أذنب ذنبا، وربما قال: أصاب ذنبا، قال: قال: رب أصبت - أو قال أذنبت - آخر، فاغفره لي، فقال: أعلم عبدي أن له ربا يغفر الذنب ويأخذ به؟ غفرت

لعبدي ثلاثا، فليعمل ما شاء.

غفرت لعبدی: مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے، غفار صیغۂ مبالغہ ہے اسلئے اگر بندہ سے سو بار گناہ صادر ہو اور ہر بار سچے دل سے مغفرت کا طالب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی شان غفاری کی وجہ سے اسکے ہر مرتبہ کے جرم کو معاف فرما دینگے۔

۷۵۰۸- حدثنا عبد الله بن أبي الأسود، حدثنا معتمر، سمعت أبي، حدثنا قتادة، عن عقبة بن عبد الغافر، عن أبي سعيد، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه ذكر رجلا فيمن سلف - أو فيمن كان قبلكم، قال: كلمة: يعني - أعطاه الله مالا وولدا، فلما حضرت الوفاة، قال لبنيه: أي أب كنت لكم؟ قالوا: خير أب، قال: فإنه لم يبتئر - أو لم يبتئز - عند الله خيرا، وإن يقدر الله عليه يعذبه، فانظروا إذا مت فأحرقوني حتى إذا صرت فحما فاسحقوني - أو قال: فاسحكوني -، فإذا كان يوم ريح عاصف فأذروني فيها، فقال: نبي الله صلى الله عليه وسلم: فأخذ مواثيقهم على ذلك وربي، ففعلوا، ثم أذروه في يوم عاصف، فقال الله عز وجل: كن، فإذا هو رجل قائم، قال الله: أي عبدي ما حملك على أن فعلت ما فعلت؟ قال: مخافتك، - أو فرق منك -، قال: فما تلافاه أن رحمه عندها وقال مرة أخرى: فما تلافاه غيرها، فحدثت به أبا عثمان، فقال: سمعت هذا من سلمان غير أنه زاد فيه: أذروني في البحر، أو كما حدث، حدثنا موسى، حدثنا معتمر، وقال: لم يبتئر وقال خليفة: حدثنا معتمر، وقال: لم يبتئز فسره قتادة: لم يدخر.

لم يبتئر أو لم يبتئز: أی لم یدّخر جمع نہیں کیا۔

فاسحقونی أو فاسحكونی: دونوں ہم معنی ہیں خوب پیس ڈالنا، بعض روایات میں ہے مجھے خوب سرمہ بنا ڈالنا۔

فما تلافاه أن رحمه: اسکی تلافی کس چیز سے فرمائی کہ رحم فرما دیا وسعت رحمته كل شئی۔

(ص۱۱۱۸) باب كلام الرب يوم القيامة مع الأنبياء وغيرهم

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی کلام فرمائینگے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نوع واحد نہیں ہے بلکہ انواع مختلفہ ہے اور جب چاہتے ہیں علی حسب الارادة والمشیة والقدرة و

المصلحۃ کلام فرماتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کلام اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے، لہٰذا معتزلہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے کلام کو پیدا کر رکھا ہے اسکی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۷۵۰۹- حدثنا یوسف بن راشد، حدثنا أحمد بن عبد الله، حدثنا أبو بكر بن عياش، عن حميد، قال: سمعت أنسا رضي الله عنه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا كان يوم القيامة شفعت، فقلت: يا رب أدخل الجنة من كان في قلبه خردلة فيدخلون، ثم أقول أدخل الجنة من كان في قلبه أدنى شيء، فقال أنس كأني أنظر إلى أصابع رسول الله صلى الله عليه وسلم.

۷۵۱۰- حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد بن زيد، حدثنا معبد بن هلال العنزي، قال: اجتمعنا ناس من أهل البصرة فذهبنا إلى أنس بن مالک، وذهبنا معنا بثابت البناني إليه يسأله لنا عن حديث الشفاعة، فإذا هو في قصره فوافقناه يصلي الضحى، فاستأذنا، فأذن لنا وهو قاعد على فراشه، فقلنا لثابت: لا تسأله عن شيء أول من حديث الشفاعة، فقال: يا أبا حمزة هؤلاء إخوانک من أهل البصرة جاءوک يسألونک عن حديث الشفاعة، فقال: حدثنا محمد صلى الله عليه وسلم قال: "إذا كان يوم القيامة ماج الناس بعضهم في بعض، فيأتون آدم، فيقولون: اشفع لنا إلى ربک، فيقول: لست لها، ولكن عليكم بإبراهيم فإنه خليل الرحمن، فيأتون إبراهيم، فيقول: لست لها، ولكن عليكم بموسى فإنه كليم الله، فيأتون موسى فيقول: لست لها، ولكن عليكم بعيسى فإنه روح الله، وكلمته، فيأتون عيسى، فيقول: لست لها، ولكن عليكم بمحمد صلى الله عليه وسلم، فيأتوني، فأقول: أنا لها، فأستأذن على ربي، فيؤذن لي، ويلهمني محامد أحمده بها لا تحضرني الآن، فأحمده بتلک المحامد، وأخر له ساجدا، فيقول: يا محمد ارفع رأسک، وقل يسمع لک، وسل تعط، واشفع تشفع، فأقول: يا رب، أمتي أمتي، فيقول: انطلق فأخرج منها من كان في قلبه مثقال شعيرة من إيمان، فأنطلق فأفعل، ثم أعود، فأحمده بتلک المحامد، ثم أخر له ساجدا، فيقال: يا محمد ارفع رأسک، وقل يسمع لک، وسل تعط، واشفع تشفع، فأقول: يا رب، أمتي أمتي، فيقول: انطلق فأخرج منها من كان في قلبه مثقال ذرة - أو خردلة - من إيمان فأخرجه، فأنطلق، فأفعل، ثم أعود فأحمده بتلک المحامد، ثم أخر له ساجدا، فيقول: يا محمد ارفع رأسک، وقل يسمع لک، وسل تعط، واشفع تشفع، فأقول: يا رب أمتي أمتي، فيقول: انطلق فأخرج من كان في قلبه أدنى أدنى أدنى مثقال حبة خردل من إيمان، فأخرجه من النار، فأنطلق فأفعل فلما خرجنا من عند أنس قلت لبعض أصحابنا: لو مررنا بالحسن وهو متوار في منزل أبي خليفة فحدثناه بما حدثنا أنس بن مالک، فأتيناه فسلمنا عليه، فأذن لنا فقلنا له: يا أبا سعيد، جئناک

من عند أخيك أنس بن مالك، فلم نر مثل ما حدثنا في الشفاعة، فقال: هيه فحدثناه بالحديث، فانتهى إلى هذا الموضع، فقال: هيه، فقلنا لم يزد لنا على هذا، فقال: لقد حدثني وهو جميع منذ عشرين سنة فلا أدري أنسي أم كره أن تتكلوا، قلنا: يا أبا سعيد فحدثنا فضحك، وقال: خلق الإنسان عجولا ما ذكرته إلا وأنا أريد أن أحدثكم حدثني كما حدثكم به، قال: ثم أعود الرابعة فأحمده بتلك المحامد، ثم أخر له ساجدا، فيقال: يا محمد ارفع رأسك، وقل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع، فأقول: يا رب ائذن لي فيمن قال: لا إله إلا الله، فيقول: وعزتي وجلالي، وكبريائي وعظمتي لأخرجن منها من قال لا إله إلا الله.

وذهبنا معنا بثابت إليه: ثابت کو اپنے ساتھ اسلئے لے گئے کہ یہ حضرت انس کے خاص تلمیذ تھے، حضرت انس ان کا بڑا اعزاز فرماتے تھے، نماز میں انکو بڑا امتیاز حاصل تھا اور فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبر میں اجازت دیں تو میں نماز پڑھونگا، چنانچہ جب ان کو قبر میں رکھا گیا تو ایک اینٹ ہٹ گئی دیکھا تو حضرت ثابت کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، گھر آکر انکی بیٹی سے پوچھا تو بتایا کہ ان کی تمنا تھی کہ مجھے اگر نماز پڑھنے کی اجازت مل جائے تو میں نماز پڑھوں۔

یہ جب حضرت انس کی خدمت میں آتے تو اپنے استاذ کا ہاتھ چومتے تھے تو جب حضرت انس ان کو دیکھتے تو کہتے یاجارية! ائتنى بالطيب إن ابن أم ثابت لايمتنع إلاأن يقبل يدى، باندی! ذرا خوشبو لے آ اور میرے ہاتھ میں لگادے یہ ابن ام ثابت جب آتا ہے تو میرا ہاتھ ضرور چومتا ہے، تو شاگرد کے اس اہتمام کی وجہ سے حضرت انس خوشبو لگالیتے تاکہ انہیں بھی راحت پہونچے، بس استاذ وشاگرد میں محبت ہی ایسی ہوتی ہے۔

لنا لثابت لاتسأله عن شئ أول من حديث الشفاعة: کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب بات میں بات نکل آتی ہے تو اصل بات رہ جاتی ہے اور جو بات چل پڑی اسی میں سلسلہ کلام چل پڑتا ہے اور وقت نکل جاتا ہے۔

جاءوا يسئلونك عن حديث الشفاعة: اہل بصرہ حدیث شفاعت خاص طور سے اسلئے پوچھنے آتے تھے کہ بصرہ میں معتزلہ کا غلبہ تھا اور معتزلہ سارے کے سارے شفاعت کے منکر تھے، وہ کہتے تھے کہ شفاعت کا کیا سوال؟ جس نے گناہ کیا وہ ایمان سے نکل گیا، اور جو ایمان سے نکل گیا وہ مخلد فی النار ہے پھر شفاعت کا کیا سوال ہے؟

ولكن عليكم بموسى فإنه كليم الله: یہ ہے مقصد ترجمہ۔

فيؤذن لي: اس سے بھی ترجمہ ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ اجازت کیلئے کلام ضروری ہے۔

أحمده بها لا تحضرني الآن: میں ایسے محامد بیان کرونگا جو مجھے ابھی مستحضر نہیں ہیں، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں، اسلئے کہ کچھ محامد ایسے بھی ہیں جو ابھی حضور ﷺ کو معلوم نہیں قیامت میں بتائے جائینگے۔

فأقول أمتي أمتي: یہاں علامہ داودی نے اشکال کیا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں تو ساری امت سوال لیکر گئی تھی کہ اللہ کی جناب میں سفارش فرمادیں کہ اب حساب کتاب شروع کیا جائے، میدان محشر میں لوگ پسینوں میں پریشان ہیں حتیٰ کہ روایات میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم جہنم میں ڈالدئے جائیں یہ بہتر ہے اس سے کہ ہم یہاں اس مصیبت میں رہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ جب ساری امتیں آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ صرف اپنی امت کی سفارش کیوں فرمارہے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ تو اسلئے آئے تھے کہ حساب کتاب شروع کردیا جائے اور یہاں روایت میں ہے **انطلق فأخرج منها من كان في قلبه مثقال شعيرة من إيمان**۔

قاضی عیاض نے اس اشکال کا جواب دیا کہ (۱) یہاں اس حدیث میں اختصار ہوگیا ہے چنانچہ مسلم شریف میں حضرت حذیفہ وغیرہ سے جو روایات وارد ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حساب کتاب کی اجازت ہوگی، پل صراط نصب کیا جائیگا، پل صراط پر مرور ہوگا پھر جب لوگ جہنم میں جا پڑینگے تو حضور اکرم ﷺ اپنی امت کے حق میں شفاعت فرمائینگے۔

(۲) علامہ مہلب نے یہاں یہ دعوی کیا کہ یارب أمتي أمتي راوی کے اوہام میں سے ہے۔ اس حدیث کے راوی سلیمان بن حرب کو وہم ہوگیا، باقی رواۃ یہ لفظ نقل ہی نہیں کرتے ہیں، لیکن مہلب کا یہ قول اور دعویٰ صحیح نہیں ہے، سلیمان بن حرب اس میں منفرد نہیں بلکہ ان کے پانچ متابع ہیں، اول تو ان کے متابع سعید بن منصور ہیں، دوسرے ابوالربیع زہرانی، تیسرے یحیٰ بن حبیب، چوتھے محمد بن عبید، پانچویں محمد بن سلیمان ہیں، سعید بن منصور کی روایت مسلم میں ہے، ابوالربیع زہرانی کی روایت کی تخریج مسلم نے کی مگر الفاظ ذکر نہیں کئے

انہیں اسماعیلی نے تخریج کیا ہے، یحیٰ بن حبیب کی روایت نسائی نے سنن کبریٰ میں اور محمد بن عبید اور محمد بن سلیمان کی روایت کی اسماعیلی نے تخریج کی ہے، سارے کے سارے حماد بن زید سے یہ لفظ أمتي أمتي روایت میں نقل کرتے ہیں، لہٰذا خواہ مخواہ سلیمان بن حرب پر یہ الزام لگانا صحیح نہیں ہے، اور اگر ہم أمتي أمتي کو وہم مان لیں تو اگلا کلام مربوط نہیں رہتا، گفتگو تو جانیوالوں کے حساب کتاب شروع کرانے کیلئے تھی ابھی حساب کتاب شروع ہوا نہیں تو ابھی سے لوگ کہاں جہنم میں جا پڑینگے کہ جہنم سے نکالنے کی سفارش فرمائینگے۔

(۳) تیسرا جواب بعض علماء نے دیا کہ ہو سکتا ہے کہ أمتي أمتي کا اطلاق ساری امت پر کیا گیا ہو اس لحاظ سے کہ حضور اکرم ﷺ نبی الانبیاء ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر حضور ﷺ کی بعثت ہو جائے گی تو لتؤمننّ به و لتنصرنه، مگر اس میں پھر وہی اشکال ہے کہ سارے گئے تھے إراحة من هول الموقف اور اذنِ حساب وکتاب کی درخواست لیکر، تو ابھی سے جہنم سے خلاصی کی سفارش کیسی؟ اسلئے قاضی عیاض کا ہی جواب صحیح ہے کہ روایت میں اختصار واقع ہوا ہے۔

لو مررنا بالحسن وهو متوار في منزل أبي خليفة: کہتے ہیں جب ہم حضرت انس کے پاس سے نکلے تو آپس میں کہا کہ حسن بصری سے ملاقات کرتے چلیں تو بہتر ہو اور وہ ابو خلیفہ طائی کے مکان میں چھپے ہوئے تھے، چھپنے کی وجہ یہ ہے کہ جب عبد الرحمٰن بن اشعث نے حجاج بن یوسف ثقفی کے ظلم سے تنگ آکر اسکے خلاف شورش کی اور ایک جماعت تیار کی تو بہت سے علماء جن میں سعید بن جبیر، عامر شعبی، حسن بصری وغیرہ تھے سب شریک ہوگئے تھے مگر عبد الملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو زور دیا کہ شورش کا خاتمہ کرے، حجاج نے بڑا پرزور مقابلہ کیا، آخرش یہ حضرات منتشر ہوگئے اور ابن اشعث مارا گیا، پھر حجاج ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کے بلواتا تھا اور کہلواتا تھا کہ ہم اس فعل کی وجہ سے کافر ہوگئے اب دوبارہ ایمان میں داخل ہوتے ہیں، جو اقرار کرتا اسے چھوڑ دیتا اور جو اقرار نہ کرتا اسے قتل کر دیتا، شعبی بھی پکڑے گئے تھے مگر انہوں نے توریہ کرکے اپنی جان بچالی تھی، حضرت حسن بصری ابو خلیفہ طائی کے مکان میں چھپ گئے تھے تو یہ اس وقت کی بات ہے، ان لوگوں نے سوچا کہ ہم ان سے ملتے چلیں۔

وهو جميع: یعنی ان کی دماغی اور جسمانی قوت مجتمع تھی، پوری طرح بات محفوظ تھی، یہ بیس سال

پہلے کی بات ہے۔

فيقول: وعزتي وجلالي وكبريائي وعظمتي لأخرجنّ منهامن قال لاإله إلاالله :

مسلم شریف میں اسکے آگے ہے لیس ذالک لک اسکا آپکو حق نہیں ہے بلکہ اللہ میاں خود فرمائینگے میں نکالونگاان کو جولا الہ الا اللہ کہیں، اسپر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ہے أسعدالناس بشفاعتي من قال لاإله إلا الله خالصاًمن قلبه، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خلوص قلب سے لا الہ الا اللہ کہیگا وہ حضور کی شفاعت کا مستحق ہو گا اور یہاں اللہ میاں کہہ رہے ہیں لیس ذالک لک، اسکے متعدد جوابات کتاب الرقاق میں دے چکا ہوں (۱) حافظ ابن حجر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت منظور تو کرلی گئی ہو لیکن اخراج آپ کے حوالہ نہ کیا گیا ہو، اخراج کے متولی اللہ ذوالجلال والاکرام ہوں (۲) دوسرا جواب شیخ اکبر کے کلام سے نکلتا ہے وہ یہ کہ اصل میں لا الہ الا اللہ کے قائلین دو ہیں، ایک وہ ہیں جو حضور ﷺ کی امت میں ہیں ان کے بارے میں حضور فرمارہے ہے میری شفاعت کا زیادہ نفع ان لوگوں کو ہو گا جو خلوص قلب سے لا الہ الا اللہ کہیں یعنی ان کے پاس کوئی عمل نہ ہو گا، اور یہاں جن کے بارے میں فرمایا گیا لیس ذالک لک اس سے مراد وہ سارے موحدین ہیں جو ساری امتوں میں گزرے ہیں چاہے حضور کی امت کے ہوں یا دیگر امت کے (۳) تیسرا جواب بھی شیخ اکبر کے کلام سے نکلتا ہے کہ أسعدالناس بشفاعتي کا تعلق آپ کی امت کے موحدین سے ہے اور اس حدیث سے مراد وہ موحدین ہیں جو فترت کے زمانہ میں گزرے ہیں، چونکہ وہ کسی نبی کے دور میں نہیں تھے اور اپنی عقل سے انہوں نے لا الہ الا اللہ کا اعتراف کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کسی کی شفاعت کے بغیر خود نکالینگے۔

۷۵۱۱- حدثنا محمدبن خالد، حدثنا عبيدالله بن موسى، عن إسرائيل، عن منصور، عن إبراهيم، عن عبيدة، عن عبدالله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن آخر أهل الجنة دخولا الجنة، وآخر أهل النار خروجامن النار رجل يخرج حبوا، فيقول له ربه: ادخل الجنة، فيقول: رب الجنة ملأى، فيقول له ذلك ثلاث مرات، فكل ذلك يعيدعليه الجنة ملأى، فيقول: إن لك مثل الدنيا عشر مرار.

۷۵۱۲- حدثنا علي بن حجر، أخبرنا عيسى بن يونس، عن الأعمش، عن خيثمة، عن عدي بن حاتم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما منكم أحد إلا سيكلمه ربه ليس بينه وبينه ترجمان، فينظر أيمن منه فلا يرى إلا ما قدم من عمله، وينظر أشأم منه فلا يرى إلا ما قدم، وينظر بين يديه فلا يرى إلا

النار تلقاء وجهه، فاتقوا النار ولو بشق تمرة، قال الأعمش: وحدثني عمرو بن مرة، عن خيثمة، مثله، وزاد فيه: ولو بكلمة طيبة.

۷۵۱۳- حدثنا عثمان بن أبي شيبة، حدثنا جرير، عن منصور، عن إبراهيم، عن عبيدة، عن عبد الله رضي الله عنه، قال: جاء حبر من اليهود، فقال: إنه إذا كان يوم القيامة جعل الله السموات على إصبع، والأرضين على إصبع، والماء والثرى على إصبع، والخلائق على إصبع، ثم يهزهن، ثم يقول: أنا الملك أنا الملك، «فلقد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يضحك حتى بدت نواجذه تعجبا وتصديقا لقوله، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم»: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ إلى قوله ﴿يُشْرِكُونَ﴾.

۷۵۱۴- حدثنا مسدد، حدثنا أبو عوانة، عن قتادة، عن صفوان بن محرز، أن رجلا سأل ابن عمر، كيف سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في النجوى؟ قال: يدنو أحدكم من ربه حتى يضع كنفه عليه، فيقول: أعملت كذا وكذا؟ فيقول: نعم، ويقول: عملت كذا وكذا؟ فيقول: نعم، فيقرره، ثم يقول: إني سترت عليك في الدنيا، وأنا أغفرها لك اليوم وقال آدم، حدثنا شيبان، حدثنا قتادة، حدثنا صفوان، عن ابن عمر، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم.

(ص۱۱۱۹) باب ما جاء فی قول الله ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾

امام بخاری کا مقصود اس ترجمۃ الباب سے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام ہی کو ثابت کرنا ہے، یہ آیت شریفہ کلام باری کے بارے میں نص کا درجہ رکھتی ہے اسلئے کہ امام نحاس فرماتے ہیں کہ نحاۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب فعل کو مصدر کیساتھ موکد کیا جاتا ہے تو اس سے اسکے معنی حقیقی لئے جاتے ہیں مجاز کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

علامہ زمخشری نے بدع التفاسیر سے نقل کیا ہے کہ یہاں پر کلم جرح کے معنی میں ہے، لیکن یہ تفسیر مردود ہے اور اسکے رد کیلئے وہ اجماع کافی ہے جو ابن نحاس نے نقل کیا ہے۔

جب حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا تو کلام آواز کیساتھ ہو رہا تھا، اس میں اس جگہ یہ اختلاف ہے کہ حق تعالیٰ کا کلام بالصوت ہوتا ہے یا بلا صوت ہوتا ہے، حنابلہ کہتے ہیں بالصوت ہوتا ہے، اور میں

بتاچکاہوں کہ حضرت امام بخاری کی رائے یہی ہے، باقی ماتریدیہ، اشاعرہ اور کُلابیہ اور ابو العباس قلانسی کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام اسکی صفت ذاتیہ قائم بذاتہ تعالیٰ ہے اور اس میں صوت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جب اس کلام کو چاہتے ہیں تو مخلوق میں ادراک پیدا فرمادیتے ہیں یا بقول ابو منصور ماتریدی کے آواز پیدا کردیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کلام مسموع ہو جاتا ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ جب قاری قرأت کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت صرف قرأت قاری مسموع ہوتی ہے یا اسکے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا کلام بھی مسموع ہوتا ہے، امام ابوالحسن اشعری کی رائے ہے کہ قرأت قاری اور تلاوت تالی کے وقت جیسے قرأت مسموع ہوتی ہے اسکے ضمن میں اللہ کا کلام بھی مسموع ہوتا ہے اور ابو منصور ماتریدی اور قاضی ابو بکر بن الباقلانی کی رائے یہ ہے کہ صرف تلاوت و قرأت مسموع ہوتی ہے اور کلام باری یعنی صفۃ اللہ مسموع نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ خوض فیما لایعلم کے قبیل سے ہے اور میں اسطرح کی چیزوں کو پسند نہیں کرتا ہوں، وللإنسان أن ینتھی إلی ماثبت عن السلف، حضرات سلف صالح نے اس چیز کے متعلق کوئی غور وخوض نہیں کیا، وہ تو اس کتاب کو جس کو حضور ﷺ نے امت کے سامنے پیش کیا تھا یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اللہ کا کلام سمجھ کر ہی سنتے اور پڑھتے تھے اور قرآن پاک کہتا ہے وإن أحد من المشرکین استجارک فأجرہ حتی یسمع کلام اللہ، معلوم ہوا کہ جس وقت تالی تلاوت کرتا ہے اس وقت کلام اللہ بھی مسموع ہوتا ہے اسلئے اس سلسلہ میں ماتریدی اور باقلانی کا مسلک ضعیف معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

۷۵۱۵- حدثنا یحیی بن بکیر، حدثنا اللیث، حدثنا عقیل، عن ابن شھاب، حدثنا حمید بن عبد الرحمن، عن أبي ھریرۃ: أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: احتج آدم، وموسی، فقال موسی: أنت آدم الذي أخرجت ذریتک من الجنۃ، قال آدم: أنت موسی الذي اصطفاک اللہ برسالاتہ، وکلامہ ثم تلومني علی أمر قد قدر علي قبل أن أخلق، فحج آدم موسی.

اصطفاک اللہ برسالاتہ وبکلامہ: یہ ہے مقصود ترجمہ، اور کتاب القدر میں امام بخاری باب تحاج آدم وموسیٰ کا مستقل ترجمہ منعقد کر آئے ہیں وہاں اس پر کلام کرچکا ہوں، اسی طرح کتاب التفسیر میں کلام گزرچکا اور وہاں بتایا کہ حضرت آدم جو حضرت موسیٰ پر غالب ہوئے تھے وہ اسلئے کہ موسیٰ کی ملامت بے

محل واقع ہوئی تھی، حضرت آدم توبہ کر چکے تھے، دار دنیا دار ابتلاء سے منتقل ہو چکے تھے، دنیا میں کسی عاصی کو ملامت کی جائے تو حق پہونچتا ہے اور توبہ کر لینے کے بعد پھر ملامت کا حق نہیں پہونچتا، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم کا احتجاج بالقدر علی المصیبۃ (جنت سے اخراج) تھا نہ کہ بالقدر علی المعصیۃ (اکل شجرہ) تھا، لہذا کسی عاصی کو اس حدیث سے احتجاج کرنے اور تقدیر کو آڑ بنانے کا حق نہیں پہونچتا ہے۔

ابو بکر بن الخاصیۃ نے مسعود بن ناصر سجزی سے نقل کیا جو حافظ حدیث تھے لیکن مسلکاً معتزلی تھے وہ یہ پڑھتے تھے فحجَ آدمَ موسیٰ، آدم کو منصوب اور موسیٰ کو مرفوع، امام فخر الدین رازی بھی تفسیر کبیر میں چکرا گئے اور انہوں نے بھی حدیث پاک میں ایک احتمال ذکر کر دیا ہے لیکن یہ غلط ہے، مسعود بن ناصر کو غلطی ہوئی اسلئے کہ انہوں نے مسلک اعتزال کو اپنے سامنے رکھا اور اس حدیث کے طرق ان کو مستحضر نہیں تھے، مسند احمد میں اسی حدیث میں واقع ہوا ہے فحجہ آدم، یہاں پر وہ تاویل چل ہی نہیں سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۵۱۶- حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا هشام، حدثنا قتادة، عن أنس رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يجمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا فيريحنا من مكاننا هذا، فيأتون آدم فيقولون له: أنت آدم أبو البشر، خلقك الله بيده، وأسجد لك الملائكة، وعلمك أسماء كل شيء فاشفع لنا إلى ربنا حتى يريحنا، فيقول لهم: لست هنا كم فيذكر لهم خطيئته التي أصاب.

أنت آدم أبو البشر: آپ آدم ہیں انسانوں کے والد، معلوم ہوا کہ سب انسان حضرت آدم کی اولاد ہی ہیں، یہ حدیث ڈارون کے عقیدہ کی تردید کرتی ہے جس کا یہ خیال ہے کہ انسان اولاً بندر تھا پھر انسان بنا اور سارے انسان اس کی نسل سے چل رہے ہیں، یہ غلط ہے اسلئے کہ آدم کے بارہ میں یہ تصریح ہے خلقه من تراب اور ارشاد ہے لما خلقت بيدیّ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابو البشر قرار دیتے ہیں معلوم ہوا کہ سارے بشر انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اور سوال کرنے لگے کہ کیا کسی حدیث صحیح میں یہ بات ثابت ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور وہ سب کے باپ ہیں، تو میں نے کہا قرآن پاک میں یبنی آدم کہا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ بنی آدم ہیں اور پھر حدیث پاک میں وارد ہے کہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شفاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے ساری مخلوق کا بیک زبان یہ قول نقل کیا أنت آدم أبو البشر خلقک اللہ بیدہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اسی قسم کا کوئی شبہ پیش آیا تھا اور اس شبہ میں بہت سے اہل اسلام مبتلا ہیں۔

یہ حدیث کتاب التفسیر میں ص ۶۴۲ پر گزر چکی ہے اور اس میں یہ وارد ہوا ہے ائتوا موسی عبدا کلمہ اللہ تعالی، اسی لفظ سے ترجمۃ الباب کی مطابقت ثابت ہوتی ہے۔

۷۵۱۷- حدثنا عبد العزيز بن عبد الله، حدثني سليمان، عن شريك بن عبد الله، أنه قال: سمعت أنس بن مالك، يقول: ليلة أسري برسول الله صلى الله عليه وسلم من مسجد الكعبة، أنه جاءه ثلاثة نفر قبل أن يوحى إليه وهو نائم في المسجد الحرام، فقال أولهم: أيهم هو؟ فقال أوسطهم: هو خيرهم، فقال آخرهم: خذوا خيرهم، فكانت تلك الليلة، فلم يرهم حتى أتوه ليلة أخرى، فيما يرى قلبه، وتنام عينه ولا ينام قلبه، وكذلك الأنبياء تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم، فلم يكلموه حتى احتملوه، فوضعوه عند بئر زمزم، فتولاه منهم جبريل، فشق جبريل ما بين نحره إلى لبته حتى فرغ من صدره وجوفه، فغسله من ماء زمزم بيده، حتى أنقى جوفه، ثم أتي بطست من ذهب فيه تور من ذهب، محشوا إيمانا وحكمة، فحشا به صدره ولغاديده - يعني عروق حلقه - ثم أطبقه ثم عرج به إلى السماء الدنيا، فضرب بابا من أبوابها فناداه أهل السماء من هذا؟ فقال جبريل: قالوا: ومن معك؟ قال: معي محمد، قال: وقد بعث؟ قال: نعم، قالوا: فمرحبا به وأهلا، فيستبشر به أهل السماء، لا يعلم أهل السماء بما يريد الله به في الأرض حتى يعلمهم، فوجد في السماء الدنيا آدم، فقال له جبريل: هذا أبوك آدم فسلم عليه، فسلم عليه ورد عليه آدم، وقال: مرحبا وأهلا بابني، نعم الابن أنت، فإذا هو في السماء الدنيا بنهرين يطردان، فقال: ما هذان النهران يا جبريل؟ قال: هذا النيل والفرات عنصرهما، ثم مضى به في السماء، فإذا هو بنهر آخر عليه قصر من لؤلؤ وزبرجد، فضرب يده فإذا هو مسك أذفر، قال: ما هذا يا جبريل؟ قال: هذا الكوثر الذي خبأ لك ربك، ثم عرج به إلى السماء الثانية، فقالت الملائكة له مثل ما قالت له الأولى من هذا، قال جبريل: قالوا: ومن معك؟ قال: محمد صلى الله عليه وسلم، قالوا: وقد بعث إليه؟ قال: نعم، قالوا: مرحبا به وأهلا، ثم عرج به إلى السماء الثالثة، وقالوا له مثل ما قالت الأولى والثانية، ثم عرج به إلى الرابعة، فقالوا له مثل ذلك، ثم عرج به إلى السماء الخامسة، فقالوا مثل ذلك، ثم عرج به إلى السماء السادسة، فقالوا له مثل ذلك، ثم عرج به إلى السماء السابعة، فقالوا له مثل ذلك، كل سماء فيها أنبياء قد سماهم، فأوعيت منهم إدريس في الثانية، وهارون في الرابعة، وآخر في الخامسة لم أحفظ

اسمه، وإبراهيم في السادسة، وموسى في السابعة بتفضيل كلام الله، فقال موسى: رب لم أظن أن يرفع علي أحد، ثم علا به فوق ذلك بما لا يعلمه إلا الله، حتى جاء سدرة المنتهى، ودنا للجبار رب العزة، فتدلى حتى كان منه قاب قوسين أو أدنى، فأوحى الله فيما أوحى إليه: خمسين صلاة على أمتك كل يوم وليلة، ثم هبط حتى بلغ موسى، فاحتبسه موسى، فقال: يا محمد، ماذا عهد إليك ربك؟ قال: عهد إلي خمسين صلاة كل يوم وليلة، قال: إن أمتك لا تستطيع ذلك، فارجع فليخفف عنك ربك وعنهم، فالتفت النبي صلى الله عليه وسلم إلى جبريل كأنه يستشيره في ذلك، فأشار إليه جبريل: أن نعم إن شئت، فعلا به إلى الجبار، فقال وهو مكانه: يا رب خفف عنا فإن أمتي لا تستطيع هذا، فوضع عنه عشر صلوات ثم رجع إلى موسى، فاحتبسه فلم يزل يردده موسى إلى ربه حتى صارت إلى خمس صلوات، ثم احتبسه موسى عند الخمس، فقال: يا محمد والله لقد راودت بني إسرائيل قومي على أدنى من هذا فضعفوا فتركوه، فأمتك أضعف أجسادا وقلوبا وأبدانا وأبصارا وأسماعا فارجع فليخفف عنك ربك، كل ذلك يلتفت النبي صلى الله عليه وسلم إلى جبريل ليشير عليه، ولا يكره ذلك جبريل، فرفعه عند الخامسة، فقال: يا رب إن أمتي ضعفاء أجسادهم وقلوبهم وأسماعهم وأبصارهم وأبدانهم فخفف عنا، فقال الجبار: يا محمد، قال: لبيك وسعديك، قال: إنه لا يبدل القول لدي، كما فرضته عليك في أم الكتاب، قال: فكل حسنة بعشر أمثالها، فهي خمسون في أم الكتاب، وهي خمس عليك، فرجع إلى موسى، فقال: كيف فعلت؟ فقال: خفف عنا، أعطانا بكل حسنة عشر أمثالها، قال موسى: قد والله راودت بني إسرائيل على أدنى من ذلك فتركوه، ارجع إلى ربك فليخفف عنك أيضا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا موسى، قد والله استحييت من ربي مما اختلفت إليه، قال: فاهبط باسم الله قال: واستيقظ وهو في مسجد الحرام.

عن شریک بن عبداللہ قال: یہ حدیثِ معراج ہے اور حدیثِ شریک کے نام سے مشہور ہے اس واسطے کہ اس سیاق سے نقل کرنے میں علی المشہور شریک ہی منفرد ہیں، اگرچہ انفراد کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ کثیر بن خنیس نے ان کی متابعت کی ہے، ان کی روایت سعید بن یحیی بن سعید اموی نے کتاب المغازی میں تخریج کی ہے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے اس حدیث میں بہت سے اوہام شمار فرمائے ہیں، حافظ ابن قیم نے اس حدیث میں دس اوہام کا تذکرہ کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے بارہ اوہام کا ذکر کیا ہے، اور علماء کے کلام کے دیکھنے سے مجھ

کو چودہ اوہام ملے، ہمارے حضرت شیخ نے تو اس روایت کو مجمع الاوہام قرار دیا ہے اور اکیس اوہام ذکر کئے ہیں، لیکن جن چودہ اوہام کو میں نے تتبع و تلاش کیا ہے میں ان کو بیان کرتا چلونگا اور ضروری باتوں پر تنبیہ بھی کرونگا۔

(۱) عن شریک قال سمعت أنسا: قاضی عیاض نے اس طرف اشارہ کیا کہ شریک حضرت انسؓ کی اس روایت کو بلاواسطہ کسی صحابی کے حضرت انسؓ سے نقل کرنے میں منفرد ہیں، کیونکہ باقی حضرات انسؓ سے یہی روایت نقل کرتے ہیں تو حضرت انسؓ حضور ﷺ سے بلاواسطہ نقل نہیں کرتے بلکہ کبھی تو ابوذرؓ کے واسطے سے جیسا کہ کتاب الصلاۃ کے ابتداء میں گزر چکا اور کبھی مالک بن صعصعہ کے واسطے سے جیسا کہ باب المعراج میں گزر چکا ہے۔

مگر اسکا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حدیث حضرت انسؓ نے براہ راست حضور ﷺ سے نہیں سنی تو مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہوگی اور مراسیل صحابہ جمہور امت کے نزدیک مقبول ہیں، صرف ابو اسحٰق اسفرائینی متکلم شافعی نے مخالفت کی ہے اور ان کا قول من قبیل ندرۃ المخالف غیر معتبر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں کیا استعجاب ہے کہ حضرت انس نے حدیث کا کچھ حصہ براہ راست حضور ﷺ سے بھی سنا ہو، چنانچہ امام حاکم فرماتے ہیں کہ طالب حدیث کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حدیث معراج حضرت انسؓ نے کچھ تو حضرت ابوذرؓ سے اور کچھ مالک بن صعصعہؓ سے اور کچھ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

(۲) إذ جاءہ ثلاثة نفر قبل أن یوحیٰ إلیه: امام خطابی، ابن حزم، عبدالحق اشبیلی، قاضی عیاض اور امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ قبل أن یوحیٰ إلیه اوہام میں سے ہے اسلئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ اسراء و معراج کا قصہ وحی کے بعد پیش آیا ہے کیونکہ لیلۃ الاسراء ہی میں آپ پر نماز فرض کی گئی تھی اور نماز کی فرضیت نبوت ملنے کے بعد ہوئی ہے، لیکن اس اشکال کا علماء نے کئی انداز سے جواب دیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ قبل أن یوحیٰ إلیه أی فی شأن الإسراء والمعراج، مطلب یہ کہ اسراء و معراج کا واقعہ بغتۃً اور اچانک پیش آیا تھا، یہ نہیں کہ پہلے سے آپکو اطلاع دی جاتی اور پھر واقعہ پیش آتا۔

دوسرا جواب یہ کہ اس حدیث میں وارد ہوا کہ حضور ﷺ کے پاس فرشتے نزول وحی سے پہلے آئے

اور اسکے بعد آگے روایت میں ہے فکانت تلک اللیلة فلم یروھم حتی أتوہ لیلة أخری، اب چند راتوں کے بعد دوبارہ ان کی آمد ہو سکتا ہے کہ وحی کے نزول کے بعد ہوئی ہو، لہٰذا آگے کا سارا واقعہ نزول وحی کے بعد ثابت ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حتی أتوہ لیلة أخری کا مطلب یہ ہو کہ بہت دنوں کے بعد جب معراج کا واقعہ پیش آیا تب فرشتے آئے، اور یہ جو بعض شراح نے نقل کیا کہ سبع أو ثمان أو تسع أو عشر أو ثلاثة عشر کے بعد آئے اور اسکا مطلب لیالی قرار دیا ہے یعنی سات یا آٹھ یا نو یا دس یا تیرہ راتوں کے بعد آئے یہ ان کا اپنا فہم ہے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ اسکا مطلب یہ ہو کہ سات یا آٹھ یا نو یا دس یا تیرہ سال کے بعد پھر فرشتے آئے ہوں، بہر حال یہ روایت لفظاً تو وہم معلوم ہوتی ہے لیکن اسکی تاویل ممکن ہے اور ایک تیسری تاویل آئندہ آرہی ہے۔

(۳) وھو نائم فی المسجد الحرام: یہ تیسرا وہم ہے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ معراج کا واقعہ بیداری میں پیش آیا ہے، بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے حضور ﷺ اول امر میں نائم ہوں بعد میں بیدار ہوئے ہوں، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ اسکے آخر میں وارد ہوا ہے فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام، حضور ﷺ بیدار ہوئے اس حال میں کہ آپ مسجد حرام میں تھے معلوم ہوا کہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا ہے، قاضی عیاض اور دوسرے حضرات نے اسکے دو جواب دئے (۱) ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ معراج سے واپس آکر لیٹ گئے ہوں اور نیند آگئی ہو پھر بیدار ہوئے ہوں، دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عالم ملکوت میں آپکو استغراقی حالت حاصل تھی اس استغراقی حالت کے دور ہونے کو استیقاظ سے تعبیر کیا ہو، علامہ ابن منیر نے یہ جواب المکتفیٰ میں دیا ہے اور لفظ استیقاظ جیسے نوم سے بیدار ہونے پر بولا جاتا ہے ایسے ہی افاقہ من الاستغراق پر بھی بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے فلان استیقظ من غشیته یعنی اپنی بیہوشی سے ہوش میں آگیا، بیدار ہو گیا، دیکھو اگر ایک آدمی کسی کام میں مصروف یا کسی خیال میں مستغرق ہو پھر اس خیال سے دل دوسری طرف متوجہ ہو جائے اور پاس والوں کی طرف متوجہ ہو تو کہتے ہیں اچھا آپ بھی ہوش میں آگئے، آپ بھی جاگ گئے، آپ بھی بیدار ہو گئے حالانکہ وہ پہلے سے جاگ ہی رہے تھے مگر کیفیت نہ جاگنے والوں کی سی تھی تو اس کیفیت کے دور ہونے کے بعد اسکو استیقاظ سے تعبیر کیا۔

تیسرا جواب یہ کہ بہت ممکن ہے کہ نوم کا واقعہ مستقل ایک معراج ہو چنانچہ علماء کی ایک جماعت کی

رائے ہے کہ حضور ﷺ کو خواب اور بیداری دونوں میں معراج کرائی گئی ہے، علامہ مہلب بن ابی صفرہ شارح بخاری، ابو نصر قشیری، قاضی ابن عربی مالکی، ابو القاسم سہیلی، ابو محمد بغوی، امام نووی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ان سب سے پہلے ابو سعد نے شرف المصطفیٰ میں یہ احتمال ذکر فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ تعدد معاریج ہو، بعض نوم میں ہوں اور بعض بیداری میں، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں اس میں کوئی استبعاد نہیں، اب اس صورت میں نوم والا قصہ بیداری والے والے قصہ سے متعارض نہیں ہو سکتا ہے، اور یہیں سے ایک جواب قبل أن یوحی إلیه کا نکلتا ہے وہ یہ کہ وحی سے پہلے معراج کا جو قصہ پیش آیا تھا وہ بحالت منام تھا، بیداری کا واقعہ نہیں تھا۔

فقال أولهم: أيهم هو: ان تینوں میں سے ایک نے پوچھا کہ کون مقصود ہیں؟ اسلئے کہ اس وقت حضور اکرم ﷺ حمزہؓ اور جعفرؓ کے درمیان لیٹے ہوئے تھے۔

فقال أوسطهم: هو خيرهم: ان میں سے اوسط نے کہا کہ جو سب سے خیر ہیں وہ مراد ہیں۔

قال آخرهم: تیسرے نے کہا جب مقصود خیر هم ہیں تو انہیں کو لے لو۔

فكانت تلك الليلة: یہ رات تو گزر گئی پھر حضور ﷺ نے انہیں نہیں دیکھا یہاں تک کہ دوسری رات میں آئے فیما یری قلبه وتنام عینه ولا ینام قلبه ایسے عالم میں کہ قلب مبارک تو بیدار تھا لیکن آنکھ مبارک سو رہی تھی اور یہی انبیاء علیہم السلام کا حال ہے کہ آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتا ہے۔

فوضعوه عند بئر زمزم: اٹھا کر بیر زمزم کے پاس لے آئے، ظاہر ہے کہ اتنی دور لا کر حضور ﷺ کی نیند کہاں باقی رہے گی، بالفرض مان لیا جائے کہ یہ خواب میں ہے جیسا کہ آخر حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے تو یہ مستقل واقعہ ہے جو خواب میں پیش آیا۔

فتولاه منهم جبرئيل: ان میں سے حضرت جبرئیل ذمہ دار ہوئے۔

(۴) فشق جبرئيل: اور حضرت جبرئیلؑ نے حضور کے سینہ سے لے کر لبہ تک چاک کر دیا، اس روایت معراج میں شق صدر کا ذکر وارد ہوا ہے، قاضی عیاض اور ان سے پہلے ابو محمد ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ یہ شریک کے اوہام میں سے ہے اس لئے کہ شق صدر کا واقعہ بچپن میں پیش آیا جیسا کہ ثابت نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے جو مسلم شریف میں وارد ہے، ثابت نے شق صدر کا واقعہ صبا میں اور معراج کا واقعہ الگ

ذکر کیا ہے اس میں شق صدر کا ذکر نہیں، اسی لئے علامہ ابن حزم اور قاضی عیاض کہتے ہیں کہ چونکہ ثابت نے دونوں قصے الگ الگ ذکر کئے ہیں اس لئے یہ واقعات الگ الگ پیش آئے ہیں۔

مگر امام ابوالقاسم سہیلی نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ اس میں کیا استبعاد ہے کہ شق صدر دو مرتبہ پیش آیا ہو، ایک بچپن میں دوسرا پچپن میں یعنی جب معراج سے سرفراز کیا جارہا ہو، امام بیہقی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ شق صدر صرف شریک ہی حضرت انس سے نقل نہیں کرتے بلکہ امام بخاری نے بطریق یونس عن الزھری عن أنس عن أبی ذر یہی روایت نقل کی ہے اس میں بھی شق صدر کا ذکر ہے، اسی طرح امام بخاری، مسلم نے بطریق قتادۃ عن أنس عن مالک بن صعصعۃ یہی روایت نقل کی ہے اس میں شق صدر کا ذکر واقع ہوا ہے، اور قاضی عیاض کا ثابت عن انس کی روایت کے علاوہ باقی روایات کا تخالیف واوہام میں شمار کرنا ایک دعویٰ محض ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں۔

پھر سمجھو کہ شق صدر جس طرح معراج کے وقت پیش آیا ہے ایسے ہی بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو اس وقت بھی شق صدر کا واقعہ پیش آیا ہے، امام بزار، ابن جریر طبری نے ابوذر غفاریؓ سے ایک روایت اس مضمون کی نقل کی ہے، اسی طرح حضرت عائشہؓ سے بھی ایک روایت نقل کی جاتی ہے لیکن اس کی سند واہی ہے، یہ تینوں شق صدر اگر ثابت ہوں تو اس میں کوئی استعجاب نہیں، ہر ایک کی الگ الگ مستقل حکمت ہے۔

بچپن میں تو آنحضور کا سینہ مبارک چاک کر کے ایسی چیزوں کو نکال دیا تھا جس سے بچوں کو بچکانہ لہو ولعب کی طرف توجہ ہوا کرتی ہے تاکہ حضور اکرم ﷺ کا قلب اطہر ان سے پاک ہو جائے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ پھر ابتداء ہی سے آپ کو ان سے پاک کیوں پیدا نہیں کیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ چونکہ حضرت آدم کی اولاد میں ہیں لہٰذا آپ کے اندر وہ سارے اجزاء ہونے ضروری ہیں جو ایک آدمی کے اندر ہوا کرتے ہیں، دوسرا شق صدر نبوت کے وقت اس لئے کیا گیا تاکہ آپ اندر تلقی وحی کی پوری استعداد ڈالدی جائے، اور تیسرا شق صدر لیلۃ المعراج میں اس لئے کیا گیا تاکہ حضور ﷺ مناجات حق کی قوت لے کر اس بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں۔

ایک چوتھا شق صدر دس سال کی عمر میں ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں نقل کیا، میری اپنی رائے ہے کہ یہ راوی کے اوہام و تخالیف میں سے ہے، اور بالفرض اگر مان لیا جائے تو دس سال کی عمر مراہقت کی عمر ہے، اسی لئے حدیث پاک میں دس سال کی عمر میں تفریق بین المضاجع بین الصبی والصبیۃ کا حکم وارد ہوا ہے، لہذا آنحضور ﷺ کو دس سال کی عمر میں سینہ دھو کر ایسے امور سے پاک کر دیا گیا جس میں بلوغ کے زمانہ کی جو باتیں انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں اور ادھر ادھر کے خیالات آتے ہیں اس سے آپ کو محفوظ رکھا جائے، یہ ہم نے احتمالا توجیہ کی ہے ورنہ صحیح یہ ہے کہ دس سال والی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتی ہے، راوی کے اوہام میں سے ہے۔

یہ شق صدر جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ شق صدر ظاہری اور شرح صدر ظاہری ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے فتح العزیز میں سورۂ الم نشرح کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا شق صدر اور شرح صدر دو طرح کا کیا گیا ہے، شرح صدر ظاہری، شرح صدر باطنی و معنوی، شرح صدر ظاہری کی تفسیر تو گذر چکی، شرح صدر باطنی معنوی کی تفسیر بیان کی کہ یوں فرض کرو کہ جناب رسول پاک ﷺ کا قلب اطہر ایک لق ودق میدان کی طرح ہے کہ مد البصر میدان ہی میدان نظر آتا ہے اور اس میدان میں بارہ مجلسیں لگی ہوئی ہیں، ایک مجلس میں بادشاہ بیٹھا ہوا ہے جو امور سلطنت کو انجام دے رہا ہے، دوسری مجلس میں ایک حکیم دانا بیٹھا ہوا جو حکمت و دانائی کی باتوں سے لوگوں کو نفع پہونچا رہا ہے، اور تیسری مجلس میں ایک قاضی بیٹھا ہوا لوگوں کے مقدمات فیصل کر رہا ہے، اور چوتھی مجلس میں ایک مفتی بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کے مسائل کے جوابات دے رہا ہے، اور پانچویں مجلس میں ایک محتسب کوتوال بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں سے دار و گیر اور مواخذہ و محاسبہ کرتا ہے کہ یہ کیوں کیا اور یہ فعل تم سے کیوں صادر ہوا، اور چھٹی مجلس میں ایک قاری خوش الحان بیٹھا ہوا ہے جو اپنی دلنواز آواز سے دلوں کو مسحور کر رہا ہے، اور ساتویں مجلس میں ایک عابد بیٹھا ہوا محو عبادت ہے اس کو دنیا و مافیہا کی طرف التفات ہی نہیں ہے، اور آٹھویں مجلس میں عارف کامل بیٹھا ہوا ہے جو معرفت خداوندی میں مستغرق ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سکھاتا اور دعوت دیتا ہے، اور نویں مجلس میں ایک واعظ شیریں بیان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو پند و نصائح کر رہا ہے اور وعظ و تقریر کے ذریعہ ان کو ہدایت

کر رہا ہے، اور دسویں مجلس میں ایک رسول بیٹھا ہوا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کے پیغامات پہونچا رہا ہے، اور گیارہویں مجلس میں آیک مرشد کامل بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو ارشاد و تلقین کرتا اور غلط باتوں سے روکتا ہے برائیوں سے توبہ کراتا ہے اور بھلائیوں کی تلقین کرتا ہے، اور بارہویں مجلس میں ایک محبوب بیٹھا ہوا ہے جس کے جمال جہاں آراء کی وجہ سے سارا عالم مسحور ہے، مقصد حضرت شاہ صاحب کے کہنے کا یہ ہے کہ جتنے کمالات ایک عالم امکانی میں ممکن ہیں وہ تمام کمالات صدر محمدی میں ڈالدیئے گئے ہیں، یہ کمالات رسول اکرم ﷺ کے واسطے سے دوسروں تک منتقل ہوتے ہیں، یہ ہے شرح صدر باطنی، اور اس طرح کی باتیں عارفین کاملین ہی سمجھ سکتے ہیں، ہم لوگ تو ناقلین ہیں حقیقت محمدیہ کے ادراک کی ہمارے اندر صلاحیت نہیں ہے اکابر نے جو فرمادیا اور واقعی وہ کتاب وسنت کے عالم ہیں جیسے شاہ عبدالعزیز صاحب ان کی بات کو تسلیم کرنے میں کوئی باک اور تامل نہیں ہے، (شق صدر کی پوری بحث الیواقیت الغالیہ (ج ا ص ۱۱۲ تا ۱۲۸) میں موجود ہے)۔

فغسله من ماء زمزم: حضور ﷺ کے صدر وجوف کو خالی کر دیا اور ماء زمزم سے دھو دیا، زمزم کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ اس میں تقویۃ القلب کی کیفیت ہے اور حضور ﷺ کو چونکہ عالم بالا کی سیر کرانی تھی اس لئے قلب قوی کی ضرورت تھی لہٰذا زمزم کے ذریعہ دھو کر اس میں قوت ڈالی گئی، دوسری وجہ یہ ہے کہ زمزم روح القدس کے پر مارنے یا ایڑی مارنے کی وجہ سے رونما ہوا تھا اور جناب رسول اکرم ﷺ کی تقدیس مقصود تھی اور بارگاہ مقدس یعنی حضرت حق کے پاس حاضری مطلوب تھی اس لئے ضروری تھا اور مناسب تھا کہ روح القدس کے پَر مارنے سے جو پانی رونما ہوا تھا اس سے قلب اطہر کی تقدیس کی جائے تاکہ آپ بارگاہِ مقدس میں حاضر ہوں، لہٰذا اس میں تقدیسات ثلاثہ مجتمع ہوگئیں۔

بطست من ذهب فيه تور من ذهب: سونے کا طشت لایا گیا جس میں سونے کا پیالہ تھا، سونے کے برتن کا استعمال انسان کے لئے ممنوع ہے، فرشتوں کے حق میں نہیں، نیز یہ تحریم ذہب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(۵) یہاں اشکال یہ کیا گیا کہ تور کا ذکر شریک کے اوہام میں سے ہے اور یہ پانچواں وہم ہے چونکہ عام روایات میں صرف طشت کا ذکر واقع ہوا ہے، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب شریک ایک چیز ذکر کرتے ہیں اور دوسرے اس کے ذکر سے ساکت ہیں تو ساکت کے سکوت کو ناطق کے نطق پر کیسے ترجیح دی جاسکتی ہے، لہٰذا

ممکن ہے کہ دونوں ہی ہوں طشت اور تور، ایک میں پانی ہو اور دوسرے میں حکمت وایمان رکھا ہو۔

محشوًّا إيمانا وحكمة: ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، ایمان وحکمت اگرچہ امور معنویہ ہیں اور کسی زمانہ میں یہ اشکال کیا جاتا تھا کہ امور معنویہ کو بھرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ لیکن آج کل کی جدید سائنسی تحقیقات نے ان تمام اشکالات کا کلیۃً خاتمہ کر دیا ہے، جب شمسی شعاعوں کو شیشوں میں ضبط کیا جاسکتا ہے اور اسکے ذریعہ سے انسان کے باطن کا فوٹو لیا جاسکتا ہے ایکسرے کیا جاسکتا ہے اور ان شعاعوں اور کرنوں کو ناپا جاسکتا ہے اور مقیاس الحرارۃ کے ذریعہ حرارت کی مقدار کو معلوم کیا جاسکتا ہے اور ہوائی جہاز میں مقیاس رکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اب جہاز پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر چل رہا ہے، اور مقیاس الماء کے ذریعہ سے پانی کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو اگر حکمت وایمان کو طشت اور تور میں بھر کر لایا گیا ہو تو کیا استعجاب ہے؟ اور یہ سارا تعجب اور اشکال ان لوگوں کو ہوتا ہے جنہوں نے علوم یونان کو سامنے رکھا ہے، ورنہ جو صرف حکمت ایمان کو سامنے رکھتے ہیں ان کو تو کوئی اشکال پیش ہی نہیں آتا کہ مخبر صادق ﷺ کا ارشاد وفرمان ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

چند خوانی حکمتِ یونانیاں — حکمت ایمانیاں راہم بخواں

حکمتِ یونانیاں کے پڑھنے سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، حکمتِ ایمان کے پڑھنے سے انسان کے شکوک وشبہات زائل ہو جاتے ہیں۔

میں ایک ضمنی بات کرتا ہوں اگرچہ یہ میری حیثیت نہیں ہے، کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات عجیب وغریب حیات ہے اس کا اندازہ ہم جیسوں کو نہیں ہو سکتا ہے، لیکن وہ اولیاء کبار جن کی روحانیت میں اللہ تعالیٰ تصرف کی قوت ڈال دیتے ہیں ان کو اندازہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کو اندازہ ہوتا ہے جن لوگوں کو اولیاء کرام کی روحانیت اور ان کے قوت تصرف وفیض کا احساس ہوا ہے۔

بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ دنیا میں اور اس عالم کون میں ہوتے ہوئے اگر وہ یوں نظر ڈالتے ہیں تو ان کی نگاہ کا فیض ایک دو سو میل نہیں ایک دو ہزار میل نہیں ہزاروں میل دور چلا جاتا ہے اور ایسے اولیاء اللہ اب بھی موجود ہیں جن کے فیوض قلبیہ ہزاروں میل پہونچ جاتے ہیں، مرنے کے بعد بھی ان اولیاء کے فیوض کا

انتقال ہوتا ہے کہ اگر ان اولیاء سے کسی کو نسبی یا روحانی تعلق ہوتا ہے اور واقعۃً ان اولیاء کی روح ان سے راضی ہوتی ہے تو ان کے فیوض ان تک پہونچتے رہتے ہیں چاہے وہ ہندوستان چھوڑ کر مکہ چلے جائیں یا مدینہ یا کہیں اور چلے جائیں، تو جب ان اولیاء امت کے اندر اتنی طاقت ہے اور مرنے کے بعد ان کی حیات میں اتنا زور ہے تو جو صاحبِ امت ﷺ ہیں اور سید الانبیاء ہیں ان کی روحانیت کتنی فیض اور طاقت والی ہو گی۔

ایک بات کہنے کی نہیں لیکن کہتا ہوں کہ میں اپنی چارپائی پر بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا نیچے ایک صوفی بیٹھے ہوئے تھے جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں لیکن ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ان سے میری دوستی ہے میں ذکر کرتے کرتے باتیں بھی کر رہا تھا میں نے ان سے یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اس عالم میں شرک و کفر کی بیخ کنی کے لئے ہوئی تھی، آپ توحید خالص کی اشاعت کے لئے تشریف لائے تھے تو انہوں نے ایک دم اسی وقت کہا ابھی میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر سے ایک نور آیا اور تمہاری طرف گیا، مجھے تو کچھ پتہ نہیں چلا، اندھے آدمی کو کیا پتہ چلے لیکن جس شخص کے سامنے یہ بات ہوئی تھی اس نے ایک دم یہ بات کہی۔

ایک دفعہ ایک طالب علم نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ جیسا پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ تو میں نے کہا کہ دو باتیں ہیں، ایک ہے عالم امکان اور دوسرا عالم وقوع، عالم امکان میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ جیسا تو کیا حضرت محمد ﷺ سے کروڑوں اور اربوں درجہ رسول پیدا کرنے پر قادر ہیں لیکن عالم وقوع میں یہ ہوگا نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو خاتم الانبیاء سید المرسلین بنادیا ہے، اور قیامت کے دن آدم اور تمام اولادِ آدم حضرت نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ طالب علم صاحب کشف تھے اور عجیب وغریب ان کے کشوف تھے وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر ادھر ادھر کی باتیں سنایا کرتے تھے، تو انہوں نے ایک دم رونا شروع کیا اور بہت دیر تک روتے رہے میں تو خاموش ہو گیا، جب رونا ختم ہو گیا تو میں نے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا تھا؟ اس نے کہا کہ جس وقت آپ یہ تقریر کر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر سے حضور اکرم ﷺ نے اپنا چہرہ انور نکالا اور تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، اب مجھے ڈر سا معلوم ہوا میں وہمی آدمی ہوں کہ معلوم نہیں حضور نے تائیداً دیکھا یا تردیداً؟ کیا ہوا ہو گا، خیر دس سال کے بعد تیسرے سال میں نے حضرت شیخ کو خط لکھا اور خط میں یہ واقعہ لکھ دیا، اور لکھنے کا منشا یہ بات تھی کہ میں نے خواب میں اس

طرح دیکھا کہ مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ کیا حضرت محمد ﷺ جیسا اللہ پیدا کر سکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ محمد ﷺ تو کیا ان سے لاکھوں بلکہ اربوں درجہ افضل پیدا کرنے پر قادر ہیں، پھر مجھے اس بچہ کا قصہ یاد آگیا تو میں نے یہ سب لکھ کر مدینہ منورہ بھیج دیا، شیخ کا وہاں سے جواب آیا کہ حضور ﷺ کا دیکھنا تردید نہیں تھی بلکہ تائید تھی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ تو خالق ہیں پیدا کرنے والے ہیں اور محمد ﷺ مخلوق ہیں، تمام مخلوقات چاہے حضرات انبیاء ہوں یا ملائکہ، شہداء ہوں یا اولیاء، اللہ کے سامنے عدم محض ہیں۔

لیکن جب انہی حضرات انبیاء کو اللہ سے ہٹ کر دیکھا جائے تو مخلوق ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، پرکاہ کی حیثیت نہیں پشہ کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے، اور حقیقتِ محمدیہ اتنی وزن دار اتنی طاقت ور ہے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس فرشتے آئے اور یہ کہا گیا کہ ان کو امت کے ایک فرد کے ساتھ وزن کرو آپ راجح ہو گئے، دس کے ساتھ وزن کرو سو کے ساتھ وزن کرو، اور ساری امت کے ساتھ وزن کرو حضور ﷺ کا پلڑا راجح رہا حتی کہ لوگ دوسرے پلڑے سے گر رہے تھے، یہ ہے حقیقتِ محمدیہ کہ ساری امت کی حقیقت اور ساری امت کی طاقت ایک طرف رکھ دی جائے اور حضرت سید الرسل ﷺ کی روحانیت اور وزن و طاقت کو ایک طرف رکھ دیا جائے تو حقیقتِ محمدیہ کے سامنے یہ امت اور اس کے سارے ابدال واقطاب واوتاد واغواث اور سارے اولیاء وصدیقین وصالحین سب پاسن کے درجہ میں ہو جائیں گے، اور ہونا بھی چاہئے کہ حضرات انبیاء سے عہد لیا گیا تھا کہ جب محمد مبعوث ہوں اور تم ان کو دیکھو تو لتؤمنن بہ ولتنصرنہ، حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمادیا تھا، لو کان موسی حیا ما وسعہ إلا اتباعی اگر موسی زندہ ہوتے تو میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

تنبیہ حافظ ابن کثیر نے ایک روایت اپنی تفسیر میں نقل کر دی لو کان موسی وعیسی حیین لما وسعھما إلا اتباعی یہ حدیث بایں لفظ پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی، جب میں نیا نیا فارغ ہوا تو مجھ کو اس طرح کی تحقیقات کا چسکہ تھا جب مجھے یہ حدیث نظر پڑی تو میں نے اس کے تمام طرق کو چھان ڈالا لیکن کہیں بھی اس لفظ کا وجود نہیں ملا، حضرت اقدس مخدوم ومکرم اور محسن ومشفق ومربی حضرت ناظم صاحب (مولانا اسعد اللہ) کی

خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نظامت میں اپنی گدی پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے حضرت کے سامنے یہ حدیث ذکر کی حضرت نے ایک دم فرمایا کہ اس حدیث میں حضرت عیسیٰ کا ذکر باطل اور غلط ہے، پھر میں نے دیکھا کہ علامہ انور شاہ کشمیری نے عقیدۃ الاسلام میں یہی بات لکھی ہے، میرا اپنا خیال یہ تھا کہ شاید یہ کسی کاتب کی غلطی ہے جو تفسیر ابن کثیر میں کاتب کے قلم سے آگئی، مگر بعد میں البدایۃ والنہایہ میں یہ بات ملی، حافظ ابن کثیر نے روایت کے الفاظ کے طور پر نہیں بلکہ اپنے طور پر یہ لکھا ہے کہ اگر موسیٰ وعیسیٰ زندہ ہوتے تو حضور کا اتباع کرتے، اس سے میں یہ سمجھا کہ حافظ ابن کثیر حیات موسیٰ وعیسیٰ کے سلسلہ میں عام مسلک جمہور سے ہٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ موسیٰ وفات پاچکے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے، قیامت کے قریب وہ نازل ہوں گے، اب ابن کثیر کے قول کی توجیہ میں نے یہ کی کہ اگر دونوں اس عالم کون میں زندہ یعنی موجود ہوتے، حیات۔ سے مراد اس دنیا میں موجود ہونا ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ مر چکے ہیں، تو حافظ ابن کثیر حیاتِ عیسیٰ کا انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ اس عالم کون میں ہونے کے قائل ہیں۔

اور اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حافظ ابن کثیر نے توفی کی تفسیر عام مفسرین سے الگ نوم سے کی ہے اور مشہور یہی ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ پر نوم ڈالدی اور اسی حالتِ نوم میں ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حافظ بن کثیر اس مسئلہ میں وہب بن منبہ اور علامہ ابن حزم کی طرح سے اس بات کے قائل ہوں کہ حضرت عیسیٰ کو چند ساعت کے لئے موت دی گئی اور پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھالیا گیا، اور پھر قیامت کے قریب وہ اتریں گے پھر دوبارہ ان کی موت آئے گی، علامہ ابن حزم نے کتاب المحلی میں اس کی تصریح فرمائی ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

فحشی بہ صدرہ ولغادیدہ: آپ کے سینہ کو اور آپ کے لغادید کو اس سے بھر دیا، لغادید لغدید یالغدود کی جمع ہے جس سے مراد وہ گوشت کے ٹکڑے ہیں جو گردن اور سینہ کے درمیان، لبہ اور سینہ کے درمیان ہوتے ہیں، اسی کو راوی نے عروق حلقہ سے تعبیر کیا یعنی حلق کی رگیں۔

ثم أطبقہ: پھر اسے بند کر دیا اور آپ کو آسمان دنیا پر لے چلے، دروازہ کھلوایا گیا، آسمان والوں نے پوچھا من ھذا کون ہے؟ کہنے لگے: جبرئیل، پوچھا کون تمہارے ساتھ ہے؟ آہٹ محسوس ہوئی ہوگی، قال:

محمد، میرے ساتھ محمد ہیں۔

قال: وقد بعث إليه: کیا ان کو بعثت دی گئی ہے؟ اس کے مطلب میں دو قول ہیں، ایک مطلب یہ کہ آپ کو مبعوث الی الخلق کیا گیا یعنی نبوت سے سرفراز کیا گیا؟ دوسرا مطلب یہ ہے کہ **قد بعث إليه بالإرسال إلى حضرة الربوبية** یعنی ان کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے دربار میں حاضر کئے جائیں؟ فرمایا کہ ہاں، خیر یہ ہو گیا، حضور ﷺ آسمانوں پر گذرتے رہے، آسمانوں پر رہنے والے انبیاء آپ کی آمد پر مبارکباد دیتے رہے، ترحیب فرماتے رہے، پہلے آسمان پر باباجان حضرت آدم سے ملاقات ہوئی، حضرت جبرئیل نے کہا یہ باپ ہیں آپ کے ان کو سلام کیجئے، آپ نے سلام کیا، حضرت آدم نے جواب دیا **مرحبا وأهلا بابني**، میرے بیٹے کے لئے خوش آمدید ہو۔

(۶) بنهرين يطّردان: آپ نے آسمانِ دنیا پر دیکھا کہ دو نہریں جاری ہیں آپ نے فرمایا یہ کیسی نہریں ہیں جبرئیل؟ فرمایا یہ نیل اور فرات ہیں، ان کا عنصر یعنی اس کی اصل یہیں سے بہتی ہے، اس لفظ کو شریک کے چھٹے اوہام میں شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ نیل وفرات کے متعلق روایات میں تصریح ہے کہ وہ سدرۃ المنتہی کی جڑ سے نکلتی ہے، اور سدرۃ المنتہی سماء سابعہ پر ہے، اور بقولے سماء سادسہ پر ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ سے تو نکلتی ہو اور سماء دنیا پر اس کا عنصر پہونچتا ہے اور وہاں سے زمین کے اس حصہ پر منتقل ہوتا ہو جہاں ان کا منفذ اور منبع ہے۔

(۷) فإذا بنهر آخر: جب آگے چلے تو دوسری نہر نظر آئی جس کے اوپر موتیوں اور زبرجد کے محل تھے، آپ نے جو ہاتھ ڈالا تو مٹی سے خالص مشک کی خوشبو آرہی تھی، پوچھا جبرئیل یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حوض کوثر ہے جو اللہ نے آپ کے لئے مخفی فرما رکھا ہے، یہ ساتواں وہم ہے اس لئے کہ کوثر کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ جنت کی نہر ہے اور اس روایت میں یہ مذکور ہے کہ وہ سماء دنیا پر نظر آئی، حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے کہ اس روایت میں تھوڑا سا حذف واقع ہو گیا ہو اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ جنت میں پہونچے اور جنت میں حضور اکرم ﷺ کو نہر کوثر دکھلائی گئی، واللہ اعلم۔

غرض کہ حضور ﷺ آسمان دنیا پر گئے، ملائکہ سے بات چیت ہوئی، وهكذا چلتے رہے سماء ثانیہ، ثالثہ،

رابعہ، خامسہ، سادسہ، سابعہ پر چڑھے، چھٹے پر ساتویں پر سب جگہ یہی ہوا سب میں انبیاء تھے سب سے ملاقات ہوئی۔

(۸) قد سمّاهم: نام تو بتائے تھے کہ کس آسمان پر کون نبی تھے لیکن مجھے یاد نہیں رہا، البتہ یہ ہے کہ ادریس ثانیہ پر تھے، حالانکہ قتادہ اور ثابت کی روایت میں یہ ہے کہ ادریس رابعہ میں ہیں، ہارون خامسہ میں ہیں، موسیٰ سادسہ میں اور ابراہیم سابعہ میں ہیں، اور ان چاروں ناموں میں شریک کو وہم واقع ہو گیا۔

حافظ ابن قیم نے یہ چار اوہام الگ الگ شمار کئے ہیں لیکن حافظ ابن حجر ان سب کو ایک وہم بتاتے ہیں اور ان اوہام کا خلاصہ ہے اختلاف فی امکنۃ الانبیاء، انبیاء کے امکنہ کے بارہ میں شریک نے عام رواۃ کی مخالفت کی ہے، حافظ نے جواب دیا کہ شریک نے خود کہہ دیا کہ لم أثبت منازلهم کہ مجھے ان کے منازل یاد نہیں رہے مگر مجھے حافظ کا یہ جواب پسند نہیں ہے، شریک تو خود کہہ رہے ہیں وعيت منهم إدريس فی الثانية وهارون فی الرابعة الخ، معلوم ہوا کہ انہیں یاد ہی میں وہم واقع ہوا، بھول ہو گئی۔

اور ایک توجیہ یہ کی گئی کہ ممکن ہے کہ جب حضور کی آمد ہو رہی تھی تو بعض انبیاء کرام کو خبر معلوم ہوئی ہو تو استقبال کے لئے نیچے آسمان پر آگئے ہوں اور بعض انبیاء کرام کو آپ کی واپسی کے وقت مشایعت کی خواہش ہوئی ہو اس لئے آپ کے ساتھ اوپر آئے ہوں، غرض آتے اور جاتے دونوں وقت مشایعت کا امکان ہے اور آتے ہوئے استقبال کا بھی، مگر یہ سب اسی وقت ہے جب کہ شریک کی روایت کو ثابت کی روایت کی طرح ثابت مان لیا جائے، اور اگر ثابت کی روایت ثابت ہو اور شریک کی روایت میں اوہام ہوں جیسا کہ ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اور امام مسلم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے، قدّم وأخر وزاد ونقص تو پھر کسی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

وموسیٰ فی السابعة بفضل كلامه لله: موسیٰ ساتویں آسمان پر تھے اس لئے کہ ان کو اللہ سے شرف کلام حاصل ہوا تھا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریک کو یاد نہ رہا، حضرت ابراہیمؑ سابعہ میں تھے۔

فقال موسیٰ: موسیٰ نے کہا: یااللہ مجھے گمان نہیں تھا کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی چڑھے گا؟ یہ بات

حضرت موسیٰ نے حسداً نہیں کہی بلکہ ایک بات کا اظہار کیا جو ان کے دل میں تھی۔

(۹) ثم علا به فوق ذلک: پھر اوپر لے گئے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ سدرۃ المنتھی پر پہونچ گئے، یہ نواں وہم ہے اس لئے کہ یہ مشہور ہے کہ سدرۃ المنتھی سماء سابعہ پر ہے یا سادسہ میں ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سابعہ سے بھی اوپر ہے۔

ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے اس کی جڑ تو ہو سادسہ میں اور اس کا تنا سابعہ سے نکل گیا ہو اور اس کی فروع واقسام اوپر تک جارہی ہوں، لہٰذا سدرۃ المنتھی پر پہونچنے کا مطلب یہ ہو کہ سدرۃ المنتھی کے بالائی حصہ پر پہونچے ہوں، مگر اس توجیہ سے روایت کے الفاظ ابا کرتے ہیں کیونکہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سدرۃ المنتھی کی جڑ سے چار نہریں نکلتے ہوئے دیکھا ہے، نهرانِ ظاهران ونهرانِ باطنان، مگر شریک کی روایت کے بارہ میں جواب دیا جاسکتا ہے کہ اس میں کچھ ہے ہی نہیں۔

سدرۃ المنتھی کو سدرۃ المنتھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہیں پر جاکر مخلوقات، کا علم منتہی ہو جاتا ہے، علمِ ملائکہ وہیں تک ہے آگے جو چیزیں ہیں وہ براہ راست حضرت حق کی طرف اٹھالی جاتی ہیں اور حضرت حق کی طرف سے براہ راست وہیں تک چیزیں اترتی ہیں اور پھر فرشتوں کے ذریعہ سے نیچے ان کو منتقل کیا جاتا ہے۔

(۱۰) ودنا الجبار رب العزة فتدلّی: اس کو شریک کے دسویں اوہام میں شمار کیا گیا، امام خطابی، ابو محمد ابن حزم ظاہری نے اس لفظ کو اوہام میں شمار کیا ہے بلکہ خطابی تو کہتے ہیں کہ یہ اس حدیث میں نہایت کڑوا لفظ ہے کہ دنو اور تدلّی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ دنو اور تدلّی حضور ﷺ اور جبرئیل کے درمیان منقسم تھی، خطابی نے یہاں لمبا چوڑا کلام کیا ہے محشی نے اس کو حاشیہ میں نقل کیا ہے۔

لیکن شریک اس لفظ کو نقل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ یہ مضمون جس طرح شریک حضرت انسؓ سے نقل کرتے ہیں ایسے ہی میمون بن سیاہ یہ لفظ نقل کرتے ہیں جسے ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں تخریج کی ہے واسنادہ حسن، اس کے الفاظ ہیں **فدنا ربک عزوجل** ﴿فكان قاب قوسين أو أدنى﴾، اسی طرح سے یہ

مضمون حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

امام اموی نے اپنی مغازی میں اور انہی کے طریق سے ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ولقد رآه نزلة أخرى﴾ کی شرح میں فرمایا دنا منه ربه، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں **هذا سند حسن وهو شاهد قوي لرواية شريك**، بہر حال یہاں اگر دنو و تدلّی کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے اور یہ محفوظ ہے تو اس صورت میں دنو و تدلّی اجسام مراد نہیں بلکہ جو ذات حق کے مناسب معنی ہے وہ مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے انتہائی اعزاز و اکرام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انتہائی اظہار عبدیت و بندگی کا ظہور ہوا، واللہ اعلم۔

حتى كان منه قاب قوسين أو أدنى: یہاں تک کہ دو قوس کے برابر ہو گئے یا کم، قاب کہتے ہیں مقبض اور سیہ کے درمیانی حصہ کو، سیہ وہ حصہ کہلاتا ہے جہاں کمان کے اوپر تانت بندھا ہوا ہوتا ہے، اور مقبض جہاں ہاتھ سے کمان کو پکڑا جاتا ہے، ہر کمان میں دو قاب ہوا کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں قاب قوسین مقلوب ہے قابی قوس سے، اور بعض نے کہا قاب بمعنی مقدار ہے، اور قوسین بمعنی ذراعین ہیں أي قدر ذراعين، اس کے متعلق میں کتاب التفسیر میں کلام کر چکا ہوں۔

فأوحى الله فيما أوحى خمسين صلاة: اللہ پاک نے پچاس نمازوں کی وحی فرمائی اور موسیٰ کے پاس تشریف لے آئے، حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کتنی نمازیں فرض ہوئیں؟ آپ نے فرمایا کہ پچاس، فرمایا کہ تمہاری امت میں اس کی طاقت نہیں تخفیف کا سوال کرو، حضرت جبرئیل کی طرف آپ متوجہ ہوئے مشورہ کے طور پر، حضرت جبرئیلؑ نے اشارہ کر دیا کہ ہاں، درخواست پیش کر دی جائے، الخ۔

(۱۱) فعلا به إلى الجبار فقال: اس کو خطابی نے وہم شمار کیا تو یہ گیارہواں وہم ہوگا، اس لئے کہ مکان تو اللہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا پھر خطابی نے خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ مکان کی اضافت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، یعنی اپنی جگہ ہوتے ہوتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کے سامنے درخواست پیش کی کہ اے اللہ تخفیف کر دے کہ میری امت میں اس کی طاقت نہیں، چنانچہ اللہ نے دس کی

تخفیف فرمادی۔

اس روایت میں دس کا اسقاط وارد ہوا ہے اور ثابت کی روایت میں یہ ہے کہ پانچ پانچ نمازیں ساقط کی گئی ہیں، اور یہی روایت عند المحققین ثابت ہے، ابوالقاسم سہیلی وغیرہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اس میں گویا اجمال وارد ہوا ہے، اور اسطرح کا اجمال دوسری روایات میں بھی وارد ہوا ہے، فرماتے ہیں کہ حضور بار بار اللہ میاں اور موسیٰ کے درمیان آتے جاتے رہے یہاں تک کہ پانچ نمازیں ہوگئیں پھر موسیٰ نے پانچ نماز پر بھی روک لیا اور یہ کہا محمد! میں نے تو بنی اسرائیل کو جو میری قوم ہے اس سے کم تر پر بھی بہت پھسلایا لیکن وہ اس سے بھی عاجز آگئے، اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل پر پچاس نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں جیسا کہ بہت سے مفسرین نے نقل کر دیا ہے، قاضی بیضاوی، قاضی ابوالسعود، فخر رازی وغیرہ نے نقل کر دیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے، شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض میں لکھا ہے بے اصل ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں یہ ماخوذ من الاسرائیلیات ہے، بلکہ ان پر صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے تصریح فرمائی، تو موسیٰ نے فرمایا جاؤ اور تخفیف کا مطالبہ کرو، حضور نے جبرئیل کی طرف التفات کیا تو جبرئیلؑ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

(۱۲) فرفعه عند الخامسة: یہ بارہواں وہم شمار کیا گیا ہے اس لئے کہ ثابت وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع نو مرتبہ ہوا ہے، ہر مرتبہ پانچ نمازیں ساقط کی گئی ہیں، لیکن یہاں پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے اور دیگر روایات میں اجمال واختصار ہوا یہاں پر بھی اجمال واختصار کیساتھ شریک نے کام لیا ہوگا، واللہ أعلم، البتہ خامسہ کی تصریح وہم معلوم ہوتی ہے۔

(۱۳) فقال یارب إن أمتی ضعفاء أجسادهم: یہ تیرہواں وہم ہے اس لئے کہ پانچ نمازوں کے ہو جانے کے بعد گویا رسول اللہ ﷺ نے اللہ میاں سے یہ درخواست کی کہ میری امت ضعیف ہے لہٰذا تخفیف کر دی جائے حالانکہ عام روایات میں تصریح وارد ہوئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پانچ کے بعد جانے سے انکار کر دیا، اور یہ کہہ دیا استحییت من ربی مجھے میرے رب سے حیا آنے لگی اور حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا أمضیت فریضتی و خففت عن عبادی فذالک خمس وهن خمسون، یہ عدد میں پانچ ہیں لیکن

حقیقت میں پچاس ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴) ارجع إلی ربک فلیخفف عنک أیضا: یہ چودہواں وہم ہے کہ پانچ نمازوں کے بعد پھر حضرت موسیٰ نے کہا کہ اپنے رب سے کہئے کہ تخفیف کردے، علامہ داودی فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس روایت میں واقع ہوا ہے، بھلا اللہ کے یہ کہہ دینے کے بعد کہ **لا یبدل القول لدیّ کما فرضت علیک فی أم الکتاب**، الخ، حضرت موسیٰ کی کیا مجال تھی کہ وہ یہ کہتے کہ پھر جاؤ اور درخواست پیش کرو، اللہ تو کہہ رہے ہیں میرے یہاں تبدیل نہیں ہوتی لیکن حضرت موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ نہیں پھر جاؤ تبدیل کراؤ، یہ بعید ہے اور واقع میں یہ لفظ وہم معلوم ہوتا ہے۔

قال فاهبط باسم الله: یعنی اللہ کا نام لے کر اترو۔

واستیقظ وهو فی مسجد الحرام: پس بیدار ہوئے اس حال میں کہ آپ مسجد حرام میں تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا قصہ خواب میں پیش آیا، مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرۃ نبویہ میں جو معراج کے قصہ کی شرح و تفصیل فرمائی ہے اس سے کچھ وہم ہوتا ہے کہ مولانا اس کو خواب کا واقعہ تسلیم کرتے ہیں، انداز یہ ہے کہ سید صاحب اس مسئلہ میں علامہ ابن قیم اور حافظ ابن کثیر سے متاثر ہیں اور حافظ ابن کثیر نے معراج روحانی کو راجح قرار دیا ہے، یعنی جو کچھ مکالمہ ہوا اور سفر میں باتیں پیش آئیں وہ حقیقۃً روح کے ساتھ پیش آئی ہیں اور روح ہی براق پر سوار ہوئی، اور روح ہی ملأ اعلیٰ کی طرف جانے والی تھی، تو سید صاحب چونکہ علوم ابن تیمیہ اور علوم ابن قیم سے بہت زیادہ مرعوب ہیں اس لئے انہوں نے یہاں تقریر کا انداز یہی رکھا ہے، لیکن یہ جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، میں بیان کر چکا ہوں کہ اسراء و معراج کا واقعہ ایک رات میں بیداری میں پیش آیا ہے، امام ابن جریر طبری، ابو حاتم ابن حبان بستی، امام ابو بکر بیہقی، ابو محمد ابن حزم ظاہری، قاضی عیاض وغیرہ نے اس کے بیداری میں ہونے کی تصریح فرمائی ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

(ص ۱۱۲۱) باب کلام الرب مع أهل الجنة

اللہ تعالیٰ جیسے حضرات انبیاء سے کلام فرمائیں گے اور حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا ایسے ہی اہل جنت سے کلام فرمائیں گے، معلوم ہوا کہ اللہ کا کلام نوع واحد نہیں ہے جیسا کہ کلابیہ، اشعریہ، ماتریدیہ وغیرہ کہتے ہیں بلکہ انواع شتی ہے، جب چاہتے ہیں حسب موقع کلام فرماتے ہیں، اشاعرہ وغیرہ کی طرف سے جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو حسب موقع ظاہر فرماتے ہیں۔

۷۵۱۸- حدثنا يحيى بن سليمان، حدثني ابن وهب، قال: حدثني مالك، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله يقول لأهل الجنة: يا أهل الجنة، فيقولون: لبيك ربنا وسعديك والخير في يديك، فيقول: هل رضيتم؟ فيقولون: وما لنا لا نرضى يا رب وقد أعطيتنا ما لم تعط أحدا من خلقك، فيقول: ألا أعطيكم أفضل من ذلك، فيقولون: يا رب وأي شيء أفضل من ذلك، فيقول: أحل عليكم رضواني فلا أسخط عليكم بعده أبدا.

أحلّ عليكم رضواني: اپنی رضا تم پر اتار دوں گا اس کے بعد پھر کبھی تم سے ناراض نہ ہوؤنگا، محبوب اور خالق ہمیشگی کے ساتھ اگر راضی ہو جائے تو اس سے بڑھ کر ایک محب صادق اور ایک غلام مملوک کا کیا مقصود ہو سکتا ہے۔

۷۵۱۹- حدثنا محمد بن سنان، حدثنا فليح، حدثنا هلال، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يوما يحدث وعنده رجل من أهل البادية: أن رجلا من أهل الجنة استأذن ربه في الزرع، فقال له: أو لست فيما شئت؟ قال: بلى، ولكني أحب أن أزرع، فأسرع وبذر، فتبادر الطرف نباته واستواؤه واستحصاده وتكويره أمثال الجبال، فيقول الله تعالى: دونك يا ابن آدم، فإنه لا يشبعك شيء، فقال الأعرابي: يا رسول الله، لا تجد هذا إلا قرشيا أو أنصاريا، فإنهم أصحاب زرع، فأما نحن فلسنا بأصحاب زرع. فضحك رسول الله ﷺ.

ولكني أحبّ أن أزرع: اللہ میاں جی چاہتا ہے کہ کھیتی کروں بس ذرا سی دیر میں کھیتی کھڑی ہو گئی اور پوری بھی ہو گئی اور کٹ بھی گئی اور اسکے ڈھیر بھی لگ گئے، اللہ فرمائیں گے: دونک یا ابن آدم لے اے ابن آدم! تیرا پیٹ بھر نہیں سکتا ہے، اعرابی کہنے لگا کہ حضور یہ انصاری یا قرشی ہو سکتا ہے، یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں ہم تھوڑے ہی کھیتی والے ہیں، ونحن أصحاب ضرع ہم لوگ تو جانور پالتے ہیں، یہ بیچارے اعرابی

سیدھے سادھے ہوا کرتے تھے جو بات سمجھ میں آتی صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے۔

(ص ۱۱۲۱) باب ذكر الله بالأمر،

وذكر العباد بالدعاء والتضرع والرسالة والإبلاغ

لقوله تعالى: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾، ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ: يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لاَ يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلاَ تُنْظِرُونِ ۞ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾، غمة: هم وضيق، قال مجاهد: اقضوا إلي ما في أنفسكم، يقال: افرق اقض، وقال مجاهد: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ إنسان يأتيه، فيستمع ما يقول وما أنزل عليه، فهو آمن حتى يأتيه فيسمع كلام الله، وحتى يبلغ مأمنه حيث جاءه، النبأ العظيم: القرآن، ﴿صَوَابًا﴾ : حقا في الدنيا، وعمل به.

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے اللہ کے لئے صفت کلام کو ثابت فرمایا، اسلئے کہ اللہ یوں فرماتے ہیں أذكركم، تم میرا ذکر کرو میں تمہارا تذکرہ کرونگا، روایات میں وارد ہوا ہے کہ فإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منه، اگر جماعت میں کوئی میرا تذکرہ کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں ذکر کرونگا، یہاں ذکر سے مراد ذکر نفسی نہیں، اس لئے کہ اس سے پہلے تو فرمایا جاچکا إن ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي، اب ہے وإن ذكرني في ملأ ذكرته في ملأ خير منه، معلوم ہوا کہ یہ ذکر کلام کیساتھ ہوگا اس سے کلام اللہ کا ثبوت ہوگیا، اسی طرح سے اللہ کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ بندوں کو امر فرماتے ہیں احکام دیتے ہیں اور اللہ کے اوامر واحکام از جنس کلام ہیں۔

امام بخاری خلق افعال العباد میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اس آیت کے ذریعہ یہ بیان کیا ہے کہ بندہ کا ذکر کرنا اللہ کے ذکر کرنے کے علاوہ ہے، بندہ کا اللہ کو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ دعاء کرے،

تضرع کرے، ثنا کرے، اور اللہ کا ذکر یہ ہے کہ اللہ اس دعاء کو قبول فرمائے، اور یہاں فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر یہ ہے کہ اللہ بندوں کو حکم فرمائے، اور حکم کلام کو شامل ہے، فثبت مسئلة الکلام۔

واتل علیهم نبأ نوح: نوح کے قوم کی خبریں اپنی امت سامنے بیان کیجئے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تذکرہ سے یہ مقصود ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ مذکور ہیں اس بات کے ساتھ کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی امت کے سامنے آیات خداوندی کی تلاوت فرمائیں اور ان کے سامنے تبلیغ کریں کہ حضرت نوحؑ اللہ کے احکام کی تبلیغ فرماتے تھے اسکی تلاوت فرماتے تھے، تو نوحؑ کا پڑھنا دعاء و تضرع تھا اور امتثال امر خداوندی تھا۔

وإن أحد من المشركين استجارك: مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ چاہے تو اسکو پناہ دیجئے۔

فأجره: یہ امر کا صیغہ ہے اللہ کی طرف سے یہ امر صادر ہو رہا ہے، یہ اللہ کا ذکر ہے مگر اللہ نے ذکر کیسے کیا؟ امر کے ذریعہ سے کیا، اللہ اپنے بندوں کا ذکر فرماتا ہے بالامر والا حکام، اور اللہ کا ذکر یہ بھی ہے کہ وہ بندوں کی دعاؤں کو اور ان کے سوالات کو قبول فرماتا ہے۔

وعمل به: یہ اپنے عموم کی وجہ سے عمل قلب اور عمل لسان دونوں کو شامل ہے، لہذا اس میں دعاء و تضرع بھی شامل ہے۔

(ص ۱۱۲۱) باب قول الله ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾

وقوله جل ذكره: ﴿وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾، **وقوله:** ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾، ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۞ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾، **وقال عكرمة:** ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾، ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ﴾، و ﴿مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ **فذلك إيمانهم، وهم يعبدون غيره، وما ذكر في خلق أفعال العباد**

وأكسابهم لقوله تعالى: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾، وقال مجاهد: ﴿مَا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ بالرسالة والعذاب، ﴿لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ المبلغين المؤدين من الرسل، ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ عندنا، ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ﴾ القرآن، ﴿وَصَدَّقَ بِهِ﴾ المؤمن يقول يوم القيامة: هذا الذي أعطيتني عملت بما فيه.

ترجمہ کی غرض سنیئے، اس ترجمۃ الباب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اس صورت میں یہ ترجمہ یہاں ہونے کے بجائے کتاب التوحید کے بالکل ابتدا میں ہونا چاہئے تھا جہاں امام بخاری نے باب توحید اللہ تعالیٰ کا ترجمہ منعقد فرمایا تھا لیکن یہ امام بخاری کا مقصود نہیں ہے اس لئے امام بخاری پر اشکال نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ بے محل آگیا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ عباد کے افعال اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق ہیں اور اس سے ان لوگوں پر رد کیا ہے جو بندوں کو اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ بندوں کو اپنے افعال کا خالق بتانا گویا خالق کا ضد اور ند ٹھہرانا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لا تجعلوا لله أندادا﴾، انداد جمع ہے ند کی، ند اور ندید کہتے ہیں اس مشارک کو جو شریک ہو اپنے مشارک کے ساتھ اسکے جوہر میں، اور مثل کہتے ہیں اسکو جو دوسرے کیساتھ مماثل ہو چاہے اسکے جوہر میں شریک ہو یا نہ ہو۔

علامہ کرمانی نے بھی مسئلہ کی یہ تقریر کی ہے اور اسکے آگے یہ لکھا ہے کہ اس سے جہمیہ اور مجبرہ اور قدریہ کا رد ہو گیا، جہمیہ مجبرہ انسان کو مجبور محض مانتے ہیں اور قدریہ مختار مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے ﴿لا تجعلوا لله أندادا﴾، اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اس سے قدریہ کی تردید ہو گئی جو غیر اللہ کو اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں اور مجبرہ کی بھی تردید ہو گئی اس واسطے کہ اللہ نے فرمایا کہ اسکے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، اسکا مماثل نہ بناؤ، لہذا اگر مماثل نہ بنایا جائے تو کوئی حرج نہیں، اور **اگر** کاسب بنایا جائے کہ انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، دوسرے لا تجعلوا فرمایا کہ نہ **کرد** تم، فعل کی نسبت انسانوں کی طرف کی گئی، معلوم ہوا کہ انسان کچھ کرتے ہیں مجبور محض نہیں ہیں، لہذا جہمیہ مجبرہ کا یہ کہنا کہ انسان مجبور و مضطر ہے غلط ہے، دونوں کی تردید ہو گئی۔

لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے ایک مشہور مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو مسئلہ فرق بین التلاوۃ والمتلو سے مشہور ہے، حاصل اسکا یہ ہے کہ آیا تلاوتِ تالی اور اس امر کے درمیان جسکو وہ پڑھتا ہے جسے متلو کہتے ہیں، اسی طرح قرأتِ قاری اور اس امر کے درمیان جس کو وہ پڑھتا ہے جسے مقرو کہتے ہیں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ یا یوں کہو کہ تلاوت و متلو اور قرأت و مقرو ایک ہے؟

اس مسئلہ میں حقیقت یہ ہے کہ بہت باریکی اور نزاکت ہے، بعضوں نے بہت زیادہ غلو کیا اور یہ کہدیا کہ تلاوت و متلو کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جو تلاوت ہے وہی متلو ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ تلاوت اور متلو کے درمیان فرق ہے، تلاوت انسان کا اپنا فعل ہے اور متلو وہ کلام ہے جو حق تعالیٰ شانہ نے نازل فرمایا اور کلام حق تعالیٰ شانہ کی صفت ہے۔

امام بخاری نے اس مضمون پر بڑا زور دیا ہے اور اخیر تک جتنے ابواب آرہے ہیں اگرچہ ضمناً بہت سی باتیں اس میں کہتے جاتے ہیں لیکن اس مضمون کی طرف اشارہ ضرور کرتے جاتے ہیں کیونکہ امام بخاری کو اس میں بڑا امتحان اور ابتلاء پیش آیا تھا جسکی میں وضاحت کرتا ہوں۔

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں مختلف طریقوں سے اس قصہ کو نقل کیا ہے جس کو میں ترتیب وار اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔

۲۵۰ھ میں امام بخاری کی نیشاپور میں آمد کی اطلاع ہوئی تو وہاں کے مشہور محدث محمد بن یحیٰ ذہلی نے جو بخاری کے استاذ بھی تھے یہ فرمایا کہ کل ہم محمد بن اسماعیل کی ملاقات اور انکے استقبال کیلئے جائینگے، جو جانا چاہے چلے، ایک انبوہ کثیر جمع ہوگیا، امام مسلم فرماتے ہیں کہ دو تین مرحلہ بڑھ کر لوگوں نے امام بخاری کا استقبال کیا، میں نے کسی والی اور امیر و عالم کا ایسا استقبال کرتے ہوئے نہیں دیکھا، امام بخاری تشریف لائے تو نیشاپور میں جہاں بخاریین کا نزول تھا وہیں اپنے علاقہ کے رہنے والوں میں فروکش ہوئے، امام محمد بن یحیٰ ذہلی نے یہ فرمایا کہ اذھبوا الی الرجل الصالح فاسمعوا منہ اس رجل صالح کے پاس جاؤ اور ان سے احادیث سنو، لوگ جانے لگے، مگر ہوا یہ کہ محمد بن یحیٰ ذہلی کی مجلس پھیکی پڑگئی۔

بعض اہل نظر کا بیان ہے کہ محمد بن یحیٰ ذہلی نے امام بخاری پر تنقید و تبصرہ کرنا شروع کیا، بعضوں نے

یہ بیان کیا کہ محمد بن یحیٰ ذہلی نے یہ فرمایا تھا کہ دیکھو وہاں ان سے حدیثیں تو حاصل کرنا لیکن علم کلام کے متعلق کوئی سوال نہ کرنا کیوں کہ اگر ہمارے خلاف کوئی بات کہدی تو یہاں جتنے ناصبی اور جہمی اور رافضی ہیں سب خوش ہوں گے اور شماتت کا اظہار کرینگے، لیکن قاعدہ ہے الإنسان حریص فیما منع دو تین دن ہی گذرنے پائے تھے کہ ایک آدمی نے یہ پوچھا کہ آپ کی رائے الفاظِ عباد کے بارہ میں کیا ہے؟ امام بخاری نے اعراض کیا لیکن جب وہ سوال کرتا ہی رہا تو فرمایا ألفاظنا من أفعالنا و أفعال العباد مخلوقة، اس نے شور کرنا شروع کر دیا کہ بخاری لفظی بالقرآن مخلوق کہہ رہے ہیں۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ سائل نے پوچھا ماتقول فی اللفظ بالقرآن؟ امام بخاری اعراض کرتے رہے، تیسری مرتبہ امام بخاری نے ارشاد فرمایا: القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و ألفاظنا من أفعالنا و أفعال العباد مخلوقة، بس اس نے یہ شور کیا کہ بخاری لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ امام بخاری نے یہ لفظ بالکل نہیں کہا تھا، ہاں وہ یہ کہتے تھے کہ افعال عباد مخلوق ہیں اور الفاظ افعال عباد میں سے ہیں لہذا وہ بھی مخلوق ہیں، اور امام بخاری نے اس سلسلہ میں رائے کو دخیل نہیں ٹھہرایا بلکہ انہوں نے دلیل پیش کی اور یہ فرمایا کہ حضرت حذیفہؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں: إن رسول اللہ ﷺ قال: إن اللہ یصنع کل صانع و صنعته، رواہ البخاری فی خلق أفعال العباد و من طریقه أخرجه الخطیب فی تاریخه و غیرہ، اور بخاری فرماتے ہیں میں نے عبید اللہ بن سعید یعنی ابو قدامہ سرخسی سے سنا وہ یحیٰ بن سعید سے نقل کرتے تھے کہ مازلت أسمع أصحابنا أن أفعال العباد مخلوقة، محمد بن نعیم فرماتے ہیں میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ کی ایمان کے بارہ میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ الإیمان قول و عمل، و یزید و ینقص، و القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، و أفضل أصحاب محمد ﷺ أبو بکر رضی اللہ عنہ ثم عمر رضی اللہ عنہ ثم عثمان رضی اللہ عنہ ثم علی رضی اللہ عنہ، علی هذا أعیش و علیه أموت۔

بہر حال امام بخاری کی طرف لفظ بالقرآن کا مسئلہ منسوب کیا گیا، ابن عدی نے نقل کیا کہ بعض مشائخ فرماتے تھے کہ امام بخاری کی وجہ سے جب بعض مشائخ وقت کی مجلس پھیکی پڑ گئی تو انہوں نے امام بخاری پر تنقید و تبصرہ کرنا شروع کر دیا، حاکم وغیرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن یحیٰ ذہلی نے یہ کہہ دیا کہ محمد بن اسماعیل

لفظی بالقرآن مخلوق کہتے ہیں اور اب جو شخص وہاں جائے یہ سمجھو کہ وہ ان کا ہم مسلک ہے اور جو ان کے یہاں جائے وہ میرے پاس نہ آئے، بس بر سر مجلس امام مسلم اور ان کے تلمیذ احمد بن سلمہ اٹھ گئے، امام مسلم نے اپنی چادر اور عمامہ سنبھال لیا اور وہاں سے چل دئے اور جتنی حدیثیں محمد بن یحی ذہلی سے لکھی تھیں سب ایک جمّال کے حوالہ کر کے ان کے گھر بھجوادیں، پھر کیا تھا محدث یحی ذہلی سخت برہم ہو گئے۔

یوں کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد ہی محمد بن یحی ذہلی نے یہ فرمایا لایساکننی هذا الرجل فی البلد، یہ آدمی شہر میں میرے ساتھ نہیں رہ سکتا ہے، احمد بن سلمہ کہتے ہیں میں امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے یہ کہا کہ محمد بن اسماعیل! یہ شخص پورے خراسان اور خاص طور سے اس شہر یعنی نیشاپور میں بڑا مقبول القول ہے اور اسکی وجہ سے ہم لوگ مصیبت میں ہیں تو امام بخاری نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ میرا نفس وطن لوٹنے سے اسلئے ابا کرتا ہے کہ وہاں مخالفین کی کثرت ہے، اور یہ شخص میرے ساتھ اسلئے حسد کرتا ہے کہ اللہ نے مجھے خاص نعمت سے نوازا ہے، دیکھو میں کل یہاں سے چلا جاؤنگا تاکہ تم لوگوں کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو، امام بخاری نیشاپور سے منتقل ہو گئے۔

یہ جو کہا گیا کہ امام بخاری لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل تھے اور محمد بن یحی ذہلی نے بخاری کی طرف منسوب کیا ہے یہ نقل غلط ہے، امام بخاری نے کہیں بھی لفظی بالقرآن مخلوق نہیں کہا ہے، وہ تو أفعال العباد مخلوقة و ألفاظنا من أفعالنا فرماتے رہے ہیں، بلکہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا ہے تو اسکی تردید فرمائی، چنانچہ ابو عمرو خفاف کہتے ہیں کہ ہم ابو اسحق قرشی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں محمد بن نصر مروزی تشریف فرما تھے اسی مسئلہ کا تذکرہ چلا تو محمد بن نصر مروزی نے فرمایا کہ میں نے خود بخاری سے سنا ہے کہ جو میری طرف لفظی بالقرآن مخلوق کی نسبت کرے تو وہ دروغ گو اور کذاب ہے، میں نے یہ لفظ کہا ہی نہیں۔

ابو عمرو خفاف کہتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور سیدھے امام بخاری کے پاس آیا پہلے تو ان سے کچھ احادیث کا مذاکرہ کیا، عالم کا قاعدہ یہ ہے کہ جب اسکے موضوع پر کلام کیا جائے تو اسکی طبیعت میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے، جب امام بخاری کو نشاط پیدا ہو گیا تو میں نے کہا کہ ابو عبداللہ! یہ جو آپ کی طرف سے نقل کرتے ہیں

کہ آپ نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا ہے اسکی کیا حقیقت ہے؟ تو فرمایا اے ابو عمرو! سن لو جو شخص اہل نیشاپور، رے، ہمدان، حلوان، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، بغداد کے لوگوں میں سے میری طرف سے یہ کلام نقل کرتا ہے وہ دروغ گو اور کذاب ہے، میں نے یہ لفظ (لفظی بالقرآن مخلوق) نہیں کہا ہے، میں تو یہ کہتا ہوں آفعال العباد مخلوقة وألفاظنا من أفعالنا۔

امام بخاری کی رائے تھی کہ قرآن جو اللہ کا کلام ہے وہ تو اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی طرح قدیم ہے لیکن انسانوں کے اپنے الفاظ جن الفاظ کے ذریعہ سے وہ قرآن پاک کو ادا کرتے ہیں وہ مخلوق ہیں اسلئے کہ انسان کے الفاظ اسکے افعال ہیں اور انسان مع اپنے افعال وصفات کے مخلوق ہے۔

مگر امام بخاری کی اس مسئلہ میں بڑی مخالفت کی گئی اور ان کو لفظیہ میں شمار کیا گیا یعنی جو لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل ہیں حالانکہ فرقہ لفظیہ معتزلہ کا ایک فرقہ ہے جو اصل میں قرآن پاک کے مخلوق ہونے کو طرح طرح سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ لفظی بالقرآن مخلوق و القرآن بلفظی مخلوق میں کیا فرق ہے؟ لہذا یہ کہتا تھا کہ القرآن بلفظی مخلوق، حالانکہ دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔

القرآن بلفظی مخلوق کا تو مطلب یہ ہے کہ قرآن جو میں اپنے الفاظ میں پڑھتا ہوں وہ قرآن مخلوق ہے اور یہ عین معتزلہ کا مسلک ہے اور لفظی بالقرآن مخلوق کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ جس کے ذریعہ سے ہم قرآن کو ادا کرتے ہیں وہ ہمارے الفاظ مخلوق ہیں، تو قرآن کا مخلوق ہونا اس میں ثابت نہیں کیا گیا مگر چونکہ لفظیہ اور معتزلہ دونوں میں فرق بیان نہیں کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ دونوں کا مطلب ایک ہے، اس واسطے لفظی بالقرآن مخلوق کہہ کر سکے ذریعہ سے اپنے عقیدہ کا پرچار کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل نے ان لوگوں پر بڑی شدت کے ساتھ نکیر کی، سب سے پہلے جس نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا ہے وہ امام شافعی کی کتب قدیمہ کا ناقل حسین بن علی کرابیسی ہے، امام احمد کو جب اس کا یہ قول معلوم ہوا تو اس کی تردید کی اور اس سے قطع تعلق کیا، اس کے بعد داؤد بن علی ظاہری نے یہ قول نیشاپور میں کہا، جب اسحق بن راہویہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس پر نکیر فرمائی اور جب داؤد ظاہری بغداد گئے تو امام احمد سے ملنے کی اجازت چاہی تو امام احمد نے اجازت نہیں دی اور فرمایا من داؤد؟ دوّد اللہ قلبہ، کون ہے داؤد؟ اللہ

اسکے قلب وپیٹ میں کیڑے ڈالدے، یوں کہتے ہیں بعض اہل تاریخ کہ داؤد ظاہری کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے تھے، اگرچہ وہ بہت بڑے عالم اور امام تھے لیکن امام احمد اللہ کے محبوب ومقبول بندے تھے، خدا کے راستے میں پیٹے گئے تھے اسلئے اس منظور خدا کی بددعا قبول ہوگئی، بہر حال امام احمد ان سے نہیں ملے۔

امام بخاری لفظی بالقران مخلوق تو نہیں کہتے تھے لیکن ان اکابر یعنی حسین کرابیسی اور داؤد ظاہری کا ان الفاظ سے جو مقصود تھا بخاری اس مقصود کے قائل تھے، کیونکہ حسین کرابیسی اور داؤد ظاہری معتزلہ کے ہم مسلک نہیں تھے قرآن کو مخلوق نہیں کہتے تھے، بلکہ ان کا اس کلام کے کہنے سے مقصود صرف یہ تھا کہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے وہ مخلوق نہیں لیکن ہمارے الفاظ جن سے ہم کلام کو پڑھتے ہیں وہ مخلوق ہیں، مگر معتزلہ اس لفظ کو لے کر یہ کہتے تھے کہ اس میں اور القرآن بلفظی مخلوق میں کیا فرق ہے؟ لہذا القران بلفظی مخلوق بھی صحیح ہے اور یہ کہہ کر وہ قرآن کے مخلوق ہونے کو ثابت کیا کرتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل نے اس پر نکیر فرمائی اور یہ کہا جو لفظی بالقرآن مخلوق کہتا ہے وہ جہمی ہے اور مبتدع ہے مگر ساتھ ساتھ وہ لفظی بالقرآن غیر مخلوق کہنے پر بھی نکیر فرمایا کرتے تھے اور اسکو بھی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے القرآن کیف مایتصرف کلام اللہ غیر مخلوق۔

اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ تلاوت ومتلو میں کوئی فرق نہیں ہے اور وہ متلو کی طرح تلاوت کو بھی قدیم مانتے ہیں اور بعض غلاۃ حنابلہ نے یہاں تک قدم بڑھادیا کہ یہ کہہ دیا کہ وہ مداد یعنی روشنائی اور وہ کاغذ جس پر قرآن پاک لکھا جاتا ہے وہ سب قدیم ہے بلکہ وہ الفاظ جن کے ذریعہ قرآن کو پڑھا جاتا ہے وہ بھی قدیم ہے، لیکن یہ نہ امام احمد نے فرمایا اور نہ امام احمد کے اصحاب کے ائمہ نے فرمایا جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسکی تصریح فرمائی ہے، یہ کسی غالی حنبلی ایسے شخص کا قول ہوگا جو غیر مشہور ہوگا اور امام بخاری کو ایسوں سے پالا پڑ گیا۔

امام بخاری نے ان کی تردید میں زور دکھایا اور یہ ثابت فرمایا کہ تلاوت ومتلو دو الگ الگ حقائق ہیں، تلاوت انسان کا اپنا فعل ہے اور متلو اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام ہے، تو امام احمد نے تلاوت ومتلو میں تفریق کو جو پسند نہیں کیا تھا اسکا مقصد اور تھا اور امام بخاری نے جو تفریق کو پسند کیا اسکا مقصد اور ہے۔

پہلے تلاوت ومتلو میں فرق کے مسلک کی تفصیل سن لو اور پھر دونوں کے مقاصد سنو۔

تلاوت ومتلو کے درمیان فرق ہے یا نہیں، اختلاف ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ بعض حضرات تفریق کے قائل ہیں اور بعض حضرات اس سلسلہ میں گفتگو کو پسند نہیں کرتے ہیں اور مقصد ان کا یہ ہے کہ کوئی ان کو قول بخلق القرآن کا ذریعہ نہ بنالے، اگر آپ تلاوت کو مخلوق کہہ دینگے تو کوئی جاہل آدمی یہ سمجھے گا کہ مراد متلو ہے لہذا جب تلاوت مخلوق ہے تو متلو بھی مخلوق ہوا۔

امام احمد نے اس تفریق کو پسند نہیں فرمایا اور ان کا صرف یہی مقصد تھا کہ کوئی آدمی تفریق کے ذریعہ خلق قرآن کا قول نہ اختیار کرے اور اسکو خلق قرآن کے قول کا ذریعہ نہ بنالے، امام احمد کا پالا ایسے لوگوں سے پڑا جو لفظي بالقرآن مخلوق کہہ کر اسکے ضمن میں قرآن کے مخلوق ہونے کا دعوی کرتے تھے، اسلئے انہوں نے اس پر نکیر فرمائی۔

اور امام بخاری کا پالا ایسے لوگوں سے پڑا جو یہ کہتے تھے کہ ہر چیز قدیم ہے، متلو بھی قدیم، تلاوت بھی قدیم، مصاحف بھی قدیم، اور وہ کاغذ بھی قدیم جس پر قرآن لکھا ہوا ہے، وہ روشنائی بھی قدیم جس سے قرآن پاک لکھا ہوا ہے، اسلئے امام بخاری نے کھل کر ان کی تردید فرمائی اور کتاب خلق افعال العباد میں نہایت وضاحت کے ساتھ تلاوت ومتلو کا فرق بار بار بیان کیا اور پھر جب کتاب الرد علی الجہمیۃ تصنیف فرمائی تو اس میں اس مسئلہ کی وضاحت کی۔

امام بخاری کا مزاج یہ ہے کہ جس مسئلہ میں پیچیدگی ہو اور لوگوں کے غلط فہمی میں واقع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ اسکو صاف نہیں کہتے مگر کہہ جاتے ہیں ایسے جیسے بالکل صاف ہے، اسلئے امام بخاری نے اس مدعی کے اثبات کیلئے اس باب سے متعدد تراجم منعقد فرمائے ہیں اور ہر ترجمہ کے اندر یہ بات ضرور نکلے گی کہ تلاوت ومتلو میں فرق ہے اگرچہ اسکے ضمن میں دوسری اور باتیں بھی ضمناً نکلتی رہیں گی اور امام بخاری اسکی طرف اشارے کرتے رہیں گے آخری کتاب تک، سوائے آخری باب کے جس میں میزان کا ذکر ہے یہی بات آخر تک کہتے چلے جائینگے۔

اب میں پھر ابتدا کی طرف لوٹتا ہوں، امام بخاری نے کتاب التوحید میں ذات اور صفات کا مسئلہ بیان کیا

اور صفات عقلیہ اور صفات سمعیہ اور صفات افعال سب کا تذکرہ فرمایا، اس کے ساتھ خاص طور سے صفات ذات میں صفت کلام پر زور دیا ہے، کیونکہ صفت کلام کے سلسلہ میں جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ نے مخالفت کی اور اس کو مخلوق قرار دیا، پھر اسکے بعد امام بخاری نے صفت کلام میں جو ظاہر نصوص سے سمجھ میں آتا ہے وہ طرز اختیار فرمایا یعنی کلام نوع واحد نہیں بلکہ انواع شتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں اور اس سے کلابیہ، ماتریدیہ، اشاعرہ وغیرہ کی تردید فرمائی جو اس بات کے مدعی ہیں کہ کلام اللہ اللہ کی ایک صفت ہے جو اسکی ذات کیلئے لازم ہے اور یہ صفت واحدہ ہے جسکے اندر تنوع نہیں، ہر وقت کلام کا اس سے ظہور وصدور ہوتا ہے لیکن لوگوں کو پتہ نہیں چلتا، جب اللہ تعالیٰ کسی کو چاہیں کہ پتہ چل جائے تو اس میں ادراک پیدا کر دیتے ہیں اشعری اور اسکے معتقدین کی رائے پر، اور ماتریدی کی رائے پر اللہ تعالیٰ شانہ اسکے اندر آواز پیدا کر دیتے ہیں جس سے کلامِ خداوندی مسموع ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ بیان فرمایا کہ تلاوت اور متلو کے درمیان فرق ہے، تلاوت اور چیز ہے اور متلو اور چیز ہے، تلاوت فعلِ تالی ہے اور متلو اللہ پاک کا کلام ہے، اچھی طرح سمجھ لو کہ مسئلہ کلام میں امام بخاری نے خلق قرآن کے قائلین کی بھی تردید فرمائی اور اسی طرح سے عام طور سے متکلمین کے مسلک کی بھی تردید فرمائی ہے لیکن صاف صاف نہیں کہا تاکہ لوگ خواہ مخواہ فتنہ نہ برپا کریں، اسی طرح امام بخاری نے لفظی بالقرآن مخلوق کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

لفظی بالقرآن مخلوق کے متعلق ایک بات ابھی ذہن میں آئی کہ حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والوں پر جو جہمی ہونے کا حکم لگایا ہے وہ اس وقت جبکہ اس سے مراد قرآن ہو، انہوں نے فرمایا کہ امام احمد نے جس کے اوپر جہمی ہونے کا اطلاق کیا ہے وہ وہ شخص ہے جو قرآن مراد لے، امام احمد فرماتے ہیں: من قال لفظی بالقرآن مخلوق یعنی به کلام الله فهو جهمي، واللہ اعلم۔

اس بات کے بعد تو غلاۃ حنابلہ کو کوئی راستہ ہی نہیں رہتا۔

﴿والذين لا يدعون مع الله إلٰهاً آخر﴾: امام بخاری غالباً جعل کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں جو اوپر کی آیتوں ﴿فلا تجعلوا لله أندادا﴾ اور ﴿وتجعلون له أندادا﴾ میں مذکور ہے یعنی جعل سے مراد دعاء

ہے یا بمعنی الںداء ہے یا بمعنی العبادۃ ہے یا بمعنی الاعتقاد ہے، امام احمد نے ان لوگوں پر جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں تردید فرمائی ہے کیونکہ خلق قرآن کے قائلین نے دعوی یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إنا جعلناه قرآنا﴾ ہم نے اسکو قرآن بنایا ہے، معلوم ہوا کہ قرآن مجعول ہے، بنایا ہوا ہے، مخلوق ہے، تو امام احمد نے ارشاد فرمایا کہ ﴿فلا تجعلوا لله أندادا﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ انداد پیدا کرتے ہیں، انداد کے خالق ہیں حالانکہ کوئی بھی اسکا قائل نہیں۔

اسی طرح امام احمد سے ان کی تردید میں یہ نقل کیا گیا کہ پھر ﴿فجعلهم كعصف مأكول﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ان چڑیاؤں نے ابرہہ اور اسکے لشکر کو **عصف** ماکول کی طرح پیدا کرڈالا، حقیقت یہ ہے کہ جعل کے معنی خلق کے ہے ہی نہیں، کہیں اگر قرائن سے جعل کے معنی خلق کے مراد ہوں تو ہر جگہ یہی معنی مراد لینا ضروری نہیں ہے۔

وماذكر في خلق أفعال العباد واكتسابهم: اور یہ باب اس بات کے بیان میں ہے جو خلق افعال عباد کے بارہ میں وارد ہوئی ہے۔

امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ افعال عباد مخلوق ہیں اور چونکہ تلاوت افعال عباد میں سے ہے لہذا وہ بھی مخلوق ہے اور متلو اللہ کا کلام ہے وہ غیر مخلوق ہے۔

امام بخاری نے اس مدعی کو ﴿فلا تجعلوا لله أندادا﴾ اور اس جیسی نصوص سے جس میں تشریک کی نفی کی گئی ہے ثابت فرمایا ہے اور اسکی تقریر یہ ہے کہ اصل میں ان آیات اور نصوص میں اللہ کے لئے اشراک اور تمثیل و شریک ٹھہرانے پر نکیر فرمائی گئی ہے، اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ افعال عباد عباد کے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں ان پر تو صراحۃً اس سے تردید ہوتی ہے کہ وہ عباد کو اللہ کا مثل اور ند ٹھہراتے ہیں۔

لیکن اگر ترجمہ کا مقصد تلاوت اور متلو کے درمیان فرق کرنا ہے تو یہ مضمون یوں ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ تلاوت و متلو کے درمیان فرق نہیں کرتے اور تلاوت کو عین متلو قرار دیتے ہیں اور متلو قدیم اور اللہ کی صفت ہے اور تلاوت انسان کا فعل ہے تو اس انسان کے فعل کو مماثل صفت رب قرار دے رہے ہیں اور صفت

رب قدیم ہے، اور اللہ کی مع اسکی ذات وصفات کے پرستش کی جاتی ہے تو گویا غیر صفت رب کو صفت رب قرار دیکر اور اسکو قدیم بنا کر اللہ کا مثیل بنادیا اور اسکی بھی پرستش کی جارہی ہے، واللہ اعلم۔

﴿وخلق كل شئ﴾ الآيه: یہ جتنی نصوص ذکر کی گئی ہیں سب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فعل مخلوق ہے اور دوسرا کلام اللہ ہے، فعل مخلوق کلام اللہ پر وارد ہوتا ہے، تبلیغ کا تعلق کلام سے ہے عمل کا تعلق کلام سے ہے، مگر عمل اور تبلیغ وغیرہ سب انسان کے افعال ہیں۔

۷۵۲۰- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا جرير، عن منصور، عن أبي وائل، عن عمرو بن شرحبيل، عن عبد الله، قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم، أي الذنب أعظم عند الله؟ قال: أن تجعل لله ندا، وهو خلقك، قلت: إن ذلك لعظيم، قلت: ثم أي؟ قال: ثم أن تقتل ولدك تخاف أن يطعم معك، قلت: ثم أي؟ قال: ثم أن تزاني بحليلة جارك.

(ص۱۱۲۲) باب قول الله تعالى ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ﴾ الآية

اس ترجمۃ الباب کی غرض میں اختلاف ہے کہ امام بخاری اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ اس میں شراح کے تین قول ہیں اور میرا چوتھا قول ہے (۱) علامہ ابوالحسن ابن بطال اور علامہ ابن ملقن نے ان کا اتباع کیا ہے فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود اللہ کی صفت سمع کو ثابت کرنا ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ صفت سمع تو ماقبل میں ص۱۰۹۹ باب قولہ تعالیٰ وکان اللہ سمیعا بصیرا سے ثابت فرماچکے ہیں پھر دوبارہ اسی کے تکرار کی کیا ضرورت تھی؟ (۲) علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ باب سے مقصود اللہ کی صفت علم و سمع کو ثابت کرنا ہے، اس پر بھی وہی اشکال ہے کہ دونوں کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے (۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی غرض اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں اور مذکورہ حدیث اسکی واضح دلیل ہے، اور یہ مسئلہ مختلف فیہ مسائل میں سے ہے۔

حنابلہ اور انکے امام امام احمد کی تو یہی رائے ہے کہ إن الله تعالىٰ يتكلم متى شاء لیکن ماتریدیہ، کلابیہ،

اشعریہ سب کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہر وقت کلام کرتے ہیں کیونکہ کلام اسکی صفت ذاتی ہے، ذاتی ذات سے منفک نہیں ہوتی ہے لہذا کلام اس سے منفک نہیں ہوتا ہے، لازم لذات اللہ ہے، البتہ اسکا کلام مسموع نہیں ہوتا ہے، جب اللہ سنانا چاہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں، یہ اتنا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں، بس سلف صالح کا طرز زیادہ آسان ہے القرآن کلام اللہ صفة من صفاته غیر مخلوق، آگے زیادہ فضولیات میں پڑ کے آدمی بہت سی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے، زیادہ بحث نہیں کرنی چاہئے مگر روایات و نصوص سے امام احمد کی ہی زیادہ تائید ہوتی ہے اور متکلمین کے کلام کی توجیہ و تاویل کرنی پڑتی ہے، متکلمین نے جو کچھ کہا ہے معتزلہ اور یونانیین کے کلام سے دب کر کہا ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۴) میرا اپنا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ سے بھی اپنے اسی مقصد کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے کہ تلاوت و متلو میں فرق ہے اور وہ اس طرح کہ کلام اللہ تعالیٰ کا وصف ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وما كنتم تستترون أن يشهد عليكم﴾ الآیة یعنی تم لوگ چھپ نہیں سکتے ہو کہ تمہارے سمع و بصر اور تمہارے جلود تم پر شہادت دینگے لیکن تم کو یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں نہیں جانتا ہے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کچھ لوگ قرشی اور ثقفی نے یوں کہا تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر بات سن لیتے ہیں، دوسرے نے کہا اگر زور سے بولیں تو سن لیتے ہیں اور آہستہ بولیں تو اللہ نہیں سنتے ہیں، تیسرے نے کہا اگر زور کی بات سنتا ہے تو مخفی بات بھی سنتا ہوگا، بہر حال جب سنتا ہے تو ہر بات ہی کو سنتا ہے۔

امام بخاری اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں افعال عباد کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ ﴿وما كنتم تستترون أن يشهد عليكم﴾ الآیة استتار اور عمل کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے اور بندوں کی طرف جس کی اضافت کی گئی ہے وہ بندوں کے اوصاف ہیں اور بندوں کے اوصاف بندوں کی طرح مخلوق ہیں اور بندوں کے ہی اوصاف میں تلاوت بھی ہے، لہذا تلاوت بھی بندوں کی طرح مخلوق ہوگی، اور متلو مخلوق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو اللہ کا وصف اور اسکا کلام ہے فثبت الفرق۔

مگر بخاری نے تصریح نہیں کی، بہت لطیف طریقہ سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اعمال کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے اور بندے مع اپنے اوصاف کے مخلوق ہیں اور ان کے اوصاف میں سے ان کے افعال بھی ہیں

اور ان افعال میں تلاوت بھی داخل ہے تو تلاوت جب مخلوق ہے تو لا محالہ متلو سے الگ ہوگی، فإن المتلو کلام اللہ غیر مخلوق۔

۷۵۲۱- حدثنا الحمیدي، حدثنا سفیان، حدثنا منصور، عن مجاهد، عن أبي معمر، عن عبداللہ رضي اللہ عنه، قال: اجتمع عند البیت ثقفیان وقرشي - أو قرشیان وثقفي - کثیرة شحم بطونهم، قلیلة فقه قلوبهم، فقال أحدهم: أترون أن اللہ یسمع ما نقول؟ قال الآخر: یسمع إن جهرنا ولا یسمع إن أخفینا، وقال الآخر: إن کان یسمع إذا جهرنا، فإنه یسمع إذا أخفینا، فأنزل اللہ تعالی: ﴿وما کنتم تستترون أن یشهد علیکم سَمۡعُكُمۡ وَلَآ أَبۡصَٰرُكُمۡ وَلَا جُلُودُكُمۡ﴾ الآیة.

کثیرة شحم بطونهم قلیلة فقه قلوبهم: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ الفطنة ماتکون مع البطنة، جو آدمی پیٹو ہوتا ہے اس کے پاس عقل کم ہوتی ہے، امام شافعی سے منقول ہے ما رأیت سمینا عاقلا إلا محمد بن الحسن، میں نے کسی موٹے کو عاقل نہیں دیکھا سوائے امام محمد بن حسن کے، لیکن اس موٹاپے سے مراد وہ موٹاپا ہے جو انسان کھا کھا کر حاصل کرتا ہے اور اگر ویسے ہی آدمی میں موٹاپا آجائے تو وہ اور بات ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم کتنے موٹے تھے؟ اتنے موٹے تھے پہلے کہ کوئی حد ہی نہیں، حضرت کی رانیں کسی کے بس میں تھوڑے ہی آتی تھیں بلکہ پنڈلیاں بھی بس میں نہیں آتی تھیں، اور جتنے عاقل ہیں دنیا جانتی ہے، مگر کھاتے زیادہ نہیں ہیں، حضرت جب علی گڑھ آنکھ دکھانے گئے تو ڈاکٹر کہنے لگے آپ چودہ پندرہ کیلے کھالیتے ہوں گے اور یہ یہ چیز کھالیتے ہوں گے حضرت نے فرمایا ایک بھی چیز نہیں کھاتا اور ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ اتنے موٹے کیوں ہیں، حضرت کی طبیعت بہت معتدل ہے ایسی معتدل طبیعت دیکھی نہیں گئی یعنی طبی اصول کے بالکل مطابق ہے، واللہ اعلم۔

(ص ۱۱۲۲) باب قول اللہ تعالیٰ ﴿كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِي شَأۡنٖ﴾

و﴿مَا يَأۡتِيهِم مِّن ذِكۡرٖ مِّن رَّبِّهِم مُّحۡدَثٍ﴾، وقوله تعالی: ﴿لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذَٰلِكَ أَمۡرٗا﴾ وأن حدثه لا یشبه حدث المخلوقین لقوله تعالی: ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ

البَصِيرُ﴾ وقال ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله يحدث من أمره ما يشاء، وإن مما أحدث أن لا تكلموا في الصلاة.

اللہ تعالیٰ ہر دن ایک شان میں ہیں، ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ﴾، جب ان کے پاس کوئی ذکر محدث آتا ہے تو وہ اس حال میں سنتے ہیں کہ وہ لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں۔

امام بخاری کا اس ترجمۃ الباب سے کیا مقصود ہے؟ غور سے سنیے! علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو مخلوق کہنا جائز نہیں لیکن محدث کہنا جائز ہے، علامہ کرمانی وغیرہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ بعض اہل ظاہر اور بعض معتزلہ کا قول ہے، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ مخلوق وحادث کے درمیان نہ عقلاً فرق ہے نہ نقلاً فرق ہے نہ عرفاً فرق ہے، تو امام بخاری بھلا اس پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں کہ خدائے پاک کے کلام کو مخلوق کہنا جائز نہ قرار دیں اور محدث کہنا جائز قرار دیں، بلکہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن کی طرف جو حدث کی نسبت کی گئی ہے وہ باعتبار انزال کے ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن حدیث الانزال ہے، نجماً فنجماً بیت العزۃ سے اتارا گیا ہے تو چونکہ اسکا نزول حادث ہے اسلئے اسکی طرف حدث کی نسبت کردی گئی، نہ اس لحاظ سے کہ خدانخواستہ قرآن پاک محدث اور حادث ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ سے ابو اسماعیل ہروی نے کتاب الفاروق میں نقل کیا ہے کہ حرب کرمانی کہتے ہیں کہ میں نے اسحق بن ابراہیم یعنی ابن راہویہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ﴾، الآیۃ اس سے تو بظاہر قرآن کا محدث ہونا معلوم ہوتا ہے تو فرمایا: **قديم من رب العزة محدث إلى الأرض**، رب العزۃ کی طرف سے قدیم ہے اور محدث الی الارض ہے، لہٰذا یہاں احداث سے مراد احداث فی النزول ہے، امام بخاری کے سلف یہی اسحق بن راہویہ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اسحاق بخاری کے استاذ ہیں۔

اور ممکن ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کلام فرماتا ہے یعنی جب چاہتا ہے اپنے کلام کو ظاہر فرمادیتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے یہ ہے کہ محدث و مخلوق میں فرق ہے اور امام بخاری محدث و مخلوق میں فرق مانتے ہیں، مخلوق کی اضافت کلام اللہ کی طرف ناجائز سمجھتے ہیں اور محدث کی اضافت کو جائز سمجھتے ہیں، اور

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مخلوق تو اسے کہتے ہیں جو منفصل ہو اور محدث کا اطلاق منفصل پر نہیں ہوتا، چنانچہ دیکھو اگر کوئی یہ کہے قام زید و قعد عمرو تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ إنه خلق القیام أو القعود، اسلئے کہ قیام اور قعود اسکے ساتھ لاحق و ثابت ہے بخلاف مخلوق کے کہ وہ خالق سے منفصل ہوتی ہے۔

اللہ کے کلام کے محدث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے ظاہر ہوتا ہے اس سے منفصل اور جدا نہیں ہے بخلاف مخلوقات کے کہ وہ اللہ سے منفصل اور جدا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے، لیکن شاہ صاحب نے جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کچھ بخاری کی رائے یہی معلوم ہوتی ہے، یوں کہتے ہیں و أن حدثه لا یشبه حدث المخلوقین، اللہ کا حدث مخلوقین کے حدث کے مشابہ نہیں ہے، معلوم ہوا کہ مخلوقین کا حدث تو خلق کو چاہتا ہے اور اللہ کا حدث خلق کو نہیں چاہتا ہے، لہٰذا اگر حدث کی اضافت مخلوق کی طرف ہو تو وہاں تو حادث کا مخلوق ہونا ضروری ہے کہ محدث بمعنی المخلوق ہوا، لیکن حدث کی اضافت اگر اللہ کی طرف کی جائے تو وہاں اسکا مخلوق ہونا لازم نہیں آتا ہے، اور کیوں لازم نہیں آتا؟ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف حدث کی اضافت کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اسکا ظہور ہوتا ہے جیسے ایک فعل کیا جائے تو فاعل سے اسکا ظہور ہوتا ہے ایسے ہی حق تعالیٰ شانہ جب کلام فرماتے ہیں تو کلام اللہ کا اللہ سے ظہور ہوتا ہے۔

اور یہ اصل میں سب وہی مسلک ہے جسکے حضرات حنابلہ قائل ہیں کہ اللہ جب چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں، کلام اسکی صفت ذاتیہ ہے اسکے ساتھ قائم ہے جیسے علم اسکی صفت ذاتیہ ہے اور اسکے ساتھ قائم ہے، لیکن اس کلام کا جب اللہ چاہتا ہے اظہار فرماتا ہے، اور یہ نوع واحد نہیں بلکہ انواع مختلفہ ہے مگر امام بخاری اس طرح کے مسائل میں اظہار کو پسند نہیں فرماتے تلمیح اور اشارہ اور رموز پر اکتفا فرماتے ہیں۔

۷۵۲۲- حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا حاتم بن وردان، حدثنا أیوب، عن عکرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: کیف تسألون أهل الکتاب عن کتبهم، وعندکم کتاب الله، أقرب الکتب عهدا بالله، تقرءونه محضا لم یشب.

أقرب الکتب عهدًا بالله: یہی روایت کتاب الاحکام میں گذری ہے اس میں ہے أحدث الأخبار

باللہ تعالیٰ، یہ لفظ مصنف کے ترجمہ کے زیادہ لائق و مناسب ہے۔

تقرءونه محضا لم يشب: خالص پڑھتے ہو اس میں کوئی خلط ملط نہیں۔

۷۵۲۳- حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، أخبرني عبيد الله بن عبد الله، أن عبد الله بن عباس، قال: يا معشر المسلمين، كيف تسألون أهل الكتاب عن شيء، وكتابكم الذي أنزل الله على نبيكم صلى الله عليه وسلم أحدث الأخبار بالله، محضا لم يشب، وقد حدثكم الله: أن أهل الكتاب قد بدلوا من كتب الله وغيروا، فكتبوا بأيديهم الكتب، قالوا: هو من عند الله ليشتروا بذلك ثمنا قليلا. أولا ينهاكم ما جاءكم من العلم عن مسألتهم؟ فلا والله، ما رأينا رجلا منهم يسألكم عن الذي أنزل عليكم.

(ص ۱۱۲۲) باب قول الله ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾

وفعل النبي صلى الله عليه وسلم حين ينزل عليه الوحي وقال أبو هريرة: عن النبي صلى الله عليه وسلم: قال الله تعالى: أنا مع عبدي حيثما ذكرني وتحركت بي شفتاه.

امام بخاری اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے تلاوت و متلو اور قرأت و مقروء کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں کہ ایک تو قرآن پاک ہے اور ایک حضور ﷺ کا فعل ہے، آپ کا اپنی زبان کو حرکت دینا ہے جو آپ کا فعل ہے اور حضور اکرم ﷺ مع اپنی ذات و فعل کے مخلوق ہیں اور قرآن اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے غیر مخلوق ہے فثبت الفرق۔

وتحركت بي شفتاه: بی أی بذکری و باسمی و بکلامی، معلوم ہوا کہ تحریک شفتین انسان کا اپنا فعل ہے۔

۷۵۲٤- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا أبو عوانة، عن موسى بن أبي عائشة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس في قوله تعالى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يعالج من التنزيل شدة، وكان يحرك شفتيه - فقال لي ابن عباس: فأنا أحركهما لك كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحركهما، فقال سعيد: أنا أحركهما كما كان ابن عباس يحركهما، فحرك شفتيه - فأنزل الله عز وجل: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾، قال: جمعه في صدرك ثم

تقرؤه، ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ قال: فاستمع له وأنصت، ثم إن علينا أن تقرأه، قال: فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أتاه جبريل عليه السلام استمع، فإذا انطلق جبريل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما أقرأه.

(ص ۱۱۲۳) باب قول الله ﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ﴾

﴿يَتَخَافَتُونَ﴾ يتسارّون

اس ترجمہ کے مقصد میں اختلاف ہے، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری اللہ کی صفت علم کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علم اللہ کی صفت ذاتیہ ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جہر بالقول اور سرّ بالقول سب کو برابر جانتے ہیں ﴿سواء منكم من أسرّ القول ومن جهر به﴾۔

لیکن علامہ ابن منیر ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے ترجمہ کا یہ مقصد نہیں، اگر امام بخاری کا یہ مقصود ہو تو ترجمہ مکرر ہو جائیگا، امام بخاری نے صفت علم کو ص ۱۰۹۷ پر مستقل ترجمہ باب قول اللہ ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا﴾ کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے تو پھر دوبارہ اسکو ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور فرماتے ہیں کہ اگر اس باب سے، صفت علم کا اثبات مقصود ہو تو امام بخاری کے مقاصد میں تقاطع یعنی تخالف پیدا ہو جائیگا، کہ بیچ میں مناسبت نہیں رہے گی بلکہ اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ سے مسئلۃ اللفظ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو امام بخاری کے امتحان کا سبب بنا جسکی وجہ سے امام کو مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں، گویا اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تلاوت اور چیز ہے اور متلو اور چیز ہے، تلاوت ہی جہر و سر کے ساتھ متصف ہوتی ہے اور متلو ایک ہے جہر و سر میں بدلتا نہیں، ایک آدمی کہتا ہے زور سے ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ دوسرا آہستہ سے کہتا ہے ﴿الحمد لله رب العلمين﴾، تو ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ جو کلام خدا ہے ہر حال میں ایک رہا، اور جہر و سر میں جو فرق ہوا ہے وہ قائل کے قول اور پڑھنے والے کے جہر و سر سے پیدا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ تلاوت اور چیز ہے اور متلو اور چیز ہے، متلو میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تلاوت میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

۷۵۲۵- حدثني عمرو بن زرارة، عن هشيم، أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس

رضي الله عنهما: في قوله تعالى: ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾، قال: نزلت ورسول الله صلى الله عليه وسلم مختف بمكة، فكان إذا صلى بأصحابه رفع صوته بالقرآن، فإذا سمعه المشركون، سبوا القرآن ومن أنزله ومن جاء به، فقال الله لنبيه صلى الله عليه وسلم: ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ﴾: أي بقراءتک فيسمع المشركون فيسبوا القرآن ﴿وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ عن أصحابک فلا تسمعهم ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾.

٧٥٢٦- حدثنا عبيد بن إسماعيل، حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها، قالت: نزلت هذه الآية ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ في الدعاء.

٧٥٢٧- حدثنا إسحاق، حدثنا أبو عاصم، أخبرنا ابن جريج، أخبرنا ابن شهاب، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من لم يتغن بالقرآن، وزاد غيره: يجهر به.

لیس منا من لم یتغنّ بالقرآن: ایک تو ہے قرآن اور ایک ہے تغنّی یعنی اسکو لے سے پڑھنا، قرآن تو وہی رہا اور لے سے پڑھنا اور جہر سے پڑھنا یہ تالی کا اپنا فعل اور وصف ہے۔

(ص ۱۱۲۳) باب قول النبی ﷺ رجل أتاه الله القرآن، الخ

رجل آتاه الله القرآن فهو يقوم به آناء الليل وآناء النهار، ورجل يقول: لو أوتيت مثل ما أوتي هذا فعلت كما يفعل.

فبيّن الله أن قيامه بالكتاب هو فعله، وقال: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ﴾، وقال جل ذكره: ﴿وَافْعَلُوا الخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

امام بخاری کے اس ترجمہ کی غرض علامہ کرمانی کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ افعالِ عباد جیسے مخلوق ہیں ایسے ہی اقوال عباد بھی انہی کی طرف منسوب ہیں اور مخلوق ہیں، علامہ فرماتے ہیں کہ باب سابق کے اعتبار سے یہ تعمیم بعد التخصیص ہے، علامہ ابن منیر فرماتے ہیں کہ احادیث باب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قراءت قاری کا فعل ہے اور اسی کو تغنّی کہا جاتا ہے اور یہی حق ہے اعتقاداً نہ کہ اطلاقاً، تاکہ کوئی آدمی گمراہی میں ابہام

کی وجہ سے مبتلا نہ ہو جائے اور بدعت میں داخل نہ ہو، اور امام بخاری سے صاف طور سے ثابت ہے من نقل عنی لفظی بالقرآن مخلوق فقد کذب علیّ، إنما قلت أفعال العباد مخلوقة، اور فرماتے ہیں قد قارب الإفصاح فی هذه الترجمة بما رمز إليه فی التی قبلها، امام بخاری نے اس ترجمہ میں اس مضمون کو تقریباً صاف بیان کر دیا ہے جسکی طرف ترجمۂ سابقہ میں رمز و اشارہ سے کام لیا تھا اور وہ کیا ہے تلاوت و متلو کے درمیان فرق کرنا، اسلئے کہ یوں فرمایا آتاه الله القرآن فهو يقوم به آناء الليل و آناء النهار، اللہ نے بندہ کو قرآن دیا ہے اور قرآن کے ساتھ بندہ قائم ہوتا ہے صبح و شام یعنی پڑھتا رہتا ہے، تو بندہ کا صبح و شام پڑھنا یہ اس کا اپنا فعل ہے اور قرآن تو اللہ کا کلام ہے۔

فبيّن أن قيامه بالكتاب هو فعله: اللہ نے بیان کر دیا کہ قیام بالکتاب یہ بندہ کا اپنا فعل ہے اور کتاب جو قرآن ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔

واختلاف ألسنتكم وألوانكم: تمہارے السنہ کا اختلاف یہ اللہ کی مخلوقات میں سے ہے، لہذا تماری زبان سے ادا ہونے والا فعل تمہارا اپنا فعل ہے لیکن اسکے اندر جس چیز کو تم ادا کرتے ہو وہ اور چیز ہے اور وہ اللہ کا کلام ہے۔

﴿وافعلوا الخير لعلكم تفلحون﴾: تم خیر کرتے رہو، خیر کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے اور اصوات عباد اور ان کی تلاوت بندوں کے افعال ہیں۔

۷۵۲۸- حدثنا قتيبة، حدثنا جرير، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تحاسد إلا في اثنتين: رجل آتاه الله القرآن فهو يتلوه آناء الليل وآناء النهار، فهو يقول: لو أوتيت مثل ما أوتي هذا لفعلت كما يفعل، ورجل آتاه الله مالا فهو ينفقه في حقه، فيقول: لو أوتيت مثل ما أوتي عملت فيه مثل ما يعمل.

۷۵۲۹- حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا سفيان، قال الزهري: عن سالم، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا حسد إلا في اثنتين: رجل آتاه الله القرآن فهو يتلوه آناء الليل وآناء النهار، ورجل آتاه الله مالا فهو ينفقه آناء الليل وآناء النهار سمعت سفيان مرارا، لم أسمعه يذكر الخبر، وهو من صحيح حديثه.

سمعت من سفیان مرارا: یعنی سفیان جو روایت نقل کرتے تھے وہ قال قال الزھری نقل کرتے تھے، کہیں انہوں نے اخبار اور تحدیث کی تصریح نہیں کی، باقی انہوں نے تدلیس سے کام نہیں لیا ہے، یہ ان کی احادیث صحیحہ میں سے ہے، یہ سارا مقولہ حضرت امام علی بن مدینی کا ہے۔

(ص ۱۱۲۳) باب قول الله ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾

وقال الزهري: من الله الرسالة، وعلى رسول الله صلى الله عليه وسلم البلاغ، وعلينا التسليم وقال الله تعالى: ﴿لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ﴾، وقال تعالى: ﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي﴾ وقال كعب بن مالك: حين تخلف عن النبي صلى الله عليه وسلم: ﴿فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾، وقالت عائشة: إذا أعجبك حسن عمل امرئ فقل: ﴿اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ ولا يستخفنك أحد، وقال معمر: ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ﴾ هذا القرآن، ﴿هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ بيان ودلالة، كقوله تعالى: ﴿ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ﴾ هذا حكم الله ﴿لَا رَيْبَ﴾ لا شك، ﴿تِلْكَ آيَاتُ﴾ يعني هذه أعلام القرآن، ومثله ﴿حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾ يعني بكم، وقال أنس: بعث النبي صلى الله عليه وسلم خاله حراما إلى قومه، وقال: أتؤمنوني أبلغ رسالة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فجعل يحدثهم.

امام بخاری کی غرض کیا ہے؟ صاحب خیر جاری علامہ ابو یوسف بنانی اور علامہ ابوالحسن سندی کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمہ سے مسئلہ رسالت و نبوت کو ثابت کیا ہے، چونکہ عقائد میں جیسے اللہ کی ذات و صفات ہیں ایسے ہی عقائد میں رسالات و نبوت کا مسئلہ ہے، لہذا شہادتین کے ایک جزء یعنی توحید کے متعلق کلام کر چکے تو اب شہادتین کے دوسرے جزء یعنی رسالت کے متعلق کلام کرتے ہیں اور یہ ثابت فرمانا چاہتے ہیں کہ رسالت اللہ تعالیٰ شانہ اپنی طرف سے اپنے بندوں پر نازل فرماتے ہیں اور بعض مخصوص بندوں کو منتخب فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کے پیغامات کو اللہ سے لے کر اسکے بندوں تک پہنچائیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ان سب کے باوجود اس باب سے بھی اپنے اس مخصوص مسئلہ کی طرف جسکی طرف وہ

بار بار اشارہ کرتے چلے آئے ہیں غفلت نہیں کی ہے، اس سے بھی تلاوت و متلو کے فرق کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ اس طور پر کہ اللہ میاں فرماتے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾، اے اللہ کے رسول جسکو آپ پر نازل کیا گیا آپ اسکی تبلیغ کردیں، تبلیغ الرسول کیا ہے؟ قرآن پاک کو لوگوں پر پڑھ دینا، اسکی اضافت اللہ نے اپنے بندہ رسول کی طرف کی اور قرآن اللہ کی صفت ہے، معلوم ہوا کہ رسول کا پڑھنا اور رسول کا تبلیغ کرنا رسول کا اپنا فعل ہے اور جس چیز کی وہ تبلیغ کررہے ہیں اور جس چیز کو پڑھ رہے ہیں وہ اللہ کا کلام اور اللہ کی صفت ہے۔

﴿وإن لم تفعل فما بلّغت رسالته﴾: اگر آپ نے نہیں کیا تو اللہ کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی، اس آیت شریفہ پر نحوی اشکال ہوتا ہے جو جلالین شریف میں پڑھ چکے ہو کہ یہاں شرط و جزاء میں اتحاد لازم آرہا ہے، فرماتے ہیں: ﴿فإن لم تفعل أى فإن لم تبلّغ فما بلّغت رسالته﴾، اگر تبلیغ نہیں کی تو اللہ کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی اور شرط و جزاء میں مغایرت ضروری ہے۔

اس اشکال کے دو جواب ہیں (۱) ایک یہ کہ فإن لم تبلغ فما بلّغت رسالته حق التبلیغ آپنے ایسا نہیں کیا تو جیسا حق تبلیغ ہے وہ ادا نہیں ہوا، کیونکہ حق تبلیغ تو یہ ہے کہ جو کچھ اور جو بھی پیغام دیا جائے آپ وہ سب پہنچادیں اور اگر بعض کو چھوڑ دیا تو حق تبلیغ ادا نہیں ہوا (۲) دوسرا جواب بعض علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لفظی فرق ہوجائے تب بھی کافی ہے لیکن یہ بہت کچی دیوار ہے ذراسی پانی کی چھینٹ سے بھی گر سکتی ہے، بھلا لفظی فرق شرط و جزاء کیلئے کافی ہے؟ شرط و جزاء کا مطلب یہ ہے کہ جزا موقوف ہے اور شرط موقوف علیہ ہے، اور موقوف و موقوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے۔

وقال الزهری: من الله الرسالة الخ: رسول پر بلاغ اور ہمارے ذمہ تسلیم ہے، رسول کس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں؟ ماأنزل إليه کی، ماانزل الیہ کلام خدا ہے اور تبلیغ حضور کا فعل ہے، ہمارے ذمہ تسلیم ہے وہ ہمارا اپنا فعل ہے۔

وقال: ليعلم أن قد أبلغوا رسالات ربهم: یہاں تقریر استدلال وہی ہے۔

أبلّغکم رسالات ربی: یہاں بھی وہی تقریر ہے۔

و سیری اللہ عملکم و رسولہ: عمل کی اضافت بندوں کی طرف کی گئی ہے اور قراءت بھی بندوں کا عمل ہے فثبت الفرق بین التلاوۃ والمتلو۔

وقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا: إذا أعجبک حسن عمل امرئ: اگر کسی آدمی کا ظاہری عمل بڑا اچھا معلوم ہو تو بہت زیادہ اعتماد نہ کرو اور کہہ دو اعملوا فسیری اللہ عملکم الخ، عمل کرتے رہو اللہ اور رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے، آخرت میں پتہ چلے گا کہ کونسا عمل اخلاص سے ہوا اور کونسا عمل اخلاص سے نہیں ہوا۔

وقال معمر: معمر سے مراد معمر بن راشد نہیں ہیں، بلکہ ابو عبیدہ معمر بن مثنی لغوی، ابو القاسم عبید بن سلام کے استاد صاحب مجاز القرآن ہیں، انہوں نے مجاز القرآن میں ذالک الکتاب کی تفسیر ھذا القرآن سے کی ہے یعنی الکتاب سے مراد قرآن ہے اور ذالک ہذا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور ان کا یہ کہنا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ایک لفظ دوسرے لفظ کی جگہ استعمال کر لیا جاتا ہے جیسے ایک جگہ ارشاد فرمایا: ذالکم حکم اللہ اور مراد ہے ھذا حکم اللہ، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تلک آیات اللہ، یعنی ھذہ أعلام القرآن، اسی طرح اللہ نے فرمایا: ﴿حتى إذا كنتم في الفلك وجرين بهم﴾ اور بھم بکم کی جگہ استعمال کیا گیا۔

لیکن ثعلب نے ابو عبیدہ پر اعتراض کیا ہے کہ اس صورت میں تو مقصد ہی فوت ہو جائیگا اور معنی ہی مقلوب ہو جائینگے، ذالک اشارہ الی البعید کیلئے ہے اور ہذا اشارہ الی القریب کیلئے ہے، اب اگر ذالک ہذا کے معنی میں ہو جائے تو اس صورت میں مقصود بالکل بدل جائیگا، پھر اسکے بعد ثعلب نے اسکی توجیہ کی ہے، ثعلب یوں فرماتے ہیں کہ ذالک کا یہاں استعمال (جو اشارہ الی البعید کیلئے آتا ہے) اسلئے کیا گیا ہے کہ یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے منتظر تھے اور انصار سے یہ کہتے تھے کہ نبی امی مبعوث ہوں گے اور ان کے اوپر کتاب نازل ہوگی، ہم نبی امی اور ان کی کتاب پر ایمان لا کر تم کو مغلوب و مقہور کرینگے تو یہ کہا گیا کہ وہ جس کتاب کا تم تذکرہ

کرتے تھے یہی وہ کتاب ہے۔

اور ایک توجیہ تم جلالین میں پڑھ چکے ہو کہ بُعدر تبی کو بعض مرتبہ بُعد مکانی کی جگہ اتار دیا جاتا ہے اور پھر بُعد مکانی کیلئے جو لفظ مستعمل ہوتا ہے اسکو بُعدر تبی میں استعمال کر لیا جاتا ہے، لہذا یہاں ذالک بُعدر تبی یعنی رفعتِ مکان اور بلندی شان بتانے کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

هدى للمتقين: ہدایت تبلیغ کی ایک قسم ہے لہذا اسکی ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ سے مطابقت ظاہر ہوگئی۔

أتؤمنونی أبلّغ رسالة رسول الله ﷺ: کیا تم مجھ کو امن دیتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت تم تک پہنچادوں؟ تو ایک تو حضرت حرام کا عمل ہے اور وہ ہے تبلیغ، اور ایک ہے رسول اللہ ﷺ کا وہ پیغام، حضور ﷺ کا پیغام اور ہے اور ان کا عمل اور ہے، جب بندوں کے افعال میں یہ فرق ہو سکتا ہے کہ رسول کی بات پہنچائیں دوسرے، اسی طرح کلام اللہ کا ہوا اور پہنچانا اور تبلیغ کرنا رسول کا فعل ہوا۔

۷۵۳۰- حدثنا الفضل بن يعقوب، حدثنا عبد الله بن جعفر الرقي، حدثنا المعتمر بن سليمان، حدثنا سعيد بن عبيد الله الثقفي، حدثنا بكر بن عبد الله المزني، وزياد بن جبير بن حية، عن جبير بن حية، قال المغيرة: أخبرنا نبينا صلى الله عليه وسلم عن رسالة ربنا: أنه من قتل منا صار إلى الجنة.

۷۵۳۱- الله عنها، قالت: من حدثك أن محمدا صلى الله عليه وسلم كتم شيئا؟ وقال محمد، حدثنا أبو عامر العقدي، حدثنا شعبة، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن الشعبي، عن مسروق، عن عائشة، قالت: من حدثك أن النبي صلى الله عليه وسلم كتم شيئا من الوحي فلا تصدقه، إن الله تعالى يقول: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾.

۷۵۳۲- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا جرير، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن عمرو بن شرحبيل، قال: قال عبد الله: قال رجل: يا رسول الله، أي الذنب أكبر عند الله؟ قال: أن تدعو لله ندا وهو خلقك، قال: ثم أي؟ قال: ثم أن تقتل ولدك مخافة أن يطعم معك، قال: ثم أي؟ قال: أن تزاني حليلة جارك، فأنزل الله تصديقها: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۝ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۝ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ الآية.

(ص ۱۱۲۴) باب قول الله ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا﴾

وقول النبي صلى الله عليه وسلم: أعطي أهل التوراة التوراة فعملوا بها، وأعطي أهل الإنجيل الإنجيل فعملوا به، وأعطيتم القرآن فعملتم به وقال أبو رزين﴿يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ يتبعونه ويعملون به حق عمله، يقال: ﴿يُتْلَى﴾ يقرأ، حسن التلاوة: حسن القراءة للقرآن، ﴿لَا يَمَسُّهُ﴾ لا يجد طعمه ونفعه إلا من آمن بالقرآن، ولا يحمله بحقه إلا الموقن، لقوله تعالى: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ وسمى النبي صلى الله عليه وسلم الإسلام والإيمان والصلاة عملاً، قال أبو هريرة: قال النبي صلى الله عليه وسلم لبلال: أخبرني بأرجى عمل عملته في الإسلام، قال: ما عملت عملا أرجى عندي أني لم أتطهر إلا صليت وسئل أي العمل أفضل؟ قال: إيمان بالله ورسوله، ثم الجهاد، ثم حج مبرور.

امام بخاری اس سے بھی تلاوت و متلو کا فرق بیان کر رہے ہیں، ایک تو تلاوت ہے جو ان کا فعل ہے اور ایک متلو ہے جو تورات ہے، توراۃ اللہ کا کلام ہے، فأتوا بالتوراة توراۃ کو لاؤ اور اسکو تلاوت کرو یہ تلاوت تالی کا فعل ہے۔

أعطى أهل التوراة التوراة فعملوا بها الخ: معلوم ہوا کہ ایک ہے توراۃ اور دوسرے اس پر عمل کرنا ہے یعنی اسکو پڑھنا اور اسکے مطابق زندگی بنانا ہے، توراۃ و انجیل اللہ کا کلام ہے اسکو پڑھنا اور اسکے مطابق عملی زندگی بنانا یہ انسان کا فعل ہے، فثبت الفرق بین فعل العبد و بین کلام اللہ سبحانہ و تعالی۔

قال أبو عبد الله: يقال: يتلى، يقرأ، حسن التلاوة، حسن القراءة للقرآن: امام بخاری فرماتے ہیں یتلی کے معنی یقرأ کے ہیں، اور تلاوت و قراءت کو حسن کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ حسنِ تلاوت تالی کا اپنا فعل ہے اور قرآن تو وہی ایک رہتا ہے، چنانچہ امام بخاری نے اس مضمون کا کتاب خلق افعال العباد میں صاف صاف ایضاح فرمادیا ہے۔

إلّا من آمن بالقرآن: تو ایک تو ہے قرآن اور ایک ہے قرآن پر ایمان لانا۔

﴿والله لا یهدی القوم الظلمین﴾: یعنی ایک تو کتاب اللہ ہے دوسرے اس پر عمل نہ کرنے والوں کا اپنا فعل ہے۔

وسمّى النبيﷺ الإسلام والإيمان والصلاة عملا: میری رائے پر امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تلاوت و متلو میں فرق ہے، تلاوت بندہ کا فعل ہے اور متلو اللہ کا کلام ہے، مصنف نے اسکو یاں طور ثابت کیا کہ اسلام اور ایمان ایک ہے اور اسلام میں صلاۃ داخل ہے اور صلاۃ میں قرأۃ داخل ہے، اور صلاۃ کو عمل قرار دیا جارہا ہے، معلوم ہوا کہ صلاۃ مع قرأۃ انسان کا اپنا فعل ہے، رہا جس کی وہ قرأت کر رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔

إلّا صلّیت: اور نماز میں قرأت کی جاتی ہے اور قرأۃ کو عمل بندہ قرار دیا گیا ہے، حضرت بلال نے اسے اپنا عمل قرار دیا اور حضورﷺ نے اس عمل کی اضافت حضرت بلال کی طرف کی، معلوم ہوا کہ تلاوت بندہ کا اپنا عمل اور فعل ہے و أفعال العباد مخلوقة، تو پہلے امام بخاری نے أفعال العباد مخلوقة ثابت کر کے یہی بتایا کہ تلاوت و متلو میں فرق ہے، تلاوت بندہ کا فعل ہے جس کو مصنف نے مختلف عناوین سے ثابت کیا ہے اور جب تلاوت بندہ کا فعل ہے تو یقیناً وہ عین متلو نہیں ہو سکتا۔

وسئل أي العمل أفضل: اس سے بھی مسئلہ کا اثبات اسی طریقہ سے کیا جو ہم کر آئے ہیں وہ یہ کہ ایمان و اسلام مصنف کے نزدیک ایک ہے اور ایمان کو عمل بتایا گیا ہے۔

أي العمل أفضل؟ قال: إيمان بالله: معلوم ہوا ایمان عمل ہے اور ایمان بندہ کا عمل ہے، لا الہ الا اللہ کا کہنا ہے، اور لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ قرآن کا جزو ہے ﴿فاعلم أنه لا إله إلّا الله﴾، اب لا الہ الا اللہ کہنا بندہ کا عمل ہے اور جو بندہ کا عمل ہو وہ یقیناً صفتِ رب نہیں ہو سکتا ہے۔

۷۵۳۳- حدثنا عبدان، أخبرنا عبد الله، أخبرنا يونس، عن الزهري، أخبرني سالم، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنما بقاؤكم فيمن سلف من الأمم، كما بين صلاة العصر إلى غروب الشمس، أوتي أهل التوراة التوراة، فعملوا بها حتى انتصف النهار ثم عجزوا،

فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أوتي أهل الإنجيل الإنجيل، فعملوا به حتى صليت العصر ثم عجزوا، فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أوتيتم القرآن، فعملتم به حتى غربت الشمس، فأعطيتم قيراطين قيراطين، فقال أهل الكتاب: هؤلاء أقل منا عملا وأكثر أجرا، قال الله: هل ظلمتكم من حقكم شيئا؟ قالوا: لا، قال: فهو فضلي أوتيه من أشاء.

(ص ۱۱۲۴) باب وسمّى النبی ﷺ الصلاة عملا

وقال: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.

حضور ﷺ نے صلاۃ کو عمل کہا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ نماز بغیر قرأۃ کے نہیں ہوتی، تو معلوم ہوا کہ قرأۃ انسان کا اپنا عمل ہے، اور جب قرأۃ انسان کا اپنا عمل ہوا تو وہ عین متلو نہیں ہو سکتا۔

٧٥٣٤- حدثني سليمان، حدثنا شعبة، عن الوليد، ح وحدثني عباد بن يعقوب الأسدي، أخبرنا عباد بن العوام، عن الشيباني، عن الوليد بن العيزار، عن أبي عمرو الشيباني، عن ابن مسعود رضي الله عنه: أن رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم أي الأعمال أفضل؟ قال: الصلاة لوقتها، وبر الوالدين، ثم الجهاد في سبيل الله.

عباد بن یعقوب الأسدی: مشہور غالی شیعی ہے، امام بخاری نے پوری کتاب میں اسکی صرف یہی ایک حدیث لی ہے، یہ اتنا غالی تھا کہ جو اسکے پاس جاتا اسکا امتحان کرتا، اگر وہ امتحان میں کامیاب ہوتا تب تو حدیث سناتا ورنہ نہیں۔

قاسم بن مطرف کہتے ہیں میں عباد کے پاس گیا اور اسکی عادت امتحان لینے کی تھی، اس نے کہا من حفر البحر؟ قلت: الله، قال: هو كذالك ولكن من حفره؟ قلت: يذكر الشيخ، فقال: حفره علي، قال: فمن أجراه؟ قلت: الله، قال: هو كذالك ولكن من أجراه؟ قلت: يفيدني الشيخ، قال: أجراه الحسين، وكان مكفوفا فرأيت سيفا، فقلت: لمن هذا؟ فقال: أعددته لأقاتل به مع المهدى، فلما فرغ من سماع ما أردت منه دخلت عليه، فقال: من حفر البحر؟ قلت: معاوية وأجراه فيه الماء عمرو بن العاص ثم غصبت وعدوت فجعل يصيح أدركوا الفاسق عدو الله فاقتلوه، رواه الخطيب، خلاصہ یہ کہ قاسم بن مطرف کہتے ہیں کہ میں عباد بن یعقوب اسدی کے پاس حدیث سننے گیا اور اسکی عادت امتحان لینے کی تھی، اس نے پوچھا سمندر کس نے کھودا؟ میں نے کہا اللہ نے، کہنے لگا بات تو یہی ہے پھر بھی کھودا کس نے؟ میں نے کہا آپ ہی فرما

دیں، کہنے لگا علی نے کھودا ہے، پھر پوچھا پانی اس میں کس نے جاری کیا؟ میں نے کہا اللہ میاں نے، کہنے لگا بات تو یہی ہے پھر بھی پانی کس نے جاری کیا؟ میں نے کہا آپ ہی فرمادیں، کہا حسین نے، ایک تلوار لٹکی ہوئی تھی اور تھا اندھا، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ تلوار کیوں لٹکی رکھی ہے؟ کہنے لگا جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو ان سے مل کر میں قتال کرونگا، یوں کہا جب ساری حدیثیں میں نے اسکی سن لیں اور لکھ لیں تو چلا آیا اور حدیثیں تو رکھدیں، اسکے بعد گیا تو پھر اس نے پوچھا من حفر البحر؟ میں نے کہا حفرہ معاویہ و أجراہ فیہ الماء عمرو بن العاص، قاسم کہتے ہیں اسکے بعد کودا میں اور بھاگا زور سے، کہنے لگا اس فاسق کو پکڑو اور دشمن خدا کو قتل کردو لیکن کہاں پاسکتا تھا، یہ اتنا غالی شیعی تھا لیکن بخاری نے اسکی حدیث لے لی، وجہ اسکی یہ ہے کہ اس سب غلو کے باوجود وہ متقشف تھا صوفی تھا، جھوٹ نہیں بولتا تھا، اسی لئے حضرت امام نے اسکی روایت لی ہے۔

شیعوں کی روایات لینے میں حضرات محدثین نے بڑا محتاط رویہ اختیار کیا ہے، اور جب تجربہ کرلیا ہے کہ فلاں صدوق ہے تب اسکی روایت لی ہے، امام مسلم نے شیعوں کی بہت روایات لی ہیں، ابن اخرم فرماتے ہیں کہ میرے استاذ (یعنی امام مسلم) کی روایات ملآن من الشیعۃ، شیعوں سے بھری پڑی ہے، مگر ان شیعوں سے مراد یہ روافض گالی دینے والے نہیں، یہی ہیں جو تفضیل وغیرہ کے قائل ہیں، واللہ اعلم۔

(ص ۱۱۲۴) باب قول اللہ تعالی ﴿إِنَّ الإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾

هلوعا: ضجورا.

هلوعا، ضجورا الخ: انسان بے صبر اپیدا کیا گیا ہے، جب تکلیف پہونچتی ہے تو چیخنے چلانے لگتا ہے، اور جب مال مل جاتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔

اس ترجمہ کا مقصد کیا ہے؟ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اور اصل میں ابن بطال سے لیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ جو صفات اس آیت شریفہ میں ذکر کی گئی ہیں سب اللہ تعالی شانہ نے انسان میں پیدا فرمائی ہیں، انسان ان کا خود خالق نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ اسکے ساتھ اس طرف بھی اشارہ کردیا ہے کہ جب انسان کی اپنی

صفات مخلوق خدا ہیں تو تلاوت و قرأت بھی بندے کی صفت ہے، لہذا یہ بھی مخلوق ہوگی پھر عین متلو کیسے ہو سکتی ہے۔

۷۵۳۵- حدثنا أبو النعمان، حدثنا جرير بن حازم، عن الحسن، حدثنا عمرو بن تغلب، قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم مال فأعطى قوما ومنع آخرين، فبلغه أنهم عتبوا، فقال: إني أعطي الرجل وأدع الرجل، والذي أدع أحب إلي من الذي أعطي، أعطي أقواما لما في قلوبهم من الجزع والهلع، وأكل أقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم من الغنى والخير منهم عمرو بن تغلب، فقال عمرو: ما أحب أن لي بكلمة رسول الله صلى الله عليه وسلم حمر النعم.

عن الحسن قال: حدثنا عمرو بن تغلب: عمرو بن تغلب سے روایت کرنے میں حسن منفرد ہیں، کوئی اور ان سے روایت نہیں کرتا ہے، اگر امام حاکم کی طرف یہ نسبت کی جاتی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کے شرائط میں سے خبر عزیز ہے، اگر یہ نسبت صحیح ہے تو یہ قول غلط ہے اسلئے کہ عمرو بن تغلب سے حسن کے علاوہ کوئی اور ناقل نہیں ہے۔

'اگر' میں نے اس لئے کہدیا کہ اس میں ہے بڑا اختلاف، مقدمہ میں اسکی وضاحت کر آیا ہوں، بہر حال شیخین (امام بخاری و مسلم) کے شرائط میں حدیث کا عزیز ہونا نہیں ہے، اور امام حاکم کی طرف جو قول منسوب کیا جاتا ہے ابو علی غسانی کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ راوی درجۂ جہالت سے نکل گیا ہو، کم سے کم اس سے دو شاگرد روایت نقل کرتے ہوں، یہ نہیں کہ بعینہ وہی روایت نقل کرتے ہوں، حافظ ابن حجر کا کلام مختلف ہے، انہوں نے نکتِ ابن الصلاح میں ابن مواہ کے اتباع میں اس توجیہ کی تردید کی ہے، لیکن کتاب اخبار الآحاد میں اسی توجیہ کو اختیار فرمایا ہے یعنی اخبار آحاد کی شرح کرتے ہوئے، والعلم عند اللہ سبحانہ۔

(ص ۱۱۲۵) باب ذكر النبي ﷺ و روايته عن ربه

یہ باب نبی اکرم ﷺ کے تذکرہ کرنے اور اپنے رب سے روایت کرنے کے بیان میں ہے۔

ذکر النبی ﷺ معطوف علیہ ہے و روایتہ معطوف ہے اور دونوں کا متعلق عن ربہ ہے، أی ذکر

النبی عن ربہ و روایتہ عن ربہ۔

اس ترجمۃ الباب سے مقصود کیا ہے؟ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے قرآن کو روایت کرتے ہیں اسی طرح احادیث قدسیہ بھی روایت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ کلام اللہ نوع واحد نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ شانہ جب چاہتے ہیں بحسب المصالح قرآن پاک کو نازل فرمادیتے ہیں، القاء فرمادیتے ہیں۔

عبد ضعیف کہتا ہے کہ اسکے ساتھ ساتھ امام بخاری اپنے اس مقصود کی طرف بھی اشارہ کرتے چل رہے ہیں کہ ایک تو نبی کا ذکر کرنا اور روایت کرنا ہے اور دوسرے وہ مروی اور مذکور ہے، ذکر و روایت نبی کا فعل ہے اور مروی و مذکور اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام ہے۔

اسکے بعد یہ سمجھو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن احادیث کو اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں تصریح نقل کے ساتھ وہ احادیث قدسیہ، احادیث الٰہیہ، احادیث ربانیہ کہلاتی ہیں، احادیث قدسیہ اور عام احادیث میں یہ فرق ہے کہ عام احادیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں ہوتی ہے اور احادیث قدسیہ میں اللہ کی طرف نسبت ہوتی ہے ورنہ بقاعدۂ ﴿وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى﴾ جو کچھ فرمایا جاتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اور وحی غیر متلو ہے۔

اور قرآن پاک اور احادیث قدسیہ میں فرق یہ ہے کہ قرآن کے لفظ و معنی منزّل ہوتے ہیں اور احادیث قدسیہ کے الفاظ منزّل نہیں ہوتے ہیں، بلکہ معانی کا قلب مبارک پر انزال کیا جاتا ہے، اس میں اشکال یہ ہے کہ پھر احادیث قدسیہ اور عام احادیث میں فرق کیا ہوا؟ عام احادیث کے معنی کا بھی قلب نبوی پر انزال ہوتا ہے، جب ہی تو ﴿وما ينطق عن الهوى﴾ کا عموم صحیح ہو سکتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ احادیث قدسیہ میں حضرتِ حق سے نقل کی تصریح ہوتی ہے اور غیر احادیث قدسیہ میں حضرتِ حق سے نقل کی تصریح نہیں ہوتی ہے۔

ایک فرق یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک کے لفظ و معنی منزّل اور احادیث قدسیہ کے بھی لفظ و معنی منزّل لیکن قرآن کے لفظ و معنی متواتر و مقطوع بہ ہیں اور احادیث قدسیہ میں یہ شان نہیں ہے، احادیث

قدسیہ کے پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور قرآن پاک کے پڑھنے سے نماز ہو جائیگی، اسی طرح قرآن پاک کو بحالت جنابت پڑھنا ممنوع ہے اور احادیث قدسیہ کو بحات جنابت پڑھنا جائز ہے، اور ویسے بحالت حدث حدیث کی کتاب کو اٹھانا جائز ہے چاہے اس میں احادیث قدسیہ ہی کیوں نہ ہوں لیکن قرآن پاک کو جمہور علماء کے نزدیک بحالت حدث پکڑنا جائز نہیں ہے، جمہور کی قید اس لئے لگادی کہ ظاہریہ، ابن جریر طبری وغیرہ محدث کیلئے قرآن چھونا جائز قرار دیتے ہیں اور غیر مقلدوں کا تو کوئی مسلک نہیں ہے۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من وازدرون من نجست اسرار من

ہر ایک آتا ہے اور اپنی تین اینٹ کی نہیں بلکہ ڈھائی اینٹ کی مسجد بناتا ہے بلکہ سوا اینٹ کی۔

٧٥٣٦- حدثني محمد بن عبد الرحيم، حدثنا أبو زيد سعيد بن الربيع الهروي، حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم يرويه عن ربه، قال: إذا تقرب العبد إلي شبرا تقربت إليه ذراعا، وإذا تقرب مني ذراعا تقربت منه باعا، وإذا أتاني مشيا أتيته هرولة.

وإذا تقرّب إليَ ذراعا تقرّبت إليه باعا: اگر کوئی مجھ سے ایک ذراع قریب آتا ہے تو میں اس سے ایک باع یعنی چار ہاتھ قریب آتا ہوں، بہت سے لوگوں کو باع کے ترجمہ میں غلطی واقع ہوتی ہے، وہ اسکا ترجمہ دو ہاتھ کرتے ہیں، یہ غلط ہے، باع کہتے ہیں چار ہاتھ کو، ابن ہمام نے کہیں میل کی شرح کرتے ہوئے کچھ اشعار لکھے ہیں

والميل ألف أى من الباعات قل والباع أربع أذرع فتتبع

آگے اور بھی مضمون ہے، ویسے میں ان کے اشعار پہلے کہیں پڑھ چکا ہوں۔

٧٥٣٧- حدثنا مسدد، عن يحيى، عن التيمي، عن أنس بن مالك، عن أبي هريرة، قال: ربما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا تقرب العبد مني شبرا تقربت منه ذراعا، وإذا تقرب مني ذراعا تقربت منه باعا، - أو بوعا -، وقال معتمر: سمعت أبي، سمعت أنسا، عن النبي صلى الله عليه وسلم يرويه عن ربه عز وجل.

٧٥٣٨- حدثنا آدم، حدثنا شعبة، حدثنا محمد بن زياد، قال: سمعت أبا هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم يرويه عن ربكم، قال: لكل عمل كفارة، والصوم لي وأنا أجزي به، ولخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك.

۷۵۳۹- حدثنا حفص بن عمر، حدثنا شعبة، عن قتادة، ح وقال لي خليفة: حدثنا يزيد بن زريع، عن سعيد، عن قتادة، عن أبي العالية، عن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم فيما يرويه عن ربه، قال: لا ينبغي لعبد أن يقول: إنه خير من يونس بن متى، ونسبه إلى أبيه.

من يونس بن متّى ونسبه إلى أبيه: باپ کی طرف نسبت کی، یعنی متی حضرت یونس کے والد کا نام ہے، اور یہ جملہ آپ ﷺ نے ازراہ تواضع ارشاد فرمایا، یا اپنی افضلیت کا علم ہونے سے پہلے فرمایا، یا یہ کہ اس نبی کی طرف جو یہ نسبت کی گئی کہ وہ بلا اذن رب چلے گئے اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کی تنقیص کا توہم ہوا، اس توہم کو دور کرنے کیلئے آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

۷۵۴۰- حدثنا أحمد بن أبي سريج، أخبرنا شبابة، حدثنا شعبة، عن معاوية بن قرة، عن عبد الله بن مغفل المزني، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح على ناقة له يقرأ سورة الفتح - أو من سورة الفتح - قال: فرجع فيها، قال: ثم قرأ معاوية: يحكي قراءة ابن مغفل، وقال: لولا أن يجتمع الناس عليكم لرجعت كما رجع ابن مغفل، يحكي النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت لمعاوية: كيف كان ترجيعه؟ قال: آآآ ثلاث مرات.

يقرأ سورة الفتح: اس سے مصنف نے اپنا ترجمہ ثابت فرمایا، حضور سورۂ فتح پڑھ رہے تھے اور قرآن کو اپنے رب سے روایت فرمارہے تھے، قاله ابن بطال، علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ روایت اپنے عموم کی وجہ سے بالواسطہ بلاواسطہ دونوں کو شامل ہے، اگرچہ روایت سے بظاہر بلاواسطہ ہی مراد ہے۔

قال: آآآ ثلاث مرات: یہ آپ ﷺ کا آآآ کرنا یا تو قصداً تھا لیکن قرطبی کہتے ہیں کہ هزّ ناقة کی وجہ سے یہ کیفیت پیدا ہورہی تھی، اونٹنی چل رہی تھی اسکے حرکت کی وجہ سے آواز میں انضغاط اور بندش پیدا ہوتی تھی، اور ہوسکتا ہے کہ غایت شوق میں آپ ﷺ اسطرح پڑھ رہے ہوں۔

(ص ۱۱۲۵) باب مايجوز من تفسير التوراة وكتب الله بالعربية وغيرها

قول الله تعالى: ﴿فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے ظاہراً تو یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ کتب اللہ کو انکی اتری ہوئی زبانوں کے علاوہ دوسری زبانوں میں منتقل کرنا جائز ہے۔

قرآن یا دوسری کتابوں کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، بعض تو بہت تشدد کرتے تھے اور مطلقاً ترجمہ سے منع کرتے تھے، لیکن معتدل مسلک یہ ہے کہ ضرورت و احتیاج کے وقت قرآن پاک کا ترجمہ کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور حضرات سلف نے اس پر عمل فرمایا ہے۔

شیخ سعد الدین شیرازی کی طرف ایک ترجمہ منسوب کیا جاتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ہندوستان میں فارسی میں ترجمہ فرمایا ہے، مراد آباد کے ایک عالم نے اردو میں ترجمہ کیا ہے، حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین نے اردو میں ترجمہ کیا ہے، لیکن دونوں کے ترجمہ میں فرق یہ ہے کہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ محاورہ کیساتھ ہے اور شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بالکل تحت اللفظ ہے۔

اس ترجمہ کے متعلق ایک لطیفہ ہے کہ جب ﴿یا لیتنی متّ قبل هذا و کنت نسیامنسیا﴾ پر پہونچے تو اسکا ترجمہ ہی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں، اتفاقاً ایک گوالن (دودھ بیچنے والی) آئی ہوئی تھی، تو وہ کسی سے بات کرتے کرتے کہنے لگی کہ میں تو بھولی بسری ہوگئی، حضرت شاہ رفیع الدین یا شاہ عبد القادر صاحب جسکا بھی یہ قصہ ہو انہوں نے سن لیا اور ایکدم ان کا ذہن منتقل ہوا نسیامنسیا کی طرف، چنانچہ آیت کا ترجمہ کیا کہ اے کاش میں اس سے پہلے مر جاتی یا بھولی بسری ہو جاتی۔

مگر امام بخاری اصلاً و بالذات وہی مقصود بیان کرتے چلے آرہے ہیں جو اب تک بیان کر رہے ہیں کہ تلاوت و متلو کے درمیان فرق ہے اسلئے کہ ایک تو ترجمہ اور تفسیر ہے، وہ انسان کا اپنا فعل ہے، اور دوسرے توراۃ ہے، وہ اللہ کا کلام ہے۔

فاتلوها إن كنتم صادقين: ظاہر ہے توراۃ عبرانی زبان میں تھی، اب اگر اسکا ترجمہ کرتے تو عربی زبان میں کرتے اور حضور ﷺ عربی میں سنتے، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے کتب الہیہ کے ترجمہ بغیر الألسنة المنزلة بها کو جائز قرار دیا ہے، لہذا کسی متنطع کا تنطع اور غلو کرنا اور ترجمۂ قرآن کو ناجائز کہنا کوئی

حقیقت نہیں رکھتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے ترجمہ کا دروازہ کھولا اور اسکے بعد جو تراجم کے سلسلے شروع ہوئے تو ایسے کہ کوئی حد ہی نہیں رہی، پھر تو ایرے غیرے نتھو خیرے نے بھی ترجمے کر ڈالے، فلاں فلاں نے بھی ترجمہ کیا، مرزا حیرت دہلوی نے بھی ترجمہ کیا اور ڈپٹی نذیر احمد نے بھی کیا، اور پھر حضرت تھانوی کو ان ترجموں کی اصلاح کرنی پڑی کہ فلاں جگہ غلطی ہوئی، فلاں جگہ غلطی ہوئی، اور سر سید احمد خاں مرحوم کو تو غلطی ہوئی ہی ہے لیکن واقع میں وہ پر خلوص آدمی تھے اسلئے میں انہیں برا بھلا نہیں کہتا، اور پھر سید تھے، اور شاہ فضل رحمن صاحب کا کشف ان کے بارہ میں ہے کہ جس وقت دفن کئے جارہے تھے تو شاہ صاحب لیٹے ہوئے تھے، ایکدم بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کی شان سید بخشا جارہا ہے، بعض لوگوں نے نقل کیا کہ سر سید کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا اللہ نے مجھ سے پوچھا کیا لائے ہو؟ میں نے کہا میں کیا لاتا بس امت اسلام کی دنیا بنانے میں لگا رہا اللہ نے اسی پر بخشائش کردی، جب کسی کی دنیا بنانا اخلاص کیساتھ موجب مغفرت ہو سکتا ہے تو دین بنانے کی فکر کرنا موجب بخشائش و مغفرت کیوں نہیں ہو سکتا، اور اصل میں تو اللہ میاں ہیں، بادشاہ ہیں، اور بادشاہ کسی بھی بات پر راضی ہو جائیں۔

یاأهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء: ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا خط تو عربی زبان میں گیا تھا اور ہرقل رومی زبان جانتا تھا، تو ترجمان نے رومی زبان میں ترجمہ کیا، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اس بات کو جائز قرار دیتے تھے کہ کتب منزلہ کو ان زبانوں کے علاوہ جس میں وہ نازل ہوئی دوسری زبانوں میں ترجمہ کرکے پیش کیا جاسکتا ہے بضرورت۔

۷۵۴۱- وقال ابن عباس: أخبرني أبو سفيان بن حرب: أن هرقل دعا ترجمانه، ثم دعا بكتاب النبي صلى الله عليه وسلم فقرأه: بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد، عبد الله ورسوله، إلى هرقل، و: ﴿يَا أَهْلَ الكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ الآية.

۷۵۴۲- حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عثمان بن عمر، أخبرنا علي بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، قال: كان أهل الكتاب يقرءون التوراة بالعبرانية، ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم

وقولوا: ﴿آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ﴾ الآية.

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا عثمان بن عمر الخ: یہ حدیث اسی سند سے کتاب التفسیر للبقرۃ میں اور کتاب الاعتصام میں گذر چکی ہے، اور یہ حدیث تین جگہ مکرر بالسند والمتن ہے، اور میری معلومات میں بخاری شریف میں ایسی کل چار روایات ہیں اور میں ہر ایک پر تنبیہ کرتا چلا آرہا ہوں۔

لاتصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم: ترجمہ کی تو اجازت دے دی مگر یوں فرمادیا کہ یہودیوں کی بات کا اعتبار نہ کریو، معلوم نہیں صحیح ترجمہ کررہے ہیں یا جھوٹ، اگر جھوٹ کررہے ہوں تو غیر کتاب کو کتاب اللہ ماننا پڑتا ہے اور اگر صحیح ترجمہ کررہے ہوں اور انکار کردو تو تکذیب ماانزل اللہ لازم آتی ہے، لہذا سیدھے سیدھے یہ کہہ دو أمنا باللہ وماأنزل إلینا وما أنزل إلیکم۔

٧٥٤٣- حدثنا مسدد، حدثنا إسماعيل، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: أتي النبي صلى الله عليه وسلم برجل وامرأة من اليهود قد زنيا، فقال لليهود: ما تصنعون بهما؟، قالوا: نسخم وجوههما ونخزيهما، قال: ﴿فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾، فجاءوا، فقالوا لرجل ممن يرضون: يا أعور، اقرأ فقرأ حتى انتهى إلى موضع منها فوضع يده عليه، قال: ارفع يدك، فرفع يده فإذا فيه آية الرجم تلوح، فقال: يا محمد، إن عليهما الرجم، ولكنا نكاتمه بيننا، فأمر بهما فرجما، فرأيته يجانئ عليها الحجارة.

يا أعور: یہ عبداللہ بن صوریا اعور ہے۔

قال: ارفع يدك: یہ کہنے والے یہاں مذکور نہیں، دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سلام ہیں۔

(ص ۱۱۲۵) باب قول النبی ﷺ الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة

وزينوا القرآن بأصواتكم.

جو قرآن کا ماہر ہے وہ ان کاتبوں کے ساتھ ہو گا جو کریم ہیں اور اچھے ہیں۔

امام بخاری اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تلاوت عبد کا فعل ہے اسلئے کہ اسی کے اندر ترتیل و تزیین، جہار و اخفاء اور تحسین ہوتی ہے اور باقی کلام اللہ تو ہر حال میں یکساں رہتا ہے، اگر شبیر قرأت کرے تو وہی قرآن ہے اور اگر میں قرأت کروں تو وہی قرآن رہے گا اور اگر کوئی اور کرے تو وہی رہے گا، لیکن ہر ایک کی آواز ہر ایک کا انداز الگ اور مختلف ہو گا۔

وزینوا القرآن بأصواتکم: یہ روایت ان روایات میں ہے جو بخاری شریف میں معلقًا تو موجود ہے لیکن موصولاً ذکر نہیں کی گئی، اس طرح کی کل ایک سو انسٹھ روایات ہیں علی ماصرح به ابن حجر، یہ روایت امام بخاری نے کتاب خلق افعال العباد میں موصولا تخریج فرمائی ہے، اسی طرح امام احمد، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں بطریق عبدالرحمن بن عوسجه عن البراء بن عازب عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخریج کی ہے۔

زینوا القرآن بأصواتکم، قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ یہاں تزیین قرآن سے مراد اسکو ترتیل کیساتھ پڑھنا ہے، لہٰذا اب اس حدیث پاک میں دعویٔ قلب کی ضرورت نہیں ہے جیسے خطابی نے کیا ہے اور ائمہ حدیث ایوب سختیانی، شعبہ اور دوسرے حضرات سے نقل کیا اور منذری نے انکا اتباع کر لیا ہے۔

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث میں فرمایا کہ قرآن کو اپنی آواز سے مزین کرو، آواز سے قرآن کو مزین کرنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اسلئے ان حضرات نے کہدیا کہ اصل میں اس میں قلب واقع ہو گیا، مقصد ہے حسنوا أصواتکم بالقرآن تم اپنی آواز کو قرآن کے ذریعہ مزین کرو کیونکہ قرآن سے زینت پیدا ہوتی ہے، حضرت حسان فرماتے ہیں

ما إن مدحت محمدا بمقالتي لکن مدحت مقالتي بمحمد

میں نے اپنے قول اور اشعار سے محمد کی تعریف نہیں کی بلکہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر کے اپنے قول کی مدح سرائی کی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے کی وجہ سے حسان

حسان کہا جارہا ہے، ان کے اشعار محبت سے پڑھے جاتے ہیں، تو چونکہ یہ اشکال پیش آیا اسلئے ایوب سختیانی اور شعبہ اور انہی کی اتباع میں خطابی اور منذری وغیرہ نے کہدیا کہ یہ کلام مقلوب ہے، اصل میں ہے زیّنوا أصواتکم بالقرآن۔

لیکن علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اسکے معنی ہیں زینوا القرآن بأصواتکم أی بالترتیل، دیکھو اگر قرآن پاک کو یوں ہی پڑھا جائے تو وہ چاشنی اور کشش پیدا نہیں ہوتی ہے جو ترتیل کیساتھ پڑھنے میں ہوتی ہے۔

ایک بات اور سنو، یہاں فرمایا گیا زیّنوا القرآن بأصواتکم، امام دارمی نے یہ روایت نقل فرمائی ہے، اس میں ہے حسّنوا القرآن بأصواتکم، فإن الصوت الحسن یزید القرآن حسنا، صوت حسن قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے، یہ ابن بطال کی توجیہ کی صاف تائید کر رہی ہے۔

۷۵۴۴- حدثني إبراهيم بن حمزة، حدثني ابن أبي حازم، عن يزيد، عن محمد بن إبراهيم، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: «ما أذن الله لشيء ما أذن لنبي حسن الصوت بالقرآن يجهر به.

ما أذن الله لشئی ما أذن لنبی الخ: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ایسا نہیں سنتے جیسے نبی کی اس تلاوت کو سنتے ہیں جو حسن الصوت ہو اور قرآن کو جہر کیساتھ پڑھ رہا ہو۔

۷۵۴۵- حدثنا يحيى بن بكير، حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب، أخبرني عروة بن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيد الله بن عبد الله، عن حديث عائشة، حين قال لها أهل الإفک ما قالوا، وكل حدثني طائفة من الحديث، قالت: فاضطجعت على فراشي وأنا حينئذ أعلم أني بريئة، وأن الله يبرئني، ولكني والله ما كنت أظن أن الله ينزل في شأني وحيا يتلى، ولشأني في نفسي كان أحقر من أن يتكلم الله في بأمر يتلى، وأنزل الله عز وجل: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ العشر الآيات كلها.

أن يتكلّم الله فيّ بأمر يتلى: اس سے امام بخاری نے اپنے مقصود پر استدلال کیا کہ انزال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تلاوت بندوں کی طرف سے ہے، اسی تلاوت میں تزیین اور تحسین ترتیل وغیرہ داخل ہوتی ہے۔

٧٥٤٦- حدثنا أبو نعيم، حدثنا مسعر، عن عدي بن ثابت، أراه قال: سمعت البراء، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في العشاء: والتين والزيتون فما سمعت أحدا أحسن صوتا أو قراءة منه.

يقرأ في العشاءِ والتين والزيتون: پہلی رکعت میں والتین پڑھی تھی جیسا کہ نسائی کی روایت میں وارد ہوا، دوسری رکعت میں کیا پڑھا؟ میں کتاب التفسیر میں بیان کر چکا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے ابن السکن کی روایت سے نقل کیا اور انہوں نے زرعہ بن خلیفہ صحابی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک نماز میں والتین والزیتون اور إنا أنزلنا پڑھی، لیکن میں وہاں حافظ صاحب پر اشکال کر آیا ہوں۔

٧٥٤٧- حدثنا حجاج بن منهال، حدثنا هشيم، عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم متواريا بمكة، وكان يرفع صوته، فإذا سمع المشركون سبوا القرآن ومن جاء به، فقال الله عز وجل لنبيه صلى الله عليه وسلم: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾.

٧٥٤٨- حدثنا إسماعيل، حدثني مالك، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن عبد الرحمن بن أبي صعصعة، عن أبيه، أنه أخبره أن أبا سعيد الخدري رضي الله عنه، قال له: إني أراك تحب الغنم والبادية، فإذا كنت في غنمك أو باديتك فأذنت للصلاة، فارفع صوتك بالنداء، فإنه: لا يسمع مدى صوت المؤذن جن ولا إنس، ولا شيء، إلا شهد له يوم القيامة، قال أبو سعيد: سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم.

٧٥٤٩- حدثنا قبيصة، حدثنا سفيان، عن منصور، عن أمه، عن عائشة، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ القرآن ورأسه في حجري وأنا حائض.

كان يقرأ القرآن ورأسه في حجري وأنا حائض: اسکو ترجمہ کیساتھ مطابقت یہ ہے کہ افعالِ مخلوقین ہی ایسے ہیں جو مختلف حالات کیساتھ مقرون ہو سکتے ہیں، انسان کی تلاوت اسکا فعل ہے، اس میں تحسین و تزیین ہوتی ہے اور اسی کا اقتران بکونہ فی حجر الحائض ہو سکتا ہے۔

(ص١١٢٦) باب قول الله تعالى ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾

پڑھتے رہو جتنا تمہیں قرآن پڑھنا آسان ہو، اب ہر ایک کے لئے آسانی الگ ہے، کسی کے لئے دن

میں سولہ پارے پڑھنا بھی آسان ہے اور کوئی بیچارہ آدھا پارہ پڑھتا ہے، لیکن قرآن وہی ہے۔

بعض علماء نے ترجمہ کو اور طرح ثابت کیا ہے، وہ یہ کہ اس میں قرأت کی نسبت کی گئی ہے قراء کی طرف، پڑھوتم، تو پڑھنا قاری کا فعل ہوا اور قاری مع اپنے فعل کے مخلوق ہے، فثبت أن بين القراءة والمقروء وبين التلاوة والمتلو فرقا۔

۷۵۵۰- حدثنا يحيى بن بكير، حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، حدثني عروة، أن المسور بن مخرمة، وعبد الرحمن بن عبد القاري، حدثاه أنهما سمعا عمر بن الخطاب، يقول: سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاستمعت لقراءته، فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكدت أساوره في الصلاة، فتصبرت حتى سلم، فلببته بردائه، فقلت: من أقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ؟ قال: أقرأنيها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: كذبت، أقرأنيها على غير ما قرأت، فانطلقت به أقوده إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: إني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها، فقال: أرسله، اقرأ يا هشام، فقرأ القراءة التي سمعته، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كذلك أنزلت، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرأ يا عمر، فقرأت التي أقرأني، فقال: كذلك أنزلت إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف، فاقرءوا ما تيسر منه.

(ص۱۱۲۶) باب قول الله ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: كل ميسر لما خلق له يقال ميسر: مهيأ وقال مجاهد: يسرنا القرآن بلسانك: هونا قراءته عليك وقال مطر الوراق: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾، قال: هل من طالب علم فيعان عليه.

ہم نے قرآن کے حفظ کو آسان کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں بھی تیسیر کا

تذکرہ ہے اور یہاں بھی تیسیر کا تذکرہ ہے، بہر حال اس باب کی غرض کو ما قبل میں بیان کئے گئے ابواب کی غرض کہ تلاوت و متلو میں فرق ہے کیساتھ کھلا ہوا تعلق ہے، اسلئے کہ ایک تو ہے قرآن پاک اور دوسرا اسکو حفظ اور یاد کرنا ہے، قرآن پاک اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام ہے، اور یاد کرنا اور حفظ کرنا انسان کا اپنا فعل ہے، اور انسان مع اپنی ذات وصفات کے مخلوق ہے۔

هوّنا قراءته عليك: اسکی قرأت کو آپ پر آسان کر دیا، ایک تو قرآن ہوا، دوسرے اسکی قرأت ہوئی، قرآن اللہ کا کلام ہے اور قرأت رسول اکرم ﷺ کا فعل ہے۔

۷۵۵۱- حدثنا أبو معمر، حدثنا عبد الوارث، قال يزيد: حدثني مطرف بن عبد الله، عن عمران، قال: قلت يا رسول الله، فيما يعمل العاملون؟ قال: كل ميسر لما خلق له.

فيم يعمل العاملون: اسکا مطلب یہ ہے کہ انسان سے جن اعمال کا صدور ہوتا ہے وہ تقدیر سابق کی وجہ سے ہوتا ہے؟ یا اس میں تقدیر کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ انسان جو کام کرتا ہے وہ کیف ما اتفق یوں ہی ظاہر ہوتا رہتا ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کلّ میسّر لما خلق له ہر انسان وہی عمل کرتا ہے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ ہر انسان کے لئے اسکے اعمال مقدر کر دیے گئے ہیں، جو عمل جسکے لئے مقدر کیا گیا ہے وہی اس سے صادر ہوتا ہے، اس مضمون کی روایت مسلم شریف میں بہت مفصل طور پر وارد ہوئی ہے، صحابہ نے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں کیا تقدیر سابق کی وجہ سے کرتے ہیں یا أمر آنف ہے یعنی تقدیر سابق کو دخل نہیں تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کچھ تم کرتے ہو تقدیر سابق کی وجہ سے کرتے ہو۔

۷۵۵۲- حدثني محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن منصور، والأعمش، سمعا سعد بن عبيدة، عن أبي عبد الرحمن، عن علي رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه كان في جنازة فأخذ عودا فجعل ينكت في الأرض، فقال: «ما منكم من أحد إلا كتب مقعده من النار أو من الجنة»، قالوا: ألا نتكل؟ قال: «اعملوا فكل ميسر»، ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ الآية.

عن علي رضی اللہ عنہ: حضرت علی کی یہ روایت امام بخاری نے یہاں پر مختصر طور سے ذکر فرمائی ہے کتاب التفسیر میں مفصلاً گذر چکی ہے، یہاں کل میسّر لما خلق له کی وجہ سے ذکر کیا ہے، انسان کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا، بہر حال انسان کو توفیق دی جاتی ہے اعمال کی اور اعمال انسان کا

کسب ہے اسلئے کہ انسان کی طرف اسکی اضافت کی گئی ہے، اور جب انسان کا کسب ہوئے تو اسکی صفت ہوئی اور جب اسکی صفت ہوئی تو انسان مع ذات وصفات کے مخلوق ہے اور قدرت کا تعلق انسان کے فعل سے ہے۔

(ص۱۱۲۷) باب قول الله ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ﴾

﴿وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ﴾ قال قتادة: مكتوب، ﴿يَسْطُرُونَ﴾ يخطون، ﴿فِي أُمِّ الْكِتَابِ﴾ جملة الكتاب وأصله، ﴿مَا يَلْفِظُ﴾ ما يتكلم من شيء إلا كتب عليه وقال ابن عباس: يكتب الخير والشر، ﴿يُحَرِّفُونَ﴾ يزيلون، وليس أحد يزيل لفظ كتاب من كتب الله عز وجل، ولكنهم يحرفونه، يتأولونه على غير تأويله ﴿دِرَاسَتُهُمْ﴾ تلاوتهم، ﴿دِرَاسَتُهُمْ﴾ حافظة، ﴿وَتَعِيَهَا﴾ تحفظها، ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ﴾ يعني أهل مكة ﴿وَمَنْ بَلَغَ﴾ هذا القرآن فهو له نذير.

بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

امام بخاری اس ترجمۃ الباب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کی صفت ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، باقی جن روشنائیوں سے لکھا جاتا ہے جن کاغذات پر لکھا جاتا ہے جن دفتیوں میں جمع کیا جاتا ہے یہ اللہ کی صفت نہیں ہے اور یہ مخلوق ہیں، امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے حنابلہ کی تردید فرمائی ہے، یہاں تو امام بخاری نے کوئی وضاحت نہیں کی ہے لیکن کتاب خلق افعال العباد میں صاف اور واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ یہ آیت اور اسکے بعد والی آیت ذکر کر کے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے یہ فرمایا کہ یہ قرآن حفظ کیا جاتا ہے لکھا جاتا ہے والقرآن المكتوب الموعى فى القلوب المسطور فى المصاحف المتلو بالألسنة كلام الله ليس بمخلوق، وأما المداد والورق والجلد فإنه مخلوق، یہ امام بخاری کی عبارت ہے انہوں نے غلاۃ حنابلہ کی تردید فرمائی ہے۔

یحرفون، یزیلون: کلمات کو ان کی جگہ سے وہ لوگ ہٹاتے ہیں تبدیل کرتے ہیں، ابن عباس اسکی شرح کرتے ہیں یزیلون سے۔

ولیس أحد یزیل الخ: آیا یہ ابن عباس کا قول ہے یا امام بخاری کا مقولہ ہے؟ اس میں دونوں رائے ہیں، بہت سے علماء حضرت ابن عباس کی طرف اسکو منسوب کرتے ہیں اور یہی حافظ ابن کثیر نے کیا ہے اور بعض حضرات امام بخاری کی طرف منسوب کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ کلام محتمل ہے، بہر حال جن کا بھی کلام ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ کی تحریف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں لفظی تحریف کرتے ہیں بلکہ اسکے معنیٰ میں تحریف کرتے ہیں، معنی کچھ ہوتے ہیں اور توڑ مروڑ کر کچھ معنی بیان کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس کتب سابقہ میں تحریف کے قائل تو تھے لیکن تحریف معنوی کے قائل تھے نہ کہ تحریف لفظی کے۔

اس مسئلہ کو میں کتاب الشہادات میں بیان کر چکا ہوں اور علماء کے چار قول بیان کئے تھے۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ جتنی کتب سابقہ ہیں سب مبّدل و محرّف ہیں، علامہ ابن تیمیہ اسکو غلو قرار دیتے ہیں اور صحیح نہیں مانتے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ معظم حصہ مبدل ومغیر ہے، حافظ ابن حجر نے ایک مقام میں قول اول کا محمل اسی قول ثانی کو قرار دیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ کتب سابقہ کا اکثر حصہ تو محفوظ ہے بعض حصہ میں تبدیل و تغییر واقع ہوئی ہے، حافظ ابن کثیر نے اپنے شیخ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے یہی قول نقل فرمایا ہے، پھر حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عربی میں جو توراۃ وانجیل ملتی ہے اس میں تو بہت کچھ تحریف و تبدیل پائی جاتی ہے لیکن جو ان کی زبان میں عبرانی میں توراۃ موجود ہے اسکو اللہ ہی جانیں کہ اس میں کیا صورت حال ہوئی تغییر و تحریف واقع ہوئی یا نہیں؟

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ بالکلیہ کتب سابقہ میں تحریف واقع نہیں ہوئی، جو کچھ تحریف ہوئی ہے وہ معنوی تحریف واقع ہوئی، اس قول کے قائلین کا استدلال لاتبدیل لکلمات اللہ سے ہے۔

حافظ ابن حجر نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ میں دو قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ لفظی تحریف واقع ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ لفظی تحریف واقع نہیں ہوئی صرف معنوی تحریف واقع ہوئی ہے، اور پھر حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ قول ثانی کیلئے ابن تیمیہ نے بہت سے

دلائل پیش کئے ہیں اس میں سے ایک دلیل لاتبدیل لکلمات اللہ ہے، لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ قرآن عزیز ہی میں فرمایافمن بدّله بعد ماسمعه فإنما إثمه على الذين يبدّلونه، مگر علامہ ابن تیمیہ نے ان دونوں نصوص میں یوں جمع فرمایا کہ جہاں پر تبدیل کا ذکر وارد ہوا وہاں تبدیل معنوی مراد ہے اور جہاں تبدیل کی نفی کی گئی ہے وہاں پر تبدیل لفظی مراد ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس پر اشکال یہ کیا کہ آپ نے جو جمع کی صورت ذکر کی ہے وہ متعین اور ضروری نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ نفی کا تعلق حکم سے ہو اور مطلب ہو لاتبديل لكلمات الله أى لاتبدلوا كلمات الله، کلمات خداوندی میں تبدیل کی کلی اجازت نہیں ہے اور فمن بدّله بعد ماسمعه میں مطلقاً تبدیل کا ذکر ہے چاہے تبدیل لفظی ہو یا تبدیل معنوی ہو، علامہ ابن تیمیہ کی طرف حافظ ابن حجر نے گویا یہ قول منسوب فرمایا ہے کہ وہ تبدیل لفظی کے قائل نہیں بلکہ تبدیل معنوی کے قائل ہیں مگر علامہ ابن تیمیہ کے تلمیذ رشید حافظ ابن کثیر نے علامہ کی طرف یہ قول منسوب نہیں کیا ہے بلکہ ان کی رائے یہ ہے کہ تبدیل تو ہوئی ہے مگر اکثر مواقع میں نہیں ہوئی، اکثر حصہ محفوظ ہے ہاں بعض چیزوں میں تبدیل و تحریف واقع ہوئی ہے، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ الجواب الصحيح لمن بدّل دين المسيح میں علامہ ابن تیمیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، بہر حال کتب سابقہ میں تبدیل لفظی کا انکار کرنا اور تبدیل معنوی کو تسلیم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اسلئے کہ ان کتب میں ایسے مضامین ملتے ہیں جسکی نسبت حضرت حق کی طرف کرنی محال اور ناممکن ہے۔

علامہ ابو محمد بن حزم ظاہری نے موجودہ انجیل سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت لوط جب اپنی قوم سے ہجرت کر کے اپنی دو بیٹیوں کیساتھ تشریف لائے تو ان کی بیٹیوں نے کہا کہ اب ہماری قوم کا کوئی آدمی نہیں ہے لہٰذا ہماری نسل کیسے چلے گی؟ انہوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی پھر پہلے دن بڑی بیٹی سے صحبت کی پھر دوسرے دن شراب پلائی اور دوسری بیٹی سے صحبت کی، بھلا نبی کے بارہ میں اس طرح کی باتیں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں؟

کوئی یہ سمجھے کہ شاید علامہ ابن حزم نے مغالاۃ سے کام لیا ہو گا اور انجیل کی طرف غلط بیانی کی نسبت کی ہو گی ہر گز یہ بات نہیں ہے، بلکہ اب سے دس بارہ سال پہلے کی بات ہے کہ کوئی مسلمان اپنے گھر سے ناراض

ہو کر نکل گئے اور پریشانی کے عالم میں کسی عیسائی مشن میں پھنس گئے، ان مشن والوں نے انہیں نصرانی بنالیا اور ان کی بہت کچھ امداد کی، آہستہ آہستہ جب ان پر اعتماد ہو گیا تو اصل انجیل جسکو وہ بائیبل کہتے ہیں ان کے سامنے پیش کی، جب بائیبل پڑھی اور اس میں حضرت لوط علیہ السلام کا یہ واقعہ ان کے سامنے آیا تو بالکل گھبرا گئے اور پریشان ہو گئے، انہوں نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے اس سلسلہ میں استفسار کیا، قاری صاحب نے اسکا جواب دیا یہ خط مکاتیب قاری محمد طیب میں موجود ہے، معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حضرت لوط کا موجودہ بائیبل میں بھی ہے، ظاہر ہے قرآن پاک حضرت لوط علیہ السلام کی تو تعریف کر رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اور اللہ کے نبی سے زنا کا صدور ہو شراب نوشی کا صدور ہو، نبی اپنی بیٹیوں سے زنا کرے یہ کسی کی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے، لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ کتب سابقہ میں تبدیل و تحریف واقع ہوئی ہے۔

اسی طرح کتب سابقہ کے متعلق قرآن پاک میں وارد ہوا ﴿ذالك مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الإنجیل کزرع أخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه یعجب الزرّاع﴾ الآیة جبکہ پوری توراۃ اور پوری انجیل میں کہیں بھی حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کے متعلق یہ بشارت نہیں ملتی ہے، اگر تورات وانجیل میں تحریف نہیں ہوئی ہے تو آخر اسکا وجود کیوں نہیں ملتا؟

اسی طرح یہ کہنا کہ تورات وانجیل میں کلیۃً تحریف ہو گئی اسکا کوئی حصہ محفوظ نہیں یہ بھی قرآن پاک اور احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط ہے، حدیث پاک میں یہودیین کے رجم کا ذکر ہے اور یہ کہ تورات شریف لائی گئی اور اس میں آیۂ رجم چمک رہی تھی، عبد اللہ بن صوریا الاعور نے اس پر ہاتھ رکھ دیا تو حضرت عبد اللہ بن سلام نے اسکا ہاتھ ہٹا دیا تو آیت رجم لکھی ہوئی تھی اور یہودیوں نے اعتراف کیا کہ ہم اسکا کتمان کرتے تھے، کسی سے اسکو ظاہر نہیں کرتے تھے تاکہ رجم کا شیوع اور رواج نہ ہو جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ان کی محفوظ بھی ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں حضور ﷺ کے وصف کے بارہ میں وارد ہوا ہے ﴿الذین یتبعون الرسول الأمیّ الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والإنجیل﴾، معلوم ہوا کہ یہ مضمون توراۃ وانجیل میں لکھا

ہوا موجود ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی روایت ماقبل میں گذر چکی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ اوصاف بیان کیجئے جو توراۃ وانجیل میں لکھے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ ہاں آپ کے بعض اوصاف ان میں موجود ہیں پھر انہیں بیان کیا اور مزید بعض دیگر اوصاف بیان کئے جو کتاب البیوع میں گزر چکے ہیں، اس میں ہے إنه موصوف ببعض ماهو فی القرآن إنه لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخاب فی الأسواق ولایجزی السیئة بالسیئة ولکن یعفو ویصفح اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوصاف محمدیہ اس میں موجود ہیں۔

میں نے انجیل اپنی بالکل نو عمری میں پڑھی ہے خیال پڑتا ہے قدوری پڑھنے کا زمانہ تھا مگر باوجود اپنی نو عمری کے اس میں بہت سی آیات میں حضور ﷺ کے وجود کی بشارت معلوم ہوتی تھی، انجیل کا ایک ورقہ مجھے ملا تھا اس میں بھی حضور ﷺ کی آمد کی بشارت تھی، یہ یاد نہیں پڑتا کہ انجیل یوحنا میں نے دیکھی ہے یا نہیں، اب جو توراۃ موجود ہے اسکے دیکھنے سے میں اپنی بات کہتا ہوں کہ اسکو دیکھنے سے عظمت کلام خداوندی کا خاص اثر مجھے محسوس ہوتا ہے لیکن اسکی بہت سی چیزوں میں تبدیل وتحریف ملتی ہے، قرآن یہ کہتا ہے کہ توراۃ میں یہ ہے حالانکہ اس میں اب اسکا کہیں وجود نہیں ہے، لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس میں تبدیل وتحریف ہوئی ہے، اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کلیۃً وہ مبدل ومحرف نہیں ہے۔

میں نے کتاب الشہادات میں یہ کہا تھا کہ میں انشاء اللہ کتاب التوحید کے آخر میں اس مسئلہ پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالونگا، یہ وہی جگہ ہے اور وہ وعدہ یہاں پورا کیا گیا۔

لأنذرکم به: کُم کا خطاب اہل مکہ کو ہے اور ومن بلغ کا خطاب سب کو ہے، ظاہر ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور حضور اکرم ﷺ کا انذار اور لوگوں کے سامنے اسکو تلاوت کرنا اور پڑھنا آپ کا فعل ہے اور آپ کا وصف ہے، اور آپ محدَث تو آپکا وصف بھی محدَث ہوگا، اور قرآن پاک اللہ کا کلام ہے لہذا تلاوت ومتلو کا فرق ظاہر ہوگیا۔

۷۵۵۳- وقال لي خلیفة بن خیاط: حدثنا معتمر، سمعت أبي، عن قتادة، عن أبي رافع، عن أبي هریرة، عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: لما قضی الله الخلق، کتب کتابا عنده: غلبت، أو قال سبقت

رحمتي غضبي، فهو عنده فوق العرش.

غلبت أو قال سبقت رحمتي: رحمت اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہے اور رحمت کے معنی ارادۂ خیر کے ہیں تو یہ صفاتِ ذات میں سے ہے اور صفاتِ ذات اللہ تعالیٰ کی صفاتِ لازمہ میں سے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سبق و تقدم اور تاخیر کے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آتے ہیں اسلئے یہ بات غور طلب ہے کہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی کے کیا معنی ہیں؟ اسکے متعلق ماقبل میں بیان کرچکا ہوں کہ سبقِ رحمت کنایہ ہے رحمت کے تعلقات کی سبقت کے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق پہلے ہوا ہے بنسبت اللہ تعالیٰ کی صفت غضب کے، کیونکہ اگر رحمت کا تعلق سابق نہ ہوتا تو آج یہ عالم موجود نہ ہوتا، پہلے اس نے اپنی رحمت کو استعمال کیا اور عالم کو وجود کا جامہ عطا فرمایا۔

اور سبق کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اسکے تعلقات میں کثرت ہے اور یہ واقعہ بھی ہے، سب سے پہلے رحمت کا ظہور ہوا رحمت کی وجہ سے عالم وجود میں آیا پھر دوسرے نمبر پر رحمت کا ظہور یہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے ساری خلقت کیساتھ تربیت کا معاملہ فرمایا اسی لئے قرآن نے خود ارشاد فرمایا ﴿الحمدللہ رب العٰلمین﴾ سب حمد اللہ کے لئے ہے جو عالمین کی تربیت کرنے والا ہے، اس عالمین کے عموم میں جیسے انسان وحیوانات داخل ہیں سبھی چیزیں داخل ہیں اسی کے اعتبار سے اسکی تربیت ہوتی ہے اور پھر ان عالمین میں ملائکہ اور جنات بھی داخل ہیں اور جنات وانسان خاص طور سے قابل ذکر اسلئے ہیں کہ یہ مکلف ہیں اور اللہ تعالیٰ سارے مکلفین کی تربیت فرماتا ہے چاہے وہ مطیع ہوں یا عاصی ہوں، اگر رحمت کا تعلق غضب کے تعلق سے زائد نہ ہوتا تو حق تعالیٰ شانہ صرف اپنے مطیعین کو تو آب وہوا دیتا اور ان کی تربیت فرماتا، باقی جو نافرمان ہیں ان کو ہلاک وبرباد فرمادیتا مگر حق تعالیٰ ہیں جو سب کو روزی پہونچاتے ہیں سب کو ہوا دیتے سب کو راحت پہونچاتے ہیں، معلوم ہوا کہ رحمت کا تعلق غضب کے تعلق سے زائد ہے، تو سبق کے معنی یہ ہیں کہ اسکا تعلق مقدم ہوا غضب پر، اور یا معنی یہ ہیں کہ اسکا تعلق کثیر ہے بنسبت غضب کے تعلق کے۔

اور آخرت میں بھی رحمت کی کثرت ہوگی اسلئے کہ حق تعالیٰ شانہ جیسے مومنین صادقین کے ساتھ جنت کا معاملہ فرمائینگے ایسے ہی عصاۃ کو ان کا تزکیہ وتصفیہ فرماکر جنت میں دوام وخلود عطا فرمائینگے، تزکیہ وتصفیہ کا

ذکر میں نے اسلئے کیا ہے کہ جو گنہگار ہوتا ہے وہ اپنے گناہ کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ وہ اللہ کی جنت میں داخل ہوسکے، اسکے اندر داخلہ کیلئے تزکیہ اور صفائی کی ضرورت ہے، اور تزکیہ اور صفائی کی دو صورت ہوتی ہے یا تو آدمی اپنے اختیار سے دنیا میں صفائی حاصل کرلے، اگر عاصی ہے تو توبہ کرلے، اور اگر اعمال صالحہ کرتا ہے تو اس پر ناز نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے، اگر عاصی بغیر توبہ کے مرگیا ہے تو اسکی صفائی کی دو شکلیں ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ازل میں اسکے لئے یہ مقدر کردیا ہو کہ دریائے رحمت سے اسکی صفائی ہوگی ایسوں کو تو اللہ تعالیٰ شانہ بغیر عذاب دئے ہی معاف فرمادینگے اور جنت میں داخل کرینگے۔

حدیث میں ہے حق تعالیٰ شانہ ایک آدمی کو بلائینگے اور اس پر اپنا کنف (بازو) رکھ دیں گے، بازو جو اللہ کی شان کے مناسب ہے اور فرمائینگے تونے فلاں دن فلاں فلاں گناہ نہیں کیا تھا؟ وہ کہیگا کہ ہاں اللہ میاں کیا تھا، پھر ارشاد ہوگا تونے فلاں دن فلاں فلاں گناہ نہیں کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ کیا تھا، غرض کہ سارے گناہوں کا اقرار لیا جائیگا اور پھر ارشاد فرمادیا جائیگا: **سترتها عليك في الدنيا و أنا أغفرها لك اليوم،** دنیا میں ستاری کی تو آج تجھے رسوا نہیں کرونگا، میں ستاری و مغفرت کا معاملہ فرماؤنگا، اللہ تعالیٰ دریائے رحمت سے اسکی صفائی فرمادینگے۔

لیکن اگر کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے متعلق یہ مقدر نہیں ہے کہ ماء مغفرت سے ان کی صفائی ہو اور ان کا جرم شدید ہو یا کوئی اور بات ہو تو ان کو جہنم میں ڈالکر ان کی دھلائی اور صفائی کی جائیگی، جب وہ گناہوں کی تاریکی اور ظلمت سے مجلّٰی اور مصفی ہوجائینگے تب حق تعالیٰ شانہ کی جنت کے قابل ہوں گے، جنت میں جانے کیلئے پاک صاف ہونا ہی پڑیگا اسکے بغیر جانا نا ممکن ہے۔

اسی لئے ہمارے حضرت اقدس تھانوی فرماتے ہیں کہ جہنم میں جانا تو کافرین اور عصاۃ مومنین دونوں کو ہوگا لیکن کفار کا جانا برائے تعذیب ہوگا اور مسلمین کا جانا برائے تزیہ ہوگا، ان کو مہذب اور آراستہ کرنے کے لئے ہوگا، میل کچیل دور کرنے کیلئے ہوگا جیسے تم نے دیکھا کہ جب کپڑا زیادہ سیاہ اور میلا ہوجاتا ہے تو دھوبی اسکو بھٹی میں ڈالتا ہے تو بھٹی میں ڈالنا عذاب کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اسلئے ہوتا ہے کہ دھل دھلا کر بادشاہوں کی پوشاک بن سکے، وزیروں کا لباس بن سکے، یہ اسکے لئے صورۃً تعذیب ہے مگر حقیقۃً تہذیب ہے، یہی حال مسلمان کیساتھ کیا جائیگا۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری کے متعلق سنا کہ حضرت فرماتے تھے کہ جنت میں وہی جائے گا جس کا تزکیہ ہو گیا ہو چاہے دنیا میں آدمی اپنا تزکیہ کرلے ورنہ عالم برزخ میں تزکیہ کرایا جائیگا، اگر وہاں بھی تزکیہ نہ ہوا تو عذاب جہنم سے تزکیہ کرایا جائیگا، بہر حال بغیر تزکیہ کے جنت میں کوئی نہیں جائیگا بہتر یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جانے سے پہلے جو تواب وحکیم ہے اپنے گناہوں سے توبہ کرلی جائے کہ اللہ سب گناہوں کو معاف فرمادے۔

جب بندہ اپنے جرموں اور گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائے گا پھر حق تعالیٰ اسکی مغفرت فرما کر جنت میں پہونچائیں گے اور نعماء کثیرہ سے نوازینگے، تم ماقبل میں پڑھ چکے ہو کہ جو آخری شخص جہنم سے نکل کر جنت میں جائیگا حق تعالیٰ شانہ اسکو دنیا کے مثل عطا فرمائینگے، اور ابوسعید خدری کی روایت میں ہے وعشرۃ أمثالہ دنیا کا دس گنا عطا فرمائینگے، کوئی سوچے کہ مختصر سے اعمال اور وہ اعمال بھی ناقص اور اس پر اتنا بڑا انعام واحسان اور وہ بھی انعام دائم خلود دائمی، یہ سب کچھ سبق رحمت اور رحمت کے تعلقات میں کثرت نہیں تو اور کیا چیز ہے، یہی ہے سبقت رحمتی علی غضبی۔

فهو عنده: اس عندیت سے مراد عندیت مکانی نہیں بلکہ عندیت علمیہ ہے یعنی جیسے کسی کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ اسکے متعلق پوری معلومات رکھتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کو سب چیزوں کا پورا علم ہے۔

۷۵۵٤- حدثني محمد بن أبي غالب، حدثنا محمد بن إسماعيل، حدثنا معتمر، سمعت أبي، يقول: حدثنا قتادة، أن أبا رافع، حدثه أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله كتب كتابا قبل أن يخلق الخلق: إن رحمتي سبقت غضبي، فهو مكتوب عنده فوق العرش.

حدثني محمد بن أبي غالب: یہ وہی پہلی روایت ہے مگر چونکہ پہلی روایت میں تھا قتادۃ عن أبی رافع اور قتادہ مدلس ہیں اور مدلس کا منعنہ مقبول نہیں ہے اسلئے امام بخاری نے دوسرے طریق سے اسکو ذکر فرما کر سماع کی تصریح فرمادی اور بتادیا کہ قتادہ نے اس حدیث میں تدلیس سے کام نہیں لیا بلکہ ابورافع سے سماع کی تصریح کی ہے چنانچہ فرمایا: حدثنا قتادۃ أن أبا رافع حدثه أنه سمع أبا هريرة يقول الخ۔

(ص ۱۱۲٦) باب قول الله ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ ويقال للمصورين: أحيوا ما خلقتم ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ قال ابن عيينة: بين الله الخلق من الأمر، لقوله تعالى: ﴿أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ﴾ وسمى النبي صلى الله عليه وسلم الإيمان عملا قال أبو ذر، وأبو هريرة: سئل النبي صلى الله عليه وسلم أي الأعمال أفضل؟ قال: «إيمان بالله وجهاد في سبيله» وقال: ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ وقال وفد عبد القيس للنبي صلى الله عليه وسلم: مرنا بجمل من الأمر، إن عملنا بها دخلنا الجنة، فأمرهم بالإيمان والشهادة، وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة فجعل ذلك كله عملا.

حق تعالیٰ شانہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔

علامہ مہلب بن ابی صفرہ استاذ ابو الحسن بن بطال فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ افعال عباد اور ان کے اقوال سب کے سب مخلوق ہیں، اور جب انسان کے اقوال وافعال مخلوق ہیں تو انہی میں ان کی تلاوات بھی داخل ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ تلاوت ومتلو میں فرق ہے، اسلئے کہ تلاوت تو افعال واقوال عباد میں داخل ہیں اور یہ سب مخلوق ہیں، اور متلو اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ مع اپنی ذات وصفات کے غیر مخلوق ہے، میں نے بارہا یہ کہا کہ امام بخاری نے آخر کے ابواب میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ مسئلہ کلام میں تلاوت ومتلو کا فرق پوری طرح سے واضح کرتے چلے جائیں اسی لئے میں بار بار ہر ترجمہ کے ذیل میں اس پر تنبیہ کرتا ہوں۔

یہ آیت شریفہ ﴿والله خلقکم وماتعملون﴾ عجیب وغریب آیت ہے، اس سے معتزلہ بھی استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت والجماعت بھی استدلال کرتے ہیں، اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جیسے انسان اللہ تعالیٰ شانہ کا پیدا کیا ہوا ہے اسی طرح اسکے اعمال وافعال واقوال بھی حق تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، لیکن معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے انسان کو تو پیدا فرمایا باقی اسکے اعمال وافعال کا خود انسان خالق ہے۔

اہل سنت والجماعت نے اس آیت شریفہ سے اپنے مدعیٰ کو ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿والله

خلقکم وماتعملون﴾، اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا، اس مدعیٰ کے اثبات کے لئے اہل سنت کی طرف سے یہ تقریر کی گئی کہ وماتعملون میں 'ما' مصدریہ ہے، بہت سے علماء مکی بن طالب نے اعراب القرآن میں اور امام ابوالقاسم سہیلی نے نتائج الفکر میں اور قاضی بیضاوی نے تفسیر میں طیبی نے حواشی کشاف میں اور دیگر حضرات نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور اسکے وہ لوگ بہت سے مرجحات بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلا مرجح یہ ہے کہ 'ما' مصدریہ ماننے کی صورت میں کلام میں کوئی ضمیر محذوف ماننی نہیں پڑتی ہے اور 'ما' موصولہ ماننے کی صورت میں کلام میں ایک ضمیر محذوف ماننی پڑتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کلام بلاحذف کے درست ہو جائے تو حذف کی صورت اختیار کرنا مرجوح ہوتا ہے۔

دوسرا مرجح یہ ہے کہ نحاۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر 'ما' کسی فعل مخصوص کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو وہ 'ما' مصدریہ ہوا کرتا ہے۔

تیسرا مرجح یہ ہے کہ اس بات پر بھی عقلاء کا اتفاق ہے کہ افعال عباد کا تعلق جواہر واجسام سے نہیں ہوا کرتا ہے، یوں نہیں کہا جاتا عملت جبلاً، وضعت جملاً، بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ عملت بیتا، میں نے ایک مکان بنایا صنعت دارا میں نے دار بنایا، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عرب کہتا ہے صنعت الجفن وعملت الصحفة، میں نے لگن بنائی، میں نے پیالہ بنایا، اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں مراد اسکی تصویر ہے یعنی جفنہ کی اور صحفہ کی صورت بنائی ہے۔

چوتھا مرجح یہ بیان کیا گیا کہ مشرکین جن اصنام کی پرستش کیا کرتے تھے وہ اسلئے پرستش نہیں کرتے تھے کہ ان کا جرم اور جسم ہے ورنہ سارے پتھروں کی پوجا کرتے بلکہ وہ ان اجرام واجسام کو پہلے صاف کرتے تھے اسکی شکل وصورت بناتے تھے پھر اسکی پرستش کرتے تھے تو حقیقۃً وہ احجار کی نہیں بلکہ احجار منحوتہ کی پرستش کرتے تھے اور احجار منحوتہ کی پرستش اپنے عمل نحت کی وجہ سے کرتے تھے، معلوم ہوا کہ اصل مقصود بالعبادۃ ان کا اپنا عمل ہے اسلئے عمل کے اثبات کیلئے 'ما' مصدریہ کو ہی اختیار کرنا ہوگا، اور کہا جائیگا کہ آیت شریفہ کا مطلب ہے واللہ خلقکم وأعمالکم اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا جن کی وجہ سے تم احجار منحوتہ کی پرستش کرتے ہو۔

مگر معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر 'ما' کو موصولہ ماننا ہی ارجح ہے اور اسکی دو دلیل پیش کی۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أتعبدون ما تنحتون والله خلقكم وما تعملون﴾، کیا تم ان کی پرستش کرتے ہو جن کو تم کھرچتے ہو اور جن کو تم صورت دیتے ہو؟ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور اس چیز کو پیدا کیا جسکو تم بناتے ہو، ماتنحتون میں 'ما' موصولہ ہے تو ماتعملون میں بھی 'ما' کو موصولہ ماننا چاہئے، اسلئے کہ ماتعملون سے مراد وہی ماتنحتون ہے۔

اور دوسری دلیل ان لوگون نے عجیب وغریب بیان کی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم جس چیز کی پرستش کرنا چاہتے ہو وہ لائق پرستش نہیں ہے اسلئے کہ وہ بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسکو بھی پیدا کیا جسکو تم بناتے ہو یعنی اصنام کو پیدا کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ دوسری دلیل بہت زوردار ہے۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ 'ما' موصولہ ماننے کی وجہ ترجیح تو آپ نے ایک پیش کی لیکن مصدریہ ماننے کی وجوہ ترجیح متعدد ہیں، اور جب مرجحات میں تعارض ہوگا تو ایک مرجح والی صورت سے اس صورت کو زیادہ ترجیح ہوگی جس میں متعدد مرجحات ہوں۔

دوسری دلیل جو پیش کی اور واقعۃً وہ بہت زوردار ہے کہ تم جس چیز کو کھرچ کر بناتے ہو وہ بھی اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ 'ما' مصدریہ ماننے کی صورت میں یہ بات بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگی، اس واسطے کہ 'ما' مصدریہ کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا، جب اعمال اللہ کی مخلوق ہیں اور ان اعمال ہی کی وجہ سے اصنام کو شکل حاصل ہوئی تو وہ اصنام بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اسلئے کہ اعمال مخلوق ہیں تو ان اعمال کی وجہ سے جو اصنام بنے وہ بھی مخلوق ہیں۔

یہ ساری گفتگو مشہور قول کے پیشِ نظر ہے کہ 'ما' مصدریہ ہے ورنہ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ 'ما' موصولہ ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں اور اسی کو شیخ الاسلام علامہ احمد بن تیمیہ الحنبلی الحرانی نے منہاج السنۃ النبویہ میں نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ 'ما' موصولہ ماننا ہی مناسب ہے، اول تو ماتنحتون کے مناسب ہے، دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اصلاً وبالذات عابدین اصنام پر نکیر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے

ہیں کہ یہ لائق پرستش نہیں ہیں اور اسکی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ جیسے تم خدا کی مخلوق ہو ایسے ہی تمہارے یہ اصنام بھی خدا کی مخلوق ہیں۔

مگر 'ما' موصولہ کی صورت میں بھی اہل سنت ہی کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اللہ خلقکم﴾، اللہ نے تم کو پیدا کیا، خلقکم میں جیسے انسان کی ذات داخل ہے ایسے ہی اسکے سارے اوصاف وافعال وصفات سب داخل ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے تمہیں تمہاری ذات کو اور تمہارے اعمال واشغال سکو پیدا کیا ہے، آگے ارشاد ہے وماتعملون اور جسکو تم بناتے ہو اسکو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے یعنی منحوت کو، اب منحوت اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق ہے، اسکے متعلق پوچھنا یہ ہے کہ قبل النحت اللہ کی مخلوق ہے یا بعد النحت بھی اللہ کی مخلوق ہے؟ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ قبل النحت اللہ کی مخلوق ہے اور بعد النحت اللہ کی مخلوق نہیں ہے تو یہ غلط ہے، یہ تو مسلم بین الفریقین (یعنی اہلسنت اور معتزلہ کے درمیان) ہے کہ اصنام قبل النحت بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور بعد النحت بھی، جب دونوں صورت میں مخلوق ہوئے تو بعد النحت بھی صفت نحت کیساتھ اور اسکے بعد مخلوق ہوئے، اور نحت اعمال عباد ہے وہ بھی مخلوق ہے اور یہی ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی پیدا کیا اور اسکے تمام اعمال واشغال کو بھی پیدا کیا۔

خلاصہ یہ کہ بندوں کے افعال کا مخلوق ہونا دو طرح سے ثابت ہوتا ہے، ایک تو واللہ خلقکم میں 'کم' کے عموم سے اور ثانیاً ماتعملون میں 'ما' کے عموم کی وجہ سے، تو انسان کے تمام افعال واعمال اللہ کی مخلوق ہے قبل النحت بھی اور بعد النحت بھی، اور منحوت اپنی ذات کے اعتبار سے بھی مخلوق اور اس پر جو نحت کا عمل صادر ہوا وہ بھی مخلوق ہے اور انسان کا عمل نحت ہے تو انسان کا عمل بھی مخلوق ہوا۔

اسلئے 'ما' موصولہ کی تقریر ہی اولیٰ ہے، اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح عقائد میں اسی کے قریب قریب کلام کیا ہے اور 'ما' کے موصولہ ہونے کو راجح قرار دیا، اس تقریر کے بعد 'ما' مصدریہ کے مرجحات بیان کرنے کی بھی خواہ مخواہ ضرورت نہیں رہی۔

میں نے تم سے کتاب التفسیر میں کہا تھا کہ ماتعملون پر تفصیلی کلام کتاب الرد علی الجہمیہ کے اواخر میں کرونگا اس سے مراد میرا یہی کلام ہے۔

﴿إنا كل شئ خلقناه بقدر﴾: بیشک ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے، کل شئی خلقناہ بقدر اپنے عموم کی وجہ سے ہر چیز کو شامل ہے چاہے وہ اعیان کے قبیل سے ہو یا اعراض کے قبیل سے ہو، اب اس میں اعمال بھی داخل ہو گئے۔

﴿إن ربكم الله الذى خلق السموات والأرض﴾ الآية: اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آگے کہتے چلے آرہے ہیں فلاں فلاں چیز کو پیدا فرمایا پھر فرمادیا ﴿ألا له الخلق والأمر﴾ سن لو اللہ ہی کیلئے خلق بھی ہے اور اللہ ہی کیلئے امر بھی ہے، یعنی حق تعالیٰ تمام اشیاء کے خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے احکام تمام چیزوں میں نافذ ہوتے ہیں اور چلتے ہیں۔

خلق وامر کی تفسیر میں اختلاف ہو رہا ہے، یہاں ایک گفتگو چل پڑی اور اصل میں یہ گفتگو صوفیا نے ایجاد کی ہے کہ دو عالم ہیں، ایک عالم خلق ہے اور دوسرا عالم امر ہے، اور ان دونوں میں فرق بیان کرتے ہیں۔

(۱) کعب قرظی اور سفیان بن عیینہ، امام احمد، عبد السلام بن عاصم اور ایک جماعت یہ کہتی ہے الخلق هو المخلوقات والأمر هو الكلام، یعنی خلق سے مراد تمام مخلوقات ہیں اور امر سے مراد اللہ تعالیٰ شانہ کا قول کن ہے کہ اس سے تمام عالم کو پیدا فرمایا ہے۔

(۲) حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ مافوق العرش عالم امر ہے اور ماتحت العرش عالم خلق ہے، یہ مجدد صاحب کی اصطلاح ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ اصطلاح اصطلاح اول کیساتھ جڑ جاتی ہے اسلئے کہ ﴿الرحمٰن على العرش استوى﴾، لہذا عرش کے اوپر سے امر چلتا ہے اور نیچے خلق ہے، اسکی طرف امر متوجہ ہوتا ہے۔

(۳) حضرات مفسرین فرماتے ہیں عالمِ امر عالمِ تشریع ہے اور عالمِ خلق عالمِ تکوین ہے۔

(۴) امام غزالی فرماتے ہیں کہ عالمِ شہادت عالمِ خلق ہے اور عالمِ غیب عالمِ امر ہے، اسی کو بعضوں نے ایک دوسرے لفظ سے تعبیر کیا کہ جو مدرک بالحواس ہے وہ عالمِ خلق ہے اور جو مدرک بالحواس نہیں وہ عالمِ امر ہے، میرے نزدیک ان دونوں میں صرف لفظی اور تعبیری فرق ہے نفس الامر اور واقع میں کوئی فرق نہیں

ہے۔

(۵) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ جو چیزیں لفظ کن سے بلاواسطہ پیدا ہوئی ہیں وہ عالم امر ہے اور جو چیزیں کسی چیز سے پیدا ہوئی ہیں ان کا تعلق عالم خلق سے ہے۔

(۶) حضرت اقدس تھانوی نے بوادر النوادر میں اسی طرح اور جگہوں میں حضرات صوفیہ کی اصطلاح یہ بیان فرمائی ہے کہ عالم مجردات تو عالم امر ہے اور عالم مادیات عالم خلق ہے۔

(۷) بعض حضرات کہتے ہیں کہ عالم خلق دنیا ومافیہا ہے اور عالم امر آخرت ومافیہا ہے، اور بعض نے یہ کہا کہ عالم خلق تو مخلوقات ہے اور عالم امر تصرف فی الکائنات ہے، میرے نزدیک یہ کوئی مستقل تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ وہی تفسیر ہے جو ہم سفیان بن عیینہ وغیرہ سے نقل کر آئے ہیں، اسکے علاوہ اور بھی فرق بیان کئے گئے ہیں، ہمارے نزدیک راجح وہی ہے جو اولاً سفیان بن عیینہ، محمد بن کعب قرظی، احمد بن حنبل، عبد السلام بن عاصم وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

تبارک اللہ رب العالمین: بابرکت ہے وہ اللہ جو تمام عالم کا مربی ہے، تمام عالم میں اقوال وافعال عباد سب داخل ہیں، اور افعال عباد میں ان کی تلاوات وقراءات سب داخل ہیں فثبت ما أشار إليه المصنف۔

قال ابن عيينة: بين الله الخلق من الأمر: یعنی حق تعالیٰ نے خلق وامر کے درمیان فرق کردیا ہے اور یہ بتلادیا ہے کہ امر اور چیز ہے خلق اور چیز ہے، امر کلام ہے اور خلق مخلوق ہے، لہذا کلام مخلوق نہیں ہوسکتا، یہ سفیان بن عیینہ نے معتزلہ پر تردید کرنے کیلئے ارشاد فرمایا ہے کیونکہ معتزلہ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کا کلام بھی مخلوق ہے، امام ابن عیینہ ان پر رد کرتے ہیں کہ کلام خدا کیسے مخلوق ہوسکتا ہے جب خود اللہ تعالیٰ شانہ نے خلق وامر کے درمیان فرق کردیا ہے ﴿ألا له الخلق والأمر﴾، اللہ ہی کیلئے خلق بھی ہے اللہ ہی کے لئے امر بھی ہے، اور وہ امر اللہ کا کلام ہے اور وہ کلمہ کن ہے اور اللہ کا کلام غیر خلق ہوا تو لامحالہ کلام خدا مخلوق نہیں ہوگا۔

وسمّى النبي ﷺ الإيمان عملا: حضور نے ایمان کو عمل قرار دیا ہے اور ایمان میں أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله داخل ہے، لا الہ الا اللہ قرآن پاک کا جملہ ہے ﴿فاعلم أنه لا إله

إلا الله﴾، اور﴿محمد رسول الله﴾ قرآن پاک کا جزء ہے سورۂ فتح میں، تو یہ پورا کلمہ قرآن پاک سے ماخوذ ہے، قرآن پاک اللہ کا کلام ہے تو لا إله إلا الله محمد رسول الله اللہ کا کلام ہوا، لیکن جب بندہ اسکو اپنے ایمان کیلئے استعمال کرے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسکو عمل قرار دیا، اپنے دل سے اسکا اعتراف کرے تو یہ اسکا قلبی عمل بن گیا، اور بندہ مع اپنی ذات وصفات کے مخلوق ہے تو معلوم ہوا کہ تلاوت ومتلو کے درمیان فرق ہے، جو لا الہ الا اللہ قرآن میں ہے وہ اللہ کا کلام ہے، اور بندہ اسکو اپنی زبان سے استعمال کرے وہ بندہ کا فعل ہے، اللہ کا کلام اللہ کی صفت غیر مخلوق ہے اور بندہ کا کلام جو اس کی زبان سے صادر ہو بندہ کی صفت اور مخلوق ہے۔

سئل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أی الأعمال أفضل: یہ وہی پہلے دعویٰ کی دلیل ہے کہ حضور نے ایمان کو عمل قرار دیا ہے۔

﴿جزاء بما کانوا یعملون﴾: یعملون میں تمام اعمال اور تمام طاعات داخل ہیں اور اس میں لا الہ الا اللہ کہنا بھی ہے۔

۷۵۵۵- حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب، حدثنا عبد الوهاب، حدثنا أيوب، عن أبي قلابة، والقاسم التميمي، عن زهدم، قال: كان بين هذا الحي من جرم وبين الأشعريين ودّ وإخاء، فكنا عند أبي موسى الأشعري فقرب إليه الطعام، فيه لحم دجاج وعنده رجل من بني تيم الله كأنه من الموالي، فدعاه إليه فقال: إني رأيته يأكل شيئا فقذرته فحلفت لا آكله، فقال: هلم فلأحدثك عن ذاك: إني أتيت النبي صلى الله عليه وسلم في نفر من الأشعريين نستحمله، قال: والله لا أحملكم وما عندي ما أحملكم، فأتي النبي صلى الله عليه وسلم بنهب إبل، فسأل عنا، فقال: أين النفر الأشعريون؟، فأمر لنا بخمس ذود غر الذرى، ثم انطلقنا قلنا: ما صنعنا حلف رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن لا يحملنا وما عنده ما يحملنا؟ ثم حملنا تغفلنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يمينه والله لا نفلح أبدا، فرجعنا إليه فقلنا له: فقال: «لست أنا أحملكم، ولكن الله حملكم، وإني والله لا أحلف على يمين فأرى غيرها خيرا منها إلا أتيت الذي هو خير منه وتحللتها.

لست أنا أحملكم ولكن الله حملكم: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے خود سواری عطا فرمائی لیکن سواری دینے کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا، معلوم ہوا کہ انسان کا فعل اللہ ہی کے وجود پذیر کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کے افعال مخلوق ہیں۔

۷۵۵۶- حدثنا عمرو بن علي، حدثنا أبو عاصم، حدثنا قرة بن خالد، حدثنا أبو جمرة الضبعي، قلت لابن عباس: فقال: قدم وفد عبد القيس على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: إن بيننا وبينک المشركين من مضر، وإنا لا نصل إليک إلا في أشهر حرم، فمرنا بجمل من الأمر إن عملنا به دخلنا الجنة، وندعو إليها من وراءنا، قال: آمركم بأربع وأنهاكم عن أربع: آمركم بالإيمان بالله، وهل تدرون ما الإيمان بالله؟ شهادة أن لا إله إلا الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وتعطوا من المغنم الخمس، وأنهاكم عن أربع: لا تشربوا في الدباء، والنقير، والظروف المزفتة، والحنتمة.

قلت لابن عباس فقال: علامہ کرمانی فرماتے ہیں تقدیر عبارت ہے قلت لابن عباس حدّثنا إمّا مطلقا وإمّا قصة وفد عبدالقيس فقال:، مگر علامہ کرمانی نے جو تقدیر مانی ہے وہ اسلئے کہ ان کو روایت کے طریق پر اطلاع نہ ہو سکی یعنی استحضار نہیں ہوا، یہ حدیث کتاب المغازی میں بطریق ابو عامر العقدی ص ۶۲۶ پر گذر چکی ہے وہ نقل کرتے ہیں قرہ بن خالد سے آگے سند وہی ہے جو یہاں پر موجود ہے، اس میں یہ ہے کہ ابوجمرہ کہتے ہیں قلت لابن عباس إن لی جرّة انتبذ فيها فاشربه حلوا لو أكثرت منها فجالست القوم فخشيت أن أفتضح فقال: قدم وفد عبدالقيس، معلوم ہوا کہ یا تو خود امام بخاری نے بیچ کا یہ جملہ حذف کر دیا ہے یا استاذ یا استاذ الاستاذ نے حذف کیا ہے، بہر حال ابوجمرہ نے سوال کیا تھا کہ میرے پاس ایک مٹکا ہے اور نبیذ بناتا ہوں جب تک میٹھا ہوتا ہے پی لیتا ہوں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں زیادہ پی لوں تو قوم کے اندر بیٹھنے کی صورت میں رسوا ہو جاؤں یعنی سکر کی کوئی کیفیت ظاہر نہ ہو جائے، حضرت ابن عباس نے اپنی طرف سے فتویٰ کا جواب دینے کے بجائے حضور اکرم ﷺ کی حدیث نقل کر دی جو بیک وقت جوابِ فتویٰ بھی ہے اور دلیل فتویٰ بھی ہے۔

اب یہ سمجھو کہ ہم نے زیادتی بخاری کے حوالہ سے نقل کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کو بھی استحضار نہیں رہا انہوں نے یہ زیادتی مستخرج اسماعیلی کے حوالہ سے نقل کی، مگر یہ کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے، یہ ہمارے اکابر ہیں انہی کی کتابوں سے ہم نے علم حاصل کیا ہے استفادہ کیا ہے، ایسا ہوتا ہے کہ بعض جگہ بڑے کی نظر نہیں پہونچتی چھوٹے کی نظر پہونچ جاتی ہے۔

عجیب بات ہے کہ کرمانی پر تنقید کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے اسماعیلی کے حوالہ سے مذکورہ بالا

زیادتی نقل کی حالانکہ بخاری کی کتاب المغازی میں خود یہ زیادتی موجود تھی، حافظ نے کرمانی پر اعتراض کیا کہ انہیں اسکے طرق کا استحضار نہیں مگر خود حافظ ابن حجر پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ وہ حافظ الدنیا حافظ الحدیث کہلاتے ہیں خود بخاری شریف کی شرح کرتے ہوئے بخاری ہی کے الفاظ کا استحضار نہیں رہا، **سبحان من لا یسھو ولا ینسی**۔

مگر ابن حجر ہمارا استاذ ہے اگر ہم ان کی کسی بات پر اعتراض کرتے ہیں تو نہ ہمیں اپنے دل میں کچھ تفوق محسوس ہوتا ہے نہ ہونا چاہئے، چھوٹے اگر بڑوں پر اعتراض کریں تو یہ چھوٹوں کیلئے بڑائی کی بات نہیں نہ بڑوں کی تنقیص ہے یہ تو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ کبریٰ میں ایک مقام پر لکھا ہے **ما زالت التلامیذ یعترضون علی الأساتیذ و کان ذالک لھم زین ولم یکن لھم شین** یہ ان کیلئے باعث زینت ہوتی تھی باعث شین وعیب نہیں، مگر طریقہ ہوتا ہے اعتراض کرنے کا، ادب کیساتھ بات کہی جائے تو پسند آتی ہے اور اگر انداز بدل کر کہے تو وہی بات ناگوار ہو جاتی ہے۔

حضرت اقدس تھانوی نے ایک مرتبہ مسجد میں کسی سے ریز گاری لی اور پیسے دیدئے، کسی مرید نے عرض کیا آہستہ آواز سے کہ کیا یہ بیع میں داخل نہیں ہے؟ (یعنی مسجد میں بیع؟) حضرت نے فرمایا ہاں بھئی! اور ایکدم ریز گاری واپس کر دی اور پھر مسجد سے باہر تشریف لے آئے اور دوبارہ تبادلہ کیا اور فرمایا کہ اعتراض اگر سلیقہ سے ہو تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔

آمر کم بأربع: چار باتوں کا حکم دیا اسکی وضاحت یہ ہے (۱) **شھادة أن لا إله إلا الله** (۲) **وإقام الصلاة** (۳) **وإیتاء الزکوٰة** (۴) **وتعطوا من المغنم الخمس**، یہاں اجمال وتفصیل میں عدم مطابقت کا کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، مگر اس روایت میں صوم کا کوئی تذکرہ نہیں اور ص ۶۲۶ پر ابو عامر العقدی کے طریق سے یہی روایت گذری ہے جسکو وہ قرہ بن خالد سے نقل کرتے ہیں اس میں صوم کا بھی ذکر ہے، اس صورت میں اجمال وتفصیل میں عدم مطابقت کا اعتراض متوجہ ہو جاتا ہے کہ اجمال میں تو چار اور تفصیل میں پانچ کا ذکر ہو جاتا ہے، اسکے آٹھ نو جوابات کتاب الایمان میں دے چکا ہوں، یہاں تو میں مختصر طور پر اتنا کہہ دیتا ہوں۔

(۱) چونکہ یہ حضرات کفار کے مجاور تھے ان کے پڑوس میں رہتے تھے اسلئے حضور ﷺ نے ابتداءً تو

چار ایسے اعمال بیان کئے جسکے وہ ہمیشہ مکلف تھے اور پانچواں عمل خصوصی طور پر بیان کر دیا جو وقتی تھا کہ کبھی تم کو کفار سے لڑائی کا موقع پیش آئے اور غنیمت ملے تو دیکھو ساری غنیمت استعمال نہ کر لینا بلکہ اسکا خمس تم کو ادا کرنا پڑیگا۔

(۲) اور بعض نے یہ کہا کہ چونکہ یہ مؤمن تھے اسلئے شہادتین کا ذکر تمہید و تبریک کے واسطے ہے اور اصل احکام بعد کی چیزیں ہیں۔

(۳) قاضی ابن عربی فرماتے ہیں کہ اعطاء الخمس من المغنم اور زکوۃ یہ دونوں اداء حق مال ہیں اسلئے دونوں ایک ہی ہیں۔

(۴) قاضی ابن عربی ہی نے ایک اور جواب دیا ہے کہ صلاۃ وزکوۃ قرآن پاک میں بکثرت ایک ساتھ ذکر کئے گئے ہیں اسلئے گویا دونوں ایک ہیں۔

بکثرت کا مطلب یہ ہے کہ کافی جگہ پر، بزازیہ میں لکھا گیا ہے کہ ثمانین موضعاً، اسّی ۸۰ جگہ پر ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے مگر یہ کاتب کی غلطی ہے بظاہر ثلاثین موضعاً ہے غلطی سے ثمانین بن گیا، چنانچہ علامہ شامی نے در مختار پر تنقید کرتے ہوئے اسکا تذکرہ کیا ہے، لیکن تیس کا تذکرہ بھی مجاز کے طور پر ہی صحیح ہو سکتا ہے، اٹھائیس جگہ صلاۃ وزکوۃ کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ستائیس جگہ تو ایک آیت میں اور اٹھائیسویں جگہ میں ایک آیت میں صلاۃ اور دوسری آیت میں زکوۃ کا ذکر ہے هكذا حققه يوسف القرضاوی۔

علامہ یوسف قرضاوی دور حاضر کے ایک مشہور عالم ہیں لیکن ہیں وہ اہل حدیث اور اپنے آپ کو مجتہد سمجھتے ہیں، ویسے ہیں بڑے عالم، علم کا استحضار ہے۔

۷۵۵۷- حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا الليث، عن نافع، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة، ويقال لهم: أحيوا ما خلقتم.

۷۵۵۸- حدثنا أبو النعمان، حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة، ويقال لهم: أحيوا ما خلقتم.

أحيوا ما خلقتم، أي ما صنعتم: خلق کی اضافت مصورین کی طرف مجازی کی گئی ہے اسلئے کہ انہوں نے اللہ کی صفت خلق میں مشابہت اختیار کی، حق تعالیٰ خلق فرماتے ہیں، بچہ کی تصویر رحم میں بناتے ہیں، تو انہوں نے خارج رحم تصویر بنانی شروع کر دی تو گویا حق تعالیٰ کے ساتھ وصف خلق میں مشابہت اختیار کی، اس مشابہت کی وجہ سے أحيوا ما خلقتم کہدیا گیا، بہر حال خلق کی نسبت ان مصورین کی طرف کی گئی ہے اور یہ مصورین مع اپنی ذات وصفات کے مخلوق ہیں، معلوم ہوا کہ افعالِ عباد اللہ کے مخلوق ہیں۔

اور سنیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد أحيوا ما خلقتم یہ امر تعذیبی ہے اور مقصود اس سے ان کو تکلیف دینا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہے تو حق تعالیٰ انہیں مکلف کرینگے کہ تم نے صورت بنائی ہے تو اس میں روح بھی پھونکیں اور روح پھونک نہیں سکتے، سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عاجز ہو جائینگے۔

٧٥٥٩- حدثنا محمد بن العلاء، حدثنا ابن فضيل، عن عمارة، عن أبي زرعة، سمع أبا هريرة رضي الله عنه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله عز وجل: ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقي، فليخلقوا ذرة أو ليخلقوا حبة أو شعيرة.

ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقي: اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو میرے خلق کی طرح خلق کرے، پس چاہئے کہ ایک ذرہ بنا کر دکھائے، ایک جَو بنا کر دکھائے، واقعہ یہ ہے کہ کسی کے بس میں نہیں ہے کہ ایک جَو بنا دے، تخلیق اللہ تعالیٰ شانہ کا وصف ہے، اللہ ہی تخلیق فرماتے ہیں کسی بندہ کا وصف تخلیق نہیں ہے۔

(ص ۱۱۲۸) باب قراءة الفاجر والمنافق وأصواتهم وتلاوتهم لايجاوز حناجرهم

یہ باب فاجر اور منافق کی قرأۃ کے بیان میں ہے اور ان کی آوازیں اور تلاوتیں چمبر گردن سے تجاوز نہیں کرتیں۔

امام بخاری نے اس باب سے صاف طور سے یہ بیان کر دیا کہ متلو اور چیز ہے اور تلاوت اور چیز ہے، دیکھو برّ وفاجر تلاوت کرنے میں سب برابر ہیں لیکن دونوں کی قراءتیں برابر نہیں، جس کو پڑھتے ہیں وہ ایک ہے لیکن پڑھنے والوں کے اختلاف کے اعتبار سے پڑھنے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اب اگر تلاوت ومتلو ایک ہوتے تو برّ وفاجر کی تلاوت میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے، نیکوکار کی تلاوت جیسے اللہ کے یہاں مقبول ہوتی ہے بدکار کی تلاوت بھی اللہ کے یہاں مقبول ہوتی، لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی قراءت میں فرق ہے حالانکہ متلو ایک ہے، معلوم ہوا کہ تلاوت اور ہے اور متلو اور ہے۔

لایجاوز حناجرھم: ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرتی۔ اسکے دو مطلب ہیں، یا تو مطلب یہ ہے کہ دلوں میں نہیں اترتی یا یہ کہ اللہ کے یہاں نہیں چڑھتی اور اللہ تعالیٰ اسکو شرف قبولیت عطا نہیں فرماتے ہیں۔

۷۵۶۰- حدثنا هدبة بن خالد، حدثنا همام، حدثنا قتادة، حدثنا أنس، عن أبي موسى رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن كالأترجة، طعمها طيب وريحها طيب، ومثل الذي لا يقرأ كالتمرة، طعمها طيب ولا ريح لها، ومثل الفاجر الذي يقرأ القرآن كمثل الريحانة، ريحها طيب وطعمها مر، ومثل الفاجر الذي لا يقرأ القرآن كمثل الحنظلة، طعمها مر ولا ريح لها:

حدثنا هدبة بن خالد: یہ حدیث اسی سند سے کتاب فضائل القرآن میں ص ۷۵۱ پر مع متن گذر چکی ہے۔

لا ریح لها: اور ص ۷۵۷ پر یہ روایت گذری ہے اس میں ہے ریحها مر، علامہ بدر الدین زرکشی نے لاریح لها کی روایت کو راجح قرار دیا ہے اسلئے کہ یہ متفق علیہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ مرارت وحلاوت یہ مطعومات کے اوصاف ہیں ریح کے اوصاف میں نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو چیز کڑوی ہوتی ہے اسکی بو بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے اور جو چیز میٹھی ہوتی ہے اسکی بو بھی میٹھی ہوتی ہے، لہٰذا لاریح لها سے ریح نافعہ کی نفی مقصود ہے اور ریحها مر سے ریح غیر نافع کا بیان ہے فلا تعارض بینهما أی بین الروایتین۔

۷۵۶۱- حدثنا علي، حدثنا هشام، أخبرنا معمر، عن الزهري، ح وحدثني أحمد بن صالح، حدثنا عنبسة، حدثنا يونس، عن ابن شهاب، أخبرني يحيى بن عروة بن الزبير، أنه سمع عروة بن الزبير،

قالت عائشة رضي الله عنهما: سأل أناس النبي صلى الله عليه وسلم عن الكهان، فقال: إنهم ليسوا بشيء، فقالوا: يا رسول الله، فإنهم يحدثون بالشيء يكون حقا، قال: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: تلك الكلمة من الحق يخطفها الجني، فيقرقرها في أذن وليه كقرقرة الدجاجة، فيخلطون فيه أكثر من مائة كذبة.

كقرقرة الدجاجة: جیسے مرغی آواز دیتی ہے اور آواز دے کر اپنے بچوں کو جمع کر لیتی ہے، اسی طرح جنی کوئی حق بات سن کر اپنے کاہن کے کان میں ڈالدیتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس وقت جنی اس کاہن کے کان میں کوئی بات ڈالتا ہے اس وقت ایک آواز پیدا ہوتی ہے جیسے مرغی کے قرقرہ کی آواز، یا مطلب یہ ہے کہ جیسے مرغی اپنے بچوں کو چونگا دیتی ہے اور اسکے منھ میں ڈال دیتی ہے اسیطرح جنی اپنا منھ کاہن کے منھ میں لیجاکر اپنا کلمہ اس میں ڈالدیتا ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ یہاں پر دو روایتیں ہیں، ایک الدجاجة دال مہملہ سے، دوسرا ہے الزجاجة زاء معجمہ کے ساتھ، یہ زاء معجمہ والا مستملی کے نسخہ میں واقع ہوا ہے، اس میں راجح کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔

امام دار قطنی اور حافظ ابن الصلاح نے دال والے نسخہ کو راجح قرار دیا ہے اور زا کے نسخہ کو تصحیف قرار دیا، مگر امام خطابی، ابو القاسم سہیلی، علامہ فضل اللہ تور بشتی حنفی زاء والے کو راجح اور راوالے کو مرجوح قرار دیتے ہیں، اور دلیل اسکی یہ پیش کرتے ہیں کہ بدء الخلق میں یہ روایت گذری ہے اس میں کماتقرّ القارورة وارد ہوا ہے اور قارورہ شیشی کو کہتے ہیں اور قاعدہ ہے الروایات تفسر بعضها بعضا، لہذا وہ روایت مرجح ہوگی دجاجہ والی روایت پر۔

امام دار قطنی امام فن ہیں اگر چہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ زجاجہ والی روایت تصحیف ہے تاہم یہ ضرور کہہ دینگے کہ دجاجۃ والی روایت زجاجہ والی روایت سے ارجح ہے، علامہ سیوطی نے حافظ ابن حجر سے مختصر طور پر یہ نقل کیا ہے سواء اختلاف الروايتين فيهما وأن الروايتين صحيحتان، ہم کو پوری فتح الباری میں یہ لفظ کہیں نہیں ملا، علامہ سیوطی نے اختصار کیا ہے ورنہ اصل وہ کلام ہے جو ہم نے ابھی نقل کیا ہے، بہر حال خلاصہ یہی ہے کہ حافظ دونوں روایتوں کو صحیح مانتے ہیں مگر ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ تور بشتی نے الزجاجۃ والی روایت کی ترجیح کیلئے جہاں قارورہ والی روایت پیش کی وہیں ایک ترجیح یہ

پیش کرتے ہیں کہ قرقرہ کا لفظ قرّ سے ماخوذ ہے اور یہ لفظ فیقر قرھا فی أذن ولیه کقرقرۃ الدجاجۃ لغت کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا، اسلئے کہ قرّ کے معنی دجاجہ کیلئے استعمال نہیں ہوتے، مگر علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ دجاجہ کا لفظ ہی راجح ہے اسلئے کہ روایت میں ہے فیخطفھا الجنی، اور خطف کے معنی ہیں اچک لینا جو طیر کا فعل ہے لہذا دجاجہ کی روایت زجاجہ کے لفظ سے ارجح معلوم ہوتی ہے، بہر حال دونوں روایتیں ہیں کوئی اسکو ترجیح دیتا ہے اور کوئی اسکو ترجیح دیتا ہے۔

فیخلطون فیھا أکثر من مائة کذبة: وہ کاہن اس میں سو سے زائد جھوٹ ملا دیتے ہیں، پھر کاہن کہتا ہے یوں یوں یوں ہے اور سو میں سے ایک بات سچی نکل آئی تو کہتا ہے ہم کہتے تھے نا کہ یوں ہو جائیگا وہ ہو گیا، ان پنڈتوں کو دیکھا ہوگا کہ ایک بات صحیح ہو گئی تو بس اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہم نے یہ کہا تھا، یہ ہو گئی بات، ترجمہ تلک الکلمة من الحق یخطفھا الجنی ہے، یہ حق کلمہ ہے جنی اسکا خطف کر لیتا ہے، تو کلمۂ حق تو اوپر کا کلمہ ہے لیکن اس کلمہ کا جنی کو لے لینا اور اسکا کاہن سے بیان کرنا یہ ان کا اپنا عمل ہوا تو جنی اور کاہن کا فعل سب مخلوق ہے۔

۷۵۶۲- حدثنا أبو النعمان، حدثنا مهدي بن ميمون، سمعت محمد بن سيرين، يحدث عن معبد بن سيرين، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يخرج ناس من قبل المشرق، ويقرءون القرآن لا يجاوز تراقيهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية، ثم لا يعودون فيه حتى يعود السهم إلى فوقه، قيل ما سيماهم؟ قال: سيماهم التحليق - أو قال: التسبيد.

سیماھم التحلیق أو قال التسبید: ان خوارج کی عادت یہ ہوگی کہ سر منڈائینگے، تحلیق اور تسبید دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر منڈانا مخلوق ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ حلق کی چار صورتیں ہیں، ایک حلق فی الحج والعمرۃ ہے، اور دوسرا حلق للمرض ہے (بیماری کی وجہ سے بال منڈائے) یہ دونوں تو منصوص ہیں کتاب وسنت میں، تیسرا حلق عبادت کے طور پر، اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے اور مشائخ معتبرین میں سے جو سلف میں گذرے ہیں کسی نے بھی ایسا عمل نہیں کیا ہے، اور چوتھا عمل وہ ہے جو عام طور سے رائج ہے (یعنی عادۃً بال منڈوانا) اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام احمد کی دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ یہ حلق مکروہ ہے اور یہی امام مالک کا مذہب ہے، دوسرا قول یہ

ہے کہ حلق مباح ہے یہی اصحاب ابو حنیفہ اور اصحاب شافعی کا قول ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ حلق افضل ہے یا بال رکھنا یہ مسئلہ اپنی جگہ مختلف فیہا ہے، حضور اکرم ﷺ سے مدۃ العمر میں صرف چار مرتبہ حلق ثابت ہے، اسلئے راجح بال رکھنا ہے اور حلق کرانا بظاہر وسعت معلوم ہوتا ہے، علامہ طیبی نے حضرت علیؓ کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جو تم نے ابوداود میں پڑھی ہوگی إن تحت كل شعرة جنابة اور اسکے آخر میں حضرت علی کا قول ہے فمن ثَمّ عاديت رآسي فمن ثم عاديت راسي فمن ثم عاديت رأسي) لکھا ہے کہ حلق بھی سنت ہے، ملا علی قاری نے اس پر تنقید کی اور فرمایا کہ حضرت علی کا فعل زیادہ سے زیادہ رخصت کی دلیل بن سکتا ہے، سنت نہیں ہو سکتا ہے۔

بہر حال حضور اکرم ﷺ سے چاروں انساک یعنی تین عمرہ اور ایک حج میں حلق کرانا منقول ہے اسکے علاوہ عمر بھر آپ نے حلق نہیں کرایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر سلف صوفیاء بال رکھا کرتے تھے لیکن چونکہ حلق بھی جائز ہے اسلئے بہت سے اکابر اور بہت سے علماء حلق کراتے ہیں، اور میں نے علامہ زندوسی کی کتاب روضہ سے نقل کیا ہے السنة الحلق أو الفرق، ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سنت ہیں۔

امام طحاوی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حلق راجح ہے، اور ترجیح میں انہوں نے رحم الله المحلقين پیش کی ہے، لیکن ان کی یہ دلیل ایراد الدلیل فی غیر محلہ کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے، یہ ارشاد آپ ﷺ نے نسک میں فرمایا ہے، اگر دلیل کسی مخصوص مقام کیلئے وارد ہوئی ہے تو اسکی تعمیم اسطرح کیسے کی جاسکتی ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، علمہ احکم۔

(ص۱۱۲۸) باب قول الله ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن، وقال مجاهد: القسطاس: العدل بالرومية ويقال: القسط: مصدر المقسط وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر.

امام بخاری نے اپنی کتاب ختم کردی اور آخری باب میزان کے متعلق قائم فرمایا ہے اس واسطے کہ انسان کے اعمال کی آخری حد یہ ہے کہ وہ ترازوئے اعمال پر تولا جائیگا، میں یہ بتلاچکا ہوں کہ صاحب خیر جاری کی رائے یہ ہے کہ کتاب التوحید کا عنوان ایسا ہے جیسے متکلمین علم کلام کا عنوان منعقد کرتے ہیں اور اسکے اندر ذات وصفات اور نبوات و خلق اعمال اور میزان وغیرہ کے مسائل ذکر فرماتے ہیں اسیطرح امام بخاری نے بھی کیا ہے کہ ذات وصفات کے مسائل ذکر کئے، نبوت ورسالت کا تذکرہ فرمایا اور **خلق اعمال وافعال کا تذکرہ کیا اور** آخر میں میزان کا تذکرہ فرمادیا۔

قیامت کے دن انسان کے اعمال تولے جائینگے یہ تو منصوص بالقرآن ہے لیکن آیا اس سے حقیقی تولنا مراد ہے یا عدل وانصاف مراد ہے؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس سے حقیقی تولنا مراد ہے اور واقعۃً ترازوئے اعمال رکھی جائیگی اور اس میں لوگوں کے اعمال کو تولا جائیگا، مگر مجاہد منفرد ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے عدل مراد ہے اور معتزلہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، مگر جمہور علماء کا قول ظواہر نصوص کی وجہ سے ارجح ہے بلکہ ابواسحٰق زجاج نے اسپر اجماع نقل فرمایا۔

ونضع الموازین: ہم میزانوں کو رکھیں گے، موازین جمع کا صیغہ ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اسکا مفرد کیا ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسکا مفرد موزون ہے اور اس سے مراد اعمال موزونہ ہیں، اس صورت میں جمع اپنے ظاہر پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اعمال وزن کئے جائینگے، دوسرا قول یہ ہے کہ موازین میزان کی جمع ہے اور میزان کہتے ہیں ترازو کو۔

میزان جمع کیساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ کیا واقعۃً الگ الگ ترازو ہوں گی یا ترازو ایک ہی ہوگی جس میں لوگوں کے سب اعمال تولے جائینگے، اس میں اختلاف ہے، فخر الدین رازی کی رائے یہ ہے کہ متعدد ترازو ہوں گی پھر متعدد ترازو کیوں ہوں گی؟ بعض کہتے ہیں کہ ہر عمل کیلئے الگ ترازو ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ ہر شخص

کیلئے الگ ترازو ہوگی۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ جمع اسلئے نہیں لائے کہ ترازوئیں متعدد ہوں گی بلکہ ایک ہی ترازو ہوگی اسی میں سب کے اعمال تولے جائینگے لیکن جمع کا صیغہ یا تو تعدد اشخاص کی وجہ سے یا تعدد اعمال کی وجہ سے استعمال کیا گیا، یا تعظیم کی وجہ سے استعمال کیا گیا کہ وہ ترازو بڑا عظیم الشان ہوگا، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے ابن شاہین نے نقل کیا کہ ترازوئے اعمال ایسی ہوگی جیسے ساری دنیا ہوتی ہے اتنی بڑی ترازو ہوگی، اور سلمان فارسیؓ سے ابو القاسم طبری لالکائی نے نقل کیا کہ اگر سارے آسمان وزمین ایک ترازو میں رکھے جائیں تو سب کیلئے وہ کافی ہو جائیگی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

القسط: یہ مصدر ہے اور المصدر لا یثنی ولا یجمع اس واسطے اسکو مفرد استعمال کیا گیا ہے اور یہ موازین کی صفت ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک مضاف مقدر ہے یعنی الموازین ذوات القسط، اور بعض کہتے ہیں القسط منصوب ہے اور مطلب ہے لأجل القسط یعنی انصاف کرنے کیلئے۔

لیوم القیامة: یا تو لام تاکید کے لئے ہے أی لوقت یوم القیامة، یا لام فی کے معنی میں ہے أی فی یوم القیامة، اور یا تعلیل کے لئے ہے أی لحساب یوم القیامة، قیامت کے دن حساب کرنے کے واسطے موازین رکھی جائینگی۔

وأن أعمال بنی آدم وقولهم یوزن: انسان کے اقوال واعمال وزن کئے جائینگے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا چیز وزن کی جائیگی؟ آیا اعمال کا وزن ہوگا یا صحائف الاعمال یا اصحاب اعمال کا وزن ہوگا؟ اس میں تینوں قول ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، امام بخاری، ابو اسحٰق زجاج، حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا اور ظاہر نصوص سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، امام بخاری نے جو روایت پیش کی ہے کلمتان حبیبتان إلی الرحمٰن الخ صاف دلیل ہے، حضرت ابو الدرداءؓ سے منقول ہے أثقل شئی یوضع فی المیزان یوم القیامة خلق حسن، رواہ أبو داود سب سے ثقیل چیز قیامت کے دن رکھی جائیگی وہ خلق حسن ہے۔

مگر اشکال یہ ہے کہ اعمال تو از قبیل اعراض ہیں، اعراض کے تولنے کی کیا صورت ہوگی؟ اسکا ایک

جواب تو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے إن الأعمال تتجسد، اعمال جسد کی شکل اختیار کرلینگے، اعمال حسنہ اچھی صورتوں میں منتقل ہوجائینگے اور اعمال سیئہ بری صورتوں میں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اب سے سو پچاس سال پہلے ہوتا تو ٹھیک تھا آجکل تو یہ اشکال ہونا ہی نہیں چاہئے جبکہ آوازوں کو ٹیپ ریکارڈروں میں محفوظ کرلیا جاتا ہے، فون کے اندر محفوظ کرلیا جاتا ہے، شمسی شعاعوں کو ایکسرے مشین میں ضبط کرلیا جاتا ہے، مقیاس الحرارۃ کے ذریعہ حرارت کی پیمائش کی جاتی ہے، تو اگر اعمال تولے جائیں تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صحائف اعمال تولے جائینگے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام الحرمین، ابوالعباس قرطبی کی یہی رائے ہے، امام فخرالدین رازی نے اس مسئلہ میں جناب رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے معلوم نہیں روایت کی کیا حقیقت ہے؟ فخر رازی نے یہ قول اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے، صاحب روح المعانی نے یہ قول جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے، ان حضرات کی دلیل حدیث البطاقۃ ہے، ترمذی شریف میں تم لوگوں نے حدیث البطاقۃ پڑھی ہوگی کہ ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائیگا اور اسکے نامۂ اعمال کو پیش کیا جائیگا، ننانوے صحائف ہوں گے اور ہر صحیفہ کمدّ البصر ہوگا اور سب معاصی سے بھرا ہوا ہوگا اور ایک پلڑے میں رکھدیا جائیگا، ظاہر ہے کہ وہ پلڑا بھاری ہوجائیگا اور اس آدمی کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوچکا ہوگا، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ کیا تمہارے اوپر میرے فرشتوں نے ظلم تو نہیں کیا؟ وہ کیا کہیگا پھر ارشاد ہوگا کہ آج تمہارے اوپر ظلم نہیں کیا جائیگا پھر بطاقہ (کاغذ کا ایک ٹکڑا) نکالا جائیگا جس پر أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله لکھا ہوا ہوگا اور وہ دوسری طرف رکھا جائیگا، وہ انسان بطاقہ رکھے جانے سے پہلے سوچیگا کہ ان دفاتر کے مقابلہ میں اس کاغذ کی کیا حیثیت ہے؟ مگر جب وہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائیگا تو سارے سجلات ہوا ہوجائینگے، بے وزن ہوجائیں گے اور وہ شہادت وتوحید بھاری ہوجائیگی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحائف اعمال تولے جائینگے، لیکن ان اعمال میں جان اور طاقت اخلاص وللٰہیت سے آتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس بطاقہ میں کیا چیز لکھی ہوگی؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حسنۃ الایمان لکھی ہوگی یعنی ایک ہے ایمان اور ایک ہے حسنہ جو ایمان پر مرتب ہوتی ہے، ایک آدمی کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس

کہنے کی وجہ سے وہ مومن ہو گیا، لیکن زبان سے اسکا یہ کہنا حسنہ ہے یہ اسکے حق میں لکھا گیا ہے اور یہ تولا جائیگا، بعض علماء جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ کہتے ہیں یہ وہ کلمہ ہے جو انسان بالکل آخری وقت میں اپنی زبان سے ادا کرتا ہے جیسے حدیث میں وارد ہے من کان آخر کلامہ لا إله إلا الله دخل الجنة، یہ دو قول ہو گئے۔

پھر یہاں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ جو اعمال تولے جائینگے آیا اس میں تعمیم ہے کہ ہر شخص مومن و کافر کا عمل تولا جائیگا یا صرف مومنین کے اعمال تولے جائینگے کفار کے نہیں؟ اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

وہ ستر ہزار لوگ جن کے بارے میں بخاری، مسلم میں وارد ہوا ہے کہ بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کئے جائینگے اسیطرح وہ کافر جسکے پاس کفر ہی کفر ہو نہ کوئی حسنہ ہو اور نہ معصیت وہ بلا حساب جہنم میں ڈال دئے جائینگے، اسکے علاوہ جو مومنین ہیں ان کے اعمال تو بالاتفاق تولے جائینگے۔

لیکن کفار کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کے اعمال کا محاسبہ ہو گا یا نہیں؟ ابو بکر بن عبد العزیز، ابو الحسن تمیمی، قاضی ابو یعلٰی فرماتے ہیں کہ ان کفار کو بھی بے حساب جہنم میں ڈالدیا جائیگا، شیخ ابو طالب مکی، ابو حفص برمکی، ابو سلیمان دمشقی فرماتے ہیں کہ ان کا بھی حساب کتاب ہو گا، اور نصوص کے اطلاقات اسی بات کو مقتضی ہیں اور اسی کو محققین علماء نے راجح قرار دیا ہے، قرآن کریم کی ایک آیت ہے ﴿فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون۝ ومن خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم في جهنم خالدون۝ ألم تكن آياتي تتلى عليكم فكنتم بها تكذبون﴾، وہ اسی قول کو ترجیح دیتی ہے۔

تولنے کی صورت کیا ہو گی؟ اس میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں کہ کفر ایک طرف رکھدیا جائیگا اور دوسری طرف کچھ نہیں ہو گا، بعض کہتے ہیں ایک طرف کفر اور جو معاصی ہیں وہ رکھدی جائینگی اور اگر کوئی نیکی کی ہے تو دوسری طرف اسکو رکھا جائیگا ورنہ خالی رہیگا۔

ایک مسئلہ یہ اختلافی ہے کہ ایمان بھی تولا جائیگا یا نہیں؟ حکیم ترمذی صاحبِ نوادر الاصول اور ابو عبد اللہ القرطبی صاحب التذکرہ کی رائے یہ ہے کہ ایمان نہیں تولا جائیگا، اس پر اشکال ہوتا ہے حدیث البطاقہ سے اسلئے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تولا جائیگا، ان حضرات نے اسکا جواب دیا کہ وہاں ایمان نہیں تولا جائیگا بلکہ حسنۃ الایمان تولا جائیگا۔

وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن: یہاں دو نسخے ہیں، ایک نسخہ ہے واقوالهم، یہ قابسی کا نسخہ ہے اس پر کوئی اشکال نہیں، دوسرا نسخہ جو ہمارے متن میں ہے وہ اعمال کے جمع اور قول کے مفرد کیساتھ ہے، اشکال یہ ہے کہ اعمال کو جمع اور قول کو مفرد کے صیغہ سے کیوں استعمال کیا گیا؟ ہمارے حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم نے اسکا جواب یہ دیا کہ چونکہ اعمال کا صدور جوارح سے ہوتا ہے اور جوارح متعدد ہیں اسلئے اعمال جمع کیساتھ لایا گیا، اور قول کا صدور زبان سے ہوتا ہے اور زبان ہے ایک اسلئے اسے مفرد لایا گیا۔

وقال مجاهد: القسطاس: قسطاس کے قاف پر ضمہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔

العدل بالرومية: یعنی قسطاس رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں رومی اور غیر عربی زبان واقع ہوئی ہے، یہ مسئلہ خود مختلف فیہا ہے کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ وکلمات واقع ہوئے ہیں یا نہیں؟ امام شافعی، ابوعبیدہ معمر بن مثنی، ابن جریر طبری وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں کوئی غیر عربی لفظ واقع نہیں ہوا ہے، لیکن ابو میسرہ عمرو بن شرجبیل کہتے ہیں في القرآن من كل لسان، اسی کو علامہ سیوطی نے اختیار کیا ہے، بہت سے تابعین سے قرآن کے بہت سے الفاظ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ فلاں لفظ رومی زبان کا ہے یا حبشی زبان کا یا فلاں زبان کا لفظ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں معرب الفاظ واقع ہوئے ہیں۔

علماء نے ایسے الفاظ جن کو معرّب کہا گیا ہے شمار کیا ہے، علامہ تاج الدین سبکی نے ان کو شمار کر کے اشعار میں جمع کیا ہے وہ ستائیس الفاظ ہیں، حافظ ابن حجر آئے اور انہوں نے اس پر چوبیس الفاظ کا اضافہ کر دیا اور ان کو بھی اشعار کی شکل میں ضبط کر دیا، علامہ جلال الدین سیوطی تشریف لائے تو انہوں نے ساٹھ سے زائد کا اضافہ کیا، مجموعہ سو سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ واقع نہیں ہوئے ان کی دلیل قرآناً عربیاً، بلسان عربي مبين، ءأعجمي وعربي ہے، اور باقی جن کے متعلق معرب ہونے کا دعویٰ کیا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ لسان عرب بہت وسیع ہے اسکا احاطہ کسی کے بس کا نہیں سوائے نبی کے، چونکہ لوگوں کو پتہ نہیں چلا اسلئے کہدیا کہ فلاں زبان کا لفظ ہے فلاں زبان کا لفظ ہے، بعض کہتے ہیں یہ من باب توارد اللغات ہے، تنور کا لفظ عربی

رومی فارسی سب زبان میں استعمال ہوتا ہے، اور بعض نے کہا کہ جب ان الفاظ کو لیکر اہل عرب نے تصرف کیا اور اسکو اپنے یہاں استعمال کیا تو وہ غیر عربی الفاظ رہے ہی نہیں عربی الفاظ بن گئے، بہر حال اسکے متعلق میں تفصیلی کلام کتاب فضائل القرآن باب أنزل القرآن بلسان قریش و العرب مین کر چکا ہوں اور ویسے ابواب التہجد میں بھی۔

ویقال القسط مصدر المقسط وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر: قسط مقسط کا مصدر ہے، قِسط بکسر القاف عدل کے معنی میں آتا ہے اور قَسط بفتح القاف ظلم کے معنی میں آتا ہے، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قسط مقسط کا مصدر ہو اسلئے کہ مقسط باب افعال کا اسم فاعل ہے اسکا مصدر تو اِقساط ہے قِسط مصدر کیسے ہوا؟ اسکا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ یہ اصل الاصل ہے اسلئے اسکو مصدر المقسط قرار دیا گیا، کیونکہ مزید کی اصل تو مجرد ہی ہوا کرتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اسکو مصدر بتایا گیا بحذف الزوائد۔

اگر مقسط قِسط بمعنی العدل سے ماخوذ ہے تب تو کسی توجیہ کی ضرورت نہیں اور اگر قَسط سے ماخوذ ہے جو بمعنی ظلم ہے تو اس صورت میں اقساط کا ہمزہ سلب ماخذ کا ہے، اسلئے کہ قَسط کے معنی ظلم کے ہیں اور اقساط کے معنی ہوئے سلب الظلم کے اور سلبِ ظلم عدل ہے اسلئے اقساط کا معنی عدل کرنا ہوا اور مقسط کہتے ہیں عادل کو اور قاسط کہتے ہیں ظالم کو۔

جب سعید بن جبیر پکڑ کر حجاج بن یوسف کی خدمت میں حاضر کئے گئے قتل کے واسطے تو اس نے پوچھا ماتقول فیّ، میرے بارہ میں تو کیا کہتا ہے فرمایا قاسط عادل، حجاج قرآن کا پکا حافظ تھا کہنے لگا کہ یہ شخص مجھے کافر اور جہنمی قرار دے رہا ہے، قاسط سے وأما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا اور عادل سے اشارہ کر رہا ہے والذين كفروا بربهم يعدلون کی طرف، بہر حال اسکے بعد طویل مناظرہ ہوا اور اس ظالم نے حضرت سعید بن جبیر کو قتل کرا دیا، حضرت سعید بن جبیر نے دعاء کی تھی کہ اے اللہ میرے بعد اسکو کسی پر قدرت حاصل نہ ہو چنانچہ پھر اسکو کسی پر قدرت حاصل نہیں ہوئی اور ہلاک ہوا۔

۷۵۶۳- حدثني أحمد بن إشكاب، حدثنا محمد بن فضيل، عن عمارة بن القعقاع، عن أبي زرعة، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلمتان حبيبتان إلى الرحمن،

خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان: سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم.

حدثنا أحمد بن اشكاب: اشکاب بکسر الہمزة وفتحہا دونوں جائز ہے، اور یہ غیر منصرف ہے اور بعض نے کہا کہ یہ منصرف ہے۔

حدثنا محمد بن فضيل: یہ حدیث بطریق محمد بن فضیل امام بخاری، امام مسلم، احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور بقیہ سارے محدثین نے تخریج فرمائی ہے، امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

كلمتان حبيبتان إلى الرحمٰن خفيفتان على اللسان ثقيلتان في الميزان: دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں، خفیف ہیں زبان پر، رحمٰن کے یہاں محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے پڑھنے والے رحمٰن کو محبوب ہیں، زبان پر خفیف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے ادا کرنے میں زبان کو کوئی ثقل محسوس نہیں ہوتا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ ادائیگی میں تو بہت خفیف اور اللہ کے یہاں ترازوئے اعمال میں بڑے ثقیل اور وزن دار، وہ دونوں کلمے کیا ہیں؟

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم: اللہ تعالیٰ عیوب سے منزہ ہے اور حمد سے متلبس ہے، اللہ تعالیٰ شانہ ہر عیب سے منزہ ہے اور عظمت والا ہے۔

یہ دونوں کلمے اپنے اختصار کیساتھ کلمۂ توحید کے مضمون کو شامل ہیں، لا إله إلا الله، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تمام کمالات کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے اسلئے وہی مستحق عبادت ہے، سبحان الله وبحمده کے اندر اسی بات کو بیان کیا گیا ہے، سبحان الله سے اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ وہ تمام نقائص سے پاک ہے اور وبحمده سے اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ تمام محامد سے متصف ہیں، اور سبحان الله العظيم میں بھی یہی تقریر ہے، العظیم بڑی عظمت والا اور بڑی عظمت والا وہ ہے جسکے اندر کوئی نقص وعیب نہ ہو، اور اگر کسی قسم کا نقص وعیب ہوا تو مکمل عظمت والا نہ ہوا، اسکی عظمت میں نقص اور کمی اور کھوٹ پیدا ہو گیا، تو حقیقت یہ ہے کہ یہ کلمہ اپنے دامن میں کلمۂ توحید کو لئے ہوئے ہے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب کو تسبیح کے کلمہ پر ختم کیا، اس سے امام بخاری نے اس دعاء کی طرف اشارہ کیا ہے جو خاتمۃ المجلس پر پڑھی جاتی ہے سبحانک اللھم ربنا وبحمدک أشھد أن لا إلہ إلا أنت استغفرک و أتوب إلیک، وہ حدیث یاد دلائی اور اس پر مجلس کا خاتمہ کر دیا ہے اور کتاب کو ختم کر دیا ہے۔

اب ایک بات اور سن لو! قاعدہ ہے کہ جس کتاب کی ابتداء اور انتہا میں مناسبت ہوتی ہے وہ کتاب مصنف کے براعت اور اسکے تفوق اور فضل وکمال کی کھلی ہوئی دلیل ہوا کرتی ہے، یہاں بعینہ یہی صورت حال ہے اور بخاری کے ابتداء وانتہاء میں مناسبت ہے اور یہ مناسبت دو طرح کی ہے، ایک مضمون کے اعتبار سے دوسرے حدیث کے اعتبار سے، مضمون کے اعتبار سے مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے ایمان سے کتاب کی ابتدا کی تھی کیونکہ بدء الوحی تو تمہید تھی اور ایمانیات پر ہی کتاب کو ختم کر دیا کہ ذات وصفات کے مسائل بیان کر دئے، دوسری مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے کتاب کی ابتدا بدء الوحی سے کی ہے جو کلام ہے اور مسائل کلام پر کتاب کا اختتام فرمایا۔

اسی طرح حدیث میں بھی مناسبت ہے، سنداً بھی اور متناً بھی، سندی مناسبت کئی وجہ سے ہے، اول پہلی حدیث کی ابتداء حمیدی سے کی اور اختتام احمد بن اشکاب کی حدیث پر کیا دونوں کا مادہ حمد ہے، گویا کتاب کی ابتداء اور انتہاء مادۂ حمد سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میری نیت بھی ابتداءً محمود اور انتہاءً محمود ہے، لہذا قاری کتاب کو بھی اپنی نیت از ابتداء تا انتہا محمود رکھنی چاہئے اور اپنے اعمال کو محمود بنانے کی فکر کرنی چاہئے تا کہ جنت میں پہونچے جو دار الحمد ہے جہاں داخل ہونے والے کہیں گے الحمد للہ رب العالمین۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ حمیدی مکی ہیں اور احمد بن اشکاب حضرمی ہیں، حضرمی نسبت ہے حضر موت کی طرف جو یمن میں ہے اور اصلاً انصار بھی یمن کے ہی باشندے تھے، اور وحی کی پہلی منزل مکہ ہے اور آخری منزل مدینہ ہے، تو امام بخاری نے مکی شیخ سے کتاب کی ابتداء کی اور مدنی شیخ پر گویا کتاب کی انتہا کر کے وحی کی دونوں منزلوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے، یہ حکمت اگر چہ تھوڑے سے تکلف پر مبنی ہے مگر حکمتوں میں اسطرح کے تکلفات برداشت کر لئے جاتے ہیں۔

تیسری مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی ابو ہریرہ ہیں اور حدیث نیت کے راوی حضرت عمر ہیں

دونوں مہاجر ہیں اور دونوں مدنی ہیں۔

چوتھی مناسبت یہ ہے کہ پہلی حدیث بھی غریب ہے دوسری حدیث بھی غریب ہے، پہلی حدیث میں یحیٰ بن سعید انصاری منفرد ہیں روایت نقل کرنے میں محمد بن ابراہیم تیمی سے، اور وہ منفرد ہیں علقمہ بن وقاص لیثی سے، اور وہ منفرد ہیں عمر بن خطاب سے نقل کرنے میں، جیسا کہ ترمذی نسائی ابن السکن وغیرہ نے اسکی تصریح فرمائی ہے، اور یہاں محمد بن فضیل منفرد ہیں عمارہ بن قعقاع سے نقل کرنے میں، اور عمارہ منفرد ہیں ابوزرعہ سے اور ابوزرعہ ابوہریرہؓ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، اسی لئے امام ترمذی نے اسکی غرابت کا فیصلہ کیا ہے لیکن اس غرابت سے مراد غرابۃ الاسناد ہے، وہ غرابت مراد نہیں جو علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں استعمال کیا غریب، پھر سراج الدین ابن ملقن شافعی نے تخریج رافعی کبیر میں استعمال کیا غریب، اسلئے کہ انہوں نے غرابۃ الوجود مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس روایت کا کتب حدیث میں کوئی وجود نہیں ہے، اس بات کو اچھی طرح محفوظ رکھو۔

متن میں مناسبت یہ ہے کہ کتاب کی ابتدا کی حدیث نیت سے جو عمل کی ابتداء ہے اور وزنِ اعمال والی حدیث پر انتہاء کی ہے جو عمل پر آخر میں مرتب ہونے والی چیز ہے، یا یوں کہئے کہ حدیث الاعمال سے ابتداء کی ہے اور انتہاء اس حدیث پر کی ہے جس میں وزن اعمال کا ذکر ہے، یا یوں کہئے کہ امام بخاری نے حدیث نیت سے ابتداء کی ہے اور آخر میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں ثقل فی المیزان کا ذکر ہے اور ثقل فی المیزان مبنی ہے اخلاص پر تو گویا امام بخاری نے اول وآخر میں اخلاص پر متنبہ کیا ہے، یہ حکمتیں جو بیان کی ہیں بعض تو بعض سابقین کے کلام سے ماخوذ ہیں لیکن اکثر میری اپنی مستنبط کی ہوئی ہیں، والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

نقلہ و کتبہ من اَدیو کیسنس من درس ۱٤٠٢ھ

محمد ایوب سورتی ۱۰ صفر ۱٤۳۷ھ

باسمہ تعالیٰ! جیسا کہ شروع میں بتایا گیا کہ یہ درس ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء کا ہے، اور احقر مرتب اس سے دس سال پہلے ۱۳۹۲ھ میں دورۂ حدیث شریف میں شریک تھا، بخاری شریف مکمل حضرۃ الاستاذ محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے پڑھی، اس وقت تک شیخ المشائخ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی سہارنپور ہی میں تشریف فرما تھے، اور معمول یہ تھا کہ بخاری شریف کی ابتدا اور انتہاء نیز مسلسلات للشاہ ولی اللہ حضرت شیخ ہی پڑھاتے تھے، احقر کے سال یہی ہوا، چنانچہ جب کتاب ۲۹ رجب ۱۳۹۲ھ کو اختتام کو پہونچی تو استاذ مرحوم نے حضرت شیخ کو دعوت دی، حضرت شیخ بہمہ اعذار و ضعف تشریف لائے اور حسب ذیل کلماتِ مبارکہ ارشاد فرمائے، احقر نے درس میں اسے لکھ لیا تھا، اب الفیض الجاری کی آخری جلد میں حضرت شیخ کے ان کلماتِ پند و موعظت کو تبرکاً و ختامہ مسک کے طور پر نقل کر رہے ہیں۔ از مرتب

کلماتِ مبارکہ

شیخ المشائخ برکۃ العصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد! میرے دوستو! پہلے حدیث کی اکثر عبارت میں خود پڑھتا تھا، ابتداء مدرسی میں بہت شوق تھا حدیث پڑھنے کا، خود عبارت پڑھتا خود تقریر کرتا، مگر ضعف بڑھتا گیا اس میں کمی آتی چلی گئی اور پار سال تک مولانا کے تعمیل حکم میں سبق بھی ختم کراتا رہا، مگر ضعف اتنا ہو گیا کہ بولنا مشکل ہے، بیعت کو بھی کسی کو کھڑا کرا لیتا ہوں، پار سال بھی جوں توں کر کے پڑھا دیا، اس سال جب مولانا نے حکم دیا مجھے تو میں نے درخواست کی کہ تم میری حالت دیکھتے ہو، بولنا مشکل ہے، پیشاب ایسا بے قابو ہے کہ سنت کے درمیان میں پہلی رکعت تو

اطمئنان سے پڑھتا ہوں دوسری پوری نہیں کر سکتا، مگر تعمیل حکم میں یہ قرار پایا کہ یہ تقریر کریں پورے باب پر اور عبارت میں سن لوں گا۔

اللہ جل شانہ تمہارے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے، دیکھو حدیث قیمتی چیز ہے، ادب یہ ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح سے باقی رہے، مطالعہ سے ہو یا حدیث کی کسی کتاب کے دیکھنے سے ہو انشاء اللہ یہ بھی کام دے گا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ دورہ پڑھا، رمضان میں ذکر و شغل کیا اور شوال میں اکابر سے خلافت لے کر چل دیے، حدیث پاک کی جتنی بھی زائد قدر دانی کی جائے، کتاب کی، مصنف کی، اساتذۂ حدیث کی اتنی ہی زائد برکات اس کو حاصل ہوتی ہیں۔

ایک بات اور کہہ دوں کہ مرنا ہر شخص کو ہے، اس سے چھٹکارا نہیں، یہ ضرور کہتے ہیں ہر شخص سے اور تم سے بھی کہ دنیاوی زندگی اسٹیشن پر گاڑی بدلنے کا زمانہ ہے، ایک گاڑی سے اترے دوسری پر سوار ہوئے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے میری مثال ایسی ہے جیسے رستہ چلتے مسافر کسی درخت کے چھاؤں میں بیٹھ جائے، اصل وطن وہی ہے وہیں رہنا ہے، یہ تو اسٹیشن ہے، یہاں قیام کے بقدر جتنا مشغول ہو گا اتنا ہی حق ہے، وہاں قیام کے بقدر جتنی مشغولی ہو گی وہ حق ہے، جو لے جاؤ گے وہ ساتھ جائے گا، بعد میں نہ بیوی نہ بیٹا نہ باپ پوچھے، تھوڑی بہت دیر رو تو لیں گے مگر یہ چاہو کہ بھیجتے رہیں، جانی تو شاید بھیج دیں مال کی امید نہ رکھیں۔

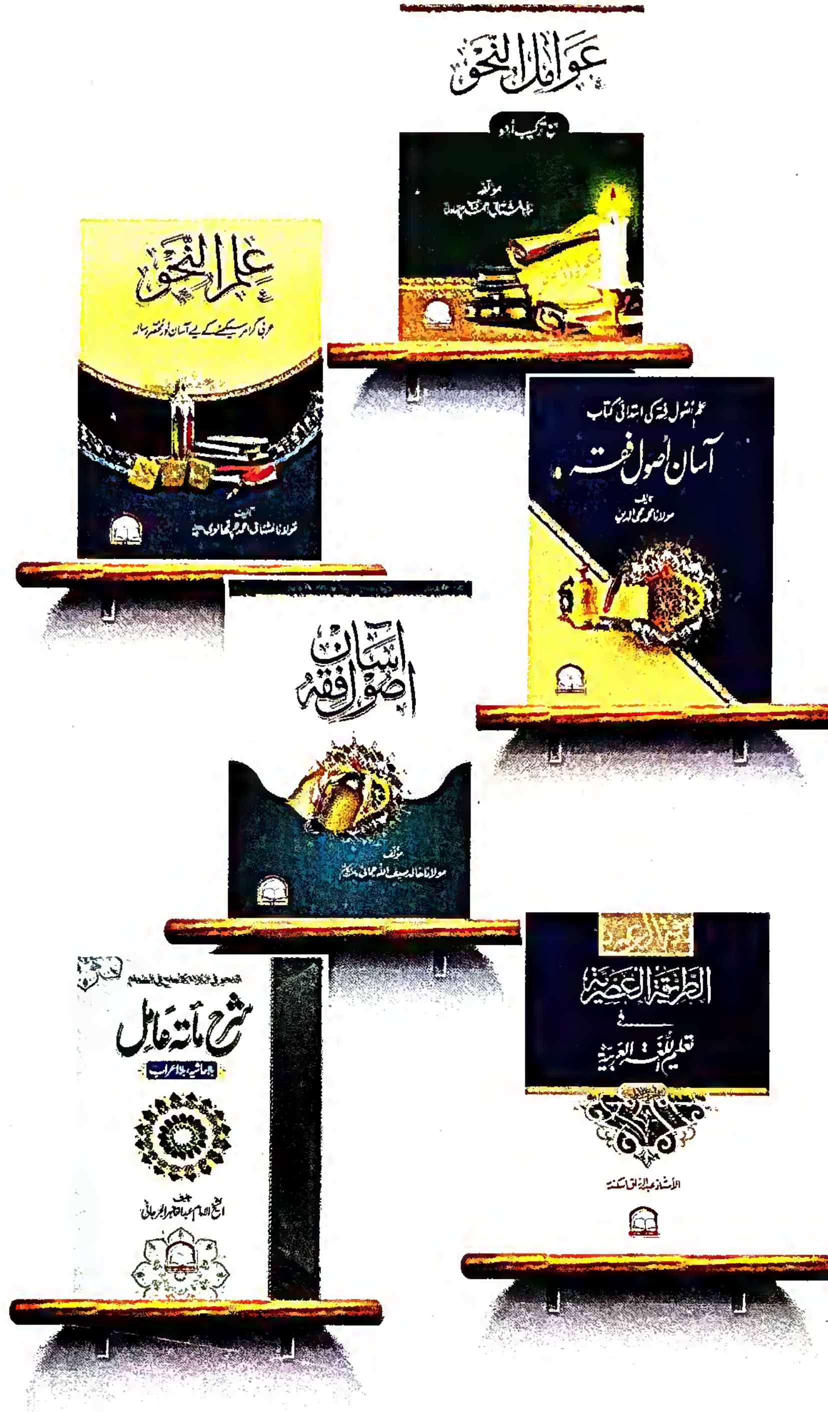
وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اس کے بعد آخری حدیث پڑھی گئی اور دعاء ہوئی۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین

تم المجلد الأخير من الفيض الجارى فى دروس البخارى

و لله الحمد و المنة على التوفيق



مکتبہ رحمانیہ



اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-7224228-7355743